اگر تم علم نہیں رکھتے، تو اہل علم سے دریافت کرو (القرآن)

فتاویٰ بحر العلوم

تصنیفِ لطیف

بقیۃ السلف حجۃ الخلف بحر العلوم

حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی دامت برکاتہم القدسیہ

شبیر برادرز
اردو بازار ○ لاہور


خوشخبری
علماء اہلسنت کی کتب PDF میں
حاصل کرنے کیلئے
تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن
کریں
https://t.me/tehqiqat
گوگل سے ڈاؤن لوڈ کرنے لئے
https://
archive.org/details/
@zohaibhasanattari
طالب دعا زوہیب حسن عطاری

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

فتاویٰ بحرالعلوم

ترتیب وتقدیم: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی صدرالمدرسین جامعہ نوریہ رضویہ، باقر گنج بریلی شریف
تصحیح وتخریج، تحقیق: مولانا عبدالسلام رضوی، استاذ جامعہ نوریہ رضویہ، باقر گنج بریلوی شریف
مولانا محمد حنیف خاں رضوی، مولانا محمد حبیب رضا خاں

باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	اپریل 2010ء/ربیع الثانی 1431ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	مولانا شمس الدین برکاتی مولانا زاہد شاہدی اور ساتھی
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزر لاہور 0345-4653373
قیمت	روپے

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

مکمل 6 جلدیں قیمت -/2800 روپے

شرف انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو علم وعمل کی دو عظیم شخصیتوں کے مبارک ناموں سے منسوب کررہاہوں جن کے علمی وروحانی فیضان نے مجھے علمی خدمات کے لائق بنایا

یعنی

مرشد اعظم احسن العلماء حضرت مولانا

الشاہ **سید مصطفیٰ حیدر حسن** برکاتی مارہروی

و

جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت مولانا مفتی

الشاہ **عبد العزیز صاحب** محدث مرادآبادی

علیہما الرحمۃ والرضوان

ع گر قبول افتد زہے عز وشرف

نیازمند: عبد المنان اعظمی

شمس العلوم گھوسی

فہرست

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

عکس تحریر حضرت بحر العلوم

(یہ فتویٰ رجسٹر فتاویٰ میں تاریخ کے اعتبار سے ہمیں سب سے پہلا ملا)

۱) چندہ، ہدیہ کا نذرانہ یا چندہ وغیرہ میں بلا کسی [illegible] جائز نہیں ۔ ہدایہ میں ہے ۔ لا رجوع فی الصدقۃ لان
المقصود ھو الثواب وقد حصل وکذا اذا تصدق علی الغنی لانہ قد یقصد بالتصدق علی الغنی الثواب
وقد حصل ۔ صورت مسئولہ میں لوٹانا نہیں ۔ کہ اسکا مقصد حصول ثواب ، اور وہ مل چکا ، البتہ اگر ہدیہ کیا
یا نذر کر دیا گیا ۔ جہاں بھی مقصد حصول ثواب ہو لوٹانا جائز نہیں ہے ۔ اور مسجد وقف اور چندہ
کیلئے جو چندہ ہو گیا ۔ وہ گو شرعاً ہبہ کہہ لیجئے مگر اس کی حیثیت ثواب ہی کی ہے [illegible] نہیں ۔
عالمگیری میں ہے ۔ رجل اعطی درھما او دنانیر فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد او مصالح المسجد
صح لانہ لا یمکن تصحیحہ وقفاً یمکن تصحیحہ تملیکا بالھبۃ [illegible] الملک علی ھذا الوجہ للمسجد صح ۔
کسی نے مسجد کی عمارت یا فرش یا لوازمات مسجد یا دیگر مصالح کیلئے روپیہ دیا تو صحیح ہے کہ اسکا وقف
مسجد پر اگرچہ صحیح نہیں ۔ لیکن بطور ہبہ مسجد کی ملک اس پر ثابت ہو گئی ۔ تو جو شخص خود
واپس مانگے یا دوسروں [illegible] ۔ ہاں اگر ابھی اسکو [illegible]
[illegible] اسکا چندہ [illegible]
[illegible] خود اس مصرف میں صرف کریگا ۔ تو وہ [illegible] ۔ واللہ اعلم

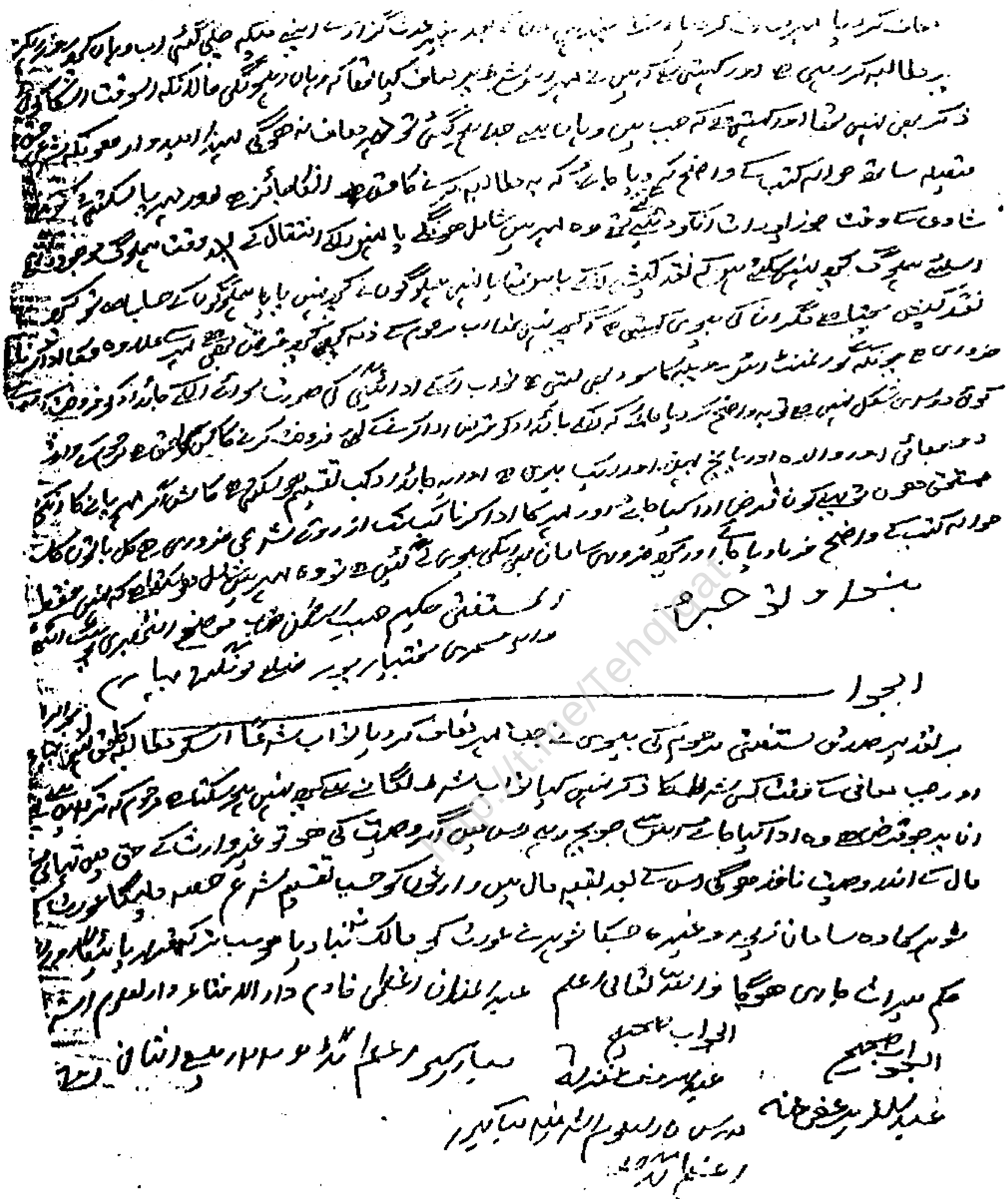
عبد المنان اعظمی ۱۲ [illegible] ۱۳۷۵ھ

طلاق

(۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بیوی کے میکے گیا ، اور کسی
بات پر غصہ ہو کر اپنی بیوی سے چند عورتوں کے سامنے یہ کہا ۔ کہ گھر جا کر تجھے طلاق نامہ بھیج دوں گا ۔
لیکن گھر پر آنے کے بعد طلاق نامہ لکھ کر نہ بھیج سکا ۔ بلکہ آج تک افسوس کرتا رہا ۔ اس صورت
میں طلاق پڑی یا نہیں ۔ تحریر فرمائیں ۔ [illegible]

الجواب ۔ صورت مسئولہ میں زید کی عورت پر طلاق نہیں پڑی ۔ کیونکہ یہ طلاق کا وعدہ
و ارادہ ہے ۔ اور وعدہ یا ارادہ سے طلاق نہیں پڑتی ۔ قدوری میں ہے [illegible] الفعل لا تتم بمجرد النیۃ

عکس فتویٰ بقلم ناقلین فتاویٰ



عکس فتویٰ بقلم ناقلین فتاویٰ

[illegible]

عکس فتویٰ بقلم ناقلین فتاویٰ

(یہ فتویٰ تاریخ کے اعتبار سے سب سے آخری ہے)

[illegible] مسجد [illegible] شہید کی گئی ہے

المستفتی
محمد مبین اشرفی مقام کرشنگا [illegible]
جامع [illegible] اسلام پور ضلع [illegible] دیناج پور بنگال

الجواب

اذان کے کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر طور پر منقول ہیں۔ علما کے نزدیک اس میں کمی اور زیادتی ممنوع ہے۔ بدائع صنائع جلد اول میں ہے۔ فصار علی هيئة المعروفة المتواترة من غير زيادة ولا نقصان [illegible]
اذان کس طرح کہی جاتی ہے یہ سب کو معلوم ہے متواتر طریقہ پر۔ اس میں کچھ بھی کمی یا زیادتی نہ کرنا چاہیے یہی علما کا قول ہے۔ پنج وقتہ نماز ہو یا دیگر بلا و وبا اور دیگر امور کیلیے۔ عالمگیری اول ص ۵۶ میں ہے حتى قالوا في الذي يؤذن في اذن المولود ينبغي ان يحول وجهه يمينا وشمالا عند هاتين الكلمتين اي حي على الصلوة وحي على الفلاح "علما فرماتے ہیں جو مولود کے کان میں اذان دینے والا ہو اسکا لحاظ کرے کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کہتے دائیں اور بائیں منہ پھیرے"۔ پس صورت مسئولہ میں حی علی الصلوۃ کے بجائے دافع البلاء والوباء [illegible] کلمات کہنا روا نہ ہوگا
حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے حاشیہ جلد اول ص ۲۵۸ پر علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا [illegible]
[illegible] كتب الشافعية [illegible] ليس الاذان بغير الصلاة كالاذان للمولود وعند انزال الميت في القبر قياسا على اول خروجه للدنيا ورده ابن حجر [illegible] كتب شافعیہ میں لکھا ہے کہ نماز کے علاوہ چند امور کیلیے اذان منقول ہے۔ جیسے نومولود کے کان میں اذان کہنا اور اس پر قیاس کرکے مردہ کو قبر میں دفن کرکے اذان کہنا کہ جب دنیا میں آیا تو اذان دنیا سنائی گئی اور جب جا رہا ہے تب بھی اسکو اذان سنادی جائے۔ ابن حجر نے اسکو رد کیا ہے۔ لیکن ہم حنفیوں کے نزدیک اس میں کوئی بعد یا حرج نہیں۔ کسی کتاب میں بار بار اذان کہنے کی تصریح نہیں ملی اس لیے ایک ہی بار اذان کہے [illegible]
ہم نے آپ کے بیان سے یہ سمجھا کہ مسجد کے فرش سے اندر چھت والے حصہ میں جانے کیلیے جو دروازہ کی زینہ ہے وہ مسجد میں شامل ہے یا نہیں۔ جواب یہ ہے کہ عام طور سے داخل مسجد حصہ شامل ہوتی ہے وہاں جمعہ کی اذان کہنا مکروہ و ممنوع ہے
جب ممبر خطبہ کیلیے کافی تھا تو اسکے دائیں بائیں جوڑا کرنے میں نماز پڑھنے کی جگہ گھیری گئی اور [illegible] کرنا منع ہے۔
[illegible] ابو المعانی [illegible] مدرس [illegible] گھوسی ضلع مئو
۴ جمادی الآخرہ ۲۶ھ

فہرست جلد اول

کتاب الطہارت

پاکی کا بیان

وضو کا بیان

غسل کا بیان

نجاست کا بیان

حیض کا بیان

کتاب الصلوۃ

نماز کا بیان

اذان کا بیان

اقامت کا بیان

رکوع کا بیان

سجدہ کا بیان

امامت کا بیان

امامت فاسق کا بیان

نوافل کا بیان

تہجد کا بیان

مکروہات نماز کا بیان

قضا نمازوں کا بیان

نماز مسافر کا بیان

تراویح کا بیان

دعا کا بیان

درود شریف کا بیان

جمعہ کا بیان

فہرست مسائل ضمنیہ

کتاب الجنائز

کتاب النکاح

کتاب الحظر والاباحۃ

کتاب الوقف

دیگر وقفی چیزوں میں بھی اس سے پرہیز چاہئے مجبوری کی صورت میں لگا سکتے ہیں..........۱۸۴
مسجد کے کسی چیز یا کل نیز کوئی دوسری تعمیر نا جائز ہے..........۱۸۶
مسجد کے لئے جو چیز ہو اس کو کرایہ پر دینا حرام ہے..........۱۸۷
اپنے گھر کی بجلی سے مسجد میں روشنی کرنا جائز ہے..........۱۸۷

کتاب السیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم حدیث کی ترویج و اشاعت اور درس و تدریس کرنے والوں کے لیئے

دعائے نبوی

اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و تر رکھے جو ہم سے کوئی بات سن کر اسی طرح آگے پہنچا دے جیسے سنی تھی

الحدیث

نضر اللہ امرأ سمع منا

شیئا فبلغہ کما سمعہ

بحرالعلوم............ایک ہمہ جہت شخصیت

شہزادۂ احسن العلما امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں صاحب قبلہ قادری

زیب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ ''امام احمد رضا اکیڈمی'' بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی (شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی) کے فتاویٰ منظر عام پر لا رہی ہے۔ حضرت بحرالعلوم کی پُر وقار شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ گونا گوں اوصاف وکمالات کے جامع ہیں اور نام ونمود اور شہرت وجاہ طلبی کے لوث سے پاک پُر خلوص دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ پاکیزگی عمل، طہارت فکر اور اصابت رائے آپ کا امتیازی جوہر ہے۔ متانت وسنجیدگی، حلم وبردباری، تقویٰ وطہارت اور اعلیٰ ظرفی دیکھ کر اسلاف کرام کی پُر خلوص زندگی ذہن وفکر میں گردش کرنے لگتی ہے۔ درس وتدریس، فقہ وافتاء، تصنیف وتالیف اور دعوت وارشاد میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے، دقیق ترین مسائل بھی بآسانی طلبہ وسامعین کے ذہن میں اتار دیتے ہیں اور یہ سب آپ کے مشفق اساتذہ خصوصاً حضرت حافظ ملت اور علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب علیہما الرحمہ کا ''فیضان نظر'' اور الجامعۃ الاشرفیہ جیسے عظیم ''مکتب کی کرامت'' ہے۔

ان کی سادگی، تفقہ اور علمیت کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو ان سے مل چکے ہیں۔ ''البرکات'' کے قیام کے سلسلہ میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جو سیمینار ہوا تھا اس میں حضرت والا کی تقریر سن کر بڑے بڑے پروفیسر اور دانشور انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔ میرے والد ماجد حضور احسن العلماء ان سے بہت محبت فرمانے کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت وعلمیت پر اعتماد بھی فرماتے تھے اور شاید اسی وجہ سے والد ماجد علیہ الرحمہ نے ان کو اپنی خلافت سے بھی نوازا تھا۔

حضرت بحرالعلوم کا تعلیمی سفر کچھ اس طرح ہے کہ آپ نے از ابتداء تا انتہا پوری تعلیم مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں حاصل کی۔ ۲۲ رسال کی عمر میں ۱۰ رشعبان المعظم ۱۳۶۶ھ میں درس نظامی سے فراغت پائی اور چند سالوں مدرسہ انوار العلوم تلسی پور، گونڈہ میں تعلیم دے کر ۱۳۷۵ھ میں باقاعدہ الجامعۃ الاشرفیہ کے درجات عالیہ کے استاذ ہو گئے اور تین سال بعد آپ کو ۱۳۷۸ھ میں اشرفیہ میں مسند افتاء کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی اور آخر میں رئیس المدرسین اور شیخ الجامعہ کی حیثیت سے بھی آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کی گراں قدر خدمات

انجام دیں۔۱۴۰۲ھ میں جامعہ سے سبک دوش ہوکر شمس العلوم گھوسی کو رونق بخشی اور اب تک آپ وہیں بحیثیت شیخ الحدیث و شیخ الافتاء تشریف فرما ہیں۔

آپ نے اب تک کے اپنے ۶۵ رسالہ تدریسی دور میں ہزاروں تشنگان علوم وفنون کو سیراب کیا،کہنہ مشق علما وفضلا تیار کیے جو آج دنیا کے طول وعرض میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ایک زمانہ ان کے علم وفضل کا قائل ہے۔

حضرت بحرالعلوم نے ۱۳۷۶ھ سے اب تک لگا تار مسند افتاء کو زینت بخشی،ابتدائی دور میں حضور حافظ ملت اور حافظ عبدالرؤف صاحب کی سرپرستی میں فتویٰ نویسی کی اور ان دونوں حضرات کے وصال فرما جانے کے بعد ان کی روحانی سرپرستی میں یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔اپنے اس ۵۵ سالہ دور افتاء میں بے شمار فتاویٰ تحریر فرمائے۔اگر چہ تمام فتاویٰ محفوظ نہ رہ سکے مگر جو محفوظ ہیں وہ بھی کم نہیں۔

آپ کے فتاویٰ چھ جلدوں پر مشتمل ہیں،جلد اول سے جلد ششم تک نظریں دوڑا لیجیے آپ کو حضرت بحرالعلوم کی واقعی شخصیت کا علم ہو جائے گا۔میں نے اگر چہ فتاویٰ کی جلدوں کا مطالعہ نہیں کیا مگر اپنے سابقہ تجربات کی بنیاد پر نیز مفتی محمد حنیف خاں رضوی کے مطالعہ پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ یہ فتاویٰ علم وفضل اور حقیقت ومعرفت کا گنج گرانمایہ ہیں۔اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ کوشش کر کے ان فتاویٰ کو زیور طبع سے آراستہ کیا جائے۔الحمدللہ! مفتی محمد حنیف خاں رضوی نے انتہائی جدوجہد کر کے فتاویٰ کی ترتیب وتدوین فرمائی اور اپنے تحقیقی وفلاحی ادارہ ''امام احمد رضا اکیڈمی'' سے اس کو شائع کیا۔فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ میری بارگاہ خداوند قدوس میں دعا ہے کہ پروردگار حقیقی ان فتاویٰ کو قبول عام کا شرف بخشے،حضرت بحرالعلوم کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے اور رہتی دنیا تک یہ فیضان قلم رواں دواں رہے۔ان فتاویٰ کی نشر واشاعت کرنے والا ادارہ ''امام احمد رضا اکیڈمی'' یوں ہی سدا دین وملت کی نمایاں خدمات انجام دیتا رہے اور رب قدیر دست غیب سے اس ادارہ کی مدد فرمائے۔آمین.

آخر میں ارباب عقیدت ومحبت کو میرا مشورہ ہے کہ فتاویٰ بحرالعلوم کو اپنا قیمتی سرمایہ سمجھ کر حاصل کریں اور حتی الامکان اس سے مستفیض ہونے کی کوشش کریں۔

میں ایک بار پھر ''امام احمد رضا اکیڈمی'' کے اراکین کو اس علمی کام پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور بارگاہ رب العزت میں دعا کر رہا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت بحرالعلوم کے علم وعمل اور جمال وکمال میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔(آمین)

سید محمد امین قادری

خادم سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ

تاریخ: ۲؍ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ

بحرالعلوم.....................ایک تاثر

شہزادۂ احسن العلما شرف ملت حضرت سید محمد اشرف صاحب قادری
خانقاہ برکاتیہ بڑی سرکار مارہرہ مطہرہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھے علم نہیں کہ علامہ مفتی عبدالمنان صاحب مدظلہ العالی کو ''بحرالعلوم'' کا لقب کب اور کس ذات نے عطا فرمایا، لیکن اتنی بات اچھی طرح یاد ہے کہ یہ سادہ لباس وسادہ مزاج مفتی اس وقت بھی بحرالعلوم کے لقب سے معروف تھے جب حضور سید العلما، حضور احسن العلما، حضور مفتی اعظم، حضور حافظ ملت، حضور مجاہد ملت اور مفتی شریف الحق (قدست اسرارہم) جیسے جید روحانی اور علمی اکابر دنیا میں موجود تھے اور یہ سب بحرالعلوم کی علمیت اور اخلاص دینی کے باوصف ان کے قدرداں تھے۔

بحرالعلوم کے وطن مولود مبارک پور سے ان کی موجودہ رہائش گاہ شمس العلوم گھوسی کا فاصلہ چند میل ہے لیکن یہ مختصر سا فاصلہ علمی اسفار پر محیط ہے۔ ان علمی اسفار میں ایسے سیکڑوں مراحل درپیش آئے جنھیں بحرالعلوم نے علمی سرشاری کے جذبے اور کامرانی کے پرچم کے ساتھ طے کیا۔

فتاویٰ رضویہ کی ترتیب وطباعت میں بحرالعلوم کی مساعی نے ''رضویات'' کے ضمن میں ان کا نام روشن اور بڑے حروف میں لکھ دیا ہے اور ان کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک اہل سنت وجماعت کے علما اور عوام کے کام آئے گا۔ بحرالعلوم کے خود اپنے فتاویٰ ترتیب وتہذیب کے بعد طباعت کے مرحلے میں ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ ۷ر نومبر ۲۰۰۹ء کو عرس قاسمی برکاتی، مارہرہ شریف کی خرقہ پوشی کی بابرکت نورانی شب میں ان چھ جلدوں کی رونمائی ہوگی۔ ان دو بڑے اور گراں قدر علمی کاموں کے علاوہ مفتی صاحب قبلہ نے دینی موضوعات پر سادہ وسلیس زبان میں ہزاروں صفحات قلم بند کیے ہیں۔ ان کی تمام زندگی میدان تدریس میں گزری۔ اس پیرانہ سالی کے باوجود وہ آج بھی درس دیتے ہیں۔ اہل سنت سے وابستہ برصغیر ہند وپاک کی بڑی اور نمایاں دینی درسگاہ ''الجامعۃ الاشرفیہ'' سے مفتی صاحب کا تعلق برس دو برس نہیں تقریباً تین دہائیوں کا تھا۔ سبک دوشی کے وقت وہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث تھے۔ آج ہزاروں علمائے کرام ان کو اپنا استاذ یا استاذ الاساتذہ کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

خانقاہ برکاتیہ کے ''گل سرسبد'' میرے والد گرامی اور مرشد اجازت حضور احسن العلما علیہ الرحمۃ والرضوان مفتی صاحب کی تقریر بہت پسند فرماتے تھے اور تعریفاً کہتے تھے: ''بحرالعلوم کی زبان میں موتی

ہے"۔ حضور احسن العلما قدس سرہ نے عرس قاسمی برکاتی کی محفل میں بحرالعلوم کو سلسلہ قادریہ برکاتیہ کی خلافت بلا طلب عطا فرمائی تھی۔

سادہ بیانی، سادہ مزاجی اور سادہ لباسی بحرالعلوم کی دستار کے وہ طرے ہیں جن پر ہزاروں رنگینیاں قربان۔ بحرالعلوم کا توکل مثالی ہے۔ میں بذات خود اس بات کا شاہد ہوں۔

ان کی ذات والا صفات علم وعمل، تصلب و اعتدال، حکمت ودانائی، دل جوئی ودل آسائی، سادگی وتوکل، خوش گمانی اور خوش بیانی کا ایسا نورانی امتزاج ہے جو خود ان کو روشن رکھتا ہے اور ان سے ملنے والوں کو بھی پر نور کر دیتا ہے۔

مفتی صاحب قبلہ سے ملئے، کچھ دیر فیض صحبت اٹھایئے تو رخصت ہوتے وقت میر کا یہ قطعہ یاد آتا ہے:

ملیے اس شخص سے جو آدم ہووے ناز اپنے کمال پہ جسے کم ہووے
جب گرم سخن ہو تو گرد آوے مخلوق اور خاموش ہو تو اک عالم ہووے

پچھلے چالیس برسوں میں سواد اعظم کے بیشتر اکابر علمائے کرام اور روحانی قائدین اس جہان فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اس صورت حال میں بحرالعلوم مدظلہ العالی کا وجود ہم سب کے لیے پہلے سے بھی زیادہ قیمتی ہو گیا ہے۔ اللہ رب العزت ہزار ہا علما کے مشفق استاذ، ہزار ہا صفحات کے خوش فکر مصنف اور حکمت ودانائی کے اس پیکر نور کا دم قدم سلامت رکھے اور ہم سب کو ان سے مستفید و مستفیض ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائے۔ آمین بجاہ الحبیب الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ع:

اے اہل زمانہ قدر کرو نایاب نہ ہوں کم یاب ہیں ہم

سید محمد اشرف قادری برکاتی خانقاہ برکاتیہ

بڑی سرکار مارہرہ مطہرہ

۲۲ر شوال المکرم ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۲/۱۰/اکتوبر ۲۰۰۹

عرض حال

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ

دامت برکاتہم القدسیہ شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی (صاحب فتاویٰ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

امابعد

فکر وتدبر اور دانش وبینش کے ساتھ قرآن عظیم کی تلاوت اور احادیث کریمہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ دین اسلام کے ان بنیادی صحیفوں میں جملہ انسانی طبقات اور انسانی زندگی کی جملہ جہات کے لیے مکمل ہدایات اور جامع قوانین واحکام کا وافر ذخیرہ ہے جب کہ دیگر مذاہب اور دستورہائے زندگی اس عظیم خصوصیت سے تہی دامن ہیں۔

اسلامی نظام کی اس پاکیزہ جامعیت اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فخر آدم وبنی آدم پیغمبر اسلام فداہ ابی وامی کی پرتاثیر شخصیت کی کرامت نے تیئیس سال کی مختصر مدت میں ریگ زار عرب میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور سیاست وامامت سے نا آشنا عرب میں ایک بے مثال اسلامی ریاست قائم کر دی جس کے انصاف وصداقت اور عظمت کرامت کی ساری دنیا گواہ ہے۔

عہد رسول وصحابہ کے بعد جن لوگوں کو دینی ریاست اور ملی قیادت حاصل ہوئی ان کی شان بھی ایسی تھی کہ بقول شخصے: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کمال ہے کہ حکومت وفرماں روائی سے زندگی بھر کوئی علاقہ نہ رکھتے ہوئے بھی انہوں نے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ایک ایسا دستور تیار کر دیا کہ اس کے بعد جتنی حکومتیں آئیں اسی دستور کو اپنی ریاست میں نافذ کرنے پر مجبور ہوئیں۔

بل کہ آج جب پوری دنیا سے اسلامی حکومتوں کا تقریباً خاتمہ ہو گیا ہے، ہر طرف آزادی اور بے راہ روی اور دین سے بیزاری کا دور دورہ ہے پھر بھی دنیا میں مسلمان قوم فی الجملہ اسی نظام کو رضا کارانہ طور پر قائم رکھے ہوئے ہے جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ پورے عالم میں جہاں کہیں دینی درسگاہیں ہیں یا قومی ادارے ہیں انہیں لازماً اپنے یہاں دار الافتاء کا شعبہ بھی قائم کرنا پڑتا ہے اور اشاعتی تنظیموں کو بھی اپنی میگزینوں میں رسائل ومسائل اور سوال وجواب کا گوشہ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

تجربہ کے طور پر آپ صرف فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کریں جو بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔اس میں آپ کو عرب وعجم، افریقہ وایشیا کے مختلف علاقوں اور عوام وخواص، جہلا اور علماء، راعی اور رعایا، حاکم اور محکوم، مزدور اور سرمایہ دار، علماء ومدرسین، کالجوں اور یونیورسٹیوں ہر طبقہ کے لوگوں کے ہزارہا سوالات اور اسی شان سے ان کے جوابات ملیں گے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جب تک مسلمان زمین پر باقی رہیں گے اسلامی احکام وقوانین کی ضرورت بھی باقی رہے گی۔

زیر نظر کتاب دار الافتاء کے ایسے ہی چند سوال وجواب کا ریکارڈ ہے، احباب کے اصرار پر اس خیال سے شائع کیا جارہا ہے کہ دیگر اسلامی بھائی بھی اس سے مستفید ہوں۔ یوں تو یہ ایک مبتدی طالب علم کی کوششوں کا نتیجہ ہے لیکن اس کی ایک خصوصیت ضرور ہے کہ اس کے بہت سارے جوابوں پر دو عظیم فقیہ بل کہ جامع العلوم بزرگوں کی تصدیق وتصویب کے دست خط ثبت ہیں جن کے علم وفضل اور صدق وصفا کے ہزاروں چراغ یورپ، ایشیا، امریکہ اور افریقہ میں جگمگا رہے ہیں۔ یعنی

(۱) سیدی وسندی حضور حافظ ملت مولانا الشاہ عبد العزیز صاحب محدث مرادآبادی شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

(۲) استاذی واستاذ العلما حضرت مولانا حافظ عبد الرؤوف صاحب بلیاوی نائب شیخ الحدیث (رضی اللہ تعالیٰ عنہما وافاض علیہما من شآبیب الجنان)

اخیر میں اپنے کرم فرما اور عزیز کریم مولانا محمد حنیف صاحب بریلوی کا بے حد شکر گذار ہوں کہ انہوں نے منتشر اور بوسیدہ اوراق کو اپنی جاں فشانی سے کتاب کا روپ دیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین برحمتك یا أرحم الراحمین

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

سوانح بحر العلوم

(خودنوشت)

نام ونسب: عبد المنان ابن عبد الغنی ابن عبد الرحیم ابن دوست محمد

تاریخ پیدائش: ۷ر ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۶ر نومبر ۱۹۲۵ء

مولد وموطن: قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ یوپی

مبارکپور اپنے مرکزی مقام اعظم گڑھ سے شمال مشرق میں تقریباً دس کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، اس قصبہ کی بنا ۹۵۰ھ عہد شاہ ہمایوں میں کڑا مانک پور ضلع کے چشتی بزرگ حضرت راجہ مبارک شاہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک قدیم آبادی موسومہ بہ قاسم آباد کے کھنڈر پر قائم کی۔

یہاں پہلے وقتوں سے ہی ہندو اور مسلمانوں کی مخلوط آبادی ہے جس میں تعداد کے لحاظ سے مسلمان زیادہ رہے اور تجارت عام طور سے ہندو ساہوکاروں اور بنیوں کے ہاتھ میں تھی۔ مسلمانوں میں کبھی غالب تعداد بنکروں کی رہی جو اپنے فن میں یکتائے روزگار تھے، ان کے بنائے ہوئے ریشم اور زری کے کپڑے عرب اور یوروپ تک جاتے تھے۔

ابتدا سے یہاں کے تمام مسلمان خوش عقیدہ سنی حنفی تھے بقول قاضی اطہر مبارکپوری "یہاں نوابان اودھ کے زمانہ میں انہی کی سعی اور جد وجہد سے پہلے پہل شیعیت کی شاخ نکلی پھر اسی میں سے دوسری شاخ اسمٰعیلی بوہروں کی پھوٹی"۔

اس کے بعد موضع لہرا کے مولوی محمد اسحاق صاحب متوفی ۱۲۳۴ھ کے زمانہ میں غیر مقلدیت کا خروج ہوا۔ مولوی صاحب موصوف غیر مقلد عالم تھے مگر ہمارے محلہ کے ایک بزرگ حاجی سلامت اللہ صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ یہ شافعی عالم تھے اور انہی کی اجازت سے مبارک پور میں مسجد راجہ مبارک شاہ میں جمعہ قائم ہوا۔ اس سے قبل یہاں کے لوگ بھی کچھ را جمعہ پڑھنے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ شافعی مذہب پر عمل آپ لوگوں کیلئے سخت مشکل ہے۔ فی الواقع اس مذہب میں بڑی پابندی ہے۔

ان دونوں روایتوں میں یوں تطبیق ممکن ہے کہ غیر مقلدین کے بہت سے مسائل شوافع کے موافق ہیں اس لئے یہاں کے مسلمانوں نے انہیں شافعی سمجھا ہو اور خود مولوی محمد اسحاق صاحب احناف کے بارے میں اس قدر متشدد نہ رہے ہوں جتنے آج کل کے غیر مقلد صاحبان ہیں۔

سب سے اخیر میں یہاں دیوبندی مکتبہ فکر کی نمود ہوئی جو مولوی محمد صاحب پورہ معروف ضلع مئو کی دین ہے۔ وہ یہاں کے سنی مدرسہ مصباح العلوم کے ۱۳۱۷ھ میں مدرس اول ہو کر آئے تھے اور آہستہ آہستہ کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال کر لیا تھا۔

اعظم گڑھ گزٹ کے انگریز وقائع نویس نے یہاں کے مسلمانوں کو "جذباتی" تحریر کیا ہے اور جناب سید سلیمان صاحب ندوی نے حیات شبلی میں صرف یہ لکھا ہے: "محمد آباد کے نزدیک مبارکپور نام کا ایک بڑا قصبہ ہے جو پرانے زمانہ سے پارچہ بافی کا مرکز ہے" اعظم گڑھ اور محمد آباد کے تقریباً وسط میں مبارکپور واقع ہے۔

جناب مولوی اکرم صاحب عباسی چریاکوٹی نے اپنی قلمی تصنیف "دہ بند" میں تھوڑی تفصیل کر دی ہے۔
مبارکپور میں پانچ ہزار کارخانہ ہائے نور باف ہیں۔ ہر ہر محلہ میں مسجدیں موجود ہیں۔ پانچوں وقت نماز کی جماعتیں دھوم دھام سے ہوتی ہیں۔ اہل محلہ سب کاروبار چھوڑ کے واسطے تحصیل فضیلت جماعت کے مسجد میں آتے ہیں۔

فقراء، درویش، ملے، مسافر، غریب الوطن، مساکین، مرثیہ خواں زیادہ تر یہاں وارد ہوتے ہیں اور مبلغ معتدبہ پائے جاتے ہیں۔

فی تھان کسی قدر زکوٰۃ کے طور پر نکال کر ایک خزانہ میں کہ موسوم بہ "الگ کرلیا" ہے، جدا دھرتے ہیں جس سے ہمیشہ پیسہ ایک مقدار کثیر میں موجود رہتا ہے اور اسے مصارف خیر میں صرف کرتے ہیں۔ اکثر باثروت اور صاحب مال ہیں۔

گلبدن سوتی پہلے پہل یہیں بنایا گیا۔ اور اب تک یہاں کا سا، اور ارزاں اور جگہ نہیں بنایا گیا۔
بالفعل شروع و تنگی، واصناف پارچہائے سادہ ورنگین یہاں سے بہتر نہیں بنایا جاتا ہے اور بہ کفایت تمام ہاتھ آتا ہے۔ غلہ بازاروں میں بہ افراط آتا ہے کہ بڑے بڑے شہروں کا گولہ اس کا رشک کھاتا ہے۔ (دہ بند ص ۳ مصنفہ ۱۲۹۲ھ)

کچھ خاندانی حالات

ہمارا گھرانہ مجموعی طور سے ایک دیندار گھرانہ تھا۔ دادا عبد الرحیم علیہ الرحمہ وفات ۱۳۳۹ھ نہ صرف صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے بلکہ وہ ایک ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ بڑھیل گنج ضلع گورکھپور کے ایک صاحب کرامت بزرگ حضرت چمن شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گدی نشین شاہ امان اللہ شاہ کے واسطہ سے سلسلۂ قادریہ میں منسلک تھے اور اوراد و وظائف اور دعاء و تعویذ میں ان کو کافی دخل تھا۔

مذہبی تصلب بھی ان میں بدرجۂ اتم موجود تھا۔ ان کے زمانہ میں مبارکپور میں سنی دیوبندی اختلاف ظاہر ہو چکا تھا۔ محلہ کی مسجد میں محلہ کے مالدار اور ذی اثر فرد حاجی عباد اللہ گرہست امام تھے۔ چوں کہ وہ مسلکاً دیوبندی تھے اس لئے آپ نے کبھی ان کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھی، محلہ کے دیگر حضرات اس وقت کی ہوا میں

بہہ گئے تھے لیکن آپ مسجد میں ہی عام جماعت کے بعد اپنی نماز علیحدہ پڑھتے تھے۔

ان کے دعاء وتعویذ کے بستہ میں ذکر الشہادتین کا ایک بے نام قلمی رسالہ نکلا جو فارسی زبان میں ہے۔اس زمانہ میں جب قصبہ میں تعزیہ داری کا زور تھا ہمارا گھر اس سے پاک تھا۔محرم کی دسویں تاریخ کو ایصال ثواب کیلئے مالیدہ بنتا تھا۔مگر چوک اور تعزیہ کے پاس لے جانے کی سخت ممانعت تھی۔فاتحہ گھر میں ہی ہوتی تھی۔

میرے والد عبدالغنی صاحب علیہ الرحمہ نے جو کچھ تعلیم پائی میاں جی امیر علی صاحب محلہ پورہ خضر کے گھریلو مدرسہ میں پائی۔وہ قرآن شریف ناظرہ کے بعد اردو اور فارسی بھی پڑھاتے تھے مگر فارسی پڑھانے کا یہ مطلب تھا کہ وہ کتاب کی عبارت زبانی یاد کرا دیتے تھے۔ترجمہ یا مطلب سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔والد صاحب بھی ایسے ہی فارسی داں تھے۔اردو البتہ پڑھ بھی لیتے تھے اور لکھ بھی لیتے تھے ان کے پاس اردو فارسی کی دینی مذہبی اور ادبی نظم ونثر کی پچاسوں کتابوں کا ذاتی مجموعہ تھا۔اردو کتابوں کو اکثر وہ مطالعہ میں رکھتے تھے۔ان کے پاس یادداشت کی کاپیاں بھی تھیں جس میں اہم اور ضرورت کی باتیں نوٹ کرتے رہتے تھے۔گجرات میں زیادہ دنوں تک رہنے کی وجہ سے انہیں گجراتی زبان لکھنے اور پڑھنے کی بھی سدھ بدھ تھی۔

ان میں بھی مذہبیت اور دینداری کا غلبہ تھا۔صوم وصلوٰۃ کے پابند اور اوراد وظائف کے عادی، حرام وحلال کی سخت احتیاط رکھتے تھے اور کمزوروں اور ضرورت مندوں کی اعانت ان کا محبوب مشغلہ تھا،

تصلب فی الدین ان میں بھی بدرجۂ اتم موجود تھا۔گجرات کے شہر سورت میں حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضور سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی علیہ الرحمۃ والرضوان کچھوچھوی کا آنا جانا بہت تھا والد صاحب ان دونوں بزرگوں سے بہت متأثر اور ان کے معتقد تھے۔ان کی کتابوں کے مجموعہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ''حسام الحرمین'' کا گجراتی حامل متن ترجمہ اور ایک دوسری گجراتی کتاب بھی تھی۔

چونکہ شروع سے ہی انہیں اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا خیال تھا۔اس لئے کتابوں کے مجموعہ میں بوستان سعدی کا ایک اچھا نسخہ اور پنج گنج وزبدہ کا ایک نسخہ بھی تھا۔جب ضرورت پڑی تو میں نے ان دونوں کتابوں کو پڑھا۔رحمھم اللہ تعالیٰ وجزاھم خیرالجزاء۔

تعلیم وتربیت:

۱۳۴۹ھ یا ۱۳۵۰ھ میں جب میری عمر پانچ یا چھ سال کی ہوئی۔قاعدہ بغدادی لے کر میں اشرفیہ میں داخل ہوا اور سولہ سترہ سال بعد ۱۳۶۶ھ میں درس نظامیہ کی تعلیم مکمل کر کے فراغت حاصل کی اول وآخر میری ساری تعلیم اشرفیہ کی دین ہے،میرے داخلہ کے وقت مدرسہ کی ایک دو منزلہ نیم پختہ سفالہ پوش ذاتی عمارت پرانی بستی میں تھی جس کے پچھم رخ صدر دروازہ پر تارکول سے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم لکھا تھا۔اور ابھی میں

پرائمری درجات میں ہی تھا کہ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری مبارک پور میں ہوئی اور انھیں کی تحریک اور کوشش سے قصبہ کے مرکزی مقام گولہ بازار میں اس کی دو منزلہ وسیع و عریض عمارت تعمیر ہوئی۔ اور اس کے صدر دروازہ پر دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کندہ ہوا جو بعد میں کثرت استعمال سے دار العلوم اشرفیہ ہو گیا اور اس کا تاریخی نام باغ فردوس تجویز ہوا۔

تقریباً آٹھ نو سال کے بعد اشرفیہ میری واپسی بصورت ملازمت ہوئی اور مسلسل انتیس سال ادارہ کی خدمت میں عمر کا قیمتی حصہ صرف کیا اور سفر و حضر ہر جگہ حضور حافظ ملت مولانا الشاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کفش برداری اور غلامی کو اپنی سعادت اور فخر سمجھا۔ اسی دوران ادارہ دار العلوم سے جامعہ بنا اور نہایت وسیع بنیادوں پر ایک علم و حکمت کے شہر کی داغ بیل پڑی اور دنیا کے ایک بڑے حصہ میں مبارکپور کا نام روشن ہوا۔

اب لگ بھگ دس سال(۱) سے حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا الشاہ محمد امجد علی صاحب قدس سرہ العزیز کے وطن قصبہ گھوسی میں انہیں کے سنگ بنیاد رکھے ہوئے دار العلوم شمس العلوم میں افتاء اور درس حدیث کی خدمت پر مامور ہوں۔ دعا ہے کہ اسی راہ میں مولیٰ تعالیٰ میرا خاتمہ بھی بخیر فرمائے آمین۔

اساتذہ اور درسی کتابیں

(۱) قواعد بغدادی اور قرآن شریف کے ابتدائی پارے جناب صوفی عبد الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور ''پرانی بستی'' خلیفہ شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھے۔

(۲) قرآن شریف ناظرہ جناب حافظ عبد الغفور صاحب علیہ الرحمہ پورہ صوفی سے مکمل کیا۔

(۳) پرائمری درجۂ اول منشی جواد علی خانصاحب پرانی بستی سے پڑھا۔

(۴) پرائمری درجۂ دوم منشی ممتاز احمد صاحب محلہ املو سے حاصل کیا۔

(۵) فارسی کی تمام نصابی کتابیں اور کچھ ابتدائی عربی کتابیں بھی حضرت مولانا سید شمس الحق صاحب گجہڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھیں۔

(۶) مولوی مولانا ظفر علی صاحب بلیاوی ثم پاکستانی سے فصول اکبری کے چند اوراق پڑھے۔

(۷) حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب گھوسوی علیہ الرحمہ سے ہدایۃ النحو، شرح تہذیب اور تجوید کی متعدد کتابیں پڑھیں۔

(۸) حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب علیہ الرحمہ مئوی۔ شرح وقایہ، کافیہ، شرح جامی بحث فعل، مقامات

(۱) مذکورہ مدت اس مضمون کے لکھنے کے وقت تھی، اب تقریباً ۲۶ سال ہو رہے ہیں۔ مرتب

بدیع، مقامات حریری، مختصر المعانی، اصول الشاشی، حسامی اور قطبی تصدیقات کے استاذ ہیں۔

(۹) حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی نائب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ و مؤسس سنی دارالاشاعت، سے قطبی تصورات مع المیر، میرزاہد، ملا جلال، تشریح الافلاک، میبذی۔ اور افتاء سیکھا۔

(۱۰) حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے قطبی کے چند اوراق بطور مطالعہ۔ اور ہدیہ سعیدیہ پڑھی۔

(۱۱) حضرت مولانا عبدالمصطفےٰ صاحب ازہری شاہ زادہ صدرالشریعہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما سے ہدایہ اخیرین، طحاوی شریف، مسلم شریف، سبعہ معلقہ، دیوان متنبی، حماسہ کے چند ابواب، مطول، بیضاوی شریف، اور انشاء کی مشق کی۔

(۱۳) استاذ العلماء حافظ ملت حضرت مولانا الحافظ الشاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان و مرشد گرامی سے شرح جامی بحث اسم، نورالانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، ملاحسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، جلالین شریف، مدارک التنزیل، مشکوٰۃ شریف مکمل، ترمذی شریف، بخاری شریف پڑھی۔

مبارکپور کے دو اور بزرگ ہیں جن سے رمضان شریف کی چھٹیوں میں فارسی کی کتابیں پڑھیں حضرت مولانا نور محمد صاحب خطیب جامع مسجد مبارک شاہ اور مولانا محمد حاتم صاحب محلہ پورہ رانی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حسن اتفاق میں نے جب پرائمری درجۂ اول کی کتاب مصباح المکاتب کا امتحان دیا تو اس وقت بھی میرے ممتحن حضور محدث اعظم سید محمد صاحب قبلہ کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔ آپ نے مصباح المکاتب کی پہلی سطر پڑھوائی، اللہ پاک ہے، بے عیب ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں نے صحیح پڑھ دیا بس امتحان ہو گیا۔ اور سب سے آخری کتاب بخاری شریف کا امتحان دیتا ہوا تب بھی حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ ممتحنین میں تھے اور بخاری و مسلم کی آخری حدیثیں حضور صدرالشریعہ بدرالطریقہ مصنف بہار شریعت نے پڑھا کر صحیحین کا درس ختم کیا۔

اور فرمایا جس طرح ہمارے اساتذہ نے ہمیں کتب صحاح احادیث اور دیگر کتب حدیث کی روایت و تدریس کی اجازت دی میں تم لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ احادیث کی روایت کرو پڑھو اور پڑھاؤ۔ فالحمد للہ رب العلمین۔

بخاری شریف کے امتحان میں حضرت بابرکت محدث پاکستان مولانا سردار احمد صاحب بھی ممتحن تھے بلکہ سوالات انہوں نے ہی کئے اور نمبر بھی انہوں نے ہی دیئے۔ اور مندرجہ ذیل تأثراتی نوٹ بھی تحریر فرمایا۔

”کل فقیر مصباح العلوم اشرفیہ میں جلسۂ دستار بندی کے سلسلہ میں حاضر ہوا۔
حضرت فیض درجت عمدۃ المتکلمین فخر المحدثین حضرت سید محمد صاحب کچھوچھوی قبلہ زید مجدہم کے اشاروں سے ان کی موجودگی میں دورہ حدیث کا امتحان لیا۔ طلبہ نے بہت اچھا امتحان دیا۔ اس قدر اچھا امتحان اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ان کے استاذ فاضل اجل مولانا مولوی حافظ عبد العزیز صاحب صدر المدرسین اور دیگر اساتذہ نے جانفشانی سے پڑھایا۔ دورۂ حدیث کے ایسے طلبہ جو امسال فارغ التحصیل ہو رہے ہیں پنجاب و ہند کے دیگر مدارس عربیہ میں کمیاب ہیں بلکہ مدرسین و معلمین کی قابلیت کے لحاظ سے اور طلبہ کی کثرت و ہجوم کے اعتبار سے اور تعلیم کے نظم و نسق کی حیثیت سے اور مصباح العلوم کی تنظیم و تنسیق کی رو سے اس دار العلوم کو پنجاب و ہند کا واحد دار العلوم کہا جائے تو بجا ہے اس وقت دار العلوم اپنی نظیر خود آپ ہی ہے مولا عزوجل اس دار العلوم کو مزید عروج و ترقی عطا فرمائے اور اس سرچشمۂ ہدایت بحر اشاعت سے عالم کو متمتع فرمائے۔ آمین۔

فقیر محمد سردار احمد غفرلہ مظہر اسلام بریلی شریف

۲۴ رجمادی الاولی ۱۳۶۶ھ

مشاغل حیات:

اپنی فراغت کے سال ہی شوال ۱۳۶۶ھ میں اپنے ایک ساتھی مولوی عبد العزیز صاحب مرحوم محلہ پورہ صوفی مبارک پور کی سعی سے محلہ پرانا گورکھپور شہر گورکھپور کے مدرسہ ضیاء الاسلام میں بعہدۂ صدر مدرسی ایک سال تک ملازم رہا، وہاں درس نظامی کی متوسطات اور درس عالیہ الہ آباد بورڈ کے درجۂ کامل کی کتابیں جیسے چہار مقالہ نظامی عروضی، دفتر ابو الفضل، قصائد خاقانی جغرافیہ طبعی وغیرہ زیر تدریس رہیں۔

مولانا سردار علی عرف عزو میاں بریلوی مرحوم بھی کچھ دنوں ساتھ رہے وہاں مولانا مرحوم کے تعویذوں کا بڑا زور رہا۔ خلقت کا ہجوم لگا رہتا تھا اور مولانا کا زیادہ وقت اسی میں صرف ہوتا تھا۔

سال بھر بعد وہاں سے علیحدہ ہو کر گھر رہا۔ شوال ۱۳۶۸ھ میں میرے ہم وطن اور رفیق مولانا محمد شفیع صاحب مرحوم مبارکپوری کے مشورہ سے تلسی پور ضلع گونڈہ کے مدرسہ اہل سنت انوار العلوم قائم کردہ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن خانصاحب بستوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ملازمت اختیار کی اور ساتھی ہونے کی وجہ سے مولانا محمد شفیع صاحب کی تنخواہ میں کچھ اضافہ کر کے برابر کردی گئی اور عہدہ میں بھی صدارت اور نیابت کی کوئی تفریق قائم نہیں کی گئی۔ جب میں وہاں گیا تو تعلیم صرف کافیہ تک تھی جس میں ترقی ہو کر معیار تعلیم مدارک شریف اور ملا حسن تک اونچا ہوا، مدرسہ کے تعمیری اور تبلیغی شعبوں میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا اور مدرسہ فی الحقیقت دار العلوم ہو گیا اس علاقہ میں پہلے سے ہی غیر مقلدین کا بڑا زور رہا تھا۔ ادارہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہب حق اہل سنت وجماعت کو بھی غیر معمولی فروغ ہوا اس وقت وہاں تین مصباحی جمع ہو گئے (فقیر، مولانا اور مولانا حافظ قاری

رحمت اللہ صاحب اوروی) وقت بہت اچھا گذرا۔ بلکہ وہ یادگار دن تھے۔

تقریباً آٹھ نو سال کے بعد اشرفیہ میری واپسی بصورت تدریس ہوئی۔ ۱۳۷۵ھ میں مولانا غلام جیلانی صاحب گھوسوی کے اشرفیہ چھوڑنے کے بعد ان کی جگہ حضرت حافظ ملت اور دیگر احباب کے مشورہ سے درجۂ عالیہ کے سربراہ کی حیثیت سے میرا تقرر ہوا۔

۱۳۷۶ھ میں دارالعلوم کے شعبۂ افتاء کا قیام ہوا اور اس کی ذمہ داری بھی فقیر کے سر ہی ڈالی گئی، کمیٹی کے ریزولیشن میں تصریح تھی کہ عبدالمنان درجۂ عالیہ کے سربراہ اور دارالافتاء کے مفتی مقرر ہوئے۔

۱۳۹۲ھ میں مبارکپور اور اس کے مضافات کے جملہ مسلمانوں کی متفقہ رائے سے دارالعلوم اشرفیہ کی سربراہی کیلئے حضور حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرادآبادی کا انتخاب ہوا تو محکمۂ تعلیم کے اس قانون کی وجہ سے کہ ادارہ کا کوئی عہدہ دار پیڈ ملازم نہیں ہوسکتا۔ حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عہدۂ صدرالمدرسین سے استعفیٰ دے دیا اور حضرت شمس العلما قاضی شمس الدین صاحب جونپوری کو صدرالمدرسین مقرر کیا گیا۔ ادارہ سے ان کی علیحدگی کے بعد کسی موزوں صدرالمدرسین کی بہت تلاش ہوئی۔ ناکامی کے بعد حضور حافظ ملت نے مجھ سے فرمایا۔ آپ کیوں نہیں اس عہدہ کو قبول کر لیتے۔ میں نے عرض کیا حضور آپ کی زندگی میں آپ کی جگہ بیٹھنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ کام تو سارا ہو ہی رہا ہے۔ آپ اعزازی طور پر عہدہ کے دستخط کردیا کریں۔ اور کام یوں ہی چلتا رہا۔

یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ کو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا اور صدر المدرسین کی تلاش بدستور جاری رہی آخر ناکامی کے بعد ذمہ داروں نے مجھے صدر المدرسین کے عہدہ پر بحال کیا (اس وقت تک دارالعلوم الجامعۃ الاشرفیہ بن چکا تھا)

عہدۂ صدارت سے قبل ۱۷ سال اور اس کے بعد بارہ سال تک مسلسل ۲۹ سال ادارہ کی خدمت کی، بزمانہ صدر مدرسی جامعہ کا نیا نصاب مقرر ہوا اور درجۂ تخصص کا اضافہ ہوا۔ معادلۃ الاسناد کی غرض سے درجات کی تقسیم اور ڈگریوں کا تعین ہوا۔ امتحان کے قواعد وضوابط بنے اور داخلہ خارجہ تعلیم وطلبہ کیلئے دستور واصول منضبط ہوئے جن کے نتیجے میں لکھنؤ اور بنارس یونیورسٹیوں میں یہاں کے طلبہ کے داخلہ میں آسانی ہوئی اور بہار میں بھی یہاں کی سند تسلیم کی جانے لگی۔ اور اسی دور میں ادارہ میں مجالس فقہیہ کی ابتدا ہوئی اور ادارہ کا کتب خانہ باقاعدہ منضبط ہوا۔ اب ۱۴۰۸ھ سے حضور صدر الشریعہ بدرالطریقہ مولانا الشاہ محمد امجد علی صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے وطن مالوف میں انھیں کے سنگ بنیاد رکھے ہوئے دارالعلوم شمس العلوم میں گوشۂ عافیت نصیب ہے اور درس حدیث کی تعلیم اور خدمت افتاء متعلق ہے۔ دعاء ہے کہ مولیٰ تعالیٰ دینی مشاغل میں ہی میرا انجام بخیر کرے۔ آمین

قرطاس وقلم کا شوق:

بچپن سے ہی مجھے قصے اور کہانیوں کا بڑا شوق تھا۔اسی لالچ میں میں اپنے بچپن میں بھی بڑوں بوڑھوں اور بزرگوں کی مجلس میں بیٹھتا تھا اور ہم جولیوں کے ساتھ کم کھیلتا تھا۔ پڑھنے لکھنے کے بعد پتہ چلا کہ میرا یہ طرز عمل درست تھا۔ کیوں کہ ہم عمروں کا تو میری ہی طرح یہ حال تھا کہ ''او خویشتن گم است کرا رہبری کند'' وہ خود ہی بے خبر ہیں مجھے راستہ کیا بتائیں گے۔

جب کچھ پڑھنے لکھنے کی سدھ بدھ ہوئی تو اس شوق میں اور اضافہ ہوا۔ گھر میں جو والد صاحب کی کتابیں تھیں ان سے شوق پورا کرتا اور دوسروں کے ہاتھ میں کوئی کتاب دیکھتا تو اسے بھی دیکھنے لگتا۔

حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مبارکپور آئے اور جلسوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان جلسوں میں عام طور سے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیں زیادہ پڑھی جاتی تھیں۔ ان میں کچھ ایسی دل آویزی تھی کہ ان پڑھ اور پڑھے لکھے، سمجھدار اور ناسمجھ سب کا سرہل جاتا تھا۔ انھیں مؤخر الذکر لوگوں میں میں بھی تھا۔ کہ سمجھتا کم تھا مگر سننے میں مزہ آتا تھا۔ اتفاق سے حدائق بخشش کا ایک نسخہ میرے ایک ہم سبق کے پاس ملا جو اس کے دادا کا رکھا ہوا تھا۔ کاغذ اس کا معمولی سرخ اور پیلے اور ہرے رنگ کا تھا۔ لکھائی چھپائی عمدہ تھی اور اس پر جگہ جگہ حاشیہ بھی چڑھا تھا۔ اسوقت اس کا معتد بہ حصہ میں نے نقل کر لیا تھا۔

جب فارسی پڑھ رہا تھا تو ایک صاحب نے مجھ سے اردو پڑھنے کی خواہش ظاہر کی اگر چہ استاذ و شاگرد کی عمر میں بڑا تفاوت تھا لیکن میں نے منظور کر لیا۔ ان کے والد تاریخی ناولوں کے بڑے دلدادہ تھے۔ جو کتاب بازار میں آتی اسے خرید لیتے۔ رات میں ایسے ہی شائقین کی نشست ان کے یہاں ہوتی اور انہیں میں سے ایک خواندہ آدمی اس کو پڑھتا۔ اس لئے ان کے گھر اسلامی تاریخی ناولوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ ان صاحب کو تو اردو سیکھنے کی توفیق کم ہی ہوئی۔ میں نے البتہ ان کی کتابوں سے خوب فائدہ اٹھایا، دوپہر کی چھٹی میں روزانہ ان کے گھر جاتا اور وہ کتابیں پڑھتا رہتا۔ عرصہ تک میرا یہ مشغلہ جاری رہا۔

درس نظامیہ کی تعلیم کے ابتدائی سالوں سے ہی میں اشرفیہ کے طلبہ کی لائبریری اشرفی دار المطالعہ کا لائبریرین رہا۔ اس کے نتیجہ میں مجھے پڑھنے کیلئے کتابوں کا وافر ذخیرہ ملا۔ اور موضوع میں بھی وسعت ہوگئی۔ ہر قسم کے رسائل اور کتابیں مطالعہ میں آئیں اور میں اس قابل ہوگیا کہ لائبریری میں آنے والوں کو ان کی مطلوبہ کتابوں کے مواد وں کی خوبی یا خرابی بتاتا اور انہیں کتابوں کے انتخاب میں مدد دیتا۔

اس سے لاشعوری طور پر مجھے یہ فائدہ ہوا کہ میرے ذہن میں الفاظ کا قابل ذکر ذخیرہ جمع ہوگیا مختلف جملوں کی ترکیب، اسلوب بیان اور مافی الضمیر کی ادائیگی پر قدرت حاصل ہوئی جس کا علم مجھے بعد میں ہوا کہ'' نئے چراغ جلانے کیلئے پرانے چراغ سے اکتساب ضروری ہے۔

گلستان سعدی پڑھنے کے زمانہ میں اس کا ایک باب نقل کیا کہ بعد میں توفیق ہوئی تو اس کا ترجمہ نقل کریں گے۔ نحو میر پڑھنے کے وقت پوری کتاب کا ترجمہ کیا اور اسے والد کے پاس جو اس وقت سورت میں تھے، بھیجا کہ اس وقت یہ کتاب پڑھ رہا ہوں۔

دروس الادب پڑھتا ہوا تو اس کا کوئی فاضل نسخہ مدرسہ میں نہیں تھا۔ تو پوری کتاب نقل کر کے پڑھی۔ اس وقت وعظ اور تقریر سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

ان ساری تفصیلات کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت ہمارے نصاب میں انشاء اور مضمون نگاری کا کوئی گھنٹہ نہ تھا نہ بطور کورس کے یہ مضمون پڑھایا جاتا تھا۔ پس اس سلسلہ میں جو کچھ ہوا سب لاشعوری طور پر بے قصد و ارادہ ہوا اور اسی سے میرے اندر تحریر کا شعور بیدار ہوا۔

غالبًا ۱۳۶۲ھ میں جب میں جلالین شریف پڑھ رہا تھا۔ طلبہ کی لائبریری میں کئی اخبار آتے تھے۔ رامپور سے حضرت فضل حسن صابری مرحوم و مغفور کی ادارت میں دبدبۂ سکندری نام کا ایک ہفتہ وار اخبار شائع ہوتا تھا۔

رجب شریف کے موقع پر معراج شریف کے عنوان سے ایک مضمون اپنے مخلص دوست عالی جناب قاری محمد یحییٰ صاحب کے نام سے بھیجا اور دبدبۂ سکندری میں شائع ہو گیا۔ اشاعت سے قبل کسی سے اصلاح نہیں لی تھی۔ مضمون چھپ کر آیا تو حضور حافظ ملت کو پڑھ کر سنایا۔ آپ بے حد مسرور ہوئے اور ایک روپیہ انعام میں دیا، اسی دوران میرے کئی مضمون دبدبۂ سکندری میں شائع ہوئے۔ جس میں ایک مضمون کا عنوان کربلا کی ضرورت تھا جو کافی مقبول ہوا۔ اور بعد میں کئی اخبار و رسائل میں شائع ہوا۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا ہدایت رسول لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اولاد و احفاد میں مولانا محمد عمر صاحب علیہ الرحمہ تھے جو لکھنو سے ہی ایک دینی پرچہ شائع کرتے تھے۔ ان کے تقاضہ پر ایک مضمون ''فلسفۂ شہادت'' لکھ کر بھیجا، انہوں نے ماہنامہ میں شائع کیا۔ اس سے لکھنو کے شیعہ پریس والوں نے محرم کے موقع پر اپنے مشن کی طرف سے شائع کیا۔ پھر دو تین سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ الغرض ادارہ میں طلبہ، ان کی انجمن اہل سنت واشرفی دارالمطالعہ اور خود ادارہ کی تحریری ضرورتوں میں ہاتھ بٹاتا رہا اور تعلیم کے ساتھ ساتھ مشق سخن کا مشغلہ بھی جاری رہا۔

فراغت کے بعد ایک سال تک گورکھپور میں سلسلۂ ملازمت رہا۔ مدرسہ کے سکریٹری جناب حافظ نیاز احمد اشرفی مرحوم کے مشورہ سے ایک چار ورقی رسالہ بنام ''الضیاء'' ہر ماہ شائع کرنا شروع کیا۔ مضامین عمومًا فقیر کے ہی ہوتے اور مصارف میں ہم دونوں شریک ہوتے۔ اشاعت اس کی مفت ہوتی تھی اس میں شائع ہونے والے ایک طویل مضمون کو اسوقت بہت پسند کیا گیا۔ کئی پرچوں میں شائع ہوا۔ اور مبارکپور کی ایک دینی انجمن نے

اسے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کر کے مفت تقسیم کیا۔ عنوان اس کا "اسلام کا چوتھا رکن" تھا۔

تلسی پور پہنچا تو وہاں ایک غیر مقلد مولوی عبد الرؤف جھنڈے نگری، اور حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب بستوی مرحوم بانی دار العلوم انوار العلوم تلسی پور میں مسئلہ حاضر و ناظر پر تحریری تبادلہ ہو رہا تھا۔ جھنڈے نگری صاحب کی طرف سے رسالہ تردید حاضر و ناظر شائع ہوا تھا۔ مولانا عتیق الرحمن صاحب نے اس کے جواب کی ذمہ داری میرے سر ڈالی۔ فقیر نے "الشاہد" کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ جو اس وقت شائع ہوا جب میں مبارکپور آ گیا۔ اس رسالہ کی تردید بستی کے کسی رئیس آزاد صاحب نے "ابطال شواہد الشاہد" شائع کی۔

جب "الشاہد" کے دوسرے ایڈیشن کی باری آئی تو لامحالہ دھیان ابطال کی طرف بھی ہوا۔ اس طرح اب وہ ایک مبسوط رسالہ ہو گیا جسے حق اکیڈمی مبارکپور نے شائع کیا ہے۔

تلسی پور کے ہی دوران قیام خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی نے ممبئی سے پاسبان شائع کرنا چاہا اور کچھ لکھنے کی فرمائش کی تو اس کے سب سے پہلے رسالہ میں فقیر کا مضمون "حدیث شب" کے عنوان سے شائع ہوا۔ پھر عرصہ تک اس میں ماہ بماہ لکھتے رہے اور مولانا مرحوم فقیر کا نام رفقاء ادارہ میں شائع کرتے رہے۔

مبارکپور آنے کے دوسرے ہی سال سے میری مصروفیات میں افتاء کا اضافہ ہوا۔ اس لئے اس زمانہ کی زیادہ تحریریں سوال و جواب کے روپ میں ہیں۔ بدعت کے سلسلے میں ایک جواب جو ذرا طویل ہو گیا۔ مولوی محمد احمد صاحب مصباحی مرحوم نے رسالہ فیض الرسول براؤں شریف میں شائع کیا اس کو مولانا مقبول صاحب الہٰ آبادی نے مکتبہ حبیبیہ الہٰ آباد سے رسالہ کی صورت میں شائع کرایا اور اس کا یہ نام بھی انہوں نے ہی تجویز کیا ہے "بدعت کیا ہے"۔ اسی طرح قبر کی اونچائی، اور مسجد میں نماز جنازہ پر بھی طویل تحریریں ہو گئی ہیں جو فیض الرسول میں شائع ہوئیں۔

برجونالہ کلکتہ کے آس پاس ایک جاہل رٹائر پولس مین گمراہی پھیلا رہا تھا اور عامۃ المسلمین میں بڑی سورش پھیل رہی تھی۔ برجونالہ کے رئیس جناب مقبول احمد انصاری نے اس کے بارے میں ایک استفتاء کیا۔ جس کے جواب میں "ازالۂ اوہام" کے نام سے ایک رسالہ تیار ہو گیا۔ جسے مبارکپور کی ایک اسلامی انجمن نے شائع کیا۔ اور اس کی کئی سو کاپیاں شورش زدہ علاقہ میں تقسیم کی گئیں اور جناب مقبول احمد صاحب نے بھی پوری جدو جہد کی جس کے نتیجہ میں وہ فتنہ بھی وہاں سے دفع ہوا۔ فالحمد لہ تعالیٰ

مبارکپور میں ایک بار پالن حقانی کا گزر ہوا اور اس نے ندائے یا رسول اللہ کے موضوع پر ایک نہایت دل آزار تقریر کی جس سے طبقۂ اہل سنت و جماعت میں بڑی بے چینی پھیلی۔ محلہ سریاں کے سنیوں نے اس کے خلاف جلسہ کیا جس میں بڑا کثیر مجمع ہوا۔ بیان کا موضوع "ندائے یا رسول اللہ" ہی تھا جس سے طبقۂ اہل سنت و

جماعت کی ساری بے چینی دور ہوگئی اور دیو بندی مولوی صاحبان کو یہ معذرت کرنی پڑی کہ ہمارے علماء نے بھی نعرۂ یارسول اللہ کو مطلقاً حرام نہیں کہا ہے۔ اس تقریر کو عزیزی مولوی محمد احمد صاحب مصباحی مرحوم نے قلم بند کر کے شائع کردیا۔

پھر پاکستان کے کچھ احباب نے بھی اسے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ "انوار الانتباہ" کے ساتھ شائع کیا۔ جسے دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ "بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است"

کہ لفظ بلبل کیلئے اتنی ہی بڑی بات ہے کہ گل کا قافیہ ہے۔

۱۹۷۴ء میں سفر حج کے دوران احادیث نبویہ کا ایک منتخب مجموعہ ساتھ تھا اس مبارک سفر میں اس کا ترجمہ مکمل کیا۔ مجموعہ میں حدیثیں حروف تہجی کی ترتیب سے مذکور تھیں۔ خیال ہوا کہ اسے فقہی ابواب کی ترتیب پر کردیا جائے۔ لیکن ابتک اس کی توفیق نہ ہوسکی۔

سیرۃ النبی پر ایک مفید کتاب "محمد مثل الکامل" کے نام سے نظر سے گذری، بہت پسند آئی اس کا ترجمہ شروع کیا جس کی چند قسطیں ہدیٰ ڈائجسٹ میں شائع بھی ہوئیں مزید کیلئے فرصت کا انتظار ہے جبکہ فرصت عنقا ہے اور بقول شعراء اس کا شکار مشکل ہے۔

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چین

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ الرضوان، رسالہ پاسبان میں ہر ماہ مستقل طور پر حدیث شریف کا کالم تحریر فرماتے تھے۔ مستقل عنوان "صراط مستقیم" ہوتا۔ عام طور سے اس مضمون کیلئے آپ کوئی خاص تیاری نہیں کرتے۔ مضمون کا تقاضا ہوا اور دو ڈھائی صفحہ کا مضمون لکھ کر بھیج دیا۔ ایک آدھ بار غالباً اسی کیلئے اشعۃ اللمعات ملاحظہ کرتے دیکھا۔ آپ کے یہ قلم برداشتہ مضامین بھی مفاہیم عالیہ کا گنجینہ اور زبان و بیان کا نمونہ ہیں۔

حضرت مولانا نظامی قدس سرہ نے ان کو کتابی صورت میں اپنے مکتبۂ پاسبان سے شائع کرنا چاہا اور اس کے مقدمہ کیلئے مجھے لکھا اس مقدمہ میں حدیث شریف کی اسنادی حیثیت سے بحث کی گئی ہے اور حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا ہے۔ پورا مضمون حضرت کی نظر ثانی کا نور پاچکا ہے۔ اور بالکلیہ آپ کا مصدقہ ہے۔ سوانحی خاکہ میں صرف ایک جگہ ایک لفظ کا استدراک ہے جس کو میرے لڑکے محمد احمد مصباحی مرحوم نے اپنی کتاب حافظ ملت میں ذکر کیا ہے۔ حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے کتاب کے ابتدائیہ میں لکھا تھا۔ میں نے چاہا تو یہ تھا کہ مقدمہ میں خود لکھوں۔ لیکن میری مصروفیتیں آڑے آئیں پھر بھی مجھے خوشی ہے کہ یہ سعادت مفتی عبدالمنان صاحب کے حصے میں آئی۔ یہ بھی خوب ہوا کہ گھر کی دولت گھر ہی میں رہی۔ اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حضرت کے حالات میں یہ سب سے پہلی تحریر ہے۔ اور:

نقش ہے سنگ آستاں پہ ترے　　داستاں اپنی جبہ سائی کی

اشرفیہ کی نشاۃ ثانیہ کی پوری تاریخ کا میں عینی شاہد ہوں بلکہ اس میں شریک وسہیم رہا ہوں۔اور میں نے اس کو اپنے طور پر قلمبند بھی کیا تھا۔جس دور میں عالی جناب قاری محمد یحییٰ صاحب مرحوم ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر تھے تو انہوں نے اس کی کئی قسطیں "اشرفیہ مصباح العلوم سے الجامعۃ الاشرفیہ تک" کے نام سے شائع کیا تھا۔ان کے وقت میں ہی یہ سلسلہ بند ہو گیا تھا ورنہ وہ ایک دلچسپ سرگزشت کاروان علم کی ہوتی۔ہدایہ اخیرین پڑھنے کے زمانے میں حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات لکھنے کیلئے رمضان شریف کی چھٹیوں میں گھوسی گیا۔میرے شفیق وکریم استاذ گرامی حضرت مولانا عبدالمصطفےٰ صاحب ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سفارش سے حضرت نے حالات املا کرانا منظور بھی کر لیا اور لگ بھگ دس یوم تک وقت کی انتہائی پابندی کے ساتھ حضرت نے قیام اجمیر شریف تک کے حالات قلمبند کرائے بھی۔اس کے بعد فرمایا میں اب اعتکاف میں بیٹھوں گا۔اور اس کے بعد کے حالات دوسرے بہت سے لوگوں کو معلوم ہیں ان سے واقعات کی تکمیل کرا لینا۔میں نے خط کے ذریعہ ان لوگوں سے کام نکالنا چاہا لیکن کچھ نہ ہو سکا۔تو آپ کے مشہور تلامذہ کے پاس ہفتوں رہ کر خود ان حضرت کے حالات بھی لکھے اور اسی سبیل سے جستہ جستہ حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ کے حالات بھی جمع ہو گئے۔گویا..... لخت دل جمع کیا کتنے تو دیوان کیا

اس کا کام عرصہ سے مکمل ہے۔خدا توفیق دے تو اپنے ہاتھ سے اسے شائع کرنے کی نیت ہے۔میرے بڑے لڑکے محمد احمد مصباحی مرحوم کو تحریر اور اس کی اشاعت کا ذوق ورثہ میں ملا تھا۔رات دن لکھنا پڑے تو تھکتے نہیں تھے۔خود اپنی کاوش سے فقیر کے مضامین کا ایک مجموعہ شائع کیا۔دوسرے حصہ کے معتد بہ مقدار کی کتابت کرالی تھی۔تیسرا مجموعہ میری تقریروں کا بھی لکھوا رہے تھے۔لیکن سب چھوڑ چھاڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔غفر اللہ لہ ورحم علیہ۔افسوس! آب قدح بشکست وآں ساقی نماند۔

جب سے گھوسی میں قیام ہے میری زیادہ تر توجہ فتاویٰ رضویہ کی طرف ہے۔پھر بھی ایک رسالہ "مسئلۂ آمین، قرآن وحدیث کی روشنی میں" مولوی شکیب ارسلان سلمہٗ ربہٗ کی سعی سے مطبوع ہو چکا ہے۔(۱) دوسرا رسالہ "عیدین کی تکبیرات زوائد" کے موضوع پر مبیضہ کے مراحل سے گزر چکا ہے۔(۲)

فتاویٰ رضویہ شریف کی چھ جلدیں سنی دارالاشاعت مبارکپور سے شائع ہوئی ہیں۔جن میں تیسرا اور چوتھا حصہ حبر الامۃ حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب بانی سنی دارالاشاعت کی حیات میں شائع ہوا اور چار جلدیں فقیر کی کاوش اور سعی سے مرتب ومطبوع ہو کر قوم کا سرمایۂ افتخار ہیں۔نویں جلد جو دسویں کے نام سے

---

(۱) یہ مجموعہ فتاویٰ کتاب الصلاۃ جلد اول میں شامل اشاعت ہے۔۱۲ مرتب

(۲) یہ بھی کتاب الصلاۃ میں شامل ہے۔۱۲ مرتب

بریلی شریف یا پیلی بھیت سے شائع ہوئی ہے اس کی ترتیب وتہذیب اور تکمیل کا کام جاری ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی باقاعدہ اشاعت کے دن جلد لائے۔آمین۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ قلمی رسالے جواب تک نایاب تھے اب دستیاب ہو گئے ہیں۔ان میں فتاویٰ رضویہ جلد سوم باب الجمعہ کا ایک عربی رسالہ "شمائم العنبر" جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم کا ایک شاہکار ہے اس کا بھی ترجمہ وتصحیح مکمل ہے،مبیضہ بھی تیار ہے۔عمر نے وفا کی اور توفیق الٰہی شامل حال رہی تو ان سب کو منصہ شہود پر لانے کا عزم ہے۔(۱) السعی منی و الا تمام من اللہ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وأصحابہ اجمعین۔

عبدالمنان اعظمی

۲۹ر رمضان ۱۴۱۸ھ

(۱) یہ کتاب حضرت بحرالعلوم کے ترجمہ وتقدیم کے ساتھ رضا اکیڈمی بمبئی سے شائع ہو چکی ہے۔

۹۲/۸۶ء

نوری ایوارڈ

NOORI AWARD



سراج السالکین حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں تاجدار مسند
مارہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ۱۷۵ روا‌ں سالہ جشن یوم ولادت
کے موقع پر نوری تصوف کانفرنس میں ۲۱ رشوال المکرم ۱۴۳۰ھ مطابق
۱۱ راکتوبر ۲۰۰۹ء کو انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر نئی دہلی میں فتاویٰ رضویہ شریف کی
کئی جلدوں کی طباعت واشاعت کے اعتراف میں رضا اکیڈمی ممبئی نے

بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی

شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی، مئو کی خدمت میں نوری ایوارڈ پیش کیا

Presented by : **RAZA ACADEMY** MUMBAI

عرض ناشر و مرتب

غالباً ۱۹۹۹ء کی بات ہے جب میں جامع الاحادیث کا مبیضہ لے کر استاذی الکریم حضرت بحر العلوم مدظلہ العالی کی خدمت میں بغرض اصلاح حاضر ہوا تھا، اس وقت حضرت نے اپنے فتاویٰ کے ایک رجسٹر کی نقل دکھائی جو پانچ سال کے عرصہ میں رمضان المبارک کی تعطیلات میں کسی کے ذریعہ آپ نے نقل کرائے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ آپ کے فتاویٰ کے جب دس سے زیادہ رجسٹر ہیں تو اس طرح نقل میں ایک طویل مدت درکار ہوگی، لہذا جامع الاحادیث کی ترتیب تکمیل کے قریب ہے، انشاء المولیٰ تعالیٰ اس سے مکمل فراغت کے بعد یہ کام کمپیوٹر کی مدد سے میں انجام دوں گا۔ حضرت نے مسرت کا اظہار فرمایا اور چند ماہ کے بعد یہ پورا ذخیرہ میرے سپرد کر دیا۔

راقم نے اپنے لیے اس کو وجہ سعادت سمجھتے ہوئے کام شروع کر دیا، کام کے ابتدائی دور میں تو حالات امید افزا ثابت ہوئے پھر جوں جوں کام آگے بڑھتا گیا مشکلات سامنے آتی گئیں، میں سمجھتا تھا کہ کمپیوزنگ کے بعد ترتیب آسان ہو جائے گی لیکن اس میں کام اور الجھ گیا، اس کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ فتاویٰ میں ناقلین کی تحریر خط شکست میں اور اس میں کچھ غلطیاں جس کی وجہ سے کمپوزرس نے مزید غلطیاں کر ڈالیں، پھر بھی میں نے کام کو جاری رکھا۔

اسی درمیان حضرت سے گذارش کی کہ آپ ایک ایک مرتبہ اس کے مضامین کو بغور ملاحظہ فرمالیں اور جہاں حذف و اضافہ ضروری ہو وہ بھی کر دیں۔ حضرت نے منظور فرمالیا اور کمپوزنگ کے ساتھ ساتھ یہ کام شروع ہو گیا۔ ایک رجسٹر کمپوز ہوتا اور حضرت کے پاس چلا جاتا، پھر دوسرا اور تیسرا، اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا، بہت سے مکرر فتاویٰ پہلے ہی حذف ہو گئے تھے باقی حضرت نے کمپوزنگ کے بعد حذف فرما دیے اور اردو عبارت کی غلطیاں بھی درست فرمادیں جس میں تین چار سال لگ گئے۔ لیکن دوسرا پرنٹ اس وقت نکالا جب سارا میٹر میرے پاس آگیا۔ اس درمیان کمپیوٹر سے کچھ فائلیں غائب ہو گئیں تھیں یعنی پانچ سو سے زیادہ صفحات اڑ چکے تھے جن کو دوبارہ کمپوز کرانا پڑا۔ اور ایک مرتبہ تصحیح کے بعد سب کو یکجا کر کے عناوین مقرر کیے، ابواب وضع کیے اور پورے میٹر کو چھ جلدوں پر تقسیم کر دیا۔ اس میں کل عنوان (۲۴) راور ابواب (۱۹۷) قرار پائے۔

چونکہ کمپوزنگ اصل مسودہ سے ہوئی تھی لہذا بعض کمپوزرس جو نو آموز تھے انہوں نے اور زیادہ غلطیاں کر دی تھیں، اس لیے حضرت کے حذف و اضافہ اور تصحیح کے بعد مرتب شدہ چھ جلدوں کی دوبارہ تصحیح کی اور پھر حضرت کو فہرست سازی کے لیے بھیجا اور عرض کیا کہ فہرست کے ساتھ اردو عبارات کی غلطیوں کی مزید اصلاح بھی فرمادیں۔ ہاں عربی عبارات کی درستگی اصل ماخذ کے بغیر مشکل ہے، لہذا اس میں مراجعت کتب کی ضرورت

پیش آئے گی جس میں آپ کو دشواری ہوگی، یہ کام اکیڈمی میں بیٹھ کر ہم لوگ کرلیں گے۔

فہرست سازی کے دوران چونکہ اصل توجہ مضمون کی طرف رہتی ہے لہذا حضرت نے فہرست تو کافی طویل بنادی اور ساتھ ہی دوبارہ بہت سے فتاوی بھی حذف کردیے لیکن باقی کام ہم لوگوں کے سپرد رہا۔(واضح رہے کہ کمپوز کے بعد تقریبا دو ہزار صفحات مکرر اور انکے علاوہ دیگر فتاویٰ کے حذف کیے گئے ہیں تاکہ مجموعہ کو بہتر سے بہتر بنایا جاسکے، اب بھی اگر کہیں تکرار نظر آئے گی تو وہ کسی خاص وجہ کے تحت ہوگی یا یہ کہ کہیں ضمنی مسائل میں) آخری مرحلہ عربی عبارات کو اصل آخذ سے ملانا تھا، اس کے لیے میں نے کمر ہمت باندھی تو عربی کے ساتھ اردو میں پھر بہت زیادہ اغلاط نظر آئیں، لہذا اس مرتبہ یہ غیر متوقع الجھنیں مزید پریشانی کا سبب بن گئیں۔ یہ سب کمپوزرس اور بعض ناقلین کی کارگزاریاں تھیں جن کا بار بار ہم لوگوں کو خمیازہ بھگتنا پڑا۔

آخر کار اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں باقاعدہ اس کے یے مستقل طور پر وقت نکالوں ورنہ یہ کام مکمل نہیں ہوسکے گا۔ یہ آٹھ نو سال کا عرصہ کامل توجہ کے بغیر گذرا تھا، اگر یک سوئی سے کام کرنے کا موقع ملتا تو یہ سب پریشانیاں نہ آتیں، یا آٹھ نو سال میں درس کے علاوہ صرف تین سال ہی مل جاتے تو کام بحسن وخوبی ہوجاتا لیکن میرا حال یہ ہے کہ ایک کام پورا نہیں ہو پاتا کہ اس کے درمیان میں دوسرے کام نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

جامع الاحادیث کی ترتیب کے بعد سے نو سال کا عرصہ گذر گیا، اس عرصہ میں مجھے جامع الاحادیث کی بقیہ چار جلدیں بھی لکھنا تھیں جو بحمدہ تعالیٰ دو سال میں مکمل ہوکر چھپ بھی گئیں۔ ادھر فتاویٰ امجلیہ چار جلدوں کی ترتیب وتصحیح بھی بعض بزرگوں کے حکم سے معرض وجود میں آئی۔

سیدنا اعلیٰ حضرت اور تاج الشریعہ کی تعلیقات بخاری کی تبییض وترتیب بھی میرے سپرد ہوئی جس کو ایک سال میں مسودوں اور کاغذ کے پرزوں سے جمع کرکے مرتب کیا اور کمپوز کرایا اور دو مرتبہ تصحیح کے بعد مجلس برکات مبارکپور کے سپرد کردیا جس کو عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد صاحب مصباحی مدظلہ العالی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ نے نظر ثانی اور تحقیق انیق کے ساتھ بخاری شریف کے آخر میں لگا کر مجلس برکات سے شائع فرمادیا۔

ادھر حاشیہ بیضاوی محشی افضل المحققین حضرت علامہ شاہ وجیہ الدین قبلہ علوی گجراتی قدس سرہ بھی تقریبا دو سال سے میرے پاس ہے جس کی تبییض وترتیب کا کام چل رہا ہے۔ حیدرآباد اور علی گڑھ وغیرہ تین مقامات سے تین مخطوطے حاصل کیے گئے ہیں، یہ حاشیہ سورۂ حجر تک ہے، تقریبا چار سو سال گذر جانے پر بھی یہ علمی ذخیرہ اب پوشیدہ ہی ہے، مخطوطے بھی صحیح حالت میں نہیں رہے ہیں اور بعض مقامات پر نسخوں کا اختلاف علیحدہ پریشانی کا سبب ہے اس لیے اس میں کافی محنت اور وقت کی ضرورت ہے، ساتھ ہی تفسیر بیضاوی شریف بھی اس کے ساتھ کمپوز ہورہی ہے اور پھر تصحیح وترتیب کا عمل بھی جاری

ہے۔

یہ کام حضرت مولانا نظام الدین صاحب رضوی مصباحی خطیب و امام مسجد ''بولٹن'' (یو۔ کے) کی فرمائش پر شروع کیا گیا ہے اور اکثر حصہ ہو چکا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس علمی سرمایہ کو بھی ہم جلد ہی منظر عام پر لانے میں کامیاب ہو جائیں گے، انشاء المولیٰ تعالیٰ۔

ان کے علاوہ مہینے دو مہینے بلکہ چار چھ مہینے میں ہونے والے کاموں کی فہرست الگ۔ صدر العلما محدث بریلوی نمبر بھی اسی عرصہ میں مرتب ہو کر شائع ہوا، اکیڈمی سے شائع ہونے والی ایک درجن سے زیادہ کتابوں کی تصحیح وترتیب بھی اسی زمانہ میں ہوئی، نیز امام احمد رضا اکیڈمی کے لیے زمین کی فراہمی اور پھر بے سروسامانی کے عالم میں اس پر دو منزلہ عمارت کی تعمیر کے لیے محنت ومشقت، یہ بھی شب وروز کی انتھک کوششوں سے تاہنوز جاری ہے۔

ان حالات میں فتاویٰ بحرالعلوم کی ترتیب وتبویب اور تصحیح وتخریج کو دیکھا جائے تو واقعی یہ میرے مرشد اعظم شیخ المشائخ تاج دار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدی وسندی حضور مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ کا فیض وکرم واستاذ گرامی وقار حضرت بحرالعلوم قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے اور ساتھ ہی میرے بعض احباب کی بسا اوقات معاونت کا نتیجہ ہے کہ یہ گنج گراں مایہ ہم قوم وملت کے لیے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

یہ تمام تفصیلات اس لیے لکھ دیں تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ ہم نے اس علمی اور دینی ذخیرہ یعنی (فتاویٰ بحرالعلوم) کو منظر عام پر لانے میں بلا وجہ تاخیر نہیں کی بلکہ واقعی کچھ وقتی مجبوریاں اور کچھ مسلسل شب وروز کی مصروفیات تھیں جن کو مؤخر کرنا اختیار میں نہیں رہا تھا۔

جن احباب نے تصحیح وتحقیق میں قلمی تعاون کیا ان میں سرفہرست وہی ذات گرامی ہے جس نے جامع الاحادیث میں بھی قدم قدم پر ساتھ دیا تھا اور میری خاطر از اول تا آخر جامع الاحادیث کی چھ جلدوں کی تصحیح بلکہ اصلاح بھی فرمائی تھی، یعنی محب گرامی قدر حضرت مولانا عبدالسلام صاحب رضوی استاذ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف۔ موصوف نے ایک آدھ جلد کو چھوڑ کر تقریباً تمام جلدیں اس طرح دیکھیں جیسے وہ خود اپنی کتاب لکھ رہے ہیں، اس کی وجہ یہی تھی کہ کمپوزرس نے نہایت مشکلات کھڑی کر دی تھیں۔

عربی عبارات جستہ جستہ بغیر مراجعت کتب کے دیکھی گئی تھیں لیکن آخری مرحلہ میں اصل کتابوں سے مقابلہ شروع ہوا تو بھی بہت سے مقامات پر آپ نے ساتھ دیا، مراجعت کتب کے لیے اکیڈمی میں علمی وانتظامی امور پر مامور عزیزم حضرت مولانا محمد حبیب خاں صاحب تسلیم پوری نے از خود اور میرے ساتھ مل کر شب وروز تخریج کا کام اپنی انتھک کوششوں سے کیا۔ حتی کہ اکیڈمی کا نہایت وسیع کتب خانہ بھی بعض اوقات حوالوں کے لینے نا کافی ثابت ہوا اور بعض عبارتیں تلاش بسیار کے بعد بھی نہ مل سکیں جن کو اندازہ سے درست کیا

گیا اور حضرت بحرالعلوم کو اس کی اطلاع بھی کر دی گئی تو فرمایا آئندہ ایڈیشن میں کوشش کی جائے۔

تخریج کے دوران حضرت مولانا ممتاز احمد صاحب مصباحی بھی اچانک اکیڈمی میں آگئے تھے اور انہوں نے اکیڈمی میں قیام کرنے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے حوالوں کی تلاش کے لیے ان سے کہا، لہذا وہ اس کام میں مصروف رہے لیکن اکثر کام ہمارے حوالے کر کے رخصت ہو گئے، ہم ان کے بھی شکر گذار ہیں۔

فتاویٰ کی چھ جلدوں میں آیات کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہی ہوگی، آیات پر اعراب لگانے کا پروگرام پہلے ہی سے تھا لیکن کسی بھی کمپوزر نے ایسا نہ کیا، بلکہ دوسری عبارات کی طرح آیات میں بھی بہت سی غلطیاں کر ڈالیں جن کی تصحیح اپنی جگہ ایک علیحدہ مسئلہ تھا، اس سلسلہ میں بعض ماہرین کمپیوٹر سے معلومات فراہم ہوئیں کہ قرآن کریم انٹرنیٹ پر ایسا بھی آرہا ہے کہ اس سے آپ آیات کاپی کر کے جہاں چاہیں چسپاں کر سکتے ہیں، لہذا اس کی تلاش شروع کی، یہاں تو نہ مل سکا البتہ عزیزم مولانا محمد اسلم صاحب پیلی بھیتی جو اسی سال جامعہ ازہر مصر گئے ہیں انہوں نے خوشخبری سنائی کہ یہاں طلبہ کے پاس اس طرح کا قرآن کریم ہے اور میل کے ذریعہ آپ کو بھیج دیں گے، چنانچہ حضرت مولانا محمد شاہ عالم صاحب متعلم جامع ازہر مصر نہایت کوششوں کے بعد بھیجنے میں کامیاب ہو گئے اور یہاں عزیزم محمد امین رضا سلمہ اپنے نیٹ پر اس کو محفوظ کر کے میرے پاس لے آئے اور اس طرح آیات کی تصحیح نہایت اچھے انداز میں ہو گئی، اگر چہ ایک ہزار جگہ سے کاپی کر کے اس کو چسپاں کرنے کا عمل بھی اپنی جگہ طویل ثابت ہوا، میں ان سب کا بھی شکر گذار ہوں۔

اور بعض جلدوں کی تصحیح کے لیے جن حضرات نے حصہ لیا وہ حسب ذیل ہیں:

حضرت مولانا صغیر اختر مصباحی استاذ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

حضرت مولانا معین الدین خاں برکاتی مصباحی استاذ جامعۃ الرضا بریلی شریف

حضرت مولانا محمد افروز صاحب استاذ عزیز العلوم نانپارہ

حضرت مولانا محمد جابر خاں صاحب مصباحی سابق استاذ الجامعۃ الاشرفیہ

ان حضرات میں کسی نے ایک جلد اور کسی نے نصف ایک ایک مرتبہ دیکھی اور تصحیح کی اور اپنی مفید آرا سے بھی نوازا۔

کام یہاں تک پہونچا تو اب آخری مرتبہ کمپیوٹر پر باقاعدہ تصحیح اور سٹنگ کا مسئلہ در پیش آیا اور ادھر کمپوزرس ایک ایک کر کے غائب ہو گئے، اس میدان کے دوسرے لوگوں سے بات ہوئی تو معلوم ہوا کہ تین گنی رقم صرف تصحیح کے لیے خرچ کرنا ہوگی باقی اخراجات یعنی سٹنگ اور دو مرتبہ پرنٹ یہ سب علیحدہ رہے۔ اور اب وقت بھی اتنا نہیں تھا کہ حسب سابق آہستہ آہستہ کام کیا جاتا، کیونکہ ایک زمانہ سے حضرت بحرالعلوم کا، احباب کا اور خود میرا بھی یہ ارادہ تھا کہ کتاب جب بھی آئے گی اس کا رسم اجرا مارہرہ مقدسہ کی خانقاہ عالیہ برکاتیہ کے ظل

ہمایوں میں ہوگا۔اور یہ روداد میں رجب کے آخری ایام کی سنا رہا ہوں،یعنی اب صرف تین ماہ کا وقت تھا اور چار ہزار صفحات کی دو مرتبہ تصحیح،پھر فتاویٰ کی سٹنگ،فہرست کے پانچ سو صفحات کی کمپوزنگ اور فائنل صفحات سے فہرست کی مطابقت،آیات واحادیث کی فہرست،مآخذ ومراجع کو تلاش کر کے ان کی ترتیب،کتاب پر مقدمہ لکھنا،عرض ناشر تیار کرنا اور بہت سے کام جو وقتی طور پر نکل آئے۔کاموں کی کثرت وقت کی قلت اور افراد ندارد اور میری یہ حالت کہ دونوں آنکھوں کے آپریشن کے سبب کمپیوٹر پر کام کرنے سے معذور،چاروناچار پروگرام بنایا کہ لیپ ٹاپ خریدوں اور یہ سب کام خود ہی انجام دوں کیونکہ اس کے ذریعہ روشنی میں باہر کسی بھی جگہ کام کرلوں گا اور نگاہوں پر بوجھ کم پڑے گا۔غرض کہ پروگرام کے تحت لیپ ٹاپ لے کر میں نے کام شروع کردیا،البتہ پانچ سو صفحات کی فہرست کی کمپوزنگ میرے لیے بڑا مسئلہ تھا جس کے لیے جامعہ کے ایک محنتی اور ہونہار طالب علم عزیزم مولوی محمد نعیم نوری فاضل پوری سلمہ اور میرے ساتھ میرے گھر کے خورد و کلاں کو بھی لگنا پڑا جس میں حافظ محمد معیف رضا،حافظ محمد عفیف رضا،محمد نظیف رضا،محمد توصیف رضا سلمہم نے شب وروز مشغول ہو کر کام انجام دیا

لہذا شب وروز کی کوششوں اور رمضان المبارک کے بابرکات لمحات میں شب بیداری سے کام میں برکت ہوئی اور امید ہو چلی کہ وقت پر کتاب منظر عام پر آجائے گی۔ہمارا نشانہ یہ تھا کہ عید تک یہ کام مکمل کرنا ہے لیکن ایسا نہ ہوسکا اور آج ۴/ذوالقعدہ بروز ہفتہ یہ کام پایہ تکمیل کو پہونچ رہا ہے۔

ادھر چھ ماہ قبل تک میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری بھی مجھے ہی نبھانا ہوگی،لیکن وقت پر یہ مسئلہ بھی آکھڑا ہوا،اتنی خطیر رقم کا انتظام بظاہر میرے لیے دشوار تھا،اس لیے کہ اکیڈمی میں سرمایہ بالکل نہ ہونے کے سبب تعمیری کام بھی ادھورا پڑا ہے۔،اس عالم میں ساری محنتیں معلق ہوتی نظر آرہی تھیں،مگر بزرگوں کی دعاؤں سے مسبب الاسباب نے غیب سے اسباب پیدا فرمادیئے۔میں نے اپنے چند احباب اور اصحاب خیر کو اس طرف دعوت دی تو مسئلہ حل ہوگیا۔ فالحمد لله علیٰ ذلك ۔لہذا بعض نے بطور شیر،بعض نے بطور قرض،اور اکثر حضرات نے اکیڈمی کے تعاون کے طور پر رقم فراہم کردی۔

مالی مشکلات کے حل کے لیے جن حضرات نے نمایاں رول ادا کیا ان میں پہل کرنے والے مخیّر قوم وملت عالی مرتبت الحاج رفیق احمد صاحب برکاتی ہیں جنھوں نے ہمیشہ اکیڈمی کی معاونت میں ہماری ہمت افزائی کی ہے،بلکہ اس کتاب میں اکثر تعاون انہی کا ہے۔ہم ان کے نہایت ممنون ہیں،جب انہوں نے پہل کی تو ہمارے لیے یہ نیک فال ثابت ہوئی،لہذا دوسرے حضرات بھی شریک ہوتے گئے۔

ان میں حضرت بحرالعلوم کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد محفوظ صاحب (ہالینڈ)

جماعت رضائے مصطفیٰ (یو۔کے) کے ارکان میں

حضرت علامہ مولانا محمد حنیف صاحب رضوی (بولٹن)

حضرت علامہ محمد اقبال صاحب رضوی (بولٹن)
حضرت علامہ مولانا محمد محسن صاحب رضوی (بولٹن)
حضرت علامہ محمد شفیع صاحب رضوی (بلیک برن) سرفہرست ہیں
نیز محب مکرم حضرت مولانا محمد حیات صاحب مقیم حال مکہ مکرمہ
حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اشرفی خطیب و امام محمد نور الاسلام (بولٹن)
نے بھی بھرپور تعاون فرمایا اور یہ کشتی بھنور میں پھنستے پھنستے کنارے آلگی، ہم ان تمام حضرات کے بھی نہایت مشکور ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ سب کو دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔

ہم لوگوں کی خواہش تھی کہ فتاویٰ اور صاحب فتاویٰ کے تعلق سے سادات کرام مارہرہ مقدسہ کے تأثرات مل جائیں تو وہ اس مجموعہ کی زیب و زینت میں اضافہ کا سبب ہوں گے اور قبولیت انام کے لیے نیک فال بھی۔ بحمدہ تعالیٰ ہماری گذارشات کو منظور فرماتے ہوئے حضرت امین ملت اور حضرت شرف ملت مدظلہما العالی نے اپنے بیش قیمت تأثرات سے نوازا جن کو شروع کتاب میں قارئین ملاحظہ فرما چکے، ہم ان دونوں مخدومان گرامی وقار کے تہہ دل سے ممنون ہیں۔

ان تمام مراحل سے گزر کر کتاب کی طباعت کا مرحلہ آیا، اگر یہاں آکر تاخیر ہو جاتی تو بھی ہم اپنے عزائم میں ناکام ہی رہتے، لہٰذا ہم شکر گذار ہیں محب محترم برادر مکرم حضرت مولانا انوار احمد صاحب قادری خلف اکبر و جانشین فقیہ ملت کے جنھوں نے نہایت مختصر وقت میں کتاب کو اپنی انتھک کوششوں سے نہایت حسین انداز اور اعلیٰ معیار کے ساتھ طبع کرا کے وقت مقررہ پر عرس قاسمی کی نورانی محفل میں لے آئے۔

یہ تمام کام اکیڈمی کے ذریعہ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا، لہٰذا یہ بڑی ناسپاسی ہوگی کہ ہم ایسے موقع پر اکیڈمی کے بانی عالی مرتبت حضرت سید شوکت حسین صاحب مقیم حال جدہ کا ذکر نہ کریں جن کے لگائے ہوئے باغ میں یہ پھول کھل رہے ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت کا کام ہو رہا ہے، لہٰذا ہم ان کے بھی ممنون کرم اور احسان مند ہیں۔

اس کام کا جب آغاز ہوتو میں جامعہ نوریہ رضویہ میں مقیم تھا، سب سے پہلے کمپوزنگ وہیں شروع ہوئی اور کافی حد تک کام آگے بڑھا، لہٰذا جامعہ کے بانی اور ناظم اعلیٰ نبیرۂ اعلیٰحضرت حضرت مولانا منان رضا خاں صاحب منانی میاں مدظلہ العالی کے بھی ہم شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ہم لوگوں کو درس کے ساتھ اس طرح کے دینی و علمی کاموں کے لیے فارغ کر دیا ہے، چنانچہ ہم اپنی صواب دید پر بعض اوقات جامعہ کے وقت میں بھی دوسرے دینی کام کر لیتے ہیں اور وہ ان کاموں سے خوش ہوتے ہیں۔

آخر میں اللہ رب العزت جل مجدہ کی بارگاہ اقدس میں دست بدعا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ علم و فن کے شہریار

استاذ گرامی وقار حبر الفنون بحر العلوم دامت برکاتہم القدسیہ کا سایہ ہم سب اہل سنت پر صحت وسلامتی کے ساتھ تادیر قائم رکھے اور ان کے فیوض وبرکات سے ہم سب کو مستفیض فرمائے۔ نیز اس مجموعہ فتاویٰ کی ترتیب، تحقیق، کتابت، طباعت، اور اشاعت میں کسی بھی طرح سے جن حضرات نے حصہ لیا ان سب کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

ناظم اعلیٰ امام احمد رضا اکیڈمی

صالح نگر بریلی شریف

مؤرخہ ۳/ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ/۲۳/اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز جمعۃ المبارکہ

تقدیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلي على حبيبه الكريم

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

صدرالمدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

علم فقہ کی دولت سے ہر ایک بہرہ ور نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس میں محض کسب وکوشش اور جد وجہد کو دخل ہوتا ہے بلکہ یہ عطیہ ربانی ہے کہ خداوند قدوس جل جلالہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے اس نعمت عظمیٰ سے نوازتا ہے۔

((من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين))۔(حديث)

اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

دین کی سمجھ کا نام ہی علم فقہ ہے، اور جب کسی بندہ مومن کو دینی سمجھ اور اسلامی شعور حاصل ہوتا ہے تو پھر اس کا کسب وتحصیل، جہد مسلسل اور شب وروز کی کاوشیں اس کو اس اعلیٰ مقام اور ذروۂ کمال تک پہونچا دیتی ہیں کہ اس کا سینہ قرآنی علوم ومعارف کا گنجینہ اور احادیث نبویہ کی روشن تعلیمات کا سفینہ بن جاتا ہے۔

یہ علم سعادت ابدی وسرمدی کا ذریعہ ہے، اسی کے ذریعہ انسان کو ان چیزوں کی معرفت حاصل ہوتی ہے جن سے نفع ونقصان وابستہ ہے، یہ علم ہی ان دونوں کے درمیان خط امتیاز قائم فرماتا ہے اور نفس انسانی کو اس کے حصول سے مضرت رساں اور فائدہ مند اشیاء سے واقفیت حاصل ہوجاتی ہے۔ لہذا اس کا ثمرہ ونتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو خوبیوں سے آراستہ کرتا ہے اور برائیوں سے دور رہتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں منقول ہے:

معرفة النفس ما لها وما عليها ۔(توضيح وتلويح)

ترجمہ: ان چیزوں کا علم جو آدمی کے لیے مفید اور مضر ہیں۔

فقہ اسلامی کا ایک شعبہ افتاء بھی ہے، افتاء کے معنی لغت میں مطلق جواب دینا، یا کسی مشکل حکم کا جواب دینا ہے۔(مفردات امام راغب)

قرآن کریم میں لفظ افتاء واستفتا مختلف معانی میں وارد ہوئے ہیں۔

مثلاً حکم دینا، تحقیق چاہنا، خواب کی تعبیر بتانا، جواب دینا، جواب چاہنا، مشورہ دینا، رائے دینا، جیسا کہ

مندرجہ ذیل آیات سے یہ معانی ظاہر ہیں۔

۱۔﴿ویستفتو نك فی النساء قل الله یفتیکم فیهن﴾، (النساء ۱۲۷)

اے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتوی پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتوی دیتا ہے۔

۲۔اسی سورۂ مبارکہ میں ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یستفتو نك قل الله یفتیکم فی الکلالة﴾ (النساء ۱۷۶)

اے محبوب تم سے فتوی پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوی دیتا ہے۔

۳۔فرعون مصر کے ایک خواب کی تعبیر کے سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿یا ایها الملأ افتو نی فی رؤیا ی ان کنتم للرویا تعبرون﴾ (یو سف ۴۳)

اے درباریو! میرے خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہے۔

۴۔ملک سبا کی ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ملنے پر اپنے درباریوں سے مشورہ طلب کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قالت یا ایها الملأ افتو نی فی امری﴾ (النمل :۳۲)

وہ بولی اے سردارو میرے معاملہ میں مجھے رائے دو۔

۵۔ایک اور مقام پر مذکور ہے:

﴿قضی الا مر الذی فیه تستفتیا ن﴾ (یو سف ۴۱)

فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے تھے۔

سورۂ یوسف میں ہے:

۶۔﴿یو سف ایها الصدیق افتنا﴾

اے یوسف، اے صدیق تعبیر دیجئے۔

اصطلاح شرع میں افتا کے معنی شرعی حکم اور فیصلہ سنانا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: الافتاء فانہ افادۃ الحکم الشرعی

فتوی دینے کا مطلب حکم شرعی سے آگاہ کرنا ہے۔

اور امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اس کی تعبیر یوں بیان فرمائی:

انما الا فتا ء ان تعتمد علی شئی و تبین لسا ئلك ان هذا حکم شرعی۔

(فتاویٰ رضویہ جلد اول)

فتویٰ دینے کے معنی پورے اعتماد کے ساتھ سائل کو اس کے سوال کا حکم شرعی بتانا ہے۔

آیت (۱) اور (۲) سے یہ بات ظاہر ہے کہ فتویٰ اور افتاء کو وہ عظیم مقام حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت خود اپنی ذات کریم کی جانب فرمائی۔

فتوائے شرعی یعنی حکم شرعی سے آگاہ کرنے کی ابتدا قرآن کریم کے نزول سے ہوئی اور پورا قرآن کریم اسی لئے نازل ہوا کہ لوگوں کو مذہب اسلام سے روشناس کیا جائے اور شریعت اسلامیہ سے آگاہی بخشی جائے۔

پھر جن احکام شرعیہ میں اجمال تھا ان کو حضور ﷺ نے اپنے اقوال مبارکہ اور افعال کریمانہ سے بیان فرمادیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس خاکدان عالم میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کی رہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے اور خداوند قدوس کا آخری پیغام لے کر تشریف لائے۔ آپ کے زمانہ اقدس میں جب بھی کوئی ضرورت پیش آئی براہ راست آپ کی ذات اقدس لوگوں کی ہدایت کے لئے منارہ نور تھی۔ کوئی واقعہ رونما ہوتا آپ اس کا حکم بیان فرماتے، کبھی وحی متلو یعنی قرآن کریم کی آیت مبارکہ سے۔ اور کبھی وحی غیر متلو حدیث شریف سے۔ آپ کا ہر قول وعمل انسانوں کے لئے شاہراہ عمل تھا قرآن حکیم نے فرمایا:

﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ﴾

لہذا صحابہ کرام کو کسی امر میں چنداں ضرورت نہیں تھی کہ وہ کسی دوسری جانب متوجہ ہوتے لیکن جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہری طور پر اس دنیا سے پردہ فرما گئے اور اسلام کے پیغامات دور دراز ملکوں تک پہونچے تو واقعات وحوادث کی بھی کثرت ہوتی چلی گئی۔ تہذیب وتمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ ان حالات میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے حضور کا یہ فرمان تھا۔

﴿لقد ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ وسنۃ رسولہ﴾

ترجمہ: بے شک میں نے تم میں ''بہت باعظمت چیزیں چھوڑ دی ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول۔

ایسے ماحول میں قرآن وحدیث کے مضمرات پر غور وفکر سے کام لینا ناگزیر ہوگیا۔ لہذا صحابہ کرام نے ان دونوں سرچشمہائے رشد وہدایت کو سامنے رکھ کر پیش آمدہ واقعات کے احکام شرعیہ سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ قرآن کریم کی تفسیر احادیث کریمہ کے ذریعہ لوگوں کے سامنے بیان فرماتے اور احادیث مبارکہ کے رموز واسرار اپنے اجتہادات کے ذریعہ سمجھاتے۔ یہ سلسلہ پہلی صدی کے آخر تک جاری وساری رہا، اس زمانہ میں مختلف مقامات پر مشہور مفتیان کرام میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں جن میں صحابۂ کرام اور بعض تابعین شامل ہیں۔

مفتیان مدینہ منورہ

حضرات خلفائے رابعہ۔حضرت عائشہ صدیقہ۔حضرت عبداللہ بن عمر۔حضرت ابو ہریرہ۔حضرت سعید ابن المسیب۔حضرت عروہ ابن زبیر بن العوام۔حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر۔حضرت علی بن الحسین۔حضرت عبیداللہ بن عبداللہ۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مفتیان مکہ معظمہ

حضرت عبد اللہ بن عباس۔حضرت مجاہد۔حضرت سعید بن جبیر۔حضرت عکرمہ مولی ابن عباس۔حضرت ابوالزبیر محمد بن مسلمہ۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مفتیان کوفہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود۔حضرت علقمہ بن قیس۔حضرت اسود۔حضرت مسروق بن الاجدع۔حضرت شریح ابن الحارث۔حضرت عامر بن شرحبیل۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مفتیان شام

حضرت عبدالرحمٰن بن الغنم۔حضرت رجاء بن حیوۃ۔رضی اللہ تعالیٰ عنہما

مفتیان مصر

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص۔حضرت یزید بن ابی حبیب۔رضی اللہ تعالیٰ عنہما

مفتیان یمن

حضرت طاؤس بن کیسان۔حضرت وہب بن منبہ۔رضی اللہ تعالیٰ عنہما

دوسری صدی کا آغاز صحابہ کرام کے نورانی قافلہ سے محروم ہوگیا۔تو اب تابعین کے سامنے مزید پیچیدگیاں آئیں جن کو حل کرنے کے لئے ان حضرات نے پوری صدی پر بکھرے ہوئے علمی سرمایہ کو یکجا کیا اور پوری تندہی کے ساتھ غور وفکر کر کے امت مسلم کے لئے قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ کی روشنی میں ایک منظم دستور حیات تشکیل دیا۔مہد سے لے کر لحد تک پیش آنے والے تمام وقائع کا بغور جائزہ لیا اور ایک مربوط نظام کے ذریعہ ہزارہا مسائل کا کتاب اللہ اور سنت رسول سے استخراج واستنباط فرمایا۔

امام اعظم ابوحنیفہ،امام مالک،امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان تمام حضرات کے اصحاب اسی دور

کے مجتہدین میں سرفہرست نظر آتے ہیں۔

ان نفوس قدسیہ کے درمیان امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی مسلم امام کی حیثیت رکھتی ہے۔

جلیل القدر صحابی صاحب النعلین والوسادہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے بارے میں حضور سرورکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

رضیت لا متی ما رضی لھا ابن ام عبد۔

ترجمہ: مجھے اپنی امت کے لیے وہ چیز پسند ہے جو ابن ام عبد (عبداللہ ابن مسعود) کو پسند ہو۔

آپ کو بارگاہ رسالت میں وہ تقرب حاصل تھا کہ حرم نبوی میں بے روک ٹوک حاضری دیتے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم جب یمن سے آئے تو حضرت عبداللہ کو ایک زمانہ تک یہی سمجھا کہ آپ اہل بیت نبوت کے کوئی فرد ہیں، کیونکہ آپ حرم نبوی میں اس کثرت سے آتے جاتے تھے کہ کوئی دوسرا نہیں۔

خدمت اقدس میں ہمیشہ حاضر رہتے، سفر وحضر میں ہر جگہ آپ کو حضور کی معیت حاصل رہتی۔

دور خلافت فاروقی میں آپ کوفہ تشریف لائے اور مسند درس وارشاد بچھائی۔علوم قرآنی اور تعلیمات نبوی سے خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا۔کوفہ کی گلیاں اور بام و در آپ کے علوم ومعارف سے گونج اٹھے۔ بلاد اسلامیہ کے باشندگان دور دراز سے سفر کرکے اکتساب فیض کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بڑے بڑے محدثین وفقہا آپ کے گہوارۂ علم وفضل سے مستفیض ہوکر چاردانگ عالم میں پھیل گئے۔اور پھر جب خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی مرتضی نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا تو مزید اس میں چار چاند لگ گئے،غرض کہ کوفہ اس دور میں مرجع خلائق تھا۔

اس درسگاہ سے فیض پانے والے بے شمار فقہا ومحدثین میں حضرت علقمہ اور اسود کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، پھر ان کے تلمیذ رشید حضرت ابراہیم نخعی نے اس شجر فقہ وفتاویٰ کی خوب آبیاری فرمائی، آپ کی مسند درس وتدریس پر آپ کے لائق وفائق تلمیذ ارشد افقہ الفقہاء حضرت حماد بن ابی سلیمان متمکن ہوئے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ہی کے خوان نعمت کے خوشہ چیں ہیں۔

امام اعظم نے چالیس سال تک جامع کوفہ میں درس وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے اصحاب کے ساتھ فقہ اسلامی کی باضابطہ بنیاد رکھی تاکہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے راہ ہموار ہو سکے۔اور نوخیز مسائل میں انہی اصول وضوابط پر استخراج مسائل کا سلسلہ جاری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فقہ اسلامی دینی علوم کا بیش بہا کا خزانہ ہے اور اس اہم کام نے لئے امام اعظم نے

جوذمہ داری تھی اس کو باحسن وجوہ انجام دیا۔ اگر چہ آپ تمام علوم کے جامع تھے لیکن آپ نے اس کے باوجود محدثین وفقہا کی ایک عظیم جماعت تشکیل دی اور باقاعدہ ایک بورڈ کے ذریعہ فقہ اسلامی کو مدون فرمایا۔

امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ میں اس وقت کے جلیل القدر اور عظیم الشان فقہا و محدثین میں مندرجہ ذیل حضرات سرفہرست تھے۔

امام عبداللہ بن مبارک۔ امام ابو یوسف۔ حفص بن غیاث۔ یحیی بن ابی زائدہ، اور داؤد طائی جو لاکھوں حدیثوں کے حافظ اور اس فن کے امام تھے۔

یحیی بن سعید قطان۔ داؤد طائی، جرح وتعدیل میں ید طولی رکھتے تھے۔

امام محمد اور قاسم بن معن کو ادب ولغت میں امامت کا درجہ حاصل تھا، اور امام زفر استنباط مسائل میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں: کہ اس طرح کے امام اعظم کے حلقۂ درس میں چالیس اصحاب تھے، جنہوں نے شب وروز کی محنت کے بعد مسائل شرعیہ پر مشتمل ایک مجموعہ مرتب کیا۔

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی مسئلہ سے متعلق آیت وحدیث پیش ہوتی، امام اعظم اس میں متعدد احتمالات بیان کرتے اور ان احتمالات کی تائید میں نصوص وعبارات پیش کرنے کے لئے اپنے تلامذہ میں تقسیم فرما دیتے اور ایک احتمال پر خود دلائل قائم فرماتے۔ تمام اصحاب ان احتمالات کی تنقیح وتوضیح میں کوشش فرماتے۔ (فتاویٰ شامی)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں: کہ میں امام اعظم کے کسی ایک مسئلہ کو لے کر کوفہ کے محدثین وفقہا پر دورہ کرتا اور جب دوسرے دن مجلس منعقد ہوتی تو امام اعظم فرماتے: فلاں نے اس مسئلہ میں یہ کہا ہوگا۔ اور فلاں نے یہ، امام ابو یوسف یہ سنکر حیران رہ جاتے اور امام اعظم اس پر فرماتے: میں تمام علم کوفہ کا عالم ہوں۔

غرض یہ کہ اس طرح جب کسی ایک احتمال پر اتفاق ہو جاتا تو اس کو لکھ لیا جاتا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی ایک احتمال پر متفق نہ ہونے کی صورت میں وہ احتمال انہی کی طرف منسوب ہو کر لکھا جاتا جو اس پر قائم ہوتے، اسی لئے کتب فقہ میں متعدد اقوال منقول ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ سب امام اعظم ہی کی جانب سے ہیں۔

امام اعظم کی اس مجلس کا مرتب کردہ مجموعہ نہایت ضخیم تھا، بعض نے چھ لاکھ اور بعض نے بارہ لاکھ مسائل پر مشتمل لکھا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مبالغہ ہو۔ لیکن ایک محتاط اندازہ کے مطابق یہ تعداد پچاس ہزار سے زیادہ تھی جس کی تصدیق امام ابو یوسف اور امام محمد کی تصانیف سے آج بھی کی جاسکتی ہے۔

یہ مجموعہ اگر چہ اب دستیاب نہیں لیکن اس کے قوانین وضوابط زمانہ مابعد میں اساسی اہمیت کے حامل رہے اور بعد کے مجتہدین نے ان پر خوب طبع آزمائی کی اور تفریع در تفریع سے بیشمار کتابیں معرض وجود میں آئیں

دوسری صدی سے لے کر آج تک یہ سلسلہ زور وشور کے ساتھ جاری رہا ہے، کسی زمانہ میں متون مذہب لکھے گئے، اور کبھی ان کی شروح تحریر کی گئیں اور ہر زمانہ میں فتاویٰ کی شکل میں کتابیں وجود میں آئیں۔

پہلی صدی ہجری سے لے کر فقہا کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا اس مختصر مقالہ میں سمانا مشکل ہے، بعض علماء وفقہاء نے کتب فقہ مدون کیں اور بعض نے کتب فتاویٰ مرتب فرمائیں، خالص فتاویٰ کے تحریری مواد کی تاریخ بھی عہد صحابہ ہی سے شروع ہوتی ہے، چنانچہ تاریخوں میں اکثر اس کا ذکر آتا ہے۔

ایک شخص ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فتووں کا مجموعہ لایا، انہوں نے پڑھ کر اس کی چند چیزوں کو تو برقرار رکھا اور باقی کو مٹا دیا اور فرمایا کہ یہ حضرت علی کی طرف غلط منسوب ہے وہ ہرگز ایسا فتویٰ نہیں دے سکتے، یہ واقعہ حضرت علی کی وفات کے بعد ہی کا ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ایک صحابی ہیں اسی لئے اولین کتاب فتاویٰ گویا عہد صحابہ کی یادگار ہے۔

ابو الحسین بصری نے اپنی کتاب المعتمد فی اصول الفقہ میں حضرت علی ہی نہیں بلکہ حضرت زید بن ثابت کے فتووں کا بھی ذکر کیا ہے جو ظاہری کتابی صورت میں پانچویں صدی ہجری تک پائے جاتے تھے۔ یقیناً دیگر صحابہ مثلاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے بھی بہت سے فتوے دیئے ہوں گے جو ممکن ہے کہ جمع بھی ہوئے ہوں۔

تابعین کے زمانے میں سب سے زیادہ خدمت اس علم کی قاضی کر سکتے تھے، ان کے پاس ہر روز مقدمے پیش ہوتے اور وہ اپنے فیصلوں کا بحذف مکررات انتخاب کر سکتے تھے، ایسا ایک مجموعہ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے، ان کے شریک درس امام محمد شیبانی کی کتاب ''الرقیات'' جواب نہیں ملتی، کہتے ہیں، کہ ان کے شہر رقہ کے زمانے کے فیصلوں کا مجموعہ تھی۔

الغرض کتب فتاویٰ کی تاریخ عہد صحابہ وتابعین سے شروع ہوتی ہے جو آج تک جاری ہے۔

مفتی بہ مسائل اور کثیر جزئیات پر مشتمل لکھی جانے والی کتابوں میں بلاد شام میں لکھی جانے والی ردالمحتار المعروف بہ فتاویٰ شامی اور متحدہ ہندوستان میں فتاویٰ ہندیہ المعروف بہ فتاویٰ عالمگیری اس کی روشن مثالیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ فتاویٰ ہندیہ کی ترتیب وتبویب میں پانچ سو جلیل القدر علمائے کرام شامل تھے۔

ہندوستان میں چودھویں صدی کے اندر فقہ حنفی کا ایک انمول خزانہ منظر عام پر آیا جو اپنی تحقیق اور وسعت معلومات کے لحاظ سے فقہ حنفی کے اصول وفروع کا بیش بہا ذخیرہ اور مذہب احناف کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔

یعنی ''العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' جو صرف ایک مرد مجاہد اور عظیم محقق امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کا کارنامہ ہے، اس کی قدیم بارہ ضخیم جلدیں ہیں جواب جدید طرز پر عربی عبارات کے ترجمہ اور تخریج کے ساتھ تیس جلدوں میں منظر عام پر آیا ہے۔ اس فتاویٰ کے ذریعہ فقہ حنفی کی فوقیت وعظمت آج

مخالفین کے قلوب میں بھی جاگزیں ہو چکی ہے۔امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ کے ذریعہ فتویٰ نویسی کا ایک جدید اسلوب سکھایا ہے،فقہائے احناف جن کو بالعموم فقہائے رائے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ فقہ حنفی قرآن وحدیث سے نہیں بلکہ محض قیاس واجتہاد سے سمجھا اور سمجھایا گیا ہے،حالانکہ زمانہ قدیم سے اس دعویٰ کی تردید علمائے احناف کرتے آئے لیکن امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ میں اسلوب ہی ایسا اختیار فرمایا کہ مخالفین کے دعوے ھبأ منثورا ہو گئے۔آپ جب کوئی فتویٰ تحریر فرماتے ہیں تو اولا آیات واحادیث سے استدلال فرماکر اصول وضوابط کی روشنی میں تصریحات فقہائے احناف پیش کرتے ہیں،دقیق مسائل اور لاینحل امور کی گتھیاں نہایت آسانی کے ساتھ سلجھا دیتے ہیں۔اس طرح کے ہزارہا مسائل آپ کے فتاویٰ کی زینت ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے جس اسلوب کی بنیاد رکھی تھی آپ کے خلفاء ومنتسبین اور آپ کی بارگاہ کے فیض یافتہ علمائے کرام ومفتیان عظام نے اس اسلوب کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا اور پیش آمدہ مسائل میں اسی کو نمونہ بنا کر فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی۔

فتاویٰ امجدیہ۔فتاویٰ مصطفویہ۔فتاویٰ حامدیہ۔فتاویٰ نوریہ۔فتاویٰ فیض الرسول۔فتاویٰ نعیمیہ۔فتاویٰ مظہری۔حبیب الفتاویٰ۔فتاویٰ اجملیہ اور دیگر علمائے اہل سنت کے وہ فتاویٰ جو مختلف رسائل وجرائد اور تصانیف اہل سنت میں بکھرے ہوئے ہیں اس نمونہ کی واضح مثالیں ہیں اور ان کے علاوہ غیر مطبوعہ فتاویٰ اس سے کہیں زیادہ ہیں جو مختلف دارالافتاء کی زینت،یا پھر عدم توجہی کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے نابود ہو چکے ہیں۔

پیش نظر فتاویٰ بحرالعلوم بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک خوب صورت کڑی ہے جس میں ہزارہا مسائل نہایت شرح وبسط اور تحقیق انیق کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔حضرت بحرالعلوم کی نصف صدی پر پھیلی ہوئی خدمت افتاء کا یہ بیش بہا خزانہ اور خوبصورت مرقع ہے۔فتاویٰ پر کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے لیکن راقم نے ان فتاویٰ کو از اول تا آخر پڑھا ہے اس لیے بعض فتاویٰ کے تعلق سے اپنے تأثرات کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں تاکہ قارئین کو ان فتاویٰ کی جانب خصوصی توجہ ہو سکے اور ان سے مکمل طور پر استفادہ کر سکیں۔

فتویٰ (۱)

ایک زمانہ سے مخالفین کی جانب سے یہ اعتراض گزدش کر رہا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو ''اعلیٰ حضرت، امام اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کیوں کہا جاتا ہے جب کہ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' صحابہ ہی کے لیے بولا جاتا ہے اور ''امام'' ائمہ مجتہدین کے لیے، اور ''اعلیٰ حضرت'' تو کسی کے لیے درست نہیں صرف حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بولا جانا چاہیے حالانکہ حضور کو بھی ''آں حضرت'' ہی کہا جاتا ہے۔

اسی طرح کا ایک سوال زیرِ نظر فتاویٰ کی جلد اول کتاب الصلاۃ باب الاذان کے تحت ضمنی طور پر مذکور ہے۔ حضرت بحرالعلوم نے اس کا جواب نہایت شرح وبسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور تینوں الفاظ کی تحقیق پیش فرمائی ہے جس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔ امامت کی دو قسمیں ہیں: صغریٰ و کبریٰ۔ صغریٰ سے مراد نماز کی امامت ہے اور کبریٰ میں تفصیل ہے۔

جو شخص لفظ ''امام'' کو صرف ائمہ مجتہدین میں ائمہ اربعہ کے لیے خاص مانتا ہے وہ غلطی پر ہے بلکہ اس میں وسعت ہے اور مختلف جہات سے بے شمار حضرات پر اس کا اطلاق سلفاً وخلفاً منقول ہے۔

اہل شرع کے یہاں امامت بمعنی خلافت ہے تو اس کا اطلاق اس ذات پر ہوگا جو مخلوق پر تصرف عام کا حق رکھے اور اس کی شرط امام کا مسلمان آزاد مذکر عاقل بالغ اور قرشی ہونا ہے جیسے یہ منصب خلفائے اربعہ وغیرہم کو حاصل ہوا۔

اور صوفیائے کرام کے یہاں بارہ امام اہل بیت کرام میں سے اہل سنت کے یہاں بھی مسلم ہیں اور ولایت کے منصب سے بڑھ کر درجۂ امامت انبیائے کرام کا خاصہ ہے جس کو قرآن میں ﴿انی جاعلك للناس اماماً﴾ کے ذریعہ بیان فرمایا گیا۔ ان تمام چیزوں کو حضرت نے مستند حوالوں سے مزین کرنے کے بعد علما کے یہاں استعمال اور ان کی تحریروں سے شواہد پیش فرمائے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو چار اور دس بیس اماموں کی بات نہیں بلکہ تاریخ اسلام میں ہزاروں شخصیات اس صفت سے متصف قرار دی گئی ہیں حتی کہ خود مخالفین اپنی کتابوں میں اس کو لکھتے چھاپتے اور بلا نکیر اس کو جائز مانتے چلے آئے ہیں، ایسی کتابوں کی نشاندہی بھی اس فتویٰ میں کی گئی ہے، گویا مخالفین کی مثال اس شخص کی ہے کہ جس شاخ پر بیٹھا ہے اسی کو کاٹ رہا ہے۔ اس سے بڑا احمق اور کون ہوگا۔

اسی طرح کی حماقتیں لفظ ''اعلیٰ حضرت'' اور ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کے بارے میں مخالفین سے سرزد ہوئیں کہ اپنے علما اور مشائخ کو خود لکھیں چھاپیں سب روا اور امام اہل سنت کے لیے ان الفاظ کے استعمال میں چراغ پا ہیں۔ یہاں بھی حضرت بحرالعلوم نے پہلے اعلیٰ حضرت اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معنوی حیثیت واضح فرمائی ہے جس کے ذریعہ ان کا استعمال علمائے متاخرین کے لیے بھی لغت وشرع دونوں کے پیش نظر نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ تحقیق کے طالب مذکورہ باب کھولیں اور بحرالعلوم کی تحقیقات سے شاد کام ہوں۔

فتویٰ (۲)

مساجد میں عورتوں کی حاضری سے ممانعت آج کا جدید مسئلہ نہیں بلکہ فاروق اعظم کی خواہش پر دور صحابہ میں طے ہو چکا، حتی کہ کچھ عورتیں جو مسجد نبوی میں حاضری کے لیے وارفتہ رہتی تھیں انہوں نے ام المومنین

کی خدمت میں فاروق اعظم کی شکایت اس امید پر کی تھی کہ یہاں ہمارے حق میں فیصلہ ہوگا اور حضور کے فرمان کے پیش نظر ان کا سوچنا اپنی جگہ ایک حد تک درست بھی تھا، لیکن جب ام المؤمنین نے بھی ان کو دوٹوک فیصلہ سنا دیا اور حدیث کا محمل واقتضا متعین فرمادیا تو وہ خاموش اپنے گھروں کو واپس ہوگئیں اور پھر صحابہ کا اجماع اس بات پر ہوگیا کہ مسجد میں جماعت کی حاضری سے عورتیں روکی جائیں گی۔

لیکن حدیث دانی کے زعم میں مبتلا آج کل کے غیر مقلدین صرف اور صرف وہی حدیث سناتے اور سمجھاتے ہیں کہ حضور نے تو یہ فرمایا ہے کہ اللہ کی باندیوں کو مساجد سے نہ روکو، ہم لوگ حضور کے امتی ہیں لہذا ہمارے لیے حضور کے فرمان پر عمل واجب، چنانچہ وہ لوگ غلط کرتے ہیں جو عورتوں کو مساجد سے باز رکھتے ہیں۔ جب صحابہ کا فیصلہ سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کے امتی ہیں لہذا ہمیں انہیں کی اتباع کافی ہے نہ کسی دوسرے کی اتباع کریں اور نہ کسی کو دین اسلام میں مداخلت کا حق حاصل ہے۔

حضرت بحرالعلوم سے بھی ایسے ہی کسی غیر مقلد کے بارے میں سوال ہوا جس نے فاروق اعظم کے فیصلہ اور اجماع صحابہ کو رد کرتے ہوئے اپنی دریدہ دہنی کا ثبوت دیا تھا اس کے جواب میں آپ نے ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا جس میں متعدد نظیروں سے یہ ثابت فرمایا کہ مسجد کے تعلق سے حضور کے زمانہ اقدس میں ایک عورتوں کی حاضری ہی نہیں بلکہ دوسرے امور بھی بلا نکیر رائج تھے لیکن بعد میں ان پر بھی پابندی لگادی گئی، مثلاً جانوروں حتی کہ کتوں کا مسجد نبوی میں آنا جانا، جوتے پہن کر مسجد میں نماز پڑھنا بلکہ اس سلسلہ میں تو حضور نے تاکیدی حکم فرمایا تھا کہ یہود کی مخالفت کرو اور اپنے جوتوں میں نماز پڑھو۔ لیکن آج بزعم خویش اہل حدیث بھی اس کی سراسر مخالفت کرتے ہیں نہ کوئی جوتے پہن کر نماز پڑھتا ہے بلکہ مسجد میں جوتے سمیت داخل تک نہیں ہوتا اور مسجد میں کتا تو کجا بکری کا داخلہ تک ممنوع قرار دیتا ہے۔ کیا یہ فرمان رسول کی مخالفت نہیں۔

دراصل بات یہ ہے کہ اختلاف زمانہ سے بہت سے احکام بدل جاتے ہیں، ام المؤمنین نے عورتوں کی شکایت پر یہی فرمایا تھا کہ آج تم نے جو چیزیں نکال رکھی ہیں اگر حضور کے زمانہ اقدس میں ہوتیں تو حضور بہ نفس نفیس خود عورتوں کو مسجد سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ ٹھیک اسی طرح زمانہ بدلنے پر جوتوں میں نماز اور مسجد میں جانوروں کا گھسنا معیوب قرار دیا لہذا آج جملہ اہل اسلام کا اسی پر عمل ہے اور یہ عین مرضی رسول کے موافق ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام ہمارے لیے واجب العمل ہیں لیکن صحابہ کی پیروی اور ان کے اجماعی احکام بھی ہمارے لیے انہیں نے واجب العمل قرار دیے۔ لہذا اصحابہ کی اتباع دراصل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی اتباع ہے۔

مزید وضاحت کے لیے حضرت نے سیدنا اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ سے استدلال فرماتے ہوئے قول صوری اور قول ضروری کی بحث بھی اٹھائی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قول صوری تو بلاشبہ یہی ہے کہ عورتوں کو

مسجد سے نہ روکو لیکن قول ضروری یہ ہے کہ عورتوں کی جمعہ و جماعات میں مسجد کی حاضری ممنوع ہے، تفصیل کے لیے متعلقہ فتویٰ کا مطالعہ کیجئے جو سات آٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

فتویٰ (۳)

کتاب الصلاۃ کے اسی باب کے ضمن میں اقامت کے وقت مقتدیوں کے صف بنا کر کھڑے ہونے کا مسئلہ بھی ہے۔ عام طور پر دیوبندیوں اور غیر مقلدین کو اس مسئلہ میں اہل سنت احناف سے شدید اختلاف ہے جس کی بنا پر فتنہ و فساد برپا کرنا بھی ان کا شیوہ بن چکا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کا قول و عمل حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح پر قیام سے متعلق واضح طور پر کتابوں میں منقول ہے لیکن وہابی قوم ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتی۔

اصل میں ان لوگوں کو اس حدیث سے دھوکا ہوا جس کو حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضرت بلال حضور کے حجرہ سے برآمد ہونے سے پہلے تکبیر پڑھتے ہی نہیں تھے۔ اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضور تشریف لاتے تو تکبیر شروع ہوتی اور لوگ فوراً کھڑے ہو جاتے لہذا شروع تکبیر سے کھڑا ہونا مسنون ہوا۔ دوسری حدیث جو ابو نعیم، مسلم اور ابوداؤد نے روایت فرمائی یہ ہے کہ لوگ پہلے ہی سے جماعت میں کھڑے رہتے اور حضور بعد میں تشریف لاتے۔

احناف اہل سنت اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ احادیث اپنے مقام پر درست لیکن امام ابوداؤد کی حدیث ((لا تقوموا حتی ترونی)) اس کے صریح معارض ہے تو پھر عمل کی کیا سبیل؟ لہذا اس کی توجیہ کے لیے دوسری حدیث ہے کہ مؤذن کی تکبیر پر لوگ کھڑے ہو جاتے اور حضور بعد میں تشریف لاتے۔ مقتدیوں کی یہ حالت دیکھ کر حضور نے منع فرما دیا کہ جب تک مجھے نہ دیکھ لو کھڑے نہ ہوا کرو۔ تو ممانعت والی حدیث بعد کی ہے اور جس پر عموماً عمل تھا وہ پہلے کی لہذا کوئی تعارض نہیں کہ پہلی منسوخ اور دوسری ناسخ اور منسوخ پر عمل ناجائز و ممنوع۔ اس فتویٰ میں دیگر امور بھی زیر بحث آئے ہیں جن کا مطالعہ قارئین کے لیے شرح صدر کا باعث ہوگا۔

فتویٰ (۴)

اسی کتاب الصلاۃ میں باب قرأت کے تحت مسئلہ آمین کی نہایت معرکۃ الآرا بحث ہے جس سے حضرت بحر العلوم کی علم حدیث اور نقد رجال میں گہری نگاہ اور مہارت تامہ کا اندازہ ہوتا ہے، اور وہابیہ غیر مقلدین کی اس باب میں بھی طفل مکتب ہونے کی حیثیت واضح ہوتی ہے۔

غیر مقلدین کا اصرار ہے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ نے جہر سے آمین کہتے ہوئے نماز پڑھائی اور فارغ ہو کر فرمایا میں نے ایسی نماز پڑھائی جو حضور کی نماز کے مشابہ ہے۔

(ابن ماجہ، خزیمہ، ابن حبان)

یہ روایت حضرت ابو ہریرہ کے شاگرد نعیم مجمر کے واسطہ سے منقول ہے۔

دوسری روایت وائل بن حجر سے ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمین کے وقت آواز دراز کی۔

(ابو داؤد۔ ترمذی)

آمین بالجہر کے بارے میں غیر مقلدین کا کل اثاثہ یہ دو حدیثیں ہیں اور بس، باقی جتنی روایتیں پیش کی جاتی ہیں سب جرح ونقد کے اصول پر ضعیف اور نا قابل استدلال ہیں۔

لیکن ان دونوں کا جواب احناف نے ایسا مسکت دیا ہے کہ مخالفین کو مجال دم زدن نہیں۔ پہلی حدیث کا جواب واضح ہے کہ تشبیہ میں مشابہت من کل الوجوہ نہیں ہوتی بلکہ وجہ تشبیہ صرف ایک کافی۔ لہذا حدیث آمین بالجہر میں صریح نہیں۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں نعیم مجمر منفرد ہیں۔ دوسری حدیث وائل بن حجر کی روایت میں "مدبھا صوتہ" یعنی آواز دراز کرنے کی بات ہے تو یہ قرأت بالسر میں بھی متصور لہذا یہ بھی جہر میں صریح نہیں۔

اس باب میں باقی روایتوں کا حال کیا ہے اس کی کامل تحقیق کے لیے کتاب کے صفحات کھولیے اور داد تحقیق دیجئے، مختصر یہ کہ حضرت نے لفظ آمین پر متعدد جہات سے بحث فرمائی ہے۔ مثلاً عربی زبان کی تاریخ میں اس کا مقام۔ یہ کلمہ محض دعا ہے۔ یا قرآن کی آیت بھی۔ اس کے سلسلہ میں مذاہب علما۔ اس کے بعد جہر کے دلائل اور ان پر تنقید ہے جن کا حاصل صرف یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ سے جہر و سر دونوں طرح کی روایات منقول ہیں لہذا جہر کو ترجیح دینا بلا مرجح ہے، اور حضرت وائل بن حجر کی روایات جو چھ سندوں سے مروی ہیں ان میں چار وجوہ سے سند و متن دونوں میں اضطراب ہے لہذا قابل استدلال نہیں۔ اس سلسلہ میں تنقیدات اور جرح و تعدیل کی ایک لمبی فہرست ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ آمین بالسر کے دلائل پر مشتمل ہے اور یہی کتاب کا اصل موضوع سخن ہے، آپ نے اس میں قرآن وحدیث سے استدلال فرما کر اب تک ہونے والے اعتراضات کے دنداں شکن جواب دیے ہیں، اس حصہ میں چھ انواع کے ضمن میں متعدد حیثیات سے بحث ہے جن کا خلاصہ خود حضرت کے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

معلوم ہوا کہ اصحاب جہر کی کل پونجی وہی حدیث وائل بن حجر ہے جس میں جہر کی طرح مخافت کی بھی تصریح ہے اور جو نفی و اثبات کے درمیان جھول رہی ہے، پس ایک ایسی حدیث پر اعتماد کر کے صحیح حدیث کے

مقتضیٰ کورد کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟ یہ امر ہر شخص پر خود ہی روشن ہے، ہم اگر کچھ کہیں تو شکایت ہوگی۔
ہم اگر شکر کریں گے تو شکایت ہوگی۔ (جلداول ص ۲۸۰)

پوری کتاب نوے (۹۰) حوالوں سے مزین ہے۔

فتویٰ (۵)

کتاب الصلاۃ باب العیدین میں ایک تفصیلی فتویٰ ''عیدین کی تکبیرات زوائد کے نام سے ہے، ضلع علی گڑھ کے ڈاکٹر اکرام الدین صاحب نے اپنے امام صاحب کی شکایت میں یہ مسئلہ دریافت کیا تھا جب انہوں نے عید الفطر میں نو زائد تکبیریں کہی تھیں۔

چونکہ احناف کے یہاں معمول بہا چھ زائد تکبیریں ہیں لیکن غیر مقلدین کو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے اور دلیل میں ہر جگہ دھوکا دہی کہ ہم حدیث رسول پر عمل کرتے ہیں حالانکہ حدیث پر ان کا عمل جہل مرکب کا شاخسانہ ہوتا ہے، یعنی حقیقت کچھ ہوتی اور یہ کچھ اور سمجھ بیٹھتے ہیں جیسا کہ مسئلہ اقامت اور مسئلہ آمین میں اس کی وضاحت ہو چکی، یہاں بھی صورت حال اس سے مختلف نہیں۔

حضرت بحرالعلوم نے اس موضوع پر بھی تحقیق کے دریا بہا دیے ہیں۔ پہلے تکبیروں کے سلسلہ میں مذاہب ائمہ کو بیان فرمایا ہے ایسے مذاہب کی تعداد بارہ ہے لیکن نو زائد تکبیروں کا کوئی مذہب ہی نہیں، غیر مقلدین جہل مرکب میں گرفتار ہیں۔ انہوں نے پہلی رکعت کی تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع کو بھی زوائد میں شمار کر لیا جس کی وجہ سے تعداد نو ہوگئی جو ان کی کھلی جہالت بلکہ ڈبل جہالت ہے۔ یہ حدیث جس سے نو تکبیروں کا ثبوت ملتا ہے وہی ہے جس سے علمائے احناف نے چھ تکبیرات زوائد کا ثبوت پیش فرمایا تھا باقی تین زوائد نہیں جیسا کہ ذکر ہوا۔

بارہ تکبیروں کی احادیث کے بعض راویوں پر شدید جرحیں جن کی تفصیل فتویٰ میں مذکور ہے، گیارہ تکبیروں والی روایات بھی کچھ اسی طرح ہیں، تفصیل کے لیے کتاب میں مذکورہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ آخر میں امام اعظم کے مسلک کی مؤید احادیث کا تذکرہ ہے اور ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات ہیں

کتاب میں ان تمام بحثوں کے ضمن میں ایک خاص بات یہ بھی موضوع بحث بنی ہے کہ تکبیرات زوائد کے قضیہ کی بنیاد کیا واقعی کوئی حدیث مرفوع ہے بھی؟ اس سلسلہ میں بحرالعلوم نے بدایۃ المجتہد سے ایک فیصلہ یوں نقل فرمایا کہ مغربی عالم قاضی ابن رشد فرماتے ہیں:

مسئلہ تکبیرات عیدین میں ائمہ نے صحابہ کرام کے اقوال کو ہی سند بنایا ہے، کیونکہ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہونچی۔

اس فیصلہ کی رو سے تو غیر مقلدین کہیں کے نہیں رہے جن کو ہمیشہ احادیث مرفوعہ ہی تلاش رہتی ہے۔ لیکن جب نہیں ملتی تو اپنی ناقص عقل سے ان احادیث مرفوعہ کو اپنی دلیل بنا لیتے ہیں جن میں ان کے مطلب کی کوئی چیز نہیں ہوتی اور یہی ہے جہل مرکب جو غیر مقلدین کے یہاں ہے حلوۂ تر۔ ۳۶ر صفحات پر پھیلا ہوا یہ فتویٰ تحقیق و تدقیق کا گنج گراں مایہ ہے۔

فتویٰ (۶)

کتاب الصوم باب رویت ہلال میں علی گڑھ سے آیا ہوا ایک سوال یہ ہے کہ اوقات صلاۃ و افطار و سحری میں علم ہیئت و نجوم کا کیوں اعتبار ہے اور رویت ہلال میں اس کا کیوں نہیں۔

آج بھی اس طرح کے سوالات اٹھ رہے ہیں اور یہ عصر حاضر کا نہایت حساس مسئلہ بن چکا ہے، یہاں تک کہ عالمی سطح پر لوگوں کی عبادتیں غیر شرعی طریقے پر ادا کرائی جا رہی ہیں، مثلاً حج کہ ایک طے شدہ نظام کے تحت پہلے سے کوئی دن متعین کر دیا جاتا ہے۔ اس کا تو اب کوئی علاج بظاہر نظر نہیں آتا جب تک کہ کوئی واقعی اسلامی حکومت عرب میں نہ قائم ہو جائے۔ اسی طرح ہندوستان میں وہابیہ دیوبندیہ اور غیر مقلدین نے چند سالوں سے یہ شوشہ چھوڑ رکھا ہے کہ ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ جدید ایجادات کے سہارے رویت ہلال کا مسئلہ بر وقت طے کر دیا جائے اور ان کے سہارے پورے ملک میں اعلان کر دیا جائے تا کہ ایک ہی دن عید کر سکیں اور اختلاف و انتشار سے محفوظ رہیں، رائے تو بہت اچھی ہے کہ اختلاف و انتشار نہ ہو کہ اس کے ذریعہ فتنہ کھڑا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اختلاف و انتشار کے شکار لوگ کیوں ہوئے اور کب ہوئے۔

حضرت بحرالعلوم نے ابتدا میں ایسی ہی بحثیں اٹھائی ہیں اور تحریر فرمایا ہے کہ انتشار برپا کرنے کا الزام انہیں پر ہے جو ان جدید آلات کے استعمال کو رویت ہلال میں معتبر مانتے ہیں ورنہ اپنا پچاس سال کا مشاہدہ بیان فرمایا کہ رویت کے سلسلہ میں کوئی خلفشار اس سے پہلے تھا ہی نہیں۔

دوسری بات یہ کہ چاند کے سلسلہ میں شریعت نے رویت پر مدار رکھا اور بہت سی دوسری عبادات کو نظام شمسی کے تابع قرار دیا، اسی فتویٰ میں حضرت نے اس کی وضاحت یوں فرمائی:

اتنا تو سب جانتے ہیں کہ طلوع و غروب کا مدار سورج کی یومیہ رفتار پر ہے جس سے رات دن کا پتہ چلتا ہے اور رویت ہلال کا دار و مدار چاند کی رفتار پر، جس سے مہینہ کا پتہ چلتا ہے۔ تو جب ان دونوں کا تعلق دو سیاروں کی رفتار سے ہوا اور دونوں کی رفتار بھی یکساں نہیں تو یہ سوال کہاں سے پیدا ہوتا ہے کہ دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہیے اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا چاہیے۔ (جلد دوم)

اس کے بعد فرماتے ہیں: سورج کی رفتار تو ایک ضابطہ کے تحت طے ہے لیکن ماہرین فلکیات آج تک

چاند کی رفتار کے لیے کوئی قاعدہ نہ وضع کر سکے۔ اسی کو ماہر جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ سیدنا اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ میں تفصیل سے بیان فرمایا، لہذا کوئی حکیم وفلسفی بھی چاند کے حساب میں قطعی فیصلہ نہ کر سکا،

اور بالفرض یہ تحقیق ہو چکی ہو کہ قمری مہینوں میں فلاں ۲۹ کا ہوگا اور فلاں ۳۰ کا تو بھی سیر شمس وقمر دونوں کی خبروں کا اعتبار یکساں نہیں ہو سکتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ شریعت نے کسی مقام پر تحری اور ظن وتخمین والا علم معتبر قرار دیا اور کہیں نہیں، افطار وسحر اور غروب وطلوع میں تحری وظن کافی اور یہاں تجربہ والے اہل علم یعنی علمائے فلکیات کے تجربہ کا اعتبار ہوگا، اور چاند کے مسئلہ میں رویت یا شہادت یا یقینی خبر یعنی خبر مستفیض کو لازم کیا گیا ہے لہذا یہ دونوں مسئلے ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔

فتویٰ (۷)

کتاب الزکاۃ میں ایک فتویٰ عشر وزکاۃ کے امتیاز وفرق کے سلسلہ میں تحریر ہے، سائل نے یہ پوچھا تھا کہ زکاۃ میں اتنی تخفیف کیوں ہے اور عشر میں شدت وسختی کی علت کیا ہے، یعنی زکاۃ سال میں صرف ایک مرتبہ اور وہ بھی ڈھائی فیصد، نیز قرض وغیرہ حاجت اصلیہ کی چیزیں جدا کر کے۔ اس کے برخلاف عشر میں یہ پابندی ہے کہ جب جب پیدا ہو خواہ سال میں چار مرتبہ، پھر یہاں دس فیصد اور پانچ فیصد کا حکم ہے اور اس سے قرض وغیرہ حاجت اصلیہ اور کھیتی کے اخراجات وغیرہ بھی جدا نہیں کیے جائیں گے۔ عام طور پر یہاں آ کر لوگوں کو کچھ سختی ہی معلوم ہوتی ہے، حضرت بحرالعلوم نے اس سلسلہ میں ایک تفصیلی فتویٰ تحریر فرما کر اس عقدہ کا ایسا حل پیش فرمایا ہے کہ قارئین داد وتحسین پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

اولاً سائل کو تنبیہ ہے کہ احکام الہیہ میں علت نہیں ہوتی ان میں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں جو بندوں ہی کے لیے فائدہ بخش ہوتی ہیں اور ان کا حصر وشمار نہیں۔ البتہ بعض کی طرف رہنما قرآن وحدیث ہیں اور بعض ارباب علم وعرفان نے اپنی عقول سلیمہ اور نفوس قدسیہ کے ذریعہ حاصل فرمائیں، یہاں عشر وزکاۃ کے امتیازی فرق میں بھی بعض مصالح سمجھ میں آتی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

عشر وزکاۃ حقوق اللہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ رزاق مطلق ہے اس نے بندوں کو رزق عطا فرمانے کے لیے جہاں اور بہت سے ذرائع پیدا فرمائے ہیں وہیں اس نے اپنے مجبور مفلس نادار محتاج اور فقیر بندوں کے رزق کا یوں بھی انتظام فرما دیا کہ عشر وزکاۃ مال والوں سے لیا جائے اور ان کو دیا جائے، لہذا ان سب کو اللہ تعالیٰ نے بیان بھی فرما دیا کہ عشر وزکاۃ کس کس کو دیا جائے۔ یہ ان لوگوں کے رزق کا انتظام ہوا۔ پھر عشر وزکاۃ دینے والوں کے حال کا اعتبار یوں فرمایا کہ جس مال کے حصول میں جتنی آسانی ہو اس میں زکاۃ کا فیصد اسی تناسب سے زائد رکھا گیا اور جوں جوں محنت بڑھتی گئی زکاۃ کی مقدار کم ہوتی گئی۔ اس زاویہ سے غور کرنے پر عقدہ کھل جائے گا اور

جس کو عقل ناقص کے ذریعہ زیادتی سمجھا گیا تھا وہ عین انصاف کی شکل میں نمودار ہوگا۔ اجمالی خاکہ اس طرح ہے :بندہ کے ہاتھ میں آنے والے مال چند اقسام پر منقسم ہیں۔

(۱) خلقی مال و دولت یعنی سونا چاندی۔ جو تمام اموال کی اصل ہیں کسی کی زمین میں برآمد ہوں تو اس میں بندہ کا کچھ خرچ نہ ہوا۔ اور کبھی ہوا بھی تو مال کے مقابلہ میں نہایت قلیل۔ لہٰذا اس میں بیس فیصد دینا ہے۔

(۲) غلہ جو زمین سے پیدا ہوا اس کی پیداوار میں بھی محض اللہ تعالیٰ کی قدرت کارفرما ہے البتہ بعض تکالیف بندہ کو برداشت کرنا ہوتی ہیں اور کچھ دن انتظار بھی کرنا ہوتا ہے لیکن اہمیت زیادہ ہے کہ انسان کی براہ راست خوراک ہے، لہٰذا شریعت نے یہاں دوگونہ تخفیف فرمادی اور پیداوار کا دس فیصد حصہ مقرر فرمادیا۔

(۳) جس کی پیدائش زمین سے نہیں بلکہ اس میں ابتدا روپیہ پیسہ خرچ کر کے حاصل کیا جاتا ہے اور پھر اس کی افزائش میں خاص غور و پرداخت اور نگرانی و حفاظت کا شب و روز خیال رکھنا پڑتا ہے، یہ سائمہ جانور ہیں لہٰذا ان میں نصاب کی بھی رعایت رکھی اور ان کے چارہ کو بھی قدرتی چیزوں پر منحصر قرار دیا گیا۔

(۴) مال تجارت کہ اس میں بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہی سے سب کچھ ہوتا ہے لیکن عالم اسباب میں اول سے آخر تک انسان کے کسب کو بھی دخل ہے، مال کی خریداری سے لے کر خریدار کے ہاتھ میں پہونچنے تک جانی، مالی اعزازی وہ کون سی مشقت ہے جو ایک تاجر کو برداشت نہیں کرنا پڑتی، لہٰذا شریعت نے اس پر مالی ٹیکس مقرر کرتے وقت مالی اور غیر مالی ہر طرح کی آسانیاں فراہم کیں۔

لہٰذا زکاۃ کی فرضیت اور ادائیگی کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

(۱) مال حاجت اصلیہ سے زائد ہو۔ (۲) مصارف وضع کیے جائیں۔ (۳) قرض بھی وضع ہوگا۔ (۴) نصاب سے کم پر زکاۃ نہ ہوگی۔ (۵) نصاب متحقق ہو جائے پھر بھی ایک سال تک کی مہلت رہے گی۔ (۶) اور محنت و مشقت کے پیش نظر مقدار بھی صرف ڈھائی فیصد ہوگی۔

ان تمام تفصیلات کے بعد حضرت بحرالعلوم فرماتے ہیں:

اللہ اکبر! یہ ہے اسلام میں آمدنی کے اہم ذریعے اور ان پر مقررہ اسلامی زکاۃ کا نقشہ، کس درجہ حکیمانہ کرم گسترانہ بندہ پرورانہ نظام ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں۔ آپ بھی غور کریں تو اس میں بندہ کی پوری ضروریات، محنت و مشقت اور ہر قسم کی تخفیف و رعایت کا خیال رکھا گیا ہے۔ (جلد دوم)

فتویٰ (۸)

کتاب السیر جلد چہارم میں شمع نیازی کے سلسلہ میں ایک طویل تحقیقی فتویٰ ہے، سائل نے اس کے اقوال کفریہ لکھ کر حکم دریافت کیا تھا، مثلاً شمع نیازی کا قول ہے کہ خانہ کعبہ قبر آدم ہے۔ حج کے لیے جانا ان کا عرس

منانا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ جب اپنی بیوی کو لے کر وادی مکہ میں پہونچے تو آپ نے ایک قبر دیکھی جس پر حجر اسود کی انگوٹھی نصب تھی، آپ نے وہاں رو رو کر دعا کی کہ میرے یہاں لڑکا ہوا تو اس قبر کو پختہ بنواؤں گا اور اپنے بچہ کو اس کا مجاور رکھوں گا، لیکن بچے کی ولادت کے بعد اپنی منت بھول گئے اور بیوی کو لے کر مکان واپس آ گئے، گھر آ کر یہ مصیبت آئی کہ روزانہ خواب میں دیکھتے کہ میں اسمٰعیل کو ذبح کر رہا ہوں اپنے لڑکے سے مشورہ کیا اور پھر مکہ آ کر قبر کو پختہ کیا، بیٹے کو مجاور بنایا اور نشانی کے لیے ختنہ کاٹ دیا، اس طرح منت پوری کر لی۔

اسی طرح کی ہفوات حضرت آدم کے جنت سے تشریف لانے، حضرت مریم کے یہاں بے باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے اور قرآن کریم کے نزول کے بارے میں بھی اس کی طرف منسوب ہیں جن سے صاف صریح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ شخص ملحد بے دین اور کافر و مرتد ہے۔

حضرت بحر العلوم نے اس کی ان تمام ہفوات وخرافات کا نہایت محققانہ جواب تحریر فرمایا ہے اور اس کے ہر ہر باطل عقیدہ کی قلعی کھول دی ہے۔

اس فتویٰ میں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر کی بھی تحقیق ہے اور کعبہ مقدسہ کی قرار واقعی حیثیت وعظمت کو آیات واحادیث سے ثابت فرمایا ہے اور اسلامی تاریخ کی روشنی میں بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعہ کو تورات کی آیات اور احادیث سے بیان فرما کر حضرت اسمٰعیل علیہ الصلاۃ والسلام کی قربانی کی تفصیلات قرآن وحدیث سے تحریر فرمائی ہیں جن کے پیش نظر حضرت اسمٰعیل کی قربانی پر چون وچرا اور اس کو ختنہ سے تعبیر کرنا اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ایک افسانہ کے سوا کچھ نہیں۔

حج بیت اللہ کے سلسلہ میں شمع نیازی نے جو کچھ بکا تھا اس کی بیخ کنی بھی اس انداز سے فرمائی ہے کہ اس دجال کی فریب کاریاں طشت از بام ہو گئی ہیں۔ حضرت آدم کا جنت میں شجر سے کچھ کھانا واقعی امر تھا ایسا نہیں جیسا کہ اس دجال نے ہم بستری کا معنی مراد لیا، یہ اس کا خبث باطنی ہے جس کا اظہار اس کا شیطان اس سے کرا رہا ہے، مفسرین بالاتفاق اس کی صراحت فرما چکے کہ وہ واقعی ایک درخت تھا، اس سلسلہ میں حضرت نے بہت سی تفاسیر کا حوالہ رقم فرمایا ہے،

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی بے باپ کے پیدائش پر نیازی خبیث نے جو خباثت پھیلائی ہے اس کی تردید میں تو حضرت نے وہ حقائق پیش فرمائے ہیں جن کے سامنے نیازی کی بکواس ایک پاگل کی بڑ اور ایک بے ادب وگستاخ کا کریہہ منظر پیش کر رہی ہے اور اس کی زد میں دیوبندیوں کے حکیم الاسلام مولوی قاری طیب مہتمم دار العلوم دیوبند بھی آ گئے ہیں اور اس کی پاداش میں ان کی جو درگت بنی وہ دار العلوم

دیوبند کے فتاویٰ میں رقم اور ماہنامہ تجلی میں سب کچھ شائع ہو چکا ہے۔

آخر میں نیازی خبیث کے اس عقیدہ خبیثہ کا رد ہے جس میں اس نے بکا تھا کہ قرآن صرف انتیس حروف مقطعات اور سورہ توبہ ہے باقی سب چودھویں صدی کے مولویوں کے ذہن کی پیداوار ہے۔ معاذ اللہ صد بار معاذ اللہ۔ ایسا جھوٹ تو عیسائی اور یہودی بھی آج تک نہیں بول سکے،

حضرت بحرالعلوم نے علمی اور فنی انداز میں اس کی خوب خوب خبر لی ہے اور پھر نزول قرآن کی تفصیلات خود قرآن سے ہی پیش فرمائی ہیں اور آخر میں تدوین قرآن اور تعلیم قرآن کو روایات کی روشنی میں شرح وبسط سے بیان فرمایا ہے اور معراج کی شب ملنے والی بہت سی چیزوں کا ذکر ہے لیکن نیازی خبیث کے خیالی حروف مقطعات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ تقریباً پچاس صفحات پر پھیلا ہوا یہ فتویٰ ایک علیحدہ کتاب کی شکل میں لائے جانے کا متقاضی ہے۔

فتویٰ (۹)

جلد چہارم کتاب السیر کے ایک طویل اور تحقیقی فتویٰ میں اعلیٰ حضرت کے ایک شعر اور آپ کی وصیت کے تعلق سے تفصیل مرقوم ہے۔ اعظم گڈھ جامعۃ الرشاد کے ایک مظاہری مدرس نے سوال کیا ہے، سوال میں ہے کہ اعلیٰ حضرت کا شعر۔ ع

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں ۔۔۔ اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور سائل نے چار آیات اور ایک حدیث سے دکھایا ہے کہ ''کن کی کنجی'' اور ''نافذ حکومت'' صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور رسول کے ذاتی قبضہ وقدرت میں ایک تنکا تک نہیں ہے۔

دوسرے سوال میں اعلیٰ حضرت کی وصیت کے تعلق سے قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس شرعی سے ثبوت مانگا ہے،

اس کے جواب میں حضرت نے اولاً سائل کو اس کے سوال کا آئینہ دکھایا ہے کہ ہم اہل سنت ہمیشہ سے اعلان کرتے آئے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے جو کچھ فضائل وکمالات مانتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے، اللہ تعالیٰ کی عطا کے بغیر ہم مخلوق میں سے کسی کے لیے ایک ذرہ بھی ثابت نہیں کرتے۔ اہل سنت نے اپنا یہ عقیدہ تحریراً تقریراً ہر طرح شائع کیا اور کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے لیکن دیوبندیوں غیر مقلدوں جیسی ہٹ دھرم قوم پیدا نہ ہوئی، ان کے یہاں جھوٹا پروپیگنڈہ گویا کار ثواب ہے بلکہ جب خدا کے لیے امکان کذب کے قائل ہیں تو پھر ان کے اپنے یہاں اس کی جس قدر مقبولیت ہو وہ کم ہے۔

اس سائل کا حال بھی عجیب ہے کہ خود ہی سوال میں اقرار کرتا ہے کہ ''ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اب

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعہ سب کچھ ہوسکتا ہے" اور پھر سائل کی حیثیت سے دریوزہ گر بھی ہے۔ نیز سوال میں کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے شعر سے ثابت ہوتا ہے کہ "مخلوق کی عزت وذلت کی کنجی بھی آپ کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے" یعنی خود اقرار کرتا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے، پھر اعتراض کا کیا محل۔ کیا اس میں کسی مسلمان کو شک ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فضائل وکمالات سے نوازا، بلکہ جس کو جو کچھ ملا خواہ سنی ہو یا دیوبندی، سب کچھ حسب لیاقت اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہی ہے اس کے بغیر کوئی کچھ نہیں، لیکن حال یہ ہے کہ دیوبندی وہابی سب منہ پھاڑ کر اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ یہ میرا مکان ہے وہ میری گاڑی، یہ میری زمین ہے وہ میرا کارخانہ۔ لیکن اس وقت کسی کو ہوش نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ تو قرآن میں فرماتا ہے: ﴿للّٰہ ما فی السمٰوات والأرض﴾ اور یہ دیوبندی قرآن کے خلاف شب وروز اعلان کرتا پھرتا اور پھر بھی مسلمان ہے،

حضرت بحرالعلوم سائل کے سوالات پر گرفت فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ انبیاء ومرسلین زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں اور خلیفہ اسی لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے آقا کے احکام کو نافذ کرے۔ حضور تو خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں پھر آپ کو یہ منصب کیوں حاصل نہ ہوگا؟ ہوگا اور ضرور ہوگا بلکہ اس شان کے ساتھ کہ ان جیسا کسی کو حاصل نہ ہوا، لہذا حدیث صحیح بخاری میں آیا ((اعطیت مفاتیح الارض)) مجھے زمین کی کنجیاں عطا کردی گئیں۔

ان تمام دلائل وشواہد کے بعد حضرت نے دیوبندیوں کو ان کے گھر کی سیر بھی کرائی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات سن کر تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے لیکن اپنے گھر کے بزرگوں کو تم نے کیسے معاف کر رکھا ہے۔ کیا تمہارے شیخ الہند نے اپنے شیخ کے لیے یہ رونا نہیں رویا۔

خدا ان کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے ۔۔۔ مرے مولیٰ مرے مولیٰ ہادی تھے بیشک شیخ ربانی

نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا ۔۔۔ ان کا جو حکم تھا، تھا سیف قضائے مبرم

لیجئے۔ اللہ کے رسول کی حکومت نافذ ہو تو ایک امتی ہونے کے دعویدار کو شکایت، اور ان کے شیخ ربانی کا حکم قضائے مبرم، یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ حکم جو قطعی یقینی، معاذ اللہ۔

بتایئے تو سہی کہ نافذ حکومت کے مقابلہ میں سیف قضائے مبرم پر کیا حکم عائد ہوگا؟ کیا وہاں شرک تھا تو یہاں شرک اکبر واعظم نہ ہوگا پھر سچے موحد ہونے کا دعوی کس منہ سے؟ پورا فتویٰ اسی نہج کے دلائل سے مزین ہے۔

دوسری بحث وصایا کی عبارت سے متعلق ہے جس سے متعلق نہایت نفیس بحث سپرد قرطاس ہے۔ خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ شریعت اور دین دونوں لفظ قدرے فرق کے ساتھ علیحدہ علیحدہ معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔

مذہب اسلام میں اعتقادی حصہ کو دین وایمان اور عملی حصہ کو شریعت کہا گیا ہے، چونکہ عقائد کو اعمال پر طبعی تقدم حاصل ہے کہ کوئی عمل بغیر ایمان کے مقبول نہیں۔ لہذا سیدنا اعلیٰ حضرت نے اپنی وصیت میں دونوں باتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی، ہاں آپ نے خاص طور پر جن حضرات کو اپنی وصیت میں مخاطب کیا وہ راسخ العقیدہ اشخاص تھے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اعمال میں بقدر طاقت بشری کی قید ضروری ولازمی ہے مثلاً نماز وروزہ اسی طور پر انجام دیے جائیں گے جس کی مکلف اپنے اندر طاقت رکھتا ہے، تکلیف مالا یطاق ہمارا مذہب نہیں لیکن اعتقادی امور میں اس طرح کی رعایت نہیں حتی کہ حالت اکراہ میں بھی دل میں تصدیق ویقین رکھنا ضروری ہے۔ اس اصول کی روشنی میں اعلیٰ حضرت وصیت فرمارہے ہیں کہ حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑنا۔ لیکن جب بات دین ومذہب کی آئے تو اس سے پہلوتہی کرنا تمہارے لیے روانہیں، بلکہ اس دین ومذہب پر جس کی ترجمانی میں نے مدت العمر کی ہے اور میری کتابوں میں تحریر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا بہر حال لازم اور ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ یہ سب کچھ مخالفین بھی جانتے اور مانتے بلکہ شب وروز اپنے مدارس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں۔

لیکن سیدنا اعلیٰ حضرت نے حسن وخوبی کے ساتھ اس کو بیان فرمادیا تو وہ مخالفین کی آنکھوں کا آج تک کانٹا بنا ہوا ہے۔ شیخ سعدی اس کو بہت پہلے ایک شعر میں بیان فرماچکے:

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے ست — گل است سعدی ودر چشم دشمنان خاراست

اس کے بعد حضرت نے اس جملہ کا جواب رقم فرمایا ہے جس میں دین کی نسبت اعلیٰ حضرت نے اپنی جانب فرمائی ہے اور تفصیل سے آیات واحادیث کی روشنی میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ دین اللہ ورسول کی طرف اور انسانوں کی طرف منسوب ہوتا آیا ہے، یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں بلکہ اس کو تو عوام وخواص سب جانتے مانتے اور دن رات بولتے ہیں اور کوئی معترض نہیں ہوتا۔ حضرت نے ۱۲ ر آیات ۱۴ احادیث اور اقوال علما کی روشنی میں اس مسئلہ کو واضح تر کردیا ہے۔

اس کے آگے وصیت کے اس حصہ پر بحث ہے جس میں سیدنا اعلیٰ حضرت نے اپنے وصال کے بعد فاتحہ کے اہتمام میں اپنے احباواعزہ کو توجہ دلائی ہے، مقصد صرف اور صرف غربا وفقراء کی غمخواری وچارہ سازی ہے کہ اس طرح محتاجوں کو لذیذ کھانے ملیں گے۔ لیکن یہ حکم کوئی فرض یا واجب کی منزل میں نہیں تھا اسی لیے بطیب خاطر کی قید لگائی کہ جو کچھ کرنا ہو خوش دلی سے کرنا کہ تم شرعی طور پر اس کے پابند نہیں ہو، یہاں سیدنا اعلیٰ حضرت کو اپنی اولاد کی فکر دامن گیر نہیں تھی۔

پھر بھی مخالفین کو یہ بات ناگوار لگی اور آج تک اس کا رونا رورہے ہیں۔ اور ان کے یہاں کا حال یہ ہے کہ مرتے وقت بھی اپنی آل اولاد کی فکر اور چندہ کا دھندہ نظر آتا ہے اور ان تمام حرکات کو بخوشی قبول کرلیا جاتا

ہے۔دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اپنی وصیت میں لکھتے ہیں:میرے بعد بھی میرے متعلقین کا خاص لحاظ ہو،وصیت کرتا ہوں کہ بیس آدمی مل کر اگر ایک ایک روپیہ ماہواری ان (بیوی صاحبہ) کے لیے اپنے ذمہ کرلیں تو شاید ان کو تکلیف نہ ہوگی (تنبیہات وصیت)

فتویٰ (۱۰)

جلد پنجم کتاب الحظر والاباحت میں ایک فتویٰ ربیع الاول شریف میں زینت وچراغاں کے تعلق سے نہایت تفصیلی ہے،سائل نے پوچھا ہے کہ جلوس میں تزئین وزیبائش میں حد سے تجاوز صحیح ہے؟ حالانکہ بعض مسجدوں کی تعمیر میں سرمایہ کی ضرورت ہے،سائلین ہیں تو سنی لیکن بعض جملوں کا انداز کچھ ایسا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے والے جلسہ وجلوس اور جشن عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالفین میں سے ہیں۔

حضرت بحرالعلوم نے اس کا جواب اسی انداز میں تحریر فرمایا ہے اور تفصیل سے دلائل پیش فرمائے ہیں،اولاً آیات واحادیث اور پھر فقہ کی عبارتوں سے ثابت فرمایا ہے کہ مطلق زیب وزینت شریعت کے نزدیک محمود ومستحسن ہے،اور عید وخوشی اور مسرت وشادمانی کے مواقع تو خاص طور سے اظہار مسرت کے خواہاں ہیں،

اوراس پر عمل عہد صحابہ وتابعین سے بلانکیر جاری ہے،عید کے دن بہترین لباس پہننا،خوشبو ملنا،انگوٹھی پہننا یہ سب محبوب ومرغوب ہیں،مسجد نبوی شریف میں حضرت فاروق اعظم نے فرش کے ساتھ خاص طور پر رمضان میں خوب خوب روشنی کا انتظام کیا جس کو دیکھ کر حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ نے فرمایا:اے عمر جس طرح تم نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تمہاری قبر کو روشن فرمائے۔

حضرت عثمان غنی نے مسجد نبوی کی تعمیر نہایت شاندار انداز سے کرائی،ستونوں میں نقش ونگار والے پتھر استعمال کیے۔وغیرہ وغیرہ

ان تمام روایتوں سے ثابت کہ زینت وآرائش شخصیات کی ہو یا مقامات کی محدود قواعد وشرائط کے ساتھ جائز ہے۔لیکن قبیح وممنوع افعال جلوس ہی میں نہیں ہر صورت میں ناجائز ہیں،

روشنی اور آرائش کے لیے سجاوٹ کو اسراف کہنا صحیح نہیں،دیکھو بھوک سے زیادہ کھانا اسراف ہے اور حرام،لیکن نیت صحیحہ سے ہو تو جائز ہے،اس کے لیے حضرت نے کچھ مثالیں بھی تحریر فرمائی ہیں جن سے روشنی وسجاوٹ کے جواز پر روشنی پڑتی ہے۔اور یہ کہنا کہ دوسرے ضروری امور موقوف ہیں ان کی طرف توجہ نہیں دی جاتی یہ سب عذر لنگ ہیں،خاص طور پر یہ اعذار بارده دیوبندیوں کی طرف سے پیش ہوتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ خود جلسہ کریں،کانفرنس کریں،کسی کی یادگار منائیں حتی کہ اجتماع کے نام سے بڑے بڑے پروگرام کریں اور لاکھوں خرچ کریں اس وقت کچھ اسراف نظر نہیں آتا،بس عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جو خرچ کیا جائے وہ

سب فضول اور بے جا خرچ سوجھتا ہے۔ آخر میں خلاصہ یوں تحریر فرمایا:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عید میلا دالنبی ﷺ کی تقریبات کو غلط اور مشکوک بیانوں سے یکسر روکنا جائز نہ ہوگا، البتہ اس میں مسلمان جہالت اور نادانی سے کوئی خلاف شرع کا کام کریں تو اس کام سے روکا جائے گا۔

(جلد پنجم)

فتویٰ (۱۱)

بہت سے مقامات پر علم دین سے بے بہرہ لوگوں کو یہ اعتراض کرتے سنا گیا ہے کہ دادا کی میراث سے پوتے پوتیوں کو حصہ شریعت نے نہیں دلوایا، یہ بات عقل میں نہیں آتی، بلکہ بعض مغربی تہذیب کے مارے لوگوں کو یہاں تک کہتے سنا گیا کہ یہ مذہب اسلام کی ناانصافی ہے۔ معاذ اللہ۔ حالانکہ مسلمانوں کے ساتھ بہت سے غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات عین عدل وانصاف پر مبنی اور مذہب اسلام ہر ہر قدم پر احسان اور صلہ رحمی کی تعلیم دیتا ہے، اسلام کے اصول وضوابط کسی انسان کے ایجاد کردہ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے جو اس نے اپنے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر بھیجا اور ان کو اپنے علم سے وافر حصہ عطا فرمایا جس کی تعلیم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دی۔

لوگوں کی ناقص عقل میں اگر اس کی حکمتیں نہ آئیں اور اس کے رموز واسرار کو نہ جان سکیں تو یہ ان کا اپنا قصور ہے،

حضرت بحرالعلوم سے بھی اس سلسلہ میں سوال ہوا تو آپ نے مدلل ومفصل فتویٰ تحریر فرما کر اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور ان کی منصفانہ حیثیت کو ایسا واضح فرما دیا کہ ہر عقل سلیم رکھنے والا بآسانی اس کو سمجھ لے گا۔ اس فتویٰ کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

مذہب اسلام نے وراثت کے قانون میں کچھ ایسے اصول متعین فرما دیئے ہیں جو واضح طور پر منطقی اور عقلی بنیادوں پر ہیں جن کی کچھ تفصیل اس طرح ہے:

وارثوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں اسلام نے ان کو تین جماعتوں میں تقسیم کیا۔

اول: وہ جو میت سے بلاواسطہ منسلک ہے۔ جیسے ماں، باپ، لڑکا، لڑکی، شوہر، بیوی۔

دوم: وہ جو میت سے صرف ایک واسطہ سے منسلک جیسے بھائی، بہن، پوتا، پوتی۔

تیسری جماعت ذوی الارحام یعنی جن کا رشتہ میت سے کسی عورت کے واسطہ سے قائم ہو یا ایک سے زیادہ واسطہ ہو۔

اس گروپ بندی کے بعد فرماتے ہیں کہ وراثت کی بنیاد رشتہ کے قرب وبعد پر ہے، تو قانوناً اور عقلاً

کیسے صحیح ہوگا کہ پہلے گروپ کی موجودگی میں دوسرے گروپ کے کسی حق دار کو حصہ دے دیا جائے۔ اگر ایسا ہو تو پھر وراثت کی قانونی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اور دادا پوتے ہی کی کیا تخصیص ہر رشتہ دار کھڑا ہو کر اپنا اپنا حصہ جتانے اور بنانے لگ جائیں گے اور رشتہ داری کا دائرہ کہاں تک وسیع ہوتا ہے اس کی کوئی جامع حد متعین کرنا دشوار، لہذا قانون وراثت کھلواڑ بن جائے گا۔ اور فرق مراتب کا مسئلہ ہی سرے سے رخصت ہو جائے پھر تو اس مصرع کے مصداق کا ظہور عمل میں آئے گا۔ ع.... گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

ہاں جب پوتے بے سہارا اور یتیم ہوں تو قانون اسلام نے رحم و کرم اور مروت و شفقت کا برتاؤ رکھنے کا حکم دیا، حضرت بحرالعلوم نے یہاں ۱۵ آیات کے ترجمے ذکر فرمائے ہیں جن میں یتیموں کی غمخواری، ان کے ساتھ اچھے برتاؤ، ان کی پرورش اور ان سے موانست واخوت کا حکم ہے اور پھر احادیث سے بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

آخر میں فرمایا کہ دادا کی میراث سے پوتوں کا محروم ہونا حق تلفی کیسے ہوگیا، حق تلفی تو جب ہوتی جب کہ ان کا حق ہوتا اور نہ دیا جاتا، بلکہ غور کرو تو واضح ہوگا کہ جب لڑکے کا انتقال ہوا تو اس وقت مال باپ کے قبضہ میں تھا اور یہ مرنے والا ابھی مالک ہی نہیں ہوا تھا تو اس کے بیٹے وارث کیوں کر ہوں گے۔ یہ بات کوئی شخص عقل کی روشنی میں بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

یہ گیارہ فتاویٰ کا اجمالی تعارف ہے، ایسے تحقیقی فتاویٰ سے مجموعہ فتاویٰ کی چھ جلدیں مالا مال ہیں، قارئین اس طرح کے سیکڑوں فتاویٰ سے شاد کام ہوں گے اور بہت سے مسائل کے بارے میں الجھن دور ہو گی، ابھی بعض دیگر فتاویٰ کا بھی کچھ تعارف وتبصرہ ضروری تھا جس کے ذریعہ قارئین کو مزید علمی بصیرت حاصل ہوتی لیکن اوراق کا دامن تنگ ہے اور وقت بھی نہایت قلیل، تمام جلدیں پریس جا چکی ہیں، صرف شروع کے یہ آٹھ فارم باقی ہیں جن کو آج ہی جانا بے حد ضروری ہے اور ابھی عرض ناشر بھی منتظر تحریر ہے۔

یہاں فتاویٰ کے تعلق سے چند ضروری امور سپرد قرطاس کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ قارئین کتاب کا خاکہ اول نظر میں ملاحظہ فرمالیں۔

یہ کتاب (۲۴) عنوانات پر منقسم اور (۱۹۳) ابواب پر مشتمل ہے
کل فتاویٰ کی تعداد (۴۷۳۹) ہے

قدرے تفصیل اس طرح ہے:

جلد اول

کتاب الطہارۃ۔ کتاب الصلاۃ۔ تعداد ابواب (۳۱) تعداد فتاویٰ (۱۰۲۵)

جلد دوم

کتاب الجنائز۔ کتاب الزکاۃ۔ کتاب الصوم۔ کتاب الحج۔ کتاب النکاح

ابواب (۴۷) تعداد فتاوی (۱۰۰۱)

جلد سوم

کتاب الطلاق ابواب (۲۱) تعداد فتاویٰ (۶۹۵)

جلد چہارم

کتاب البیوع۔ کتاب السیر۔ کتاب الایمان۔ کتاب الحدود۔ کتاب الصید۔ کتاب الشہادت

ابواب (۳۰) تعداد فتاویٰ (۷۳۰)

جلد پنجم

کتاب الھبہ۔ کتاب الوقف۔ کتاب الاضحیہ۔ کتاب الاشربہ۔ کتاب الدعویٰ۔ کتاب الحظر والاباحۃ

ابواب (۳۳) تعداد فتاویٰ (۸۴۱)

جلد ششم

کتاب الوصایا۔ کتاب الفرائض۔ کتاب العقائد۔ کتاب الشتی

ابواب (۳۱) تعداد فتاویٰ (۴۴۷)

کتاب کے مطالعہ سے عیاں ہوگا کہ حضرت بحرالعلوم نے الجامعۃ الاشرفیہ میں تقریباً اکیس سال فتاویٰ تحریر فرمائے، اس لیے کہ آپ کے رجسٹر اور کاپیوں میں ہمیں سب سے پہلا فتویٰ ۱۳۷۵ھ کا ملا، اور آپ نے ۱۳۹۶ھ تک اشرفیہ میں فتاویٰ تحریر فرمائے۔ اور شمس العلوم میں ۱۴۰۴ھ سے اب تک سلسلہ جاری ہے، لیکن اس مجموعہ میں ۴رجمادی الآخرہ ۱۴۲۶ھ تک کے فتاویٰ شامل ہیں۔ یعنی یہاں کی مدت فتویٰ نویسی شامل اشاعت فتاویٰ کے لحاظ سے تقریباً ۲۳ رسال ہے۔ یہ کل ۴۴ سال کے فتاویٰ ہوئے۔ لیکن یہ سب کچھ درس وتدریس بلکہ تقریر وخطابت اور دیگر تصانیف میں مشغولیت کے ساتھ ساتھ ہے، بلکہ اسی مدت میں فتاویٰ رضویہ کی تصحیح واشاعت بھی ہے جو آپ کا عظیم کارنامہ ہے جس میں آپ نے تقریباً ۲۵ سال کا طویل زمانہ صرف فرمایا اور یہ استاذ الاساتذہ حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے ساتھ ساتھ حضرت بحرالعلوم کا اتنا بڑا

کارنامہ ہے جس کی اہمیت کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے مشرف ہو رہے ہیں۔ آج ایک جہان فتاویٰ رضویہ سے استفادہ میں مشغول ہے اور اس کی مقبولیت کا سورج نصف النہار پر ہے، خدا ناخواستہ یہ خزانہ اگر پردۂ خفا میں رہ جاتا۔ یا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی اکثر تصانیف کی طرح ضائع ہو جاتا تو یہ اہل سنت کا کتنا بڑا خسارہ ونقصان تھا، اس کا احساس اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمہ اور حضرت بحرالعلوم مدظلہ العالی کا ہم سب اہل سنت پر یہ احسان عظیم ہے۔

فتاویٰ کی اہمیت تو صاحب فتاویٰ حضرت بحرالعلوم قبلہ کی عبقری شخصیت سے خود ہی واضح ہے لیکن ان فتاویٰ کی ایک خصوصیت واہمیت یہ بھی ہے کہ ان فتاویٰ میں بہت سے فتاویٰ پر دو عظیم فقیہ اور مقتدر ہستیوں کی تصدیقات وتصویبات بھی ثبت ہیں۔ یعنی

(۱) جلالۃ العلم حضور حافظ ملت حضرت علامہ الشاہ عبدالعزیز صاحب قبلہ محدث مرادآبادی بانی وسربراہ وشیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور۔

(۲) شہنشاہ مسند درس وتدریس استاذ العلما حضرت علامہ الشاہ حافظ عبدالرؤف قبلہ بلیاوی نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور۔

ان حضرات کی تصدیقات کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے:

جامعہ اشرفیہ میں لکھے جانے والے اکثر فتاویٰ پر حضور حافظ ملت اور استاذ العلما حضرت حافظ صاحب علیہما الرحمہ کے دستخط ثبت ہیں جن کی تعداد حذف مکررات کے بعد (۱۳۹۴) ہے۔ ان میں (۷۸۴) فتاویٰ پر حضرت حافظ ملت اور حضرت حافظ صاحب دونوں کی تصدیقات ہیں۔ اور (۶۱۰) فتاویٰ پر صرف حافظ صاحب قبلہ کی۔ اس مجموعہ میں آٹھ دس فتاویٰ حضور حافظ ملت کے بھی ہیں، میں نے سوچا تھا کہ ان کو علیحدہ کر کے پہلی جلد کے شروع میں پیش کر دیا جائے گا لیکن ترتیب کے وقت اور پھر بعد میں کاموں کی بھیڑ بھاڑ کے ہنگاموں میں ذہن سے بات نکل گئی، اب آ کر خیال آیا مگر اب تمام جلدوں کا ایک ایک فتویٰ بغور پھر سے دیکھا جائے اور وہ بھی کمپیوٹر پر، اس لیے کہ پرنٹ میٹر تو پریس جا چکا ہے، لہذا اب یہ عمل دشوار ترین امر ہے۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ آئندہ

قطعۂ تاریخ ترتیب وطباعت (۱۴۳۰ھ)

گل بداماں ہیں لب ہائے بحرالعلوم کھل اٹھا روے زیبائے بحرالعلوم

شاد ہے ہر شناسائے بحرالعلوم دیکھ کر شاد دنیائے بحرالعلوم

واہ تشنہ لبو! مرحبا مرحبا جوششوں پر ہے دریائے بحرالعلوم

جھوم اٹھتے ہیں پیتے ہی رندانِ مست کیف آور ہے صہبائے بحرالعلوم

رشکِ شائستگی ، نازِ سنجیدگی خوب ہے شانِ والائے بحرالعلوم

رنگ لائی ہیں خدماتِ مفتی حنیف یعنی شاگردِ یکتائے بحرالعلوم

زیورِ طبع سے ہو کے آراستہ آگئے ہیں فتاوائے بحرالعلوم

فکر تھی سالِ نشر واشاعت لکھوں حسب شانِ فتاوائے بحرالعلوم

ہاتفِ غیبی نے خوب مصرع دیا "کنزِ حکمت فتاوائے بحرالعلوم"

۳۰ــــــــــــ۱۴ھ

تجھ پہ برسے گی اختؔر کرم کی گھٹا تو بھی ہے لطف جویائے بحر العلوم

صغیر اختر مصباحی
استاذ: جامعہ نوریہ رضویہ
نائب ناظم: امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف

المستدرک علی الصحیحین

للامام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیسابوری

ترجمہ

الشیخ الحافظ ابی الفضل محمد شفیق الرحمن القادری الرضوی

امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے امام باقر رضی اللہ عنہ کے بھائی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد

امام زید رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ روایات اور بیان کردہ فقہی آراء کا مجموعہ

جہانگیری

مسند امام زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ

ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر

ادام اللہ تعالیٰ معالیہ وبارک ایامہ ولیالیہ

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ

کی تقریبا تین سو کتابوں سے موخوذ احادیث و آثار، تفسیری مباحث اور افادات رضویہ پر مشتمل علوم و معارف کا گنج گراں مایہ

جامع الاحادیث مکمل

دس جلدیں مع افادات

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ

تقدیم، ترتیب، تخریج، ترجمہ

مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

خصوصیات کتاب

☆ احادیث و آثار کی ترتیب فقہی ابواب پر
☆ آیات و احادیث کی تفسیر و تشریح
☆ تقریبا چھ سو آیات کی محققانہ تفسیر
☆ مآخذ و مراجع کی صفحہ و جلد کے ساتھ وضاحت
☆ تدوین و اصول حدیث پر مقدمہ کتاب
☆ محدثین و مفسرین اور فقہا کے حالات
☆ ہند و پاک کے علماء و مشائخ کی تقاریظ
☆ خوبصورت جلد کے ساتھ عمدہ کاغذ و طباعت

قیمت مکمل دس جلدیں Rs.4000

ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیری کی تصانیف، ترجمہ، شرح و تخریج کی ہوئی کتب

حدیث کی دوسری مستند ترین کتاب خوبصورت کتابت عمدہ طباعت
مفصل تخریج آسان و عام فہم اور بامحاورہ ترجمہ جو اپنی مثال آپ ہے

متن و ترجمہ

صحیح مسلم شریف

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری

3 جلدیں مکمل

فتوحات جہانگیری شرح صحیح بخاری

المعروف بہ

جمال السنۃ

تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی
واحد منفرد شرح
تقریباً 8 جلدیں مکمل

احادیث و آثار کا مستند اور قدیم مجموعہ

سنن دارمی

محدث امام دارمی

احادیث نبویہ آثار صحابہ اقوال تابعین اور آرا امام مالک

المؤطا

امام مالک

تالیف امام دار الہجرۃ
امام ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک المدنی

درود پاک پڑھنے والوں کی ایمانی فراست علمی بصیرت اور
ذوق و شوق و محبت میں اضافے کیلئے ایک عظیم نعمت۔

معارفِ درود و سلام

ابن قیم الجوزیہ

درس نظامی کے نصاب میں شامل فقہ
حنفی کی مستند کتاب کا آسان اور عام فہم ترجمہ

شرح

مختصر القدوری

امام ابوالحسن احمد بن محمد بن جعفر بغدادی

کتاب الطہارت

کل میزان فتاویٰ ٤٠

کپڑا پاک کرنے کا بیان

(۱۔۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) اگر کسی کپڑے میں نجاست لگ جائے تو اس کو دھونے کے بعد پانی نچوڑا تو مکمل طور سے پانی نہیں نکلا بلکہ کچھ پانی کپڑے میں رہ گیا، یا تو بالکل نہیں نچوڑا اور دھوپ میں پھیلا دیا تو کپڑا سوکھنے کے بعد پاک ہوا یا نہیں؟

(۲) اور مسلمان کے جوٹھے پانی سے استنجا کرنا کیسا ہے؟

الجواب

(۱) کپڑا دھونے والا اپنی طاقت بھر نچوڑ دے تو کپڑا پاک ہو گیا، طاقت سے زیادہ نچوڑنے یا کل پانی نکالنے پر شریعت نے آدمی کو مجبور نہیں کیا ہے۔

(۲) پانی ٹوٹی دار لوٹے میں تھا اور ٹونٹی سے منہ لگا کر کسی مسلمان نے پانی پی لیا تو لوٹے میں بچا ہوا پانی پاک طاہر ومطہر بھی ہے اور محترم ومکرم بھی، اس سے آپ وضو بھی کر سکتے ہیں، اس سے کپڑا بھی دھو سکتے ہیں اور استنجا بھی کریں گے تو پاکی حاصل ہو جائے گی لیکن معزز اور محترم ہونے کے ناطے اس سے استنجا نہ کریں تو اچھا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو پھینک دیں یا پانی میں ڈال دیں کہ اس میں بھی اس پانی کی توہین اور بے جا اضاعت ہے جس پر مواخذہ ہوگا۔ اور اگر کسی کھلے منہ کے برتن میں پانی پیا اور لبوں کا وہ حصہ جو منہ بند کرنے پر بھی نظر آتا ہے اس پانی میں ڈوبا تو اب پانی مطہر نہ رہا اس سے وضو نہیں کر سکتے، بقیہ استعمال میں لا سکتے ہیں، استنجا میں استعمال کریں تو حرج نہیں، بے کار پھینک دیا تو مواخذہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

وضو کا بیان

(۱۔۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

"عن أبی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: اذا استيقظ أحدكم من منامه فلا يغمسن يده فی الاناء حتی يغسلها ثلاثا فانه لا يدری اين باتت يده متفق عليه"

(مشکوٰۃ شریف: باب سنن الوضوء، ۱/۴۵)

(۱) مذکورہ حدیث میں سونے والے کو ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ

درمختار میں ہے: " و کرہ تحریما استقبال القبلة واستدبارها لاجل بول او غائط "
(کتاب الطهارة: ۱/۴۷۹)

اور یہی حکم اس رخ پر پاخانہ بنوانے کا ہے۔

(۵) نماز فجر کے فرض کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے فرض کے بعد آفتاب میں زردی آنے تک ماقبل کے فرض نمازوں کی قضا پڑھ سکتے ہیں۔

شامی میں ہے: " الثاني ما بين الفجر والشمس وما بين صلوة العصر الى الا صفرار ينعقد فيه جميع الصلوات الّتي ذكر نا ها من غير كراهة الا النفل والواجب وغيره "

فجر اور طلوع آفتاب و نماز عصر سے آفتاب زرد ہونے تک سب نمازیں بلا کراہت جائز ہیں، ہاں نفل اور واجب وغیرہ مکروہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۸ر صفر ۸۹ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

فرض کفایہ کے وضو سے فرض عین کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی، ابوالکلام مئو

الجواب

فتاویٰ رضویہ میں ہے: یہ مسئلہ جو جہال میں مشہور ہے کہ وضو جنازہ سے اور نماز نہیں پڑھ سکتے محض غلط اور باطل اور بے اصل ہے۔ سائل نے فرض کفایہ اور فرض عین لفظ بول کر ہی سوال کیا۔ پس فرض کفایہ کے وضو سے فرض عین کی نماز پڑھ سکتے ہیں اور جو اس کو غلط کہے جاہل ہے، اس کو مسئلہ بتانا ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۷۔۸) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہمارے یہاں جب وضو کرنے کے لیے لوٹا اٹھاتے ہیں تو انگلی کا پورا یا ناخن اس پانی میں داخل کر دیتے ہیں، حالانکہ مفتی جلال الدین احمد امجدی مدظلہ نے "انوار الحدیث شریف" میں اس سے وضو کو ناجائز لکھا ہے۔ صفحہ ۱۶۴۔ اور فتاویٰ امجدیہ شریف مجلد اول کے صفحہ ۱۷ تا ۲۰ پر فرماتے ہیں کہ اٹھائے رکھنے میں بھی بے دھلا ہاتھ گھڑے یا لوٹے میں ڈالا مستعمل ہو جائے گا الخ۔

اب معلوم کرنا اس امر کا ہے کہ جب ایسے پانی سے وضو نا جائز ہے تو دوبارہ وضو کرنا فرض ہے

یاواجب؟اسی طرح استنجاوغسل دوبارہ کرنا فرض ہے یاواجب یاسنت مؤکدہ؟نیزاس طرح کے پانی سے کئے ہوئے غسل ووضوسے جونمازیں پڑھی ہوں ان کا پھیرنا فرض ہے یاواجب یاسنت مؤکدہ؟اور جواس کا مرتکب ہووہ فاسق معلن ہے یانہیں؟اسی امجدیہ کے صفحہ ۱۶پراسی پانی کو پینا مکروہ لکھا ہے تو کون سا مکروہ،تنزیہی یاتحریمی؟اس طرح کے پانی سے جوکھانا پکایا جائے اس کا کھانا جائز ہے یانہیں؟یعنی حرام ہے یافقط مکروہ اور مکروہ ہے تو کون سا مکروہ ہے؟

(۲)زیدکواکثراحتلام ہوتا ہے تو جس کپڑے پرمنی لگ جاتی ہے اس سے پہلے منی دھوکرخوب خوب پانی میں غوطہ دیتا ہے،کبھی پانی کی دھار میں دھوتا ہے،بہرحال خوب اچھی طرح پانی سے دھوتا ہے کہ پوری طرح اطمینان ہوجاتا ہے لیکن نچوڑتا نہیں اور نہ نچوڑنے کی دلیل میں بہارشریعت حصہ دوم۔مجموعۃ المسائل حصہ اول مصنفہ حشمت علی بریلوی کے صفحہ۳۔فتاویٰ امجدیہ شریف مجلداول کے صفحہ ۳۵ کا حوالہ دیتا ہے کہ سب عبارتوں کا مفہوم یہی ہے کہ خوب پانی بہادینے کے بعد نچوڑنا شرط نہیں۔کیا حضور مفتی صاحب قبلہ زید کا مذکورہ کتب کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہے؟برائے کرم دونوں سوالوں کا جواب باصواب بالتفصیل مدلل ومفصل سے نوازیں تاکہ خلجان نہ رہے۔

المستفتی، محمد جمیل اخترالرضوی غفرلہ پوسٹ باراضلع کانپور ۵صفرالمظفر ۱۴۱۴ھ

الجواب

جب ایسے پانی سے وضونہیں ہوتا تو دوبارہ وضوکرنا پڑے گا،وضوبالذات فرض واجب نہیں ہے، فرض نمازاداکرنے کے لیے وضوبھی فرض ہوگا،ایسے پانی سے غسل کیا تو دہرانا پڑے گا،استنجاچونکہ نجاست حقیقی سے ہوتا ہے،اس لیے ماء مستعمل سے استنجاہوجائے گا،ایسے پانی سے ناپاک کپڑادھوئیں تو کپڑاپاک ہوجائے گا۔ظاہر ہے کہ جب ایسے پانی سے غسل اور وضونہیں ہوتا تو اس سے پڑھی ہوئی نمازکو دہرانا ہوگا،ایسے پانی میں آٹاگوندھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

نجاست گاڑھی اور دلدار ہو تو نچوڑنا ضروری نہیں،منی نجاست مرئی اور دلدار ہے۔یہ سب مسائل بہارشریعت اورفتاویٰ رضویہ میں مصرح ہیں،ایسے مسئلوں کے لیے مفتی کو پریشان کرنا ٹھیک نہیں،ہاں ان کتابوں کی کوئی عبارت سمجھ میں نہ آئے تو اس کی تشریح طلب کی جاسکتی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۹) **مسئلہ** : کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ

اگرامام نے وضوکر کے جنازہ کی نماز پڑھائی تو کیا پھراس وضوسے مغرب کی نماز پڑھاسکتے ہیں یا

نہیں؟ اس پر کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ اس وضوء سے مغرب کی نماز نہیں پڑھا سکتے ہیں، لہٰذا مسئلہ کی رو سے ہمیں اس کی صحیح جانکاری دیں۔ فقط المستفتی، محمد نوشاد عالم امانی

الجواب

صورت مسئولہ میں جنازہ کی نماز کے لیے بنائے ہوئے وضو سے مغرب کی نماز صحیح ہے اور اعتراض جاہلانہ ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد اول صفحہ ۶۲۴ میں ہے: یہ مسئلہ کہ جہال میں مشہور ہے کہ وضوئے جنازہ سے اور نماز نہیں پڑھ سکتے محض غلط و باطل و بے اصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۶ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

(۱۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید اس طرح وضو کرتا ہے کہ چہرہ دھو کر لوٹا اٹھا کر چہرہ پر پانی بہاتا ہے اور بقیہ وضو عام لوگوں کی طرح کرتا ہے، بکر اس کو اس طرح کرتے دیکھ کر کہتا ہے کہ: آپ حشمتی وضو کرتے ہیں، پیلی بھیت کے مولانا حشمت علی خاں صاحب کے جو مریدین ہیں وہ اسی طرح وضو کرتے ہیں، زید نے کہا: کیا حرج ہے؟ اس طرح وضو میں کافی احتیاط رہتی ہے اور پانی چہرہ کے ہر حصہ پر بہہ جاتا ہے اس میں حشمتی اور رضوی کا کیا سوال ہے، ہماری داڑھی گھنی ہے، اس لیے ہم ایسا کرتے ہیں۔

بکر جواب دیتا ہے کہ اس سے بہتر یہ ہے کہ منھ تالاب میں ڈال کر اچھی طرح ہلا لیا کیجئے پانی اچھی طرح بہہ جائے گا اور شبہ نہ رہے گا، اس لیے مسجد کے قریب قریب والے ہنس پڑے اور اب کافی بحث ہو رہی ہے، نتیجہ کچھ حاصل نہیں ہوا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید صحیح راستے پر ہے یا بکر؟ اور اگر بکر صحیح راستے پر ہے تو اس مسئلہ کو اس طرح بیان کرنا چاہئے، یا شیر بیشۂ اہل سنت کی توہین کرنی چاہئے، اس کا مضحکہ اڑانا چاہئے کہ ایسے حشمتی وضو کرتے ہیں، یا یہ کہ کنواں یا تالاب میں منہ ڈال کر ہلا لیں، بکر کی اس حرکت کی وجہ سے اسے سنی سمجھیں یا وہابی؟ چہرہ پر اس طرح پانی بہانا کیسا ہے؟

خادم: اظہار احمد قادری مہینہ نگر اعظم گڑھ یوپی

الجواب

وضو کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ میں پانی لے کر پیشانی پر ڈالیں پھر پورے چہرہ پر دونوں طرف ایک ساتھ ہاتھ پھیریں، لوٹے سے پانی ڈالنے والا طریقہ کہیں نظر سے نہیں گذرا، گو یہ ناجائز بھی نہیں، اس خصوص واقعہ میں نہیں کہا جاسکتا ہے کہ بکر کی نیت یا طریقہ ادا کیا تھا، توہین مقصود تھی یا نہیں، لیکن عام حالات میں لفظ "حشمتی وضو" سے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی توہین نہیں، بقیہ الفاظ جو تالاب

میں چہرہ ڈالنے کے متعلق بکرنے کہے تھے ضرور تمسخر ہیں، اس کو اس سے پرہیز کرنا چاہئے،

قرآن عظیم میں ہے :﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [النحل:۱۲۵]

بالخصوص جب کہ مریدان شیر بیشۂ اہل سنت کو اس سے تکلیف ہوتی ہو۔ واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۶/ذوالحجہ ۸۶ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۱۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

میں پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں، حدیث شریف سے نیچے لکھی ہوئی باتوں کو بتائیں۔

(۱) پہلا سوال پانی سے استنجا کرنے کے بعد جب میں رکوع کی حالت میں ہوتا ہوں تو پیشاب کا دو تین قطرہ گر جاتا ہے۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ میں قریب ۲۵/سال کا ہوں بنا شادی کے، جب میں حدیث کی کتاب سے میاں بیوی کے بارے میں کچھ پڑھتا ہوں تو ترنت سیکس (Sex) معلوم ہوتی ہے، جب میں کسی معصوم بچے کو گود میں لیتا ہوں تو بھی رال کی طرح قطرہ گر جاتا ہے اور جب میں کسی لڑکی وغیرہ سے کوئی بات کرتا ہوں تو بھی رال کی طرح قطرہ گر جایا کرتا ہے، ان سب حالات میں مجھے بار بار غسل کرنا پڑتا ہے اور میں بہت ہی پریشان ہوں پھر بھی ان سب حالات کے باوجود نماز ادا کر لیتا ہوں، حضرت میرے اوپر کوئی کفارہ تو نہیں؟ شریعت سے ہمیں دونوں سوالوں کا جواب لکھ کر جلد سے جلد بھیجنے کی کوشش کریں، بہت مہربانی ہوگی۔

الجواب

آدمی کے پیشاب کے راستہ سے پیشاب کے علاوہ تین قسم کی رطوبت خارج ہوتی ہے، ایک عورت سے چھیڑ چھاڑ کے وقت مگر اس کے نکلنے سے شہوت میں کمی نہیں ہوتی، اس رطوبت کو مذی کہتے ہیں۔ دوسری گاڑھی کہ اسکے اخراج کے بعد شہوت ختم ہو جاتی ہے اس کو منی کہتے ہیں اور تیسری پیشاب کے بعد جس سے پیشاب کی تیزابیت ختم ہو جاتی ہے اس کو ودی کہتے ہیں، منی نکلنے کے بعد غسل واجب ہوتا ہے اور مذی اور ودی میں وضو، آپ کی حس بڑھ گئی، اس لیے تصور سے بھی رطوبت خارج ہو جاتی ہے جو ہمارے خیال میں مذی ہے، اس صورت میں تازہ وضو واجب ہوتا ہے غسل کی ضرورت نہیں؟

پیشاب کے قطرہ کی جو بات آپ نے کہی ہے اگر اس بیماری کا حال ایسا ہے کہ ایک دفعہ قطرہ

آنے کے بعد پھر قطرہ نہیں آیا تو آپ پیشاب کے بعد رکوع کی طرح جھک کر اپنا وسواس دور کرلیں پھر بھی قطرہ آئے تو اس کو دھو کر تازہ وضو کریں اور نماز دہرائیں اور اگر ایسی حالت ہو کہ جب جب آپ رکوع میں جائیں قطرہ ضرور آتا ہے تو اب لنگوٹ کا استعمال کریں اور اسی حالت میں نماز پڑھیں، یعنی جس طرح تندرست آدمی نماز کے لیے وضو کرتا ہے اسی طرح وضو کر کے آپ نماز پڑھئے، اس حالت میں بھی قطرہ آتا ہے آپ کی نماز ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو، ۱۹۸۸ء

غسل کا بیان

(۱-۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید جب رفع حاجت کے لیے جاتا ہے تو چند قطرے منی کے گر جاتے ہیں ایسی حالت میں غسل کر کے نماز پڑھے یا یوں ہی نماز پڑھ سکتا ہے؟ بحوالہ کتب معتبر جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) زید اپنے نام سے قربانی کرتا ہے تو کہتا ہے: " اللهم تقبل من زيد ابن آدم " یہ کہتے وقت اگر کسی نے زید ابن حوا کہہ دیا تو قربانی ہوئی یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جب تک زید کی ماں کا نام نہ لیا جائے قربانی ٹھیک نہیں، بعض کا کہنا ہے کہ باپ کا نام ہونا چاہئے کہاں تک صحیح ہے؟ براہ کرم جواب کتب معتبرہ سے عنایت فرمائیں۔ المستفتی سید ظہور عالم موضع گھڑوا پوسٹ مہاراج گنج ضلع گورکھپور

الجواب

(۱) منی جب اپنے مقام سے شہوت کے ساتھ جدا ہو تو اس وقت غسل واجب ہوتا ہے اور یہاں بلا شہوت صرف زور پڑنے سے ایسا ہو جاتا ہے، اس لیے غسل کی ضرورت نہیں، وضو کافی ہے:

درمختار میں ہے " فرض الغسل عند خروج المنی منفصل عن مقره بشهوة "

(در مختار: ۱/ ۲٦٥)

منی جب اپنے ٹھکانے سے شہوت کے ساتھ جدا ہو کر نکلے تب غسل واجب ہوتا ہے۔

اور شامی میں ہے: " ولو انفصل بضرب او حمل ثقيل على ظهره فلا غسل عندنا "

(شامی: ۱/ ۲٦٥)

اگر چوٹ یا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے منی اپنے مقام سے جدا ہو تو غسل واجب نہیں۔

(۲) کسی شخص کے نام کے ساتھ اس کے باپ دادے کے نام لینے کا مقصد اس شخص کو متعین کرنا ہوتا ہے۔ پس جب اس کے باپ کے نام کے بجائے ماں کا نام لیا تو ظاہر ہے کہ اس سے کوئی دوسرا شخص

مراد نہیں ہوسکتا، اس لیے قربانی جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

شامی میں ہے: " الغائب یشترط ذکر اسمها واسم ابیها و جدها اذا عرفها الشهود یکفی ذکر اسمها فقط لا ن ذکر الا سم المراد... الی....عن غیره " واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳۔۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ

(۱) زید کے اوپر غسل فرض تھا اس نے پاکی حاصل کرنے کی نیت سے غسل کیا مگر ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا بھول گیا اور چار پانچ گھنٹہ کے بعد وضو کیا نماز پڑھنے کے لیے اب وہ پاک ہوا کہ نہیں؟ اور نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟ بکر کہتا ہے کہ اس کا غسل نہیں ہوا، پھر سے تینوں فرائض ایک ساتھ ادا کرے، خالد کہتا ہے کہ زید پاک ہوگیا ان دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

(۲) کھانا کھانے کے وقت سالن الگ تھا اسے بائیں ہاتھ سے چمچہ کے ذریعہ نکال کر دائیں ہاتھ سے کھانا کیسا ہے جائز یا ناجائز؟ کتب معتبرہ سے مع حوالہ جوابات عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی عبدالشکور مقام مہیروا۔ پوسٹ دودھی ضلع دیوریا مورخہ ۸×اگست ۱۹۸۴ء

الجواب

اگر وضو میں کلی کرلیا اور ناک میں پانی ڈال لیا تو غسل مکمل ہوگیا اور خالد کا کہنا صحیح ہے

غنیۃ میں ہے:

ولو ترکها أی ترک المضمضة اوالاستنشاق أو لمعة من أی موضع کان من البدن ناسیا فصلی ثم تذکر ذلك یتمضمض أویستنشق أو یغسل اللمعة ویعید ما صلی۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف کلی کرلینا اور ناک میں پانی ڈال لینا کافی ہے جو وضو کی صورت میں حاصل ہوگیا۔

(۲) دائیں ہاتھ سے کھانا سنت لیکن سوال میں جو طریقہ ذکر کیا ہے یہ سنت کے خلاف نہیں کہ اس کو بائیں ہاتھ سے کھانا نہیں کہیں گے، بلکہ یہ اعانت اور امداد ہے کہ روٹی توڑتے وقت کبھی کبھی بایاں ہاتھ لگانے کی ضرورت پڑ جاتی ہے، پانی پینے میں گلاس بائیں ہاتھ سے پکڑتے ہیں کہ دایاں ہاتھ کھانے میں آلودہ رہتا ہے اور ہاتھ دایاں بھی لگا دیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بائیں ہاتھ سے سالن نکال کر دائیں ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک آدمی نے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کیا اور جس کپڑے میں رہا اسی کپڑے کے ساتھ غسل کیا، کیا یہ غسل صحیح ہو گیا یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل جواب سے نوازیں، عین کرم ہوگا۔

الجواب

غسل کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ پہلے کپڑے سے نجاست دور کیجائے کپڑے کی نجاست جسم کے جس جس حصہ میں لگی وہ پھر سے ناپاک ہو گیا، پھر دھویا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

نجاست کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے بعد نماز عشا شراب پی نماز فجر ادا کرنے کے لیے غسل کرے گا کہ نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں، چونکہ بکر کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ جس چیز کی نص قطعی سے حرمت ثابت ہے اور علماء نے جو مسئلہ کتابوں میں بیان فرمایا ہے کہ شراب کی طرف دیکھنا حرام چھونا حرام حتی کہ اگر کوئی شخص شراب کی دوکان کے متعلق دریافت کرے تو اشارہ کنایہ کرنا بھی حرام ہے۔

لہٰذا تفصیل سے جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی، محمد فدا حسین سوداگر محلہ بسنت پور گورکھ پور

الجواب

جب کوئی نجاست جسم کے اندر سے باہر نکلے یا میاں بیوی منی نکلے بغیر ہی صحبت کریں تو غسل یا وضو واجب ہوتا ہے۔ جیسے پیشاب و پاخانہ اور خون کے نکلنے سے وضو واجب ہوتا ہے، حیض ونفاس کے خون یا منی وغیرہ سے غسل واجب ہوتا ہے۔ ایسی نجاست کو نجاست حکمیہ کہتے ہیں، یعنی ایسی نجاست جس کے دھونے کی حکمت انسانوں کی سمجھ سے باہر ہے، بس اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم ناپاک ہو گئے، اس لیے طہارت حاصل کرو تو یہ نجاست حکم الٰہی کی وجہ سے مانی گئی۔

دیکھئے مذکورہ بالا صورتوں میں پیشاب یا پاخانہ کے راستہ سے نجاست باہر ہوئی یا خون کسی زخم سے نکلا تو جو ناپاکی نکلنے کی جگہ ہے اس کو دھو کر پاک کرنا یا اس کا آبدست لینا اور استنجا کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن منہ دھوؤ، ہاتھ دھوؤ، پاؤں دھوؤ، سر پر مسح کرو (وضو میں) اور سارا جسم دھوؤ (غسل میں) یہ سمجھ میں

آنے والی بات نہیں کہ نجاست کہاں لگی اور دھونے کا حکم کس جگہ دیا جارہا ہے صرف حکم خدا ورسول کی وجہ سے مسلمان اس پر عمل کرتے ہیں، الغرض یہ نجاست حکمیہ ہوئی اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ غسل اور وضو ہے، ہماری اس تقریر سے دو باتیں ظاہر ہورہی ہیں، ایک ہے نجاست کا جسم سے نکلنا یہ بھی ناپاکی ہے مگر حکمی اور ایک خود وہ نجاست ہے، جیسے پیشاب پاخانہ اور منی وخون وغیرہ، یہ نجاست حقیقی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نجاست حکمی سے پاک ہونے کے طریقہ کو طہارت حکمی کہتے ہیں اور نجاست حقیقی سے پاک ہونے کو طہارت حقیقی۔ دیکھئے پیشاب، پاخانہ، منی، حیض، نفاس کی صورت میں چونکہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں، یعنی نجاست جسم سے نکلتی بھی ہے اور جس جگہ سے نکلتی ہے اس کے آس پاس کو لگی بھی ہے اس لیے اس سے پاکی حاصل کرنے کے لیے دونوں باتیں ضروری ہیں۔ جس جگہ لگی اس کو بھی دھوؤ (آبدست اور استنجا) یا منی کپڑے یا جسم میں لگی تو دھو کر اس کو صاف کرو اور طہارت حکمی یعنی وضو اور غسل بھی کرو۔

اب فرض کیجئے کہ نجاست ہمارے جسم سے نکلی تو نہیں مگر ہمارے جسم یا لباس میں لگ گئی جیسے بچے نے آپ پر پاخانہ یا پیشاب کر دیا یا منی یا خون کسی کپڑے میں لگ گیا تو اب غسل یا وضو کا حکم نہیں، صرف نجاست کو لگی ہوئی جگہ سے دھو کر صاف کر دینے کا حکم ہے، بلاشبہ شراب بھی پاخانہ و پیشاب کی طرح ناپاک ہے، مگر اس میں ناپاکی کی وہ صورت جو آدمی کے جسم سے نکلے وہ متصور ہی نہیں ہو سکتی، اس لیے اس میں طہارت حکمی کا شریعت نے حکم نہیں دیا۔ ہاں کپڑے یا جسم میں لگ جائے تو پیشاب پاخانہ کی طرح اتنے حصہ کو دھو دینا ضروری ہوگا۔

اب آپ اس تفصیل کی روشنی میں خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ شراب پینے والے پر غسل کیوں واجب نہیں اور کیوں صرف یہی حکم دیا جاتا ہے کہ کپڑے یا جسم میں جہاں وہ لگی ہو اس کو صاف کر دیا جائے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، یکم ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

حیض کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں کے ایک مستند عالم نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے، مسئلہ بچہ ابھی آدھے سے زیادہ پیدا نہیں ہوا اور نماز کا وقت جارہا ہے اور یہ گمان ہے کہ آدھے سے زیادہ باہر ہونے سے پیشتر وقت ختم ہو جائے گا تو اس وقت کی نماز جس طرح ممکن ہو پڑھے اگر قیام وسجود نہ ہو سکے تو اشارے سے پڑھے وضو نہ کر سکے تو تیمم سے پڑھے اور اگر نہ پڑھی تو گنہگار ہوئی توبہ کرے اور بعد طہارت قضا پڑھے، اس مسئلہ

کوعبدالجبار کہتے ہیں بالکل غلط ہے، غلط ہے لغو ہے، بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی جھلی پھوٹ جاتی ہے اور خون پانی آنے لگتا ہے اور درد سے بے چین ہوتی ہے ناپاکی میں نماز کیسے پڑھے گی اور بازار میں دوکان پر جاکر لوگوں کو دکھلاتے ہیں کہ یہ لکھا ہے، ایسی حالت میں نماز پڑھے گی؟ اس پر کہا جاتا ہے کہ نماز ہر حال میں پڑھنا ہے، یہ مسئلہ ٹھیک ہے آپ کسی دارالافتاء میں چلیے اور سمجھ لیجئے تو کہتے ہیں ہم کسی مفتی اور مولانا کو نہیں مانتے اللہ میاں کہیں گے تو بھی نہیں مانیں گے، یہ مسئلہ غلط ہے اور واضح رہے کہ عبدالجبار اردو عبارت تک بھی صحیح نہیں پڑھ پاتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ عبدالجبار کے کہنے کے مطابق یہ مسئلہ غلط ہے تو ایسا غلط مسئلہ لکھنے والے پر شریعت کا کیا حکم ہے اور اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو صحیح مسئلہ کو غلط اور لغو کہنا، اللہ میاں کہیں گے تو بھی نہیں مانیں گے اور دوکانوں پر جاکر صحیح مسئلہ کو غلط منوانے کی کوشش کرنے والے اور جتنے لوگ ایسے شخص کے معین و مددگار ہیں ان پر شریعت کا کیا حکم ہے از روئے شرع بحوالہ کتب جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی، مسلمانان رسٹرا بلیا عبداللطیف

الجواب

سوال میں جس مسئلہ کا ذکر کیا گیا ہے صحیح ہے اور اللہ ورسول کے حکم کے موافق ہے بلکہ بہار شریعت جلد دوم صفحہ ۹۲ پر انھیں الفاظ میں مسئلہ مرقوم ہے مولینا صاحب نے اس کو اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے ان کی کوئی غلطی نہیں ان کی مجبوری یہ ہے کہ انکا پالا ایسے جاہلوں سے پڑا ہے جنھیں خدا اور رسول کا کوئی خوف نہیں ہم مسئلہ ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں خدا کرے لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔

(۱) بالغ عورت کو جو خون آگے کے مقام سے عادۃً صحتمندی کی حالت میں آتا ہے اس کو عام زبان میں ماہواری اور عربی میں حیض کہتے ہیں۔

(۲) بچہ پیدا ہونے کے بعد جو خون آگے کے مقام سے آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ خون ظاہر ہونے کے بعد نماز معاف اور روزہ موقوف۔

(۳) ان دونوں خونوں کے علاوہ جب بھی اور جیسا خون بھی عورت کے اندام نہانی سے آئے استحاضہ کہا جاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ نماز روزہ کچھ بھی موقوف نہیں سب ادا کرنا ہے یہ وجہ نہیں کہ یہ خون پاک ہے بلکہ اللہ پاک نے چھوٹ دے دی ہے کہ اس حالت میں خروج خون حادج اور مانع نہیں۔

بخاری میں حدیث ہے " ان ام حبیبة استحاضت سبع سنین فسالت رسول الله ﷺ عن ذلك فامرها ان تغتسل لكل صلاة "(بخاری شریف: ۱/۹۳)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سات سال تک استحاضہ کی بیماری میں مبتلا رہیں انھوں نے

اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے انھیں ہر نماز کے وقت نہا کر پڑھنے کا حکم دیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کو جب استحاضہ کا خون آئے تو نماز روزہ معاف نہیں۔ عالم گیری میں ہے "والاستحاضة کالرعاف الدائم لایمنع الصلوة ولا الصوم ولاالوطی۔
(عالم گیری جلداول صفحہ ۲۰)

استحاضہ والی عورت کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا، روزہ رکھے گی اور اس کا شوہر اس سے قربت کرے گا۔ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ دوخون یعنی حیض ونفاس کی صورت میں نماز معاف ہے لیکن استحاضہ کی صورت میں نماز پڑھنی ہوگی چاہے خون آتا رہے جیسا کہ اس شخص کا بھی یہی حکم ہے جس کی ناک سے برابر نکسیر پھوٹا کرتی ہو۔

اب صرف یہ دیکھنا رہ گیا ہے کہ مولانا صاحب نے جس خون کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے وہ کیا ہے، تو اسی عالمگیر میں ہے " وکذا ماتراہ الحامل ابتداء او حال الولادة قبل خروج الولد "
(عالم گیری:۱/۵۱)

بہار شریعت میں ہے "حمل والی عورت کو جو خون آیا استحاضہ ہے یونہی بچہ پیدا ہوتے وقت جو خون آیا اور بچہ ابھی آدھے سے زائد باہر نہیں نکلا ہے وہ استحاضہ ہے"۔ (بہار شریعت:۱/۳۷۳)

تو جب یہ خون استحاضہ ہوا اور اس صورت میں نماز معاف نہیں تو مولانا نے یہ مسئلہ لکھ کر کوئی غلطی نہیں کی۔ اس کو غلط اور لغو کہنا خود ایک لغوبات ہے۔

اور اگر اس کے ساتھ کسی نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کہیں تو بھی ہم نہ مانیں گے تو معاذ اللہ اس نے کلمہ کفر بکا ازسرنو توبہ کرے پھر سے کلمہ پڑھے ایمان لائے اور اس کی عورت ہو تو دوبارہ اس سے نکاح پڑھوائے (فتاویٰ رضویہ جلد ششم صفحہ ۱۱۳) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی　　۲۹ ذالحجہ ۱۴۱۰ھ

(۲۔۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ہذا کے بارے میں کہ

(۱) عورت حیض کی حالت میں ہے تو شوہر کو کتنے دن تک اس سے صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے اور وہ مدت ہونے تک بیوی کے ساتھ کس طرح سے رہے؟۔

(۲) عورت حمل سے ہے تو کیا شوہر اس سے صحبت نہ کرے اگر منع ہے تو کتنی مدت سے کتنی مدت تک۔

(۳) ہماری طرف (دکن) میں ایک رسم عام ہے جس کسی مسلمان لڑکی کی شادی ہو جاتی ہے اس

کی شادی کے پہلے سال میں کبھی بھی صفر المظفر کا مہینہ آتا ہے تو اس کے چاند دیکھنے سے لے کر اگلے مہینے یعنی ربیع الاول کے چاند دیکھنے تک اس کے شوہر کو سخت منع کردیا جاتا ہے کہ وہ ایک مہینے تک اپنی بیوی سے ملنا تو دور کی بات ہے دیکھ بھی نہیں سکتا۔

(۴) ہم راستے پر چل رہے تھے۔ ہمیں کوئی چیز مل گئی یا کچھ پیسے مل گئے ہم ان پیسوں کا کیا کریں یا ہم نے کسی کافر کی دوکان سے کوئی چیز خریدی وہ ہمیں پیسے واپس کرتے وقت زیادہ دے دے تو ان پیسوں کا کیا کریں؟

(۵) ہم اپنے مال کی زکوۃ کے پیسے اپنے پاس کتنے دن تک یا کس وقت تک رکھ سکتے ہیں؟

المستفتی ناچیز محمود خطیب ہبلی

الجواب

(۱) جب تک عورت کو حیض آتا رہے اس وقت تک شوہر کو جماع کرنے سے اور عورت کی ناف سے گھٹنے تک اختلاط سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔

قرآن شریف میں ہے: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾ [البقرۃ: ۲۲۲]

اس کے علاوہ رہنے سہنے میں کسی قسم کا پرہیز نہیں۔

(۲) حمل کی حالت میں عورت کے ساتھ صحبت کرنے کی شرعا کوئی ممانعت نہیں ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے کوئی بات ہو تو ہم نہیں کہہ سکتے۔

(۳) یہ جہالت کی رسم ہے شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ ممانعت ہے۔

حدیث شریف میں ہے: لاعدوی ولاطیر ولاھامۃ ولاصفر۔ (کنز العمال: ۱۰/۵۱)

متعدی بیماری کوئی چیز نہیں، بدفالی کوئی چیز نہیں، اُلّو کی بولی کوئی چیز نہیں، ماہ صفر کی نحوست کچھ نہیں

(۴) اس کو اصطلاح شرع میں لقطہ کہتے ہیں، سائل پر لازم ہے کہ عام مقامات پر جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں اس کا مسلسل اعلان کرائے کہ ہم کو ایک گری پڑی چیز ملی ہے جس کی ہو آ کر لے لے اور اتنے دنوں تک اعلان کرائے کہ اسے گمان غالب ہو جائے کہ اب مالک کو اس کی تلاش سے مایوسی ہو گئی ہو گی، اس دوران میں اگر کوئی آتا ہے تو اس سے پائی ہوئی چیز کی علامتیں دریافت کرے اگر وہ صحیح صحیح بتادے تو اس کی چیز اس کو دے دے ورنہ مقررہ مدت کے بعد چاہئے کہ اس کو امانت کے طور پر رکھ دے کہ مالک آئے گا تو اسے پہنچا دوں گا، چاہے فقیروں کو دے دے مگر فقیروں کے دینے کے بعد مالک آ گیا تو پانے

والے کو اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔ یہ ساری باتیں ہدایہ میں ہیں۔

کافر نے غلطی سے جو پیسہ اس کو زائد دیا اس کو واپس دے دیں۔ وہ آپ کے لیے جائز نہیں۔

(۵) زکوٰۃ کی ادائیگی میں جتنی جلدی ہو بہتر ہے۔ بلا سبب تاخیر ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۸ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

کنویں کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل میں کہ

ایک کتاب 'نور الھدایہ، جو شرح وقایہ کا ترجمہ ہے اس کے مترجم مولوی وحید الزماں ومولوی مسیح الزماں لکھنوی فاروقی حنفی ہیں انھوں نے شرح وقایہ کا ترجمہ لکھ کر فائدہ کی (ف) کے بعد یہ تحریر کیا ہے کہ امام محمد کے نزدیک تین سو ڈول نکالے جائیں اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ کتاب نصاب میں ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

ترجمہ عبارت شرح وقایہ۔ اگر کنویں میں نجاست پڑ جائے یا کوئی حیوان پھول پھٹ جائے یا آدمی یا بکری، کتا مر جائے تو نجاست نکالنے کے بعد اگر ممکن ہو تو کل پانی اس کا نکال دیا جائے اور اگر ممکن نہ ہو تو دو آدمی عادل جن کو پانی کی پہچان ہو معین کریں وہ جتنا پانی بتادیں کھینچ ڈالا جائے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسو یا تین سو ڈول کھینچا جائے۔ (ف) اور زاد میں ہے کہ اگر ایک آدمی صاحب بصارت ہوتا تو بھی کافی ہو جائے گا اور روایت ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہ سونپا جائے گا متوضی کے اوپر اور انھیں سے ایک روایت ہے کہ سو ڈول پانی کھینچا جائے گا اور ایک رویت امام صاحب سے ہے کہ ایک گڈھا اتنا گہرا جتنا پانی کی گہرائی ہے اور اتنا لمبا چوڑا جتنی لمبائی اور چوڑائی ہے کھدوایا جائے اور اس کو کنوئے کے پانی سے بھر دیا جائے اور امام محمد کے نزدیک تین سو ڈول نکالا جائے گا اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ کتاب نصاب میں ہے۔

نوٹ۔ فقط اسی پر حاشیہ دے کر یہ عبارت تحریر ہے۔ درمختار میں ہے کہ قول عادلین صاحب بصارت پر فتوی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے دوسو سے تین سو ڈول والے قول پر فتوی ہے اور اس میں آسانی ہے اور قول اول میں احتیاط زیادہ ہے اور درمختار میں علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے قول اول کو لکھا ہے کہ: ھو الاصح کما فی الدر وھو الصحیح وعلیہ الفتوی ابن کمال و ھو المختار، (معراج) ھو الاشبہ بالتفقہ۔ (ھدایہ: ۱۲) اور بہار شریعت میں قول عادل یا ناپ کر اندازہ کرنے کا ہی قول لیا ہے۔

(الف) حاشیہ کی عبارت کے پیش نظر اگر امام محمد کے قول پر عمل کیا جائے تو کیا کنواں پاک اور اس کا پانی قابل طہارت ہوگا؟

(ب) حاشیہ کی عبارت کے پیش نظر کہ قول اول کو احتیاط اور قول ثانی کو آسان بتایا اگر کوئی دوسرے آسان قول پر ہی عمل کرے تو کنواں پاک ہو جائے گا یا نہیں؟

(ج) کنواں آئے دن ناپاک ہوتا رہتا ہے اور ہر بار کل پانی نکالنے میں مشکل ہوتی ہے تو صرف بہار شریعت والے قول پر ہی عمل کیا جائے گا یا کوئی اور صورت ہے؟

(د) کل پانی والے قول پر سارا پانی یک بارگی نکالنا ضروری ہے یا تھوڑا تھوڑا بار بار نکالنے سے بھی پاک ہو جائے گا؟

(ہ) بہار شریعت جس میں مفتی بہ اصح راجح قول نقل کرنے کی پابندی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مفتی بہ قول کیوں نہیں نقل کیا گیا؟

(و) اور بہار شریعت والا قول راجح امام والا قول مرجوح ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

سبحان اللہ قادری بلیا۔

الجواب

جو بہار شریعت میں ہے وہی صحیح تر اور درست ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے قول عادلین اور دو سو سے تین سو تک دونوں ہی قول نقل کر کے ان پر تصحیح اور فتوی نقل کیا ہے اور فیصلہ اس طرح فرمایا: "فقد اختلف التصحیح والفتوی و ضعف هذا القول فی الحلیة و تبعه البحر بأنه اذا کان حکم الشرعی نزح الجمیع فالاختصار علی عدد مخصوص یتوقف علی دلیل سمعی یفیده واین ذلك؟ بل الماثور عن ابن عباس و ابن زبیر خلافه حین افتیا بنزح الماء کله حین مات الزنجبی فی بئر زمزم و کأن المشائخ انما اختاروا ما عن محمد اه لکن مرویاتي ان مسائل الآبار مبنیة علی الآثار علی أنهم قالوا: ان محمد افتی بما شاهد فی آبار بغداد فانها کثیرة الماء و کذا ما روی عن الامام من نزح مائة فی مثل آبار الکوفة لقلة مائها فیرجع الی القول الاول لأنه تقدیر ممن له بصارة وخبرة بالماء فی تلك النواحی لا لکونه لازما فی کل جهة۔ (شامی: ۱/ ۳۳۰)

دیکھئے کس طرح ابن قول ثانی کے ضعف پر دلیل قائم فرما رہے ہیں کہ یہ حکم کنویں کے باب میں شریعت کا جو اصول ہے اس کے خلاف ہے خاص اسی جزئیہ میں صحابہ سے اس کے خلاف فتوی منقول ہے

پھر کس طرح امام مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صرف سو ڈول پانی نکال دینے کا حکم دیا تو یہ کوئی اس وجہ سے نہیں تھا کہ خاص اسی عدد کا کوئی حکم ہے بلکہ امام کو کوفہ کے کنوئں کا حکم معلوم تھا کہ اس میں عموماً سو ڈول پانی رہتا ہے اسلیے سو ڈول پانی نکالنے کا حکم دے دیا اور بغداد میں بنسبت کوفہ کے کچھ زائد یعنی دو سو ڈول یا تین سو ڈول ہوتا تھا اسلیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا حکم دیا، پس در حقیقت یہاں کوئی نیا قول نہیں بلکہ اسی پہلے قول پر عمل ہے کہ نکالا پورا پانی جائے گا۔ اگر کسی کنویں کا پانی رفتہ رفتہ نکالا گیا تب بھی کنواں پاک ہو گیا۔ شامی میں ہے:" و لا يشترط التوالي و هو المختار كما في البحر والقهستاني ۔" (شامی:۱/۳۲۸) واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی اشرفیہ مبارک پور ۲۱/ جمادی الاخری ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۲۔۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک قصبہ کی جامع مسجد میں ایک کنواں ہے جس کے باہر طرف اہل ہنود کا تصرف ہے اور اندر جانب مسلمان وضو وغسل کرتے ہیں۔ اہل ہنود بہت ہی بے احتیاطی سے نہاتے اور کپڑے دھوتے ہیں تمام چھینٹیں کنویں میں پڑتی ہیں اور بعض بعض مسلمان بھی جنابت کا غسل کرتے ہیں ان کی چھینٹیں بھی کنویں میں پڑتی ہیں، اس کے علاوہ چوہا وغیرہ گر کر مر جاتے ہیں پھول پھٹ جاتے ہیں کیا ایسی حالت میں کنواں کا پانی پاک ہے یا ناپاک؟ جو مسلمان اس سے وضو یا غسل کرتے ہیں ان کی نماز درست ہوتی ہے یا نہیں؟ اور امام مسجد بھی کنواں مذکورہ کا پانی پیتا ہے اس پانی سے وضو وغسل کرتا ہے کیا اس امام کے پیچھے نماز درست ہے؟ اس کے علاوہ قرب وجوار کے مسلمان آتے ہیں اور اس کنواں کے پانی سے وضو وغیرہ کرتے ہیں اس کا گناہ قصبہ کے مسلمانوں پر ہوگا یا نہیں؟

(۲) جو امام خیرات یا زکوۃ کھاتا ہے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۳) بالغ لڑکا جو کہ داڑھی منڈواتا ہے اور سر پر بال رکھے ہوئے ہے اور نماز کا بھی پابند نہیں کبھی کبھی کسی وقت کی نماز پڑھ لیتا ہے کیا ایسا شخص رمضان شریف کے مہینے میں فرض عشاء اور تراویح پڑھا سکتا ہے اس کے پیچھے فرض عشاء تراویح جائز ہے ؟

(۴) مال دار اور صاحب نصاب کے لڑکے دینی مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور حساب وغیرہ بھی پڑھتے ہیں اور سیکھتے ہیں کیا ایسے مدرسہ میں زکاۃ وغیرہ دی جاسکتی ہے اور زکاۃ کی ہی رقم سے مولوی یا حافظ کی جو لڑکوں کو پڑھاتا ہے یا ماسٹر کی تنخواہ دی جاسکتی ہے اور چرم قربانی یا صدقہ فطر ایسے مدرسہ میں دیا جاسکتا

ہے یا نہیں؟ فقط احقر محمد امین متوطن قصبہ ڈاکخانہ رسڑ ضلع بلیا۔ ۴ر ستمبر ۵۹ء

الجواب

جو لوگ کنویں پر جنابت کا غسل کرتے ہیں اگر ان کے کپڑے یا جسم پر نجاست حقیقیہ لگنے کا یقین ہے تو کنویں میں ان کے جسم سے گرے ہوئے نجس پانی کے پڑنے سے ضرور کنواں نجس ہو جائے گا اور یہی حکم چوہے وغیرہ کا مر کر پھول پھٹ جانے کی صورت میں ہوگا امام مسجد اور اس کے علاوہ جو بھی اس کنویں سے وضو یا غسل کرے گا اس کی نماز نہ ہوگی۔ نہ اس کے پیچھے کسی اور کی۔ ہاں اگر مذکورہ بالا آدمیوں کے جسم سے نہایت باریک سوئی کی نوک کی مثل چھینٹیں پڑیں تو یہ معاف ہے۔ اور کنواں نجس نہ ہوگا اور اگر نہانے والوں کے جسم اور کپڑوں پر نجاست کا لگنا یقین سے نہ معلوم ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا کیونکہ صرف اس شبہ کی بنا پر کہ ہندوؤں کے جسم پر عموماً نجاست لگی رہتی ہے، پانی کی نجاست کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

شامی میں ہے: "من شك في اناء و وبدنه او جبته اصابته نجاسة او لا فهو طاهر ما لم يستيقن وكذلك الآبار والحياض والحباب الموضوعة في الطرقات ليستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار۔ جس کے برتن یا بدن پر نجاست لگے ہونے کا شبہ ہو وہ پاک ہے شبہ سے نجس نہ ہوگا، یہی حال کنوؤں اور حوضوں اور سبیل کے ان گھڑوں کا ہے جس سے چھوٹے بڑے مسلمان اور کافر بھی پانی حاصل کر سکتے ہیں، اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہانے والوں کے جسم سے گرنے والا مستعمل پانی کنویں میں گرا لیکن اس پانی سے جس میں مستعمل پانی مل گیا ہو اس وقت تک وضو غسل جائز ہے جب تک کہ مستعمل پانی مقدار میں غیر مستعمل پانی سے زائد نہ ہو جائے کہ سب مستعمل ہو کر وضو و غسل کے لائق نہ رہے گا، لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ کنویں کا پانی بہر حال نہانے والوں کی چھینٹوں سے بہت زیادہ ہے، اس لیے نہ تو وہ مستعمل ہوگا اور نہ اس سے وضو و غسل منع ہوگا۔

درمختار میں ہے: "يرفع الحدث بماء مطلق لا بماء مغلوب مستعمل بالاجزاء فان المطلق كثير من النصف جاز التطهير بالكل والالا. ملخصا. (درمختار: ۱/۲۸۹)

پھر جس شکل میں کنواں نجس ہوگا تو جب اس سے برابر پانی نکلتا رہا تو وہ کنواں کچھ دنوں کے بعد پاک ہو جائے گا جب کہ اس سے اس مقدار میں پانی نکل جائے جتنا کہ کنویں میں تھا کیونکہ نجاست کے بعد کنویں کا کل پانی یک بارگی نکالنا ضروری نہیں تھوڑا تھوڑا کر کے کئی بار میں بھی سب پانی نکال دیں تو کنواں پاک ہوگا۔ درمختار میں ہے:" ولو نزح بعضه ثم زاد في الغد نزح قدر الباقي في الصحيح۔ (۱/۲۸۸)

شامی میں ہے: "هو مبني على أنه لا يشترط التوالي وهو المختار "۔
(شامی:۱/۳۲۸)

کنواں صاف کرنے میں مسلسل اور پے در پے نکالنا ضروری نہیں۔

اگر وہ امام صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کا زکوٰۃ کھانا جائز ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہوگی اور اگر وہ امام صاحب نصاب ہے اس کے باوجود علی الاعلان زکوٰۃ لیتا اور کھاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

علی الاعلان داڑھی منڈانے، حد شرع سے کم رکھنے اور نماز ترک کرنے والا فاسق ہے۔

درمختار میں: "والسنة فيه القبضة ويحرم على الرجل قطعه ـ "، ملتقطا.(درمختار:۲/۷)

مرد کو داڑھی کٹانا حرام ہے اور اس کی مسنون مقدار ایک مشت ہے۔

نیز درمختار میں ہے: "وتاركها عمدا مجانةً فاسق "۔ نماز کو کبھی کبھی عمداً چھوڑنے والا بھی فاسق ہے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہوگی۔

شامی میں ہے: " مشى في شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم"
فاسق کو امام بنانا کراہت تحریمی ہے یہی شرح منیہ میں ہے۔

۴؎ مدرسہ میں زکوٰۃ اور فطرہ کا مال خرچ کرنے کا اگر یہ مطلب ہے کہ مال سے دینی مدرسہ میں علم حاصل کرنے والے طالب علموں کو کھانا کپڑا دے کر انہیں اس کا مالک بنادیا جاتا ہے تو ایسے بالغ طالب علم اگر چہ خود مالدار ہوں زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔

درمختار میں ہے: "ان طالب العلم يجوز له أخذ الزكوة ولو غنيا اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب "۔ (در مختار:۳/۲۵۸)

اگر یہ مطلب ہے کہ اس روپیہ سے مدرسین کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں تو یہ نا جائز ہے، ہاں اگر زکوٰۃ کا مال کسی غریب کو دے دیا جائے اور وہ اپنی طرف سے مدرسہ میں دے دے تو وہ رقم ضرور مدرسہ میں صرف کی جاسکتی ہے خواہ مدرسین کی تنخواہ دیں خواہ تعمیر میں صرف کریں خواہ دیگر مصارف میں، یونہی چرم قربانی کو مدرسہ کے تمام مصارف میں خرچ کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی مبارکپور اعظم گڑھ ۱۰ جمادی الآخرہ ۹۷ھ

(۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک چھوٹا سا کنواں ہے جس سے ایک مردہ پھولا پھٹا سانپ نکالا گیا کس وقت گرا اور مرا یا

مارا گیا معلوم نہیں اس صورت میں پانی کا کیا حکم ہے اور نادانی میں اس کنویں کے پانی سے جو کپڑا دھویا گیا اس کا کیا حکم ہے اور غسل بھی کیا اور نماز بھی ادا کی گئی تو کتنے وقت کی نماز کا اعادہ ہوگا؟

(۲) عورت حالت حیض اور مرد حالت ناپاکی میں بیعت ہو سکتے ہیں یا نہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد واجد علی متعلم دار العلوم شمس العلوم گھوسی ضلع مئو یوپی

الجواب

(۱) پانی کا سانپ اگر کوئیں میں مرجائے یا مرا ہوا گر جائے اور پھول پھٹ جائے تو بھی پانی پاک ہے اس سے وضو غسل جائز مگر جب ریزہ ریزہ ہو کر اس کے اجزاء پانی میں مل جائیں تو اس کا پینا حرام ہے۔

"لان حية الماء لاتفسد الماء مطلقاهكذا فی رد المحتار:(۱/۱۲٤)

اور اگر خشکی کا سانپ جس میں خون سائل ہو کنویں میں ہی مرجائے پھول پھٹ جائے تو پانی نجس ہو جائے گا اور کنویں کا کل پانی نکالا جائے گا۔

اور رہی لاعلمی کی بات تو اس صورت میں جس وقت اس بات کی خبر ہوئی اس وقت سے ہی کنویں کے نجس ہونے کا حکم دیا جائے گا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

درمختار میں ہے "وقالا من وقت العلم فلا يلزمهم شيء قبله قيل وبه يفتىٰ"

(در مختار:۱/۳۳٦)

لہٰذا اس سے پہلے کی نمازوں کا اعادہ نہیں اور اگر اس سے پہلے بدن یا کپڑے میں پانی لگا ہے دھونے کی ضرورت نہیں ہاں اگر معلوم ہونے کے بعد وہ پانی بدن یا کپڑے میں لگا تو پاک کیا جائے گا یوں ہی معلوم ہونے کے بعد جو کھانا پکایا گیا وہ کتے کو کھلا دیں درمختار میں ہے" وعجن به فيطعم الكلاب"
۔واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) مرد حالت ناپاکی اور عورت حالت حیض میں بیعت ہو سکتے ہیں یوں کہ جس پر غسل فرض ہے نہ وہ شخص نجس ہے نہ اسکی زبان۔حدیث شریف میں ہے " المومن لا ينجس" جنبی اور حائض کی ناپاکی حکمی ہے اس طرح حالت ناپاکی میں قرآن مجید پڑھنے اور چھونے اور مسجد میں جانے کی ممانعت ہے اس کے علاوہ ذکر واذکار کی اجازت ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ ابو الکلام شمسی الجواب صحیح عبد المنان اعظمی ۵ر رجب المرجب ۱۴۱٦ھ

(۷۔۱۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ

(۱) کنویں میں ایک بلی یا کتا گر کر مر گیا اور اس کا سر پھٹ بھی گیا ہے تو کنویں کو پاک کرنے کے لیے کتنا پانی نکالا جائے گا۔

(۲) مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں ہے داڑھی اور بغیر داڑھی والے مقتدی موجود ہوں تو اذان کے وقت بغیر داڑھی والا اذان دے گا؟ اور داڑھی والا اذان دینے جارہا ہو یا وہ تقریباً روزانہ اذان دیتا ہو تو کیا اس وقت اس داڑھی والے کو ہٹا کر بے داڑھی والا اذان دے گا؟ اور داڑھی والے کی موجودگی میں بغیر داڑھی والے نے اذان یا تکبیر دے دی تو کیا داڑھی والا پھر سے دوبارہ اذان وتکبیر دے گا؟ کیا بغیر داڑھی والے کو مؤذن مقرر کیا جاسکتا ہے؟

نوٹ: بغیر داڑھی والا ریلوے سے ریٹائر ہے اور اس کے پینشن کے کاغذات میں تصویر بغیر داڑھی کے ہی ہے اگر وہ داڑھی رکھنا چاہتا ہے تو اسے کم از کم چھ سات ماہ پینشن کے لیے انتظار کرنا پڑے گا کیونکہ داڑھی بڑھ جانے کی وجہ سے دوسرا فوٹو لگانا پڑے گا اس طرح چھ سات ماہ لگ جائیں گے اس طرح پنشن کے بغیر گھر میں پریشانی ہوجائے گی داڑھی والا کہتا ہے کہ اذان وتکبیر دینے کا شرعاً حق دار میں ہوں مگر کسی وجہ سے وہ مسجد میں مستقل نہیں آتا۔

(۳) بدایوں شریف کے مدرسہ کے کچھ علماء آگرہ کی مسجد کے حجرے میں رمضان المبارک کے مہینے میں کچھ روز قیام کئے تھے روزانہ روزے کی حالت میں مسواک کے برش میں ٹوتھ پیسٹ لگا کر دانت صاف کیا کرتے تھے اس پر عوام اور مقتدی صاحبان نے اعتراض کیا تو ان علماء نے کہا کہ پانی اور دوسری مسواک کی بھی کوئی نہ کوئی لذت ہوتی ہے برائے مہربانی فرمائیں کہ وہ علماء کیسے ہوئے کیا ٹوتھ برش میں پیسٹ لگا کر مسواک کرنے سے روزہ برقرار رہے گا۔

(۴) ایک دیوبندی علامہ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا یہ قول ''اگر فرضا در یں امت پیغمبرے مبعوث می شد موافق فقہ حنفی عمل می نمود'' (ترجمہ) اگر بالفرض اس امت میں کوئی پیغمبر ہوتا تو فقہ حنفی پر عمل کرتا (مکتوبات دفتر اول صفحہ ۳۶۵ مکتوب نمبر ۲۸۲) لکھ کر یہ کہتا ہے کہ مولینا قاسم نانوتوی صاحب کی لکھی عبارتوں پر اعتراض کرنے سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر کرو اور قرآن شریف میں متعدد جگہوں پر فرضاً اور بالفرض استعمال ہوتا ہے برائے مہربانی اس کی تحقیق فرمائیں دیوبندیوں کے اشرفعلی تھانوی کی کتاب بہشتی زیور ہاتھ میں کوئی نجس چیز لگ گئی تھی اس کو کسی نے تین دفعہ زبان سے چاٹ لیا تو بھی پاک ہوجائے گا مگر چاٹنا منع ہے (بہشتی زیور حصہ ۲ صفحہ ۱۶) یہ کہا تو اس نے کہا کہ مولینا احمد رضا خاں

صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی وہی بات اپنی کتاب احکام شریعت میں یوں لکھی ہے: نجاست لگی انگلی چاٹ کر پاک کرنا کسی سخت گندی ناپاک روح کا کام ہے اور اسے جائز جاننا شریعت پر افترا والزام اور تحلیل حرام ہے اور قاطع اسلام ہے اور یہ کہنا محض جھوٹ ہے کہ منہ بھی پاک رہے گا، نجاست چاٹنے سے ناپاک ہو جائے گا اگر چہ بار بار وہ نجس ناپاک تھوک یہاں تک کہ نگلنے سے اکثر نجاست منہ میں دھل کر سب پیٹ میں چلا جائے پاک ہو جائے گا مگر اس چاٹنے نگلنے کو وہی جائز رکھے گا جو نجاست کھانے والا ہو۔

(احکام شریعت حصہ ۳ مسئلہ ۲۸)

ظاہراً تو اشرفعلی اور اعلیٰ حضرت دونوں نے منع لکھا ہے تو بہشتی زیور کی عبارت پر ہی کیوں اعتراض ہے اعلیٰ حضرت کی عبارت پہ کیوں نہیں، اس کی تحقیق فرمائیں۔

(۵) قبر پر اذان دینے کے ثبوت میں جب کچھ دیوبندیوں کے سامنے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا لکھا ایک رسالہ دکھایا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ غلط ہے اور کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے غلط حوالے دیئے ہیں اور اس اذان کے منع ہونے کے مندرجہ ذیل حوالے دیئے گئے ہیں۔

(الف) علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے منع فرمایا (شامی)

(ب) علامہ خیر الدین علیہ الرحمۃ نے حاشیہ بحر الرائق میں منع کیا ہے۔

(ج) توشیح شرح تنقیح محمود البلخی نے منع لکھا ہے۔

(د) تفہیم المسائل میں منع لکھا ہے۔

(ہ) حضرت مولینا اسحاق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے مائۃ مسائل میں منع تحریر فرمایا ہے ۔اس بارے میں مدلل ومفصل جواب دے کر ممنون ومشکور فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی، عبد الجبار اعظمی۔ مقام ریوری ڈیہہ پوسٹ پپورہ ضلع مئو یوپی

الجواب

(۱) کل پانی نکالا جائے گا (۲) داڑھی منڈانے والا فاسق ہے اور فاسق کی اذان مکروہ قابل اعادہ ہے اس کو دہرایا جائے، پنشن کا عذر نا مقبول ہے۔

(۳) ٹوتھ پاؤڈر یا ٹوتھ پیسٹ اور منجن وغیرہ کا استعمال روزہ کی حالت میں علماء نے مکروہ لکھا ہے علمائے بدایوں کی طرف آپ نے یہ بات منسوب کی وہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی تنویر الابصار میں علک کو روزہ کی حالت میں چبانا مکروہ لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ٹوتھ پیسٹ ویسا ہی ہے، کراہت کا دارومدار مزہ معلوم ہونے پر نہیں ہے بلکہ بلا ضرورت چکھنے اور چبانے پر ہے۔ اسی میں ہے "وکرہ ذوق شیء

وکذا مضغه بلا عذر "

(۴) خاتم النبیین کے معنیٰ اجماعی آخری نبی کے ہیں اور مولوی قاسم نانوتوی نے اس کا انکار کیا ہے چنانچہ " تحذیر الناس " میں وہ خود لکھتے ہیں " کہ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کوئی فضیلت نہیں " اور اس بات کا تو کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا کہ وہ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ ساتوں زمین میں خاتم النبیین مانے جائیں تا کہ اثر ابن عباس صحیح ہو اس لیے ان کا بالفرض لکھنا ہی فرضی ہے۔

اس لیے قاسم نانوتوی والی عبارت کو مجدد الف ثانی کی عبارت کے ہم معنیٰ قرار دینا جہالت ہے حضرت مجدد صاحب جس بات کو محال مان رہے ہیں اس کی فرض کی تقدیر پر ایک حکم لگا رہے ہیں اور نانوتوی صاحب عہد رسالت میں دوسرے نبی کے وجود کو ممکن مان رہے ہیں تو قاسم صاحب کے دو جرم ہیں دوسرے نبی کے وجود کو ممکن ماننا اور خاتم النبیین کے اجماعی معنیٰ کا انکار کرنا۔

(۵) بہشتی زیور کے پرانے ایڈیشن میں " مگر چاٹنا منع ہے " نہیں تھا یہ اعتراض کے بعد اب بڑھا یا گیا ہے احکام شریعت میں جو مسئلہ مذکور ہے اس میں اسی مسئلہ کا بیان ہے کہ مسئلہ ناقص بیان کیا گیا۔

(۶) آپ نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے ان میں سے دو کتابیں فتاویٰ کی ہیں بقیہ مولوی اسحاق دہلوی تو دیوبندی صاحبان کے پیشوا ہیں۔

میں علامہ شامی کی پوری عبارت جو اس موقع پر ہے نقل کر دیتا ہوں اس میں دیکھئے کہ علامہ کہاں رد فرماتے ہیں، عبارت یہ ہے " في حاشية "البحر" للخير الرملي رأيت في كتب الشافعية انه قد يسن الاذان لغير الصلوة كما في أذن المولود والمهموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من انسان او بهيمة وعند مزدحم الجيش وعندالحريق وقيل عند انزال الميت في القبر قياسا على اول خروجه للدنيا لكن رده ابن حجرفي شرح العباب "(شامی:۲/۴٦)

علامہ شامی نے خیرالدین رملی کا وہی حاشیہ جس کو سوال میں ایک الگ حوالہ بنا کر لکھا ہے اپنے حاشیہ میں نقل کیا کہ شوافع کی کتاب میں فلاں فلاں جگہ نماز کے علاوہ بھی اذان دینے کو مسنون لکھا ہے ان میں میت کے قبر میں داخل کرتے وقت کو بھی شمار کیا ہے۔

اور یہ کہ ابن حجر شافعی نے اس کو رد کیا ہے اور اس میں نہ تو اپنا خیال ظاہر کیا ہے نہ خیر رملی رحمۃ اللہ کا اسی کو آپ کے دیوبندی صاحب کہتے ہیں کہ فلاں نے منع کیا فلاں نے منع کیا اور اعلیٰ حضرت تو اس

مسئلہ کا ثبوت احادیث کریمہ سے پیش کرتے ہیں آپ کی مرضی مانیں نہ مانیں آپ ان وہابی حضرات سے پوچھئے اعلیٰ حضرت نے کون کون سے حوالے غلط دیئے ہیں امید ہے کہ جب آپ ان سے ثبوت مانگیں گے تو ان کو سانپ سونگھ جائے گا اور کوئی جواب نہ بن پڑے گا اعلیٰحضرت نے ساری حدیثوں کا حوالہ دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۶ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

(۱۳۔۱۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) ایک کنواں ہے جس میں تین سال قبل ایک بچہ ڈوب کر مر گیا تھا اور اس کا پانی بھی نہیں نکالا گیا اور وہ کنواں بازار میں ہے اور اس کا انتظام نگر پالیکا کے ذمہ ہے اور عوام اس کنواں کے سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے اور اس کا پانی لوگ برابر استعمال کرتے ہیں ایسے پانی کا استعمال کرنے میں شریعت کا کیا حکم ہے۔

(۲) اور اسی طرح ایک کنواں جس میں تین سال قبل کسی بچے نے خنزیر کی نجاست ڈال دی تھی جس کی گہرائی (۷) فٹ ہے لوگ اس کا پانی برابر استعمال کر رہے ہیں لہذا اس پانی کے متعلق حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی محمد سلیم منصوری کٹرہ مسجد

الجواب

جس کنویں میں بچہ گر کر مر جائے یا اس میں نجاست ڈال دی جائے اس کا پانی مسلمانوں کو استعمال کرنا حرام ہے ہاں اگر اس کا پانی اتنے دنوں تک نکلتا رہا کہ جتنا پانی کنویں میں ہے نکل گیا ہوگا مثلا (۷۰) فٹ گہرائی کے کنویں میں (۲۰) فٹ پانی ہوا اور اب یہ گمان غالب ہو جائے کہ اس کنویں میں سے (۲۰) فٹ پانی نکل گیا ہوگا تو اگرچہ روزانہ تھوڑا تھوڑا پانی نکلنے کی وجہ سے دوسرا پانی بھی آگیا ہو اب کنواں پاک ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۱۵ ر صفر ۱۴۰۹

جوٹھے کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے کتے کا جوٹھا کیا ہوا نجس دودھ چائے میں ملا کر مسلمانوں کو پلا دیا دراں حالیکہ زید اس بات کا خود شاہد ہے کہ مذکورہ دودھ کتے نے جوٹھا کیا تھا لہذا جان بوجھ کر مذکورہ دودھ پلانے پر جو حکم شرع ہو مختصراً تحریر فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔

المستفتی محمد سلیم انصاری محلہ کریم الدین پور گھوسی ۱۹۸۹/۲/۳ء

الجواب

کتے کا جوٹھا ناپاک ہے۔اس کا کھانا اور کھلانا دونوں حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیھرقہ "(السنن لابن ماجۃ:٣٦٣)

کتا برتن میں منہ ڈالے تو اس کو بہادو زید نے اس کو مسلمانوں کو کھلا کر حق اللہ اور حق عباد دونوں میں حق تلفی کر کے جرم کیا۔اس کو اس حرکت سے توبہ کرنا چاہئے اور مسلمانوں سے معافی مانگنی چاہئے اور مسلمان ایسے شخص کے یہاں کھانے پینے سے اس وقت تک احتیاط کریں جب تک انہیں یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ اب وہ ایسا نہ کرے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ٢٦/جمادی الاولیٰ ١٤٠٩ھ

کتاب الصلوۃ

نماز کا بیان

(۱-۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ہمارے یہاں مسجد کے پیش امام نے جمعہ کے روز دوران تقریر بے نمازیوں کے سلسلے میں بولتے ہوئے یہ کہا کہ ''بے نمازی آدمی سور سے بھی بدتر ہے۔''

خط کشیدہ جملہ پر عوام میں سے جب کسی نے تفصیل چاہی تو امام مذکور نے کوئی حوالہ وغیرہ نہ دے کر لن ترانی دلیل پیش کرتے ہوئے یہ کہا کہ بے نمازی آدمی کسی کے نزدیک سور سے بدتر ہو یا نہ ہو میرے نزدیک ہے۔

چند جمعہ کے بعد رمضان شریف آیا تو امام مذکور نے اپنے قول کی حمایت کے لیے جمعہ کے روز ایک محصل کو تقریر کرنے کے لیے کہا جب وہ تقریر کرنے لگا تو انہوں نے مزید اس پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ خنزیر سے بھی بدتر کوئی جانور پیدا کرتا تو ہم اس بدتر جانور سے بھی بے نمازی کو بدتر مانتے ہیں۔ دلیل یہ پیش کیا کہ اگر طباق میں کھانا رکھا ہو اور خنزیر نے اس کھانے میں منھ لگا دیا تو آپ وہ کھانا دوسری طرف سے کھا سکتے ہیں اگر آپ کا دل چاہے لیکن اگر کسی بے نمازی نے کھانا چھوڑ دیا تو وہ کھانا آپ کے لیے حرام ہو جائے گا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح کی باتیں فقہاء کرام کے نزدیک درست ہیں؟ اگر درست ہیں تو حوالہ سے مزین فرمائیں۔ اگر غیر درست ہیں تو اس صورت میں امام مذکور اور محصل کے لیے کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرما کر ثواب دارین کے مستحق بنیں۔

(۲) بات بات پر سنی مسلمانوں کو کافر ومرتد کہنے والے، مقتدیوں کے ساتھ بدتمیزی سے بات کرنے والے، فاتحہ وغیرہ کے لیے جب گھر پہ جانے کے لیے کہا جائے تو اپنی انا کی خاطر جھڑک دینے والے، امام کی اقتدا میں مصلیوں کی اکثریت اگر نماز نہ پڑھے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے امام کو زبردستی مصلے پر ڈٹے رہنا چاہئے یا عزت کے ساتھ مصلی چھوڑ دینا چاہئے؟ اگر امام عزت کے ساتھ مصلی نہ چھوڑے تو ایسے وقت میں مسجد کے ذمہ دار حضرات کی کیا ذمہ داری ہوتی ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومبرہن جواب عنایت فرمائیں۔

(۳) زید اور اس کی بیوی ہندہ کے درمیان کسی بات پر تکرار ہو رہا تھا کہ زید نے کہا کہ اگر تم سچی ہو تو قرآن پاک کو ہاتھ میں لے کر قسمیہ بیان دو۔ اس طرح جب زید نے ہندہ کے ہاتھ میں قرآن دیا تو

اس نے خوف کے مارے یا طیش میں آ کر قرآن کریم کو زمین پر گرادیا، بعد میں جب ہندہ سے قرآن کریم کے زمین پر گرادینے کے سلسلے میں پوچھا گیا تو وہ رونے لگی توبہ کرنے لگی اور بتائی کہ مجھے ہوش ہی نہیں رہا کہ میں نے قرآن کریم گرادیا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس صورت حال میں ہندہ ایمان ونکاح سے خارج ہو جائے گی؟ زید اور ہندہ کا تجدید نکاح ضروری ہو جائے گا؟

(۴) غیر مسلم کی فیکٹریوں میں قرآن کریم کی تلاوت کے جائز اور ناجائز ہونے کے سلسلہ میں دو عالم خالد اور بکر بحث کر رہے تھے، خالد ناجائز ہونے پر دلیل پیش کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ کافر کی فیکٹری میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا اس کو گناہ پر مدد کرنا ہے۔ اس لیے کہ جہاں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے وہاں اللہ کی رحمت ونعمت نازل ہوتی ہے اس لیے یہ حرام ہے۔ جیسا کہ خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا:

﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ:۲]

جب کہ بکر کا کہنا تھا کہ کافر کے یہاں قرآن کی تلاوت تبلیغ قرآن واسلام کی نیت سے جائز اور درست ہے جیسا کہ مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ ' مرأۃ المناجیح ' جلد سوم باب اداب تلاوت ص ۲۶۷ میں حدیث: عن ابن عمر قال: نهى رسول الله ﷺ ان يسافر بالقرآن الىٰ ارض العدو متفق عليه کے تحت اخیر میں یہ تشریح کرتے ہوئے فرمایا لہٰذا اب قرآن کریم کے پارسل کفار کے ملک میں بھیجنا یا خود کفار کے ہاتھ قرآن کریم کے فروخت کرنا یا کفار کے خط میں قرآنی آیت کا لکھنا یا اسے قرآن سنانا یہ سب جائز ہے کہ یہ تبلیغ ہے۔

رہا یہ کہ قرآن کریم کی تلاوت سے ان کے یہاں اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اس وجہ سے قرآن کریم کی تلاوت ناجائز ہو جائے گی یہ کوئی نقلی یا عقلی بات نہیں، اس لیے متعدد قرآنی آیات واحادیث سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اللہ کی رحمت عامہ سے کفار بلکہ ابوجہل، ابولہب، فرعون، وہامان جیسا کافر بھی مستفیض ہو رہا ہے۔

اس طرح کی علمی بحث کرتے ہوئے جب خالد سے کوئی جواب نہیں بنا تو اس نے جھنجھلا کر بکر سے کہا کہ تم مرتد ہو گئے، واضح ہو کہ یہ سب باتیں کھلے عام عوام کے بیچ ہو رہی تھیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کفار کی فیکٹری میں جائز ہے یا ناجائز؟ بکر کو مرتد کہنے والا خالد کیا اپنے قول کی روشنی میں خود مرتد نہیں ہو گیا؟

اس مدت میں اس کی اقتدا میں پڑھی گئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ کسی مفتی کے دارالافتاء میں

خفیہ طریقے سے توبہ کرلیتا ہے تو کیا وہ توبہ عند الشرع مقبول ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں، کرم ہوگا۔

المستفتی: مولوی محمد خلیل الرحمٰن قادری، محمد رحیم الدین مصباحی، نیاز احمد گلشن نگر گاندھی ولڈی عمر گاؤں ضلع بلیابلساڑ گجرات

الجواب

(۱) بلاشبہ نماز کو ترک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن عظیم اور احادیث کریمہ میں اس کی بہت برائی آئی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ .الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾[الماعون:٤.٥]

تباہی ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز بے خبری میں وقت گذار کر پڑھتے ہیں۔ ویل جہنم کی ایک وادی ہے جس کے مستحق نماز قضا کرنے والے ہیں، یہ نماز قضا کرنے والوں کے لیے ہے تو جو پڑھتے ہی نہیں ان پر کیا عذاب ہوگا؟

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا جس کی نماز ترک ہوگئی گویا اس کے اہل و مال جاتے رہے، آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: نماز چھوڑنے والے کا نام دوزخ کے دروازے پر لکھدیا جاتا ہے، یہ بھی فرمایا جس نے نماز چھوڑی اس میں دین نہیں، آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں جس کا نماز میں کوئی حصہ نہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا: نماز نہ پڑھنے والا قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان، اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (بہار شریعت حصہ سوم بیان نماز)

ہم نے کئی کتابوں میں تلاش کیا مگر آپ کا نقل کیا ہوا خط کشیدہ جملہ ہم کو نہیں ملا۔ مگر نہ ملنا ممکن ہے ہماری تلاش کی کوتاہی سے ہو، مختلف امور میں اس قسم کے احکام قرآن وحدیث میں مذکور ہوئے مثلاً یہود کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَاراً بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾[الجمعة:٥]

ان لوگوں کی مثال جنھوں نے توریت کی ذمہ داری لی پھر اس پر عمل نہیں کیا گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کا بوجھ لادے پھرے۔ ایک روایت میں جاہلوں کو کولہو کے بیل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

نماز چھوڑنے والوں کے لیے یہی وبال کیا کم ہے کہ انہیں میدان قیامت میں قارون، فرعون اور ہامان کا ساتھی بتایا گیا۔ عہد صحابہ میں مسلمانوں کا ایک طبقہ نماز چھوڑنے والوں کو اسلام سے خارج سمجھتا تھا۔

تو اگر بے نمازی مسلمانوں کی اصلاح کے لیے امام صاحب نے ایک سخت جملہ کہدیا تو اس درجہ برافروختہ ہوگئے کہ ان کو امامت سے علیحدہ کرنے کا مسئلہ پوچھنے لگے اللہ کے بندو آپ کو شکر گذار ہونا

چاہیے تھا کہ انہوں نے آپ کی جو زجر و توبیخ کی وہ آپ کی اصلاح کے لیے ہی کی۔

امام صاحب سے گذارش ہے کہ آپ قوم کے رہنما ہیں اور حکم یہ ہے کہ "کلموا الناس علی قدر عقولھم" لوگوں سے ان کی عقل کے دائرے میں بات کرو۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں: من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل۔

جو اپنے زمانے کے لوگوں کی معرفت نہ رکھے سو جاہل ہے۔

حدیث شریف میں ہے: سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر۔

(المسند لاحمد بن حنبل: ۱/۳۸۵)

مسلمانوں کو گالی دینا فسق و گناہ ہے اور اس کے ناحق قتل کو حلال جاننا کفر ہے اور سوال کا خط کشیدہ جملہ ضرور گالی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ لایحب الفاحش ولاالمفتحش۔ (اتحاف السادۃ المتقین: ۷/۴۷۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ فحش گوئی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور ایسا سخت اور کریہہ جملہ ضرور بدگوئی اور فحش کلامی ہے جسے آپ نے مسلمانوں کے حق میں کہا ہے۔ آپ نے جس طرح یہ غلط جملہ اختیار کیا اسی طرح منبر پر کھڑے ہو کر عام مسلمانوں سے معذرت کیجیے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ ایک آدھ بار یہ بات آپ کے منھ سے نکل گئی ہو۔

اور اگر بار بار اسی طرح علی الاعلان مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل کرتے رہے ہوں تو آپ فاسق ہو گئے اور توبہ کئے بغیر آپ کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور ان کے اماموں دونوں کی ہدایت فرمائے اور انہیں توفیق خیر دے۔ آمین

محصل صاحب کا حال پیش امام سے بھی خراب ہے امام صاحب کے منھ سے تو جو بات نکلی اسے ثابت نہ کر سکے تو خاموش ہو گئے مگر محصل صاحب نے تو ان کی بگڑی بنانے کے لیے اپنی بگاڑ لی اور مسئلہ کو بالکل الٹا بیان کیا۔

ہدایہ میں ہے: سور الخنزیر نجس لانہ نجس العین، (کتاب الطھارۃ: ۱/۴۵)

سور کا جوٹھا ناپاک ہے، اس لیے کہ سور خالص نجاست ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ سور ایک طرف سے کھا لے تو آپ دوسری طرف سے جی چاہے تو کھا سکتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ انہیں ایسی اپٹوڈیٹ سور کہاں ملا جو اس بات کا لحاظ کرتا ہے کہ دوسری طرف سے آدمی کو کھانا ہے، معاذ اللہ۔ اور ایک مسلمان کے جوٹھے کو دوسرے مسلمان کے لیے حرام قرار دیا جب کہ حدیث شریف میں ہے کہ

سور المومن شفاء۔ مومن کا جوٹھا شفا ہے۔

مگران سے آپ کو کیا لینا دینا ہے۔اگر امام صاحب سنبھل جاتے ہیں تو آپ لوگ ان سے صلح کر لیجئے مگران سے قبل اپنی اصلاح کیجئے کہ سب حضرات پنج وقتہ نماز پڑھنے لگیں۔ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون، ممکن ہے کہ امام صاحب یہ خیال کریں کہ بے نمازی تو فاسق ہیں اور فاسقوں کی برائی کرنا جائز ہے۔تو گذارش ہے کہ صرف اسی برائی کا تذکرہ جائز ہے جو اس میں ہے۔ جیسے ہم نے اوپر احادیث سے بے نمازیوں کی وعیدیں سنائیں ہیں یہ نہیں کہ آپ ان کو گالی دیں اور جو برائی ان میں نہیں وہ بھی ان پر تھوپیں۔حدیث شریف میں ہے کہ جو کسی کی برائی بیان کرنا چاہتا ہے تو نہ اس پر افترا کرے، نہ اس کے والدین کو گالی دے، نہ اس کی قوم کو گالی دے۔ہاں اگر اس میں ایسی بات ہے جو اسے معلوم ہے تو مثلاً یوں کہے تو بخیل ہے، یا تو بزدل ہے، یا تو بہت جھوٹا ہے، یا بہت سونے والا ہے وغیرہ، یہ نہیں کہ جو بات اس میں نہیں وہ بھی کہیں۔آپ نے اسے سور سے ذلیل کہا تو مطالبہ پر کسی کتاب کا حوالہ کیوں نہیں دیا کہ دیکھو اس میں یہ لکھا ہے۔

(۲) اس سوال کا جواب پہلے نمبر سے ظاہر ہے۔

(۳) بلاشبہ قرآن شریف کی توہین کفر ہے اور قرآن عظیم کو زمین پر پھینکنا اس کی توہین ہے، لیکن عورت اگر اپنے بیان میں سچی ہے کہ غصہ میں مجھے ہوش ہی نہیں کہ میں کیا کر رہی ہوں تو اس پر کفر کا فتوی نہیں پھر بھی اس کو اپنے اس پاگل پن کے لیے اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرنا چاہئے اور کلمہ پڑھنا چاہئے اور قرآن سے اپنے ایمان اور عقیدت کا اظہار کرنا چاہئے اور احتیاطا اپنے شوہر سے نکاح کی تجدید بھی کر لینی چاہئے۔

تجدید نکاح کوئی بڑا اہم مسئلہ نہیں میاں بیوی صرف دو دین دار عاقل بالغ مسلمانوں کے سامنے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ دو مسلمان باہر کے ہی ہوں گھر کے اندر کے ہی ہوں اپنے خاص عزیز و اقارب ہوں باپ بھائی بیٹے ہیں ہوں تب بھی کام چل جائے گا تو ان کے سامنے عورت اپنے شوہر سے توبہ و استغفار کے بعد کہے کہ میں نے اپنے کو تمہارے نکاح میں ڈھائی سو روپئے مہر کے بدلے میں دیا، شوہر کہے میں نے قبول کیا، نکاح ہو گیا اور سارے شک و شبہ ختم ہو گئے تو اتنا کو لینے میں کیا حرج ہے۔

(۴) غیر مسلموں کے یہاں قرآن شریف پڑھنے کے کئی مواقع پیدا ہو گئے ہیں۔

(ا) کوئی بڑا ہندو لیڈر مر جاتا ہے تو بہت سے کلمہ گو اس کے لیے قرآن خوانی کرتے ہیں اور آتما کی شانتی کے لیے ایشور سے پرارتھنا کرتے ہیں چونکہ غیر مسلم اہل مغفرت اور اہل ثواب نہیں، اس لیے ان

کے ایصال ثواب کے لیے ان کے گھر جانے یا کسی دوسری بھی جگہ سے قرآن شریف پڑھنا جائز نہیں۔

﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾[المنافقون:٦]

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾[التوبة:١١٣]

آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ انہیں بخشے گا نہیں اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا، نبی اور مومنوں کو غیر مسلموں اور مشرکوں کے لیے دعا مغفرت نہیں کرنی چاہئے اگر چہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ یہ واضح ہو چکا کہ وہ اصحاب مغفرت سے نہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی کسی جسمانی بیماری یا آسیبی تکلیف میں آپ سے دعا و تعویذ کا طالب ہو تو ان کو آیات قرآنی کا تعویذ دینا منع ہے اور تعویذ دیا جائے تو قرآن و حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ ان کے عدد کا تعویذ دیا جائے اور جھاڑ پھونک کے لیے مسلمانوں کو بلایا جائے تو ایسی صورت میں ٹہ جائے کہ وہاں غیر مسلم جھاڑ پھونک کرنے والے ہوں کہ انہوں نے اپنا کوئی مشرکانہ قول یا فعل کیا جو ان کے مذہب میں ہو غیر خدا کی پوجا پاٹ کی اور آپ وہاں خاموش بیٹھے تو آپ کفر و شرک پر راضی ہیں اور آپ نے منع کیا اور اٹھ کر چلے آئے کہ ایسی صورت میں اسی بات کا حکم ہے قرآن شریف میں ہے:

﴿وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾[الانعام:٦٨]

یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھو۔

تو اس زمانے میں یہ اختلاف اور فساد کا سبب ہوگا تو ایسے موقع پر نہ جانا ہی ضروری ہے اور تنہا آپ کو ہی بلایا جائے تو نہ جانے میں کوئی حرج نہیں کہ بسا اوقات یہی مناسب اور بہتر ہوتا ہے اور جائیں اور قرآن وہاں پڑھنا پڑے تو نیت وہی ہونی چاہئے جس کا ذکر بکر نے کیا کہ اللہ تعالیٰ اسے سن کر انہیں ہدایت و اسلام کی توفیق دے۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نصرانی کو فقہ اور قرآن سکھاؤں گا شاید کہ وہ ہدایت پا جائے۔ تو ایسی صورت میں جو جانے سے پرہیز کرے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں اور جو نیت خیر سے قرآن سنائے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔

(۳) صورت یہ ہے کہ کسی عمارت کا افتتاح یا کسی کارخانے کا ادگھاٹن ہو اور اس موقع سے بلایا جائے تو جانے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے وہاں کومن پلیٹ فارم تو نہیں جہاں ہر نمائندہ کو اپنی اپنی پوجا

پاٹ، جنتر منتر اور قرأت وتلاوت کرنے کی چھوٹ ہے تو ایسی جگہ جانا ہی ناجائز وحرام ہے کہ خاموش سنتے اور دیکھتے رہے تو الساکت من الحق شیطان اخرس کا حکم لاگو ہوگا کہ حق کے خلاف ہوتے دیکھ کر حق سے چپ رہنا شیطان اخرس ہے اور کچھ بولے یا منع کیا تو فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے تو ایسی جگہ نہ جانے کا ہی حکم ہے اور صرف آپ کو ہی بلایا گیا ہو تو اسی نیت خیر سے جاسکتے ہیں۔

پھر صورت مسئولہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ کارخانہ فیکٹری کسی جائز کام کے لیے ہو حرام سازی کی نہ ہو جیسے شراب یا الکوہل کی فیکٹری عورتوں کے لیے آرائش کے حرام ساز وسامان کی فیکٹری جس میں سنا جاتا ہے کہ کسی میں سور کی چربی ملائی جاتی ہے اور بالخصوص ایسے لوگوں کے کارخانوں میں جن کے یہاں حلال وحرام جائز وناجائز پاک وناپاک کسی چیز کی کوئی تمیز نہیں اس لیے آج کل کے بگڑے ہوئے ماحول میں ہم اور آپ کے جیسے عام مسلمانوں کے لیے خالد کا محتاط رویہ ہی وقت کی بات ولائق عمل ہے اور بکر نے جو ڈھیل دی ہے وہ علمائے راسخین اگر کریں تو وہ موقع ومحل کا صحیح امتیاز کر سکتے ہیں۔ آپ نے بکر کی جن باتوں کو عالمانہ کہا ہے ہمارے نزدیک جاہلانہ باتیں ہیں۔ جب ان سارے مسائل اور جزئیات کے متعلق احکام کتب فقہ میں موجود ہیں تو ہم کو ان کے دلائل سے کیا بحث۔ مقلد کا کام اپنے امام کے قول پر عمل کرنا ہے مسئلہ کی دلیل تلاش کرنا نہیں۔ بکر نے ابوجہل، ابولہب، فرعون، وہامان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ سے فائدہ اٹھانے والا بتایا۔ آپ بتایئے ان میں سے کسی نے قرآن یا توریت سے بھی فائدہ اٹھایا تو قرآن کو ان عام وتام انعامات الٰہیہ سے شمار کرنا جس سے کافر ومسلم سب فائدہ اٹھاتے ہیں کہاں کی دانشمندی ہے۔ قرآن تو صاف صاف فرماتا ہے:

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾[البقرۃ:۲]

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾[الاسراء:۸۲]

اور آپ اسے رحمت عام قرار دے رہے ہیں۔

خالد نے بھی جھنجھلا کر بکر کو جو مرتد کہا، جہالت کو ارتداد کہنا بھی جہالت اور غلط ہے۔ انہیں بکر سے معافی مانگنی چاہیے اور اپنی اس حرکت سے توبہ کرنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۵ر ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ

(۵) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

قصبہ ادری مئو میں سنیوں کی قدیم عیدگاہیں ہیں ایک جانب اتر ایک جانب دکھن، ماضی میں جانب اتر عیدگاہ پر عیدالفطر کی نماز سنی پڑھتے تھے اور جانب دکھن عیدالفطر کی نماز دیوبندی خیال کے لوگ

پڑھتے تھے اور عیدالاضحیٰ کی نماز اس کے برعکس دونوں فرقے الگ الگ پڑھتے تھے، کچھ عرصہ سے دیوبندی خیال کے لوگوں نے اپنی عیدگاہ الگ بنالی، اب ایسی صورت میں عیدالفطر کی نماز جب سنی لوگ جانب اتر پڑھتے تھے تو دکھن کی عیدگاہ خالی رہتی تھی اور عیدالاضحیٰ کی نماز جانب دکھن کی عیدگاہ میں پڑھتے تھے تو جانب اتر والی عیدگاہ خالی پڑی رہتی تھی، ادھر کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ جس طرح سنی اور دیوبندی پھیر بدل کر کے نماز پڑھتے تھے اسی طرح یہ دونوں سنی حضرات پھیر بدل کر کے نماز ادا کریں تاکہ سابقہ روایات باقی رہے، لیکن کچھ سنی لوگوں کا خیال ہے کہ روایات کی شریعت کے یہاں کوئی حقیقت نہیں اس لیے جو جہاں عیدالفطر کی نماز پڑھے عیدالاضحیٰ کی بھی نماز مستقل پڑھے ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے اور افضل کیا ہے۔

المستفتی محمد انصاری اعظمی ادری شریف مئو

الجواب

جب دونوں ہی عیدگاہیں قدیم ہیں اور جگہ کی تنگی بھی تو دونوں ہی عیدگاہوں کی آبادی مسلمانوں پر ضروری ہے، پھیر بدل کرنا شرعا کچھ ضروری نہیں، کوئی وقتی مصلحت ہو تو اور بات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کیا باپ کی نماز قضائے عمری کے حق میں صاحب قرابت بیٹا اپنی نماز فرض کو اپنی طرف سے باپ کے حق میں بخش دیتا ہے تو کیا یہ بخشا درست ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوتا ہو تو کیا بیٹے کے حق میں بھی یہ نمازوں کا ثواب بدستور باقی رہے گا یا خالی ہو جائے گا؟

الجواب

اپنی نمازوں کا ثواب والد کو بخشا تو اولاد کو بھی ثواب ملے گا اور والد کو بھی لیکن یہ خیال کہ باپ کے ذمہ سے قضا نمازوں کا بوجھ اتر گیا غلط ہے، وہ بوجھ تو باقی رہے گا۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

باپ کی پہلی عورت کا بیٹا باپ کی ثانی عورت سے سخت نفرت کے ساتھ پیش آتا ہے، وجہ صرف یہ ہے کہ وہ سگی ماں نہیں ہے اور وہ باپ کے سمجھانے سے بھی نہیں مانتا، ایسے نافرمان بیٹے سے شرعاً باپ کا کیا سلوک ہونا چاہئے۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

الجواب

لڑکا نافرمان اور گنہگار ہے، دوسری ماں اور باپ دونوں کو لڑکے کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے کہ آہستہ آہستہ نفرت اس کے دل سے نکل جائے، صرف سمجھانے پر ہی موقوف نہ رکھیں۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۸) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

نماز ظہر، مغرب، عشاء کے بعد پڑھے جانے والے نفلوں میں اور عام نفلوں میں کیا فرق ہے، اور یہ تینوں نمازوں کے بعد والے نفلوں کو کسی وجہ سے ترک کردینے سے کیا ہے؟۔

الجواب

مذکورہ نمازوں کے بعد پڑھے جانے والے نوافل کا حکم یہ ہے کہ پڑھے گا تو مستحق ثواب ہوگا اور نہ پڑھنے پر عذاب وعتاب نہیں، یہی حکم دوسرے نوافل کا بھی ہے۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

امام نے آیات طیبہ میں لفظ غلط پڑھا تو اس کی اقتدا والی نماز کیا ہوگی اگر صحیح نہ ہوگی تو کیا دہرانا پڑے گی۔

الجواب

اگر ایسی غلطی ہے کہ نماز فاسد ہوجائے تو ضرور دہرانا ہوگی ورنہ نہیں۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

نماز کے وقتوں کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ

"فتاویٰ امجدیہ" جلداول صفحہ ۷۴ پر صدرالشریعہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں "بعد شفق ابیض وقت عشا شروع ہوتا ہے اور طلوع فجر تک رہتا ہے مگر بعد نصف شب مکروہ ہے" اور کتاب مؤذن الاوقات صفحہ ۴۴ پر ملک العلما علامہ ظفرالدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انتہائے مغرب ابتدائے وقت عشا ہے اس وقت سے لے کر طلوع فجر تک نماز عشا درست ہے۔ مگر تہائی رات سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز عشا کا مکروہ وقت کب سے شروع ہوتا ہے، تہائی

رات کے بعد یا نصف رات کے بعد، اب تہائی رات کے بعد ہی وقت مکروہ آجاتا ہے تو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کا قول "بعد نصف شب مکروہ ہے" کیا مطلب ہوگا، اگر نصف شب کے بعد مکروہ وقت آجاتا ہے تو حضرت ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کا قول تہائی رات سے زیادہ پسندیدہ نہیں کا کیا مطلب ہوگا، زید کا قول یہ ہے کہ فقہاء کے قول نماز عشا نصف شب مکروہ ہے اس میں مکروہ کی قید صرف قیام جماعت عشا کے لیے ہے تا کہ جماعت قلیل نہ ہو اگر کوئی شخص تنہا نماز عشا ادا کرے تو اس کے لیے نصف شب کے بعد بھی نماز عشا مکروہ نہیں بلکہ اس کے لیے طلوع فجر تک کوئی بھی وقت مکروہ نہیں، زید اپنے قول کی تائید میں فقہ کی عبارت پیش کرتا ہے۔" تاخیر عشاء الی ثلث اللیل فان أخرھا الی مازاد علی النصف کرہ لتقلیل جماعة "(تنویر الابصار درمختار: ۲/۲۵) دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ قول شرعاً کیسا ہے۔ المستفتی، ڈاکٹر عبدالوحید رضوی ہلتھ ریگنن مین روڈ آزادنگر۔ جمشید پور

الجواب

بہار شریعت حصہ سوم ص ۲۰ میں بحر اور درمختار کے حوالے سے ہے "عشا میں تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے آدھی رات تک تاخیر مباح" یعنی جب کہ آدھی رات ہونے کے پہلے فرض پڑھ چکے اور اتنی تاخیر کی رات ڈھل گئی مکروہ ہے کہ باعث تقلیل جماعت ہے، اتنی عبارت سے فتاویٰ امجدیہ اور مؤذن الاوقات کا ظاہری تعارض دفع ہو گیا کہ فتاویٰ امجدیہ میں مکروہ وقت کی تعیین کی گئی۔ ہے مؤذن الاوقات میں مباح وقت کو بتایا گیا ہے اور بہار شریعت میں ہر سہ اوقات کی تفصیل ہے۔

زید صاحب نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی ہے۔ شامی میں ہے" یفیدان المصلّی فی بیته یؤخرھا لعدم الجماعة فی حقه تامل "رملی" ای لو اخرھا لا یکرہ"(شامی: ۲/۲۵)

مگر واضح ہو کہ یہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو بلا عذر شرعی جماعت ترک کرتے ہیں کہ ایسے لوگ ترک جماعت کر کے مرتکب گناہ ہو چکے واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۷ اجمادی الآخرہ ۱۴۱۵ھ

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے، وقت عصر کے شروع ہونے کی شناخت کیا ہے، جواب دے کر مشکور فرمائیں۔ مولانا رضوی

الجواب

حنفی مسلک میں سایہ اصلی کے علاوہ جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جائے تو عصر کا وقت شروع

ہوجاتا ہے،اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی برابر زمین پر جہاں دھوپ پڑتی ہو، بالشت دو بالشت کی ایک لکڑی گاڑ دیں بالکل سیدھی، آج کل دیکھنا ہو تو ایک بارہ (۱۲) بج کر پانچ منٹ پر اس لکڑی کا سایہ دیکھیں جہاں تک سایہ پہونچے یہ سایہ اصلی ہوا، زمین پر وہیں نشانی لگادیں اور پھر اس لکڑی کے سایہ کو دیکھتے رہیں، بڑھتے بڑھتے جب سایہ اصلی کے علاوہ اس لکڑی کا سایہ دوگنا ہو جائے تب عصر کا وقت ہوجاتا ہے،اس مہینہ میں گھڑی سے اس کا حساب مندرجہ ذیل ہے:

۴/مارچ کو ۴ بجکر ۲۵/منٹ پر، ۳۱/مارچ کو ۴/بجکر ۳۳ منٹ پر، یہ مبارکپور کا وقت ہوا۔ بلیا میں اس سے دو تین منٹ پہلے ہی ٹائم ہوجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۴/شوال ۱۷ھ

(۳) **مسئلہ**: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

یہاں عرصہ دراز سے قریب چھ گاؤں کے لوگ نہایت ہی اتحاد واتفاق سے عیدین کی نماز ادا کرتے چلے آرہے تھے۔(یہاں تک کہ ڈھائی کلومیٹر کی دوری تک کی مسافت طے کر کے آتے تھے) حسب سابق امسال بھی ہر سال کی طرح عیدالاضحیٰ کی نماز کیلیے ساڑھے سات بجے کا اعلان ہوا تھا، شوروہنگامہ کے درمیان پندرہ منٹ تک انتظار کیا گیا چونکہ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ اعلان ہوگیا ہے پڑھایئے اور کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ انتظار کے بعد پڑھایئے، ایسا ہوتا چلا آرہا ہے تاہم اس جرح وقدح کے بعد ٹھیک پونے آٹھ بجے نماز شروع ہوئی بعد نماز فورا بقیہ لوگ آگئے، چونکہ ہر گاؤں کے لوگ کچھ نہ کچھ بچے تھے جن کی مجموعی تعداد تقریبا ساٹھ کے قریب تھی، بعد خطبہ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ فساد ہوجائے گا۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی نماز ترک ہوگئی وہ نفسانی طور پر فی الفور تشدد پر آمادہ ہوگئے، بہرکیف مصلحت خداوندی کہئے کہ فساد رفع ہوگیا اور فورا مصلحتا جھگڑا دفع کرنے کے لیے زید سے نماز پڑھوادی گئی (اسی عیدگاہ میں) چونکہ زید بطور مقتدی عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھ چکے تھے۔ جملہ معترضہ کے طور پر یہ واقعہ عرض کردوں کہ ماضی میں عیدین کی نماز کے لیے وقت کا اعلان ہوتا رہا۔ مگر ہمیشہ اعلان کے بعد آدھا گھنٹہ یہاں تک کہ ڈھائی گھنٹہ کے بعد تک نماز ہوتی رہی ہے بہرکیف امسال یہ واقعہ رونما ہوا۔ سوال از روئے شرع یہ ہے کہ بقیہ لوگوں کی عیدالاضحیٰ کی نماز زید سے امامت کرادی گئی۔ نماز ہوئی یا نہیں؟ یا نماز ہونے کے لیے دوسری صورت کیا تھی؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر انتظار کے بعد سب کو لے کر نماز ادا کی جاتی تو شریعت میں کیا قباحت لازم آتی نماز ہونے اور نہ ہونے میں شریعت کی کیا خلاف ورزی ہوئی۔ جو نا قابل تلافی ہو۔

لہذا حضور عالی سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ جتنی شق ہوسکتی ہیں۔ از روئے فقہ نص قطعی توضیح فرمائیں۔ فقط والسلام۔ المستفتی محمد نعیم الحق مصباحی نوری، مدرسہ گلشن رضا قادریہ گھر سرا ضلع بلیا

الجواب

حضور ﷺ سے ایسا تو مروی ہے کہ جماعت قائم کرنے میں حاضرین کی قلت اور کثرت کا خیال کرتے۔ سألنا جابر بن عبدالله عن صلوة النبی ﷺ۔ فقال کان النبی ﷺ یصلی الظهر بالهاجرة والعصر والشمس حیة والمغرب اذا وجبت والعشاء اذا کثر الناس عجل واذا قلوا أخر۔ (بخاری شریف جلد اول ص ۸۰)

ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کیسے نماز پڑھتے تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ ظہر دوپہر میں پڑھتے تھے اور آفتاب میں چمک رہتی تب عصر پڑھتے۔ مغرب سورج ڈوبتے ہی پڑھ لیتے اور عشاء میں اگر اکثر لوگ جلد آجاتے تو جلد نماز پڑھا دیتے اور کم آتے تو مؤخر کرکے نماز پڑھاتے۔ امام صاحب نے بھی اگر تھوڑی دیر اور انتظار کرلیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ تاخیر کرنے والے اس رعایت کو اپنا حق سمجھیں اور اپنی کوتاہی کی سزا امام کو دیں یا فتنہ فساد کریں، وقت مقرر ہو جانے کے بعد تاخیر سے آنیوالا خود قصوروار ہے۔

صحابہ کرام کے عہد مبارک میں تاخیر کرنے والوں سے باز پرس ہوتی تھی کہ کیوں دیر کی نہ کہ الٹے تاخیر کرنے والے ہی امام سے مواخذہ کرتے کہ آپ نے ہمارا انتظار کیوں نہ کیا۔

حدیث شریف میں ہے: ان عمر بن الخطاب بینما هو یخطب یوم الجمعة اذ دخل رجل فقال عمر بن الخطاب لم تحتبسون عن الصلوة فقال الرجل ما هو الا ان سمعت النداء فتوضأت۔ (بخاری شریف جلد اول ص ۱۲۱)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں آیا آپ نے فرمایا نماز میں کیوں تاخیر کرتے ہو تو آنے والے نے معذرت کی کہ اذان سن کر صرف وضو کیا ہے اور چلا آیا ہوں۔

الغرض جن لوگوں نے خود تو نماز کے لیے آنے میں دیر کی اور بعد میں آ کر فساد مچایا، بہت غلط کیا اور زید چونکہ امام کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا اس لیے ان کی نماز بھی اس کے پیچھے نہ ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۹ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

اذان کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

زید کہتا ہے کہ ہمارے باپ دادا کے زمانے سے مسجد کے اندر اذان ہوتی ہے اب اذان باہر کیوں ہو، کیا اس زمانے میں عالم نہیں تھے، لہذا مسجد کے اندر ہی اذان ہوگی؟۔

بکر کہتا ہے کہ مسجد کے اندر اذان ہونا جائز نہیں لہذا اذان باہر ہوگی۔ صحیح کیا ہے شریعت محمدی میں۔

اس کے مفصل جواب کا طالب ہوں۔ مہربانی کر کے جلد از جلد جواب دیں تا کہ آپس کی لڑائی ختم ہو۔ عین کرم ہوگا۔ فقط

سید عطاء الرحمٰن لائق پارہ ہوڑہ

الجواب

صحیح اور شرعی حکم یہی ہے کہ اذان مسجد کے باہر ہو، مسجد کے اندر اذان کو فقہ کی کتابوں میں مکروہ لکھا ہے، پہلے زمانہ میں علماء ضرور تھے، انہوں نے یہ مسئلہ کیوں نہیں بتایا، یہ ان علماء کی ذمہ داری ہے ان گزرے ہوئے علماء کے بارے میں آج کوئی کیا بتا سکتا ہے، اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ کیا اس زمانہ میں عالم نہیں تھے پہلے زمانہ میں عالم تھے اور اس وقت بہت سی غلط اور ناجائز باتیں بھی رائج تھیں تو کیا سب کو جائز کہا جائے گا، باقی جو لوگ لاعلم ہیں ان کو مسئلہ شرعی بتایا جائے اور اس کے لیے کوئی لڑائی جھگڑے اور فتنہ وفساد کی نوبت نہ آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۹ رشوال ۱۴۰۶ھ

(۲-۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) خطبے کی اذان مسجد کے اندر منبر کے سامنے دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور قبر پر اذان دینا (مردہ کو دفن کرنے کے بعد) کیا یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟ مذکورہ بالا دونوں مسئلوں کا جواب مدلل مفصل عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد حدیث عالم رضوی، مقام دلانگی پوسٹ بنگرا کلاں ضلع گریڈیہ بہار ۲۶ ر جولائی ۱۹۸۶ء

الجواب

(۱) خطبہ کی اذان ہو یا دوسری، ہر اذان مسجد کے اندر دینا مکروہ ہے خطبہ کی اذان مسجد سے باہر منبر کے سامنے ہونا چاہئے۔ زیادہ تفصیل اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے فتاویٰ میں دیکھی جائے۔

(۲) دفن کے بعد قبر پر اذان دینا مستحب ہے، اس کی تفصیل کتاب مبارک ”ایذان الاجر فی

اذان القبر" میں ملاحظہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۲۵ / ذوالقعدہ ۱۴۰۶ھ

مسئلہ: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۳۔۵)(۱) جمعہ کی اذان ثانی اندرون مسجد جائز ہے یا خارج مسجد امام کے سامنے اگر اندر مکروہ ہے تو کون سی کراہت ہے کراہت تنزیہی یا کراہت تحریمی؟

(۲) ایک صاحب عمامہ باندھ کر یا ٹوپی کے اوپر حلقے کی شکل میں رومال دو تین پیچ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں جب کہ عمامہ میں بھی اندر کی ٹوپی اکثر جگہوں سے دکھائی دیتی رہتی ہے اور رومال کی شکل میں بھی بیچ کی پوری ٹوپی گنبد کی شکل میں دکھائی دیتی رہتی ہے، زید کا کہنا ہے کہ اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے لہذا اس مکروہ سے بھی مکروہ تحریمی مراد ہے یا تنزیہی؟

(۳) بہت سے حضرات چین کی گھڑی باندھ کر نماز پڑھتے ہیں اور بعض کی حالت نماز میں آستین آدھی کلائی سے زیادہ مڑی رہتی ہے یونہی پینٹ پہننے والے نیچے کے حصوں کو جو ٹخنوں کی طرف ہوتا ہے اوپر کو موڑ لیتے ہیں، ان لوگوں کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ نیز بتایا جائے کہ نماز میں اگر لنگی ٹخنوں سے نیچے ہو جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟ زید اس سلسلے میں تحقیق کر چکا ہے، اس کا کہنا ہے کہ زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہو سکتی ہے ورنہ لنگی یا پاجامہ کا ٹخنوں سے اوپر ہونا شرائط نماز سے نہیں ہے ہاں کوئی تکبر یا زینت کے لیے لنگی نیچے کئے رہے تو اس کے بارے میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ قول ہے کہ ٹخنوں سے نیچے کا وہ حصہ جہنم میں ہے جیسا کہ آپ نے ایک نوجوان کے بارے میں فرمایا تھا، لہذا اصل مسئلہ کیا ہے وضاحت فرمائی جائے، نیز کیا نیک پرہیزگار متقی اور اچھے لوگوں پر بھی یہ حکم لگ سکتا ہے؟ بینوا توجروا

نوٹ:- تینوں سوالوں کے جوابات کے حوالے درکار ہیں۔

المستفتی محمد مرغوب الحسن قادری دارالعلوم رضویہ شاہ علیم دیوان جامع مسجد کرناٹک

الجواب

(۱) جمعہ کی اذان ثانی ہو یا اور اذان مسجد کے اندر فقہاء نے اس کو علی الاطلاق مکروہ لکھا ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: کرہ ان یوذن فی المسجد۔ (ص: ۱۰۷)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف وجوہ سے اس کو بدعت سیئہ اور مکروہ تحریمی ثابت کیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۳۷۱)

(۲) آپ نے سوال میں جس چیز کا ذکر کیا ہے وہ اعتجار ہے اور یہ مکروہ تحریمی ہے۔

مراقی الفلاح اوراس کی شرح طحطاوی میں ہے: ویکرہ الاعتجار وھو شدالراس من منديل او تكوير عمامة على راسه وترك وسطها مكشوفا المراد مكشوف عن العمامه لامكشوف اصلا لنهي النبي ﷺ وهذا يفيد كراهة التحريم (ملخصاً)

(۳) صدرالشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مصنف بہار شریعت نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا: اگر گھڑی چمڑے کے تسمہ یا فیتہ سے بندھی ہو تو کلائی پر باندھ کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر کسی دھات سونے چاندی پیتل وغیرہ سے بندھی ہو تو نماز مکروہ ہوگی اسے اتار کر نماز پڑھی جائے۔ (فتاویٰ امجدیہ جلداول ص ۱۹۷)

آستین آدھی سے زیادہ موڑنا اسی طرح پتلون کے نیچے والے حصہ کو موڑنا یا پائجامہ اوپر گھرس لینا کف ثوب ہے اور ایسا کرنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔

درمختار میں ہے: ''وكره كفه كمشمر كم او ذيل'' (درمختار: ۲/۳۵۰)

بلاشبہ ٹخنوں سے نیچے تہبند یا پائجامہ اگر تکبر سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ ہے لیکن اس میں متقی اور غیر متقی کی تفریق بے معنی ہے، کیا متقی سے اظہار تکبر ہو ہی نہیں سکتا اور غیر متقی جب بھی تہبند نیچا کرے گا تکبر کے طور پر ہی ہوگا؟ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے بہار شریعت میں بیسوں مکروہات تنزیہہ گنائے ہیں تو کیا خلاف اولیٰ کا سہارا لے کر متقیوں کو سب کرنے کی اجازت دی جائے اور روک ٹوک نہ ہوگی۔ اور لوگوں کو قصداً سنت کا خلاف کرنے کی چھوٹ ہوگی؟ یہ شان تقویٰ تو نہیں شان تقویٰ تو یہ ہے کہ شریعت کے معمولی معمولی آداب کی بھی نگہہ داشت کی جائے، خلاف اولیٰ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسی کو عادت بنالیا جائے بلکہ یہ مطلب ہے کہ اگر کبھی بے خیالی کی وجہ سے ہوجائے تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ — یکم ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

(۶-۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) اذان کتنی جگہ دینا جائز ہے یا نا جائز ہے معلوم کرائیں۔

(۲) مسجد کے اندر بے علم حضرات نہ ان کو قرآن کے بارے میں معلوم نہ حدیث کے بارے میں جانتے۔ جب علم والے نے بتایا کہ یہ نا جائز ہے سامنے حدیث پیش کی تو بے علموں نے مسجد میں چلا چلا کر علم والوں پر غصہ کے مارے دنیاوی باتیں کیں، اوران کے نزدیک قرآن وحدیث اور شریعت کا کچھ اعتبار نہیں، آج صدر ومتولی اور روپے والوں کی یہ حالت ہے کہ وہ جو کہیں اسے مان لیا جائے نہیں تو امام کو نکال

ڈالیں گے اس کے بارے میں معلوم کرائیں۔

(۳) خطیب صاحب نے تقریر میں تھوڑی عربی اردو تھوڑا انگلش میں نچوڑ کر بیان کیا اس کے بارے میں فرمائیں۔فقط مولانا کے احمد خان مشتاقی بیرور

الجواب

(۱) بچے (۲) مغموم (۳) مرگی والے (۴) غضبناک آدمی (۵) بدمزاج جانور، ان سب کے کان میں (۶) لڑائی کی شدت (۷) اور آتش زدگی کے وقت (۸) بعد دفن میت قبر پر (۹) جن کی سرکشی کے وقت (۱۰) اور مسافر کے پیچھے اور جنگل میں (۱۱) جب راستہ بھول جائے (۱۲) اور وباء کے زمانہ میں ان سب مواقع پر اذان کہنا مستحب ہے اور پنجوقتہ نمازوں اور جمعہ کے لیے اذان کا تاکیدی حکم ہے۔

(۲) جو صدر و متولی شریعت کے خلاف چلیں مسلمان ان کو مسجد کی تولیت سے علیحدہ کر دیں، امام صاحب کو کسی کی غلط اور ناجائز بات کی تائید کرنی نہیں چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے:"لاطاعة لمخلوق فی معصیة الله "

(مسند امام احمد بن حنبل:۱/۱۳۱)

اور امام ایسا چاپلوس ہو کہ متولی اور صدر کی چاپلوسی میں ناجائز اور خلاف شریعت بات کرے اس کو امامت سے علیحدہ کر دیں۔

(۳) جمعہ کا خطبہ کسی دوسری زبان میں دینا یا اس میں دوسری زبان کا کچھ شامل کرنا سنت کے خلاف ہے۔خطبہ عربی میں دیں جو کچھ سمجھانا ہے اس کو پہلے ہی چاہیے جس زبان میں چاہیں سمجھائیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۹۔۱۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) کیا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنتی ہونا کتابوں سے ثابت ہے؟

(۲) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مسجد نبوی کے مؤذن تھے کیا اہل عرب کے کہنے پر ان کو مؤذن کے کام سے معزول کیا گیا تھا؟

(۳) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کے اونٹ کی نکیل کو پکڑ کر غلام کی حیثیت سے جنت میں پہلا قدم رکھیں گے؟ جواب باصواب سے مشرف کیا جائے۔

المستفتی اختر حسین چندن بازار بھدرک اڑیسہ

الجواب

(۱) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جنت سے متعلق یہ حدیث شریف بخاری میں ہے:

قال رسول الله ﷺ لبلال بعد صلوة الفجر يابلال حدثني بارجىٰ عمل عملته في الاسلام فاني سمعت دف نعليك بين يدى في الجنة وفي رواية سمعت خشفة فقلت من هذا فقال هذا بلال ـ(صحيح البخارى: كتاب التهجد. ۱/۲۷۱)

حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صبح کی نماز کے بعد پوچھا اے بلال تم نے اسلام میں کون سا عمل سب سے اچھا کیا کہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے چلنے کی آہٹ محسوس کی تو میں نے پوچھا کون ہے تو بتایا کہ بلال ہیں، اس حدیث مبارکہ سے بلال کے جنتی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

(۲) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان سے معزول کرنے کا ذکر ہم کو نہیں ملا۔ بلکہ عینی جلد پنجم ص ۱۰۸ میں ہے کہ: وأذن بلال بحضرة رسول الله ﷺ سفرا و حضرا وهو مؤذن رسول الله ﷺ باطباق اهل الاسلام الى ان توفى رسول الله ﷺ ومؤذن ابى بكر رضى الله تعالىٰ عنه الى ان توفى ـ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے لیے سفر اور حضر ہر دو حال میں اذان دیتے اور یہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حضرات کے آخری زندگی تک مؤذن رہے۔

(۳) کوئی ایسی حدیث میری نظر سے نہیں گزری، ممکن ہے کہ کسی نے پہلی والی حدیث کی اس طرح تفسیر کی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۱۱؍ شوال المکرم ۱۴۰۷ھ

(۱۲۔۱۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ

(۱) زید کہتا ہے کہ اذان مسجد کے خارج میں کیوں دیتے ہیں؟

(۲) اور حی علی الصلوۃ کے وقت کیوں کھڑے ہوتے ہیں لہذا اس کی دلیل قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کریں۔ بینوا توجروا

جمعہ کی سنتیں تہجد کی نیت عربی میں درج کریں، تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کی نیت عربی میں پیش کریں۔

المستفتی شفاعت علی موضع ستیل پورا اعظم گڑھ

الجواب

(۱) فقہ حنفی کی عام کتابوں میں یہی تحریر ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۷ پر ہے: "ویکرہ ان یوذن فی المسجد کمافی

القهستانی"

اور حدیث شریف میں ہے: "کان بلال یوذن علی باب المسجد علی عهد رسول الله وابی بکر وعمر"۔ (سنن ابی داؤد:۱/۱۵۶)

حضور ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں اذان مسجد کے دروازہ پر دی جاتی تھی۔

"کان عثمان زاد النداء الثالث علی الزوراء" (سنن ابی داؤد:۱/۱۵۶)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بازار میں بلند مقام زوراء پر ایک اور اذان دی جاتی تھی

عالم گیری میں ہے: "ویکره له الانتظار قائما لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح" (۷۴/۱)

اقامت کا انتظار کھڑے ہو کر کرنا مکروہ ہے بیٹھا رہے اور جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑا ہو جائے۔ اور بخاری شریف میں ہے: "اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی" (سنن نسائی:۲/۳۱)

اقامت ہو رہی ہو تو کھڑے مت رہو جب تک کہ مجھے آتا نہ دیکھ لو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے شروع سے کھڑے رہنے کو منع فرمایا۔ علماء فرماتے ہیں حضور ﷺ حی علی الصلوۃ، یا، حی علی الفلاح کے وقت حجرے سے برآمد ہوتے تھے اس وقت کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔

(۳) نویت أن أصلی أربع رکعات سنة الجمعة لله تعالیٰ متوجها الی جهة الکعبة الشریفة

نویت أن أصلی أربع رکعات صلاۃ التهجد لله تعالیٰ متوجها الی جهة الکعبة الشریفة

نویت أن أصلی رکعتین تحیة المسجد لله تعالیٰ متوجها الی الکعبة الشریفة

نویت أن أصلی رکعتین تحیة الوضوء لله تعالیٰ متوجها الی الکعبة الشریفة

واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ　۱۳ر جمادی الاولی ۱۴۰۹ھ

(۱۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اذان ثانی یعنی جمعہ کی دوسری اذان بیرون مسجد ہونی چاہئے یا اندرون مسجد، اور سرکار دو عالم ﷺ وخلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عہد مبارک میں کہاں ہوتی تھی؟ احادیث وفقہ کی روشنی میں مفصل ومکمل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی مختار الدین آسام

الجواب

جمعہ کی اذان ثانی ہو یا کسی اور نماز کی، اذان فقہ کی کتابوں میں سب کے لیے یہی فرمایا گیا ہے

کہ مسجد کے باہر ہونا چاہئے۔ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔

فتاویٰ کی مشہور کتاب عالم گیری میں ہے:"وینبغی ان یؤذن علی المئذنة او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد کذا فی فتاوی قاضی خاں"(عالم گیری:۱/۷۲)

اذان منارہ یا مسجد سے باہر ہونا چاہئے مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے ایسا ہی قاضی خاں میں ہے،

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۷ پر ہے:"ویکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی "مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے ایسا ہی قہستانی میں لکھا ہے۔

اور اذان جمعہ کے بارے میں تو حدیث شریف میں تصریح موجود ہے کہ مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی۔

سنن ابوداؤد جلد اول میں ہے:"عن السائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان بلال یؤذن بین یدی رسول اللہ ﷺ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر"(سنن ابی داؤد:۱/۱۵۶)

یعنی جب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تھے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں بھی ہوتا دیکھا۔

کیسی صاف اور صریح حدیث ہے کہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں جمعہ کی اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی، دروازۂ مسجد ظاہر ہے کہ مسجد سے خارج ہوتا ہے۔

کچھ لوگوں نے بین یدیہ کا ترجمہ غلط کیا اور اس کے معنی یہ کئے کہ منبر کے پاس حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ پاس نہیں بلکہ سامنے ہے، دیکھئے اسی حدیث ابوداؤد میں بین یدیہ کا لفظ بھی ہے اور عند باب المسجد کا لفظ بھی ہے۔ اگر بین یدیہ کا ترجمہ خطیب کے پاس ہو تو علی باب المسجد مسجد کے دروازہ پر کا لفظ غلط ہو جاتا ہے، اس لیے بین یدیہ کا معنی سامنے ہے، اب حدیث کے معنی درست ہو گئے یعنی جمعہ کی اذان میں دونوں بات کا لحاظ رکھا جائے گا۔ ایک تو یہ کہ مسجد کے باہر اذان ہو اور دوسری یہ کہ خطیب کا سامنا اذان دیتے وقت رہنا چاہئے۔

الغرض صحیح یہی ہے کہ عہد رسالت وخلفاء راشدین میں جمعہ کی اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی۔ مسجد کے اندر اذان کا رواج جو ہندوستان میں ہے یہ یا تو جیسا کہ ہم نے بتایا عربی لفظ بین یدیہ کے غلط ترجمہ کرنے کی وجہ سے پڑا یا لاعلمی وغیرہ کی بنا پر یہ بات رائج ہو گئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۱۵ر شوال ۱۴۰۹ھ

(۱۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

اذان وجمعہ کے خطبہ کی اذان کہاں دینا مسنون ہے؟ زید کہتا ہے کہ خطبہ کی اذان منبر کے پاس دینی چاہئے، کیونکہ ایسا ہی مسجدوں میں ہوتا ہے اور امام کہتا ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد سے باہر دروازہ پر ہونا چاہئے، ان میں کس کا قول صحیح ہے؟ نیز امام مسجد بار بار خبردار کرتا ہے کہ اذان مسجد کے باہر دیا کرو، لیکن کچھ لوگ مانتے نہیں ہیں ایسے لوگوں پر شرع کا کیا حکم ہے، امام سمجھانے کے بعد بری الذمہ ہوگا کہ نہیں؟ حدیث وفقہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: مولانا شیخ محمد مدرسہ ضیاء العلوم گونٹھا ضلع مئو

الجواب

صحیح یہی ہے کہ اذان پنج وقتہ ہو یا جمعہ کی مسجد کے اندر دینا مکروہ ہے اور خاص جمعہ کی دوسری اذان مسجد کے باہر خطیب کے بالمقابل ہونا چاہئے۔ تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "شمائم العنبر" ملاحظہ ہو۔ امام صاحب نے بار بار اس مسئلہ کو عامۃ المسلمین کو بتایا، انہوں نے امر بالمعروف کی ذمہ داری ادا کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۱ر ذو القعدہ ۱۴۲۲ھ

(۱۶۔۱۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) مصیبت کے وقت یعنی آندھی، آگ، ہوا کی زیادتی کے وقت اور قبر کے پاس اذان دیتے وقت حیّ علی الصلاۃ وحی علی الفلاح کی جگہ یادافع البلاء یا دافع الوباء کہنا جائز ہے یا نہیں؟ یا اذان مکمل کرنے کے بعد مذکورہ الفاظ کی زیادتی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) ہمارے یہاں میت کو دفنانے کے بعد یکے بعد دیگرے قبر کے پاس تین اذان ہوتی ہیں، کیا اس طرح اذان دینا شرع سے ثابت ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

(۳) دیوار مسجد یا مسجد کے اندر کا دروازہ جو دونوں دیوار کے بیچ میں ہے کیا وہ خالی جگہ مسجد ہے یا نہیں؟ اگر مسجد ہے تو وہاں اذان ثانی دینا کیسا ہے؟

(۴) منبر شریف یعنی خطبہ دینے کی جگہ تو اس پورے منبر شریف ہی کو اس کے دائیں یا بائیں ایک یا دو اینٹ بڑھا کر کے بنایا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ نہ منبر کو شہید کیا گیا ہے نہ مسجد شہید کی گئی ہے

المستفتی: محمد پیرابن اشرفی مقام ہنگاپڑا پوسٹ پوڑھی جاگر تھانہ اسلام پور ضلع دیناج پور بنگال

الجواب

(۱) اذان کے پندرہ کلمے حضور ﷺ سے متواتر طور پر منقول ہیں۔ علماء کے نزدیک اس میں کمی اورزیادتی ممنوع ہے۔ بدائع الصنائع جلد اول میں ہے: فهو علی الكيفية المعهودة المتواترة من غير زيادة ولا نقصان عند عامة العلماء۔ (۱/۳۶۵)

اذان کس طرح دی جاتی ہے یہ سب کو معلوم ہے، متواتر طریقہ پر اس میں کچھ کمی یا زیادتی نہیں کرنی چاہئے، یہی علماء کا قول ہے، چاہے پنج وقتہ نماز ہو یا دفع بلاء وغیرہ امور کے لیے۔

عالم گیری اول ص ۵۶ میں ہے: حتى قالوا في الذي يؤذن في اذان المولود ينبغي ان يحول وجهه يمينا وشمالا عندهما تين حي علتين أي حي على الصلوة و حي على الفلاح۔

علما فرماتے ہیں: نومولود کے کان میں اذان دینے والا بھی اس کا لحاظ کرے کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں اور بائیں منھ پھیرے۔

پس صورت مسئولہ میں حی علی الفلاح کے بجائے دافع البلاء و دافع الوباء جیسے کلمات کہنا روا نہ ہوگا۔

(۲) حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے حاشیہ جلد اول ص ۲۵۸ پر علامہ خیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا: رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الاذان لغير الصلوة كمافي أذن المولود و عند انزال الميت في القبرقياسا على اول خروجه للدنيالكن رده ابن حجرفي شرح العباب. أقول: ولا بعد فيه عندنا۔ (شامی: ۲/۴۶)

کتب شافعیہ میں لکھا ہے کہ نماز کے علاوہ چند امور کے لیے اذان مسنون ہے، جیسے نومولود کے کان میں اذان کہنا۔ اور اس پر قیاس کرکے مردہ کو قبر میں دفن کرکے اذان کہنا کہ جب دنیا میں آیا تو اذان دینا سنت ہے اور جب جا رہا ہے تب بھی اس کو اذان سنا دی جائے، ابن حجر نے اس کو رد کیا ہے، لیکن ہم حنفیوں کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ کسی کتاب میں بار بار اذان کہنے کی تصریح نہیں ملی۔ اس لیے ایک ہی بار اذان کہنے پر کفایت کی جائے۔

(۳) ہم نے آپ کے بیان سے یہ سمجھا ہے کہ مسجد کے فرش کے اندر والے حصہ میں جانے کے لیے جو دروازہ کی ترتیب ہے وہ مسجد میں شامل ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ عام طور سے دروازے مسجد میں شامل ہوتے ہیں، اور وہاں جمعہ کی اذان کہنا مکروہ و ممنوع ہے۔

(۴) جب منبر خطبہ کے لیے کافی تھا تو اس کے دائیں یا بائیں چوڑا کرنے میں نماز پڑھنے کی جگہ گھیری گئی، ایسا کرنا منع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۴؍ رجمادی الاولی ۱۴۲۶ھ

(۲۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ
قبر پر اذان دینا جائز ہے یا نہیں بحوالہ کتب جواب دیں۔ فقط
محمد یعقوب عزیزی القادری مبارکپور

الجواب

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا جائز ہے۔ شامی میں ہے: "في حاشية البحر للخير الرملي رأيت في كتب الشافعية انه قد يسن الاذان لغير الصلاة كما في اذان المولود والمهموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من انسان او بهيمة وعند مزدحم الجيش وعند الحريق وقيل عند انزال الميت القبر قياسا على اول خروجه في الدنيا لكن رده ابن حجر في شرح العباب عند تغول الغيلان لخبر صحيح۔ اقول لا بعد عندنا ۔ (شامی:۲/۴۶)

زیادہ تفصیل اعلیٰ حضرت کی تصنیف "ایذن الاجر" میں دیکھی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
عبدالمنان اعظمی اشرفیہ مبارک پور ۴ار رجب المرجب ۱۳۸۰ھ
الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۲۱-۲۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
قصبہ چنار میں اذان ثانی خطبہ کے متعلق تقریباً ڈیڑھ سال سے آپس میں اختلاف برپا ہو گیا ہے، جناب سید حافظ رفیق عالم صاحب پیش امام جامع مسجد چنار کا کہنا ہے کہ اذان پنج وقتی خواہ اذان اول وثانی جمعہ خارج مسجد ہونا چاہئے۔ فقہائے کرام کی منشاء کے مطابق صحیح اور مسنون ہے، مگر اس کے خلاف اکثریت مسلمانوں کی ہے جس میں پڑھے لکھے اور عالم وفاضل کہلانے کے مستحق بھی ہیں اور مسئلہ شرعیہ سے واقفیت بھی رکھتے ہیں اور بعض حضرات حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف بھی ہیں مگر صحیح العقیدہ نہیں ہیں ان کا بھی کہنا ہے کہ ان مقامات مقدسہ میں اندرون مسجد اذان ہوتی ہے لہٰذا مسلمانان چنار کی اکثریت بیک زبان مصر ہے کہ حکم شرعیہ کچھ بھی ہو مگر چونکہ آباء واجداد کا یہی طریقہ دیکھتے اور سنتے آرہے ہیں کہ اذان ثانی جمعہ اندرون مسجد متصل منبر ہوتی ہے اور یہی طریقہ ہر جگہ رائج ہے۔ کچھ لوگوں نے جامع مسجد میں آنا اور نماز پڑھنا ترک کر دیا ہے کہ جب تک اذان ثانی اندرون مسجد نہ ہوگی تب تک نماز پڑھنا صحیح اور درست نہ ہوگا حالانکہ اس کے جواب میں امام صاحب نے ابوداؤد شریف جلد اول کی حدیث شریف جو صفحہ ۱۶۲ پر ہے نیز فتاویٰ عالمگیری ودیگر کتب حنفیہ کے حوالہ جات سے بتلایا ہے کہ ہر اذان پنج وقتی ہو یا

اذان ثانی جمعہ ہو مسجد کے اندر دینا مکروہ وفقہائے کرام کی منشاء وتحریر کے خلاف ہے اور خارج مسجد مسنون ہے۔ایک استفتاء اسی مضمون کا عرصہ ہوا اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھیجا جا چکا ہے جس کا جواب موصوف نے بہ تقویت فتاوی قاضی خاں، فتاوی عالمگیری، فتاوی خلاصہ قلمی، بحر الرائق، شرح نقایہ علامہ برجندی، غنیۃ شرح منیہ، فتح القدیر وطحطاوی علی مراقی الفلاح سے بہت صاف اور واضح فرما دیا ہے جو احکام شریعت جلد دوم میں طبع ہو چکا ہے، اب بصورت حالات مندرجہ بالا علمائے کرام سے مستدعی ہوں کہ ذریعہ جواب مسائل ذیل سے بحوالہ کتب حنفیہ حکم شریعت سے مطلع فرما کر ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرمائیں کہ اذان ثانی جمعہ کا اندرون مسجد ہونا بہتر وافضل ہے یا خارج مسجد مستحب ومسنون ہے؟

جواب طلب سوالات حسب ذیل ہیں

(۱) جمعہ کی اذان ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر؟

(۲) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں کہاں ہوتی تھی؟

(۳) فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں مسجد کے اندر اذان دینے کو مکروہ فرمایا ہے کہ نہیں؟

(۴) اگر حضور اقدس ﷺ وخلفائے راشدین کے زمانے میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا، تو ہمیں اسی پر عمل واجب ہے یا رسم ورواج پر؟ اور جو رسم ورواج حدیث شریف واحکام ائمہ وفقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کو پیروی حدیث شریف وفقہ کا حکم ہے یا رسم ورواج پر اڑے رہنا؟

(۵) نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ وخلفائے راشدین واحکام ائمہ کے مطابق ہو یا وہ نئی بات ہے جو ان سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہو گئی ہو؟

(۶) عالم پر لازم ہے یا نہیں کہ سنت مردہ کو زندہ کرے اگر ہے تو کیا اس وقت یہ اعتراض ہو سکے گا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے، اگر یہ اعتراض ہو سکے گا تو سنت زندہ کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

(۷) بعض علمائے کرام حالات مندرجہ بالا سامنے رکھ کر تحریری جواب سے اجتناب کرتے ہیں کہ سب مقتدی مصر ہیں کہ اذان ثانی جمعہ مسجد کے اندر ہی ہونی چاہئے تو ایسی صورت میں تھوڑی لچک پیدا کرنی چاہئے جس کا مطلب بالفاظ دیگر یہ ہوا کہ اذان ثانی جمعہ مسجد کے اندر ہو۔ یہ کہنا کہاں تک حق بجانب ہے اگر لوچ و لچک پیدا کرنے کا اختیار شریعت مطہرہ نے دیا ہوتا تو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے آپ وتمامی خاندان کو تہہ تیغ ہونے سے بچا لیتے۔ فقط المستفتی: حافظ جلال الدین چنار شریف۔

الجواب

(۱۔۲) جمعہ کی اذان رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مسجد کے باہر اس کے دروازے کے سامنے ہوتی تھی۔

سنن ابی داؤد میں: ۱/۱۵۵ پر ہے: "کان یؤذن بین یدی رسول اللہ ﷺ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر و عمر فلما کان خلافة عثمان و کثر الناس امر عثمان یوم الجمعة بالاذان الثالث فأذن به علی الزوراء فثبت الأمر علی ذلك۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اذان جمعہ مسجد کے دروازے پر حضور کے سامنے کہی جاتی تھی جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی یہی حال رہا جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عہد پاک آیا اور لوگوں کی کثرت ہوگئی تو آپ نے تیسری (پہلی) اذان مقام زوراء پر دلوائی اور پھر اسی پر عمل رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ اذان وہی ہے جو سب سے پہلے دی جاتی ہے۔

(۳) ہمارے اماموں نے مطلقاً مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے۔

عالمگیری میں ہے: "ینبغی ان یؤذن علی المئذنة او خارج المسجد و لا یؤذن فی المسجد۔ اذان مئذنہ پر کہی جائے یا مسجد کے باہر، مسجد کے اندر اذان نہ دیجائے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:" و یکرہ ان یؤذن فی المسجد" مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔

(۴) جو رسم ورواج شرع کے مخالف ہوں ان پر عمل نہیں کرنا چاہئے بلکہ حدیث اور اقوال علمائے کرام پر کرنا چاہئے۔ قرآن عظیم میں ہے:

﴿أَطِيعُواْ اللَّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾[النساء:۵۹]

(۵) نئی بات وہ ہے جو دین کے کسی اصول کے خلاف ہو۔ حدیث شریف میں ہے:

"من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ۸/۱۷۴)

جو ہمارے دین میں ایسی بات نکالے جو ہمارے دین میں سے نہ ہو پس وہ مردود ہے۔

(۶۔۷) احیائے سنت بہر حال چاہئے اور پہلے عالم نہ ہونے کا اعتراض غلط ہے، امر حق جس زمانے میں ظاہر کیا جائے بہتر اور باعث ثواب ہے۔ رہ گیا یہ سوال کہ کسی جگہ مصلی جھگڑا فساد پر آمادہ ہو جائیں تو فساد کرنے کی وجہ سے اذان بیرون مسجد نہ دینا چاہئے؟ بیرون مسجد اذان دینے میں فساد کا ظن غالب ہو جائے تو فساد سے بچنے کے لیے بیرون مسجد اذان ترک کردینی چاہئے، ہاں نرمی سے مخالفین کو

سمجھاتے رہنا چاہیے تاکہ وہ سنت مردہ کے احیاء پر آمادہ ہو جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی ۲؍ربیع الاول، ۹۷ ۱۳ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۲۸_۳۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) مسجد کے فرش پر عیدین کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟

(۲) قبر پر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا ثبوت کیا ہے؟

(۳) کافر وفاسق کی تعظیم جائز ہے یا نہیں جب کہ وہاں فتنہ کا بالکل اندیشہ نہ ہو خصوصا جب کہ اس کی تعظیم سے کتب شرعیہ فقہیہ وغیرہ کی بے حرمتی بھی ہوتی ہے۔ محمد حسین چمپارنی

الجواب

(۱) مسجد کا فرش عیدگاہ میں لے جانا منع ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۲) دفن کے بعد قبر پر اذان دینا جائز ہے اس کے ثبوت کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب (ایذان الاجر فی اذان القبر) دیکھی جائے۔

(۳) ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳۱_۳۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) ایک جگہ مسجد ہے اور آدھا کلومیٹر کی دوری پر ایک مدرسہ ہے اور وہاں پر رمضان کے مہینہ میں مائک رکھ کر اذان دی جاتی ہے اور نماز آدھا کیلومیٹر کے دوری پر جو مسجد ہے اس میں جماعت ہوتی ہے آیا ایسے مدرسہ سے اذان دے کر مسجد میں جا کر جماعت کرنا درست ہے یا نہیں؟ دلائل کی روشنی میں جواب عنایت کریں۔

(۲) ایک گاؤں میں مذہب سنی اور دیو بندی دونوں قسم کے لوگ رہتے ہیں دونوں کے مابین جھگڑا ہونے کی وجہ سے سنی لوگوں نے جامع مسجد جانا چھوڑ کر ایک الگ مسجد قائم کر لی اور اس میں باقاعدہ نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے ایسی صورت میں مسجد قائم کر کے الگ سے نماز جمعہ و پنجگانہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور مسجد اولیٰ میں ان سنیوں کا کچھ حق رہتا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ایسی صورت میں کیا کریں جواب عنایت کریں کرم ہوگا۔ المستفتی محمد بہاء الدین، راج محل متعلم مدرسہ شمس العلوم گھوسی

الجواب

(۱) صورت مسئولہ میں وہ اذان جو مسجد سے آدھا کلومیٹر دور مدرسہ میں دی جاتی ہے مسجد مذکور کی اذان نہیں بلکہ اذان مسجد کے بغل اور اس کی حد میں ہونی چاہیے۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ "کونہ خارج المسجد فی حدودہ وفنائه فمعنی قرب المسجد کونه فی حدود المسجد وفنائه قرب المئوذن علی حدود المسجد" اذان مسجد سے باہر مسجد کے حدود میں ہی ہونی چاہیے۔

(۲) جو مساجد غیر مقلدوں (دیوبندیوں) کی بنائی ہوئی ہیں ان کے نامزد کردی جائیں مگر جو مساجد اہل سنت کی بنائی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی مسجد غیر مقلدوں (دیوبندیوں) کے لیے خاص کر دینا اور اہل سنت کو ان سے منع کرنا شرعاً محض ظلم و حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُه﴾ [البقرة: ۱۱۴]

جب کہ وہ مسجدیں اہل سنت کی ہیں اور ان کی بنائی ہوئی ہیں تو ان پر قبضہ چاہنا اور ان کے لیے فتنہ اٹھانا غیر مقلدوں وغیرہ کا فساد ہوگا اور کوئی مجبور نہیں ہوسکتا کہ دوسرے کی شورش بے جا کے سبب اپنے حق سے دست بردار ہو، غیر مقلدوں دیوبندیوں کے فتنے کا انسداد اگر یوں نہ ہوسکتا ہو تو کچہریاں کھلی ہوئی ہیں اور وہ اسی واسطے رکھی گئی ہیں کہ فتنہ والوں کا دست تعدی کوتاہ کریں اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی نہ کرنے دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو۔ ۷ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

(۳۴-۳۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) بہت سی مسجدوں میں آج کل مؤذن نماز کی اذان کے بعد صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں یعنی اذان کے بعد نمازی سلام پڑھنے کا انتظار کرتے ہیں پھر نماز کے لیے جماعت کھڑی ہوتی ہے شرعی اعتبار سے اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کا مسئلہ کیا ہے؟

(۲) مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینے کی شرعی اعتبار سے کیا نوعیت ہے کیا اذان دینا جائز ہے؟

(۳) مولانا احمد رضا خان صاحب کے نام کے ساتھ امام اعلیٰ حضرت اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا جاتا ہے اس کا لکھنا کہاں تک درست ہے؟ جب کہ لفظ امام عموماً چاروں امام کے لیے لکھا جاتا ہے۔ تمام بزرگان دین یہاں تک کہ صحابہ کرام کے نام کے ساتھ حضرت کا استعمال ہوتا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام کے نام کے علاوہ کسی اور کے نام کے ساتھ پڑھنے کو نہیں ملتا ہے۔

(۴) عاق کا کیا مسئلہ ہے شریعت میں اس کی حقیقت کیا ہے کیا کوئی باپ اپنی اولاد کی غلط حرکتوں سے عاجز آ کر اس کو اپنی جائداد سے اس کا حق ختم کر سکتا ہے اگر کوئی کرتا ہے تو اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے

المستفتی محمد القادری تردیتی نگر میر پور کانپور ۲۰/۸/۰۴

الجواب

(۱) یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ متعدد کتب فقہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

مراقی الفلاح شرح نورالایضاح صفحہ ۱۰۷ میں ہے "ویثوب بعد الاذان فی جمیع الاوقات لظهور التوانی فی الا مور الدینیة فی الاصح وتثویب کل بلدة بحسب ماتعارفه اهلها کقوله ای المؤذن بعد الاذان الصلاة الصلاة یا مصلین قوموا الی الصلوة"

ہر نماز کے وقت اذان کے بعد تھویب کہنا صحیح ہے کیونکہ اب امور شرعیہ میں سستی آگئی ہے اور اس کے لیے کوئی خاص لفظ معین نہیں ہے۔ جہاں کے لوگوں میں جو لفظ رواج پایا جائے وہی درست ہے۔

درمختار اور اس کے حاشیہ شامی میں ہے۔ ویثوب بین الاذان والاقامة فی الکل للکل بماتعارفوه والتسلیم بعدالاذان حدث فی ربیع الآخر سنة ۷۸۱ وهو بدعة حسنة۔

اذان واقامت کے درمیان ہر نماز کے لیے تھویب جائز ہے اور خاص لفظ السلام کے ساتھ ۷۸۱ھ میں جاری ہوئی اور یہ ایک بدعت حسنہ ہے۔

قاضی خاں صفحہ ۱۳۹ اور بحر الرائق جلد اول میں بھی ایسا ہی ہے "الحاصل اعلان بعد الاعلام تھویب ہے اور اس کے لیے کوئی خاص لفظ متعین نہیں ہے تو جو لوگ الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر تھویب کرتے ہیں وہ بھی شرعاً جائز و مستحسن ہے۔

(۳) دفن کے بعد قبر پر اذان دینا بھی شرعاً جائز اور مستحسن ہے شامی میں بحر الرائق کے حاشیہ خیریہ سے منقول ہے۔ "رأیت فی کتب الشافعیة انه قد یسن الاذان لغیر الصلاة کما فی أذن المولود والمهموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من انسان او بهیمة وعند مزدحم الحیش وعند الحریق وعند انزال المیت القبر قیاساً علی اول خروجه للدنیا۔ لکن رده ابن حجر فی شرح العباب وعند تغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیه۔ اقول لا بعد فیه عندنا"۔ (شامی: ۲/ ٤٦)

نماز کے علاوہ کئی چیزوں کے لیے اذان مسنون ہے، جیسا کہ بچہ پیدا ہونے کے وقت اور غم لاحق ہونے والے پر اور مرگی والے پر اور کسی کے غصہ ہونے پر اور جانور یا آدمی پر وحشت سوار ہونے

پر، گھمسان کی لڑائی کے وقت، آگ لگنے پر، اور مردے کو قبر میں دفن کرنے کے وقت پیدائش کے وقت پر قیاس کرتے ہوئے، ابن حجر شافعی نے اس کا انکار کیا، جنوں کی سرکشی کے وقت، میں کہتا ہوں ہم حنفیوں کے نزدیک بھی ان اذانوں میں کوئی حرج نہیں ہے۔ زیادہ تفصیل مولانا احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ ایذان الاجر میں دیکھیں۔

(۴) تعصب اور جہالت آدمی کو اندھا کر دیتی ہے، مسلمانوں میں حکومت کے سربراہوں کو امام کہتے ہیں اسی طرح مسجد میں مسلمانوں کو نماز پڑھانے والوں کو بھی امام کہتے ہیں۔

تنویر الابصار میں ہے: "الامامۃ ھی صغریٰ و کبریٰ فالکبریٰ استحقاق تصرف عام علی الانام ویشترط کونہ مسلما حرا ذکرا عاقلا بالغا قادراً قریشا ـ والصغریٰ ارتباط صلاۃ الموتم بالامام بشروط عشرۃ (ملخصا) (تنویر الابصار: ۲/۲۳ تا ۴۲)

امامت کی دو قسمیں ہیں صغریٰ و کبریٰ۔ امامت کبریٰ اس کے لیے ہے جو مخلوق پر تصرف عام کا حق رکھے اس کی شرط امام کا مسلمان آزاد مذکر عاقل بالغ اور قریشی ہونا ہے، اور امامت صغریٰ کے معنی مصلیوں کی نماز کا امام کی نماز سے تعلق قائم کرنا اور اس امام کے لیے دس شرائط ہیں۔

اسی طرح اہل بیت اطہار کے بارہ بزرگوں کو امام کہا جاتا ہے جن میں سب سے پہلے حضرت علی ہیں اور بارہویں امام مہدی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

خلاصہ تحفۂ اثنا عشریہ عربی صفحہ ۱۹۳ میں ہے: "وایضاً ان ائمۃ المتأخرین کالسجاد والباقر والصادق والکاظم والرضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کانو قدوۃ لاھل السنۃ واسوۃ لھم۔"

اہل بیت کے بعد والے امام جیسے امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم اور امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنھم اہل سنت کے پیشوا اور ان کے لیے نمونہ عمل تھے۔

دیکھئے کس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور محمود شکری آلوسی نے ائمہ اہل بیت کو امام گردانا اور ان کو اہل سنت و جماعت کا قدوہ اور قائد مانا اور ان کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا استعمال کیا یہ حضرات بھی تو مشہور چار ائمہ مجتہدین کے علاوہ ہی ہیں اس لیے اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ صرف ان چاروں کو ہی امام کہنا چاہئے تو یہ آپ کا خیال خام ہے۔ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے بارہ اماموں کے بارے میں سوال ہوا آپ فرماتے ہیں: امامت سے مراد اگر مقتدی فی الدین ہے تو بلاشبہ ان کے غلام اور غلاموں کے غلام مقتدیٰ فی الدین ہیں۔ اور اگر اصطلاح مقامات ولایت مقصود ہے کہ ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں عبدالملک اور عبدالرب جن کو امامین کہتے ہیں تو بلاشبہ یہ

سب حضرات خود غوث ہوئے اور امامت بمعنیٰ خلافت عام مراد ہے تو وہ ان میں صرف امیر المومنین مولیٰ علی وسیدنا امام حسن مجتبیٰ کو ملی اور اب سیدنا امام مہدی کو ملے گی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ باقی جو منصب امامت ولایت سے بڑھ کر ہے وہ خاصہ انبیاء علیہم السلام ہے، وہ امامت کسی غیر نبی کے لیے نہیں مانی جا سکتی، اسی کو فرمایا:

﴿قَالَ إِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً﴾[البقرة:١٢٤]

﴿أَطِيْعُواْ اللّهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِیْ الأَمْرِ مِنكُم﴾[النساء:٥٩]

غیر نبی کی امامت "أُوْلِیْ الأَمْرِ مِنكُم" تک ہے جسے فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾[السجدة:٢٤]

(فتاویٰ رضویہ نہم ص ۱۲۱)

اس اقتباس سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

(الف) قرآن عظیم میں انبیاء پر بھی لفظ امام کا اطلاق ہوا، اس معنیٰ میں کسی غیر نبی کو امام نہیں کہا جا سکتا۔

(ب) صوفیائے کرام کے نزدیک غوث کے وزیروں کو امام کہتے ہیں، یہ بھی تصوف کے ایک خاص عہدے اور مقام کا نام ہے جو انھیں کے ساتھ مخصوص ہے۔

(ج) قرآن عظیم میں ان دونوں طبقوں کے علاوہ پر بھی لفظ امام کا اطلاق ہوا ہے جن کا ذکر سورۃ روم کی آیت مبارکہ میں ہے، اور اس سے مراد اولی الامر ہوتے ہیں، اولی الامر بادشاہ اسلام کو کہتے ہیں جس کے لیے ہم تنویر الابصار سے امامت کبریٰ کی اصطلاح نقل کر چکے ہیں۔

(د) اور اس زمرہ میں علمائے اعلام ومقتدایان اہل اسلام امام کہے جاتے ہیں جن کی فہرست بہت طویل ہے ائمہ اربعہ کو تو آپ نے خود ہی ذکر کیا ہے، مولوی مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی علیہ الرحمۃ نے صرف علمائے احناف رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذکر میں ایک کتاب فوائد بہیہ تحریر فرمائی ہے اس کتاب کے صرف ڈیڑھ سو صفحات کے سرسری مطالعہ سے ظاہر کہ سوا تین سو علمائے کرام میں ۱۰۵ اعلائے کرام کو امام کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے اور ناشرین کتب نے خود مولانا عبدالحی فرنگی محلی کو امام کے خطاب سے ذکر کیا ہے۔

اسی طرح علمائے شوافع حنابلہ اور مالکیہ سب میں دیکھا جائے اور صرف طبقہ فقہاء سے تلاش کیا جائے تو ہزارہا علمائے کرام کا ذکر ملے گا جن کو دنیا امام وقدوہ کے القاب سے یاد کرتی ہے۔

اب یوں ہی محدثین میں اصحاب صحاح ستہ اور ان کے علاوہ ہزاروں حضرات امام کے نام سے یاد کیے گئے ہیں، یوں ہی ائمہ تفسیر ہیں، ائمہ تصوف ہیں۔

حد ہوگئی، مولوی عبد الشکور کاکوری کی اولاد احفاد اور ان کے معتقدین ان کو امام اہل سنت لکھتے چھاپتے اور شائع کرتے ہیں۔ چنانچہ مولوی عبد الحلیم فاروقی اور عبد الحی فاروقی نے اپنی ۱۳ صفحہ کی تحریر میں ان کو ۴ بار امام اہل سنت لکھا، جن کے بارے میں جوش ملیح آبادی نے اپنی سوانح حیات کے صفحہ ۷۹ پر لکھا: حکومت نے ایک طرف تو دہلی کے ایک شیعہ مولوی مقبول احمد کو تبرّا بازی اور دوسری طرف لکھنو کے ایک سنی مولوی عبد الشکور کو جھنڈا بازی پر مقرر کیا تھا وہ شیعوں کو تبرّا پر اکساتے اور یہ سنیوں کو جھنڈا پر ابھارتے اور اس غداری کے صلہ میں دونوں گھر بیٹھے وظیفہ کھاتے۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب کو مناظر حسن گیلانی نے اپنی کتاب سوانح قاسمی میں بار بار سیدنا امام الکبیر کے لقب سے یاد کیا۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب کا صفحہ ۱۳۵۔ بہر حال یہ اور اسی قسم کے دوسرے قرائن وشواہد کی روشنی میں سیدنا الامام الکبیر قدس سرہ کی ناسوتی زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے وہ سب کچھ ہو چکے تھے جس کا تفصیلی مطالعہ اس زندگی کی مختلف منزلوں میں اس دنیا کو کرایا گیا"

ان قاسم العلوم صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین بمعنیٰ آخری نبی ہونے کا انکار کیا اور اس کو عوام کا خیال بتایا، اور پورے ہندوستان کے مسلمانوں کا دل دکھایا، مسٹر ابو الکلام آزاد صاحب غبار خاطر کو عرصہ تک امام المسلمین لکھا اور کہا جاتا رہا ہے۔

لیکن ہمارے انصاری صاحب کو کوئی اچنبھا نہیں ہوا اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو امام احمد رضا کہتے ہوئے سن لیا تو آپ کے کان کھڑے ہوگئے اور مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پڑی کہ ایسا لکھنا کہاں تک درست ہے۔ سچ کہا حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ والرضوان نے:

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است

گل است سعدی ودر چشم دشمناں خارست

"اعلیٰ حضرت" یہ کلمہ دو لفظوں سے بنا ہے "اعلیٰ" اور "حضرت" اعلی کا مادہ علو جس کے معنیٰ بلند ہونا، اس سے اسم تفضیل اعلیٰ، بنا، اس کا معنیٰ دوسروں کے اعتبار سے بلند ہونے والا، یہ لفظ اردو زبان میں مندرجہ ذیل معانی میں استعمال ہوا۔

اعلیٰ عربی، اسم مذکر، بہت بلند، بڑا، اونچا، بلند مرتبہ، (فرہنگ آصفیہ جلد اول صفحہ ۱۸۷)

اور یہی لفظ جب حاکم کے ساتھ ملتا ہے تو حاکم اعلیٰ، معنیٰ فرمان روا، بادشاہ، راجا، ہوتے ہیں اور

لفظ حضرت بھی عربی الاصل ہے، جس کے اصل معنیٰ حاضر ہونا، نزدیکی اور درگاہ کے ہیں، اور دوسرے معنیٰ حضور جناب اور قبلہ ہیں۔ (کتاب مذکور صفحہ ۸۲۶)

یہ ایک تعظیم و عزت کا لقب ہے جو بادشاہوں اور بزرگوں کی نسبت بولا جاتا ہے (کتاب مذکور)

تو اس لفظ کے ترکیبی معنی ہوئے بلند مرتبہ، بزرگ یا بادشاہ، اور اردو میں دونوں لفظوں کا مجموعہ اسم لقب ہوا جو اہل زبان کے نزدیک بزرگوں اور بادشاہوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

منجد میں لفظ حضرت کے سلسلہ میں ہے: "یطلق الحضرة عند اهل التوسل على كل كبير يحضر عن الناس كقولهم الحضرة العالية تامر بكذا، (المنجد صفحہ ۱۳۹)

مصباح اللغات میں اسی کا ترجمہ یوں لکھا:

"حضرت" کا اطلاق ہر ایسے بڑے آدمی پر ہوتا ہے جس کے پاس لوگ حاضر ہوتے ہوں جیسے الحضرة العاليه تامر بكذا۔ جناب عالی فلاں کام کا حکم دیتے ہیں۔ (مصباح اللغات: ۱۶۰)

اس مثال سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ لفظ حضرت کے ساتھ لفظ عالی کے استعمال کا رواج خود عربی زبان میں بھی ہے۔ البتہ چونکہ عربی میں صفت موصوف سے مؤخر ذکر کی جاتی ہے اس لیے مترجم صاحب نے اس کا ترجمہ جناب عالی کیا، لیکن اردو میں اس کی کوئی پابندی نہیں اسلیے عام طور سے لوگ جناب عالی اور عالی جناب دونوں ہی بولتے اور لکھتے ہیں۔

اب آپ فرہنگ آصفیہ سے عالی جناب کا معنیٰ سنئے۔

عالی جناب، صفت، بلند درگاہ والا، بلند مرتبہ والا، اعلیٰ حضرت" (حوالہ مذکور بالا)

چنانچہ خود صاحب فرہنگ آصفیہ نے میر عثمان علی خاں نواب حیدر آباد کو اپنی کتاب کے مقدمہ میں متعدد جگہ اعلیٰ حضرت کے لقب سے یاد کیا ہے، ملاحظہ ہو جلد اول کا صفحہ ۱۲، ۱۵، ۱۷، تو معلوم ہوا کہ ازروئے لغت اردو زبان میں عالی جناب اور اعلیٰ حضرت کے معنیٰ ایک ہی ہیں اور لسانی حیثیت سے اس کا استعمال بادشاہوں اور بزرگوں کے لیے ہوتا ہے۔ مذہبی لوگوں نے دیکھا اس کے معنیٰ میں شرعاً کوئی خرابی نہیں، آخر عالی جناب تو عام طور سے بولا ہی جاتا ہے اور لفظ اعلیٰ حضرت کے بھی یہی معنی ہیں تو جس طرح بڑوں کو عالیجناب کہکر خطاب کرنا یا نام لینا جائز ہے اعلیٰ حضرت کہنا کیوں منع ہوگا۔ اس لفظ کو سب لوگ اپنے اپنے بزرگوں کے لیے بھی بولنے لگے۔

چنانچہ دیوبندی مکتبہ فکر کے لوگوں نے حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کو اعلیٰ حضرت کہنا شروع کیا۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید جلد اول صفحہ ۴۶، ۴۷۔ صرف دو صفحوں میں ایک درجن سے زائد مقامات پر

ان کو اعلیٰ حضرت لکھا ہے اور اہل سنت و جماعت نے امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب اور شیخ المشائخ علی حسین صاحب اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کو لکھنا شروع کیا۔ دیو بند کے اگلے مولوی صاحبان اتنا تو جانتے ہی تھے کہ جس کام کو ہم خود کر رہے ہیں اس کے لیے دوسروں پر اعتراض کیسا، لیکن آج کل فضلائے دیو بند شاید اپنے بزرگوں کی کتابیں بھی نہیں پڑھتے تب ہی تو یہ بے بنیاد اعتراض اٹھاتے ہیں۔

اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔

فتاویٰ کی مشہور کتاب درمختار جلد پنجم صفحہ ۴۸ پر ہے: یستحب الترضی للصحابة والترحم للتابعين ومن بعد هم من العلماء والعباد وسائر الاخيار وكذا يجوز عكسه وهو الترحم للصحابة و الترضى للتابعين ومن بعدهم على الراجح ۔"

مستحب یہ ہے کہ صحابہ کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تابعین اور ان کے بعد علماء و عبادت گذاروں اور نیکوں کے لیے رحمۃ اللہ علیہ بولا جائے اور اس کا الٹا بھی جائز ہے، یعنی ترحم صحابہ کے لیے اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین اور ان کے بعد والوں کے لیے، زیادہ راجح یہی مسئلہ ہے۔

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "شفاء" جلد دوم صفحہ ۱۴۸ میں فرماتے ہیں:

"يجب تخصيص النبي ﷺ والانبياء بالصلاة والتسليم ولا يشارك فيه سواهم ويذكر سواهم من الائمة المجتهدين من الصحابة والتابعين وغير هم من العلماء بالغفران والترضى "

حضور ﷺ اور انبیائے کرام کو صلاۃ و سلام کے ساتھ یاد کیا جائے دوسروں کو نہیں، اور ان کے علاوہ ائمہ مجتہدین، صحابہ و تابعین اور دیگر علماء کو غفر اللہ لہ اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جائے۔

الغرض کتب مذہب کی رو سے یہ بات صاف ہو جانے کے بعد کہ صحابہ کو تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا ہی جائے گا۔ ان کے بعد علمائے اسلام ائمہ کرام و صلحائے امت کو بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا جائز ہے، بلکہ صحابہ کو بھی غفر اللہ لہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ کہا جا سکتا ہے، اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ غیر صحابہ کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ استعمال ہوا ہے یا نہیں اور اس جائز پر کس کس نے عمل کیا ہے اور کہاں تک عمل کیا ہے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ علوم دینیہ میں جس فن کی کتاب اٹھا لو آپ کو کثرت کے ساتھ غیر صحابہ کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہوا ملے گا۔ تجربہ کے لیے ہم نے بخاری شریف کو اٹھایا تو اس کے ٹائٹل پیج پر ہی لکھا ہوا ملا۔

محمد ابن اسماعیل بخاری امیر المومنین فی الحدیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

امام بخاری کی ولادت ۱۹۴ھ میں ہے، ظاہر ہے کہ یہ تبع تابعی بھی نہیں۔

امام نووی نے شرح مسلم میں امام بخاری و مسلم دونوں حضرات کو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یاد کیا۔
مشکوٰۃ شریف میں صاحب مصابیح فراء بغوی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ تلاش پر سیکڑوں علمائے حدیث کے لیے اس کا استعمال شائع وذائع ملے گا۔
علمائے تفسیر میں امام طبری اور امام نسفی دونوں کے لیے رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ عنہ لکھا ہوا ملے گا اور ڈھونڈا جائے تو ایسے ناموں کی لائن لگ جائے گی، ائمہ فقہ میں ائمہ اربعہ و دیگر مجتہدین کے لیے رضی اللہ عنہ کا لفظ درمختار اور دیگر کتب فتاویٰ وغیرہ میں مذکور ہے۔
صوفیائے کرام کے تذکروں میں اس کثرت سے غیر صحابہ بزرگان دین کے لیے رضی اللہ عنہ ملے گا کہ شمار کرنے والا تھک جائے گا۔
حد یہ کہ آج جو لوگ سیدنا اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے لیے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے لفظ پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اپنے بزرگوں کے لیے بڑے شوق سے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔
صاحب ''عقائد علمائے دیوبند'' صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں:
چونکہ ہمارے مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم احیائے سنت میں سعی کرتے ہیں اور بدعت کی آگ بجھانے میں مستعد رہتے ہیں، اس لیے شیطانی لشکروں کو ان پر غصہ آیا اور خطاب وہابیت کے ساتھ ان کو متہم کیا۔ غور فرمایئے: یہ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہم'' وہی لوگ ہیں جن کو جمہور اہل اسلام اہل سنت و جماعت وہابی کہتے ہیں تو وہابیوں کو رضی اللہ عنہ کہنا جائز اور امام احمد رضا کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا ناجائز، کیا یہ سارے وہابی صحابی تھے؟ انا للہ وانا الیہ رٰجعون۔
صاحب تذکرۃ الرشید جلد اول صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں: مولانا محمد قاسم نانوتوی و مولانا رشید احمد گنگوہی رضی اللہ تعالیٰ عنہما چند روز کے بعد ایسے ہم سبق بنے کہ آخرت میں بھی ساتھ نہ چھوڑا۔
کیا یہ قصبہ نانوتہ اور گنگوہ کے دو مولوی جو تیرہویں اور چودھویں صدی کے درمیان تھے صحابی ہی تھے کہ ان کو بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نوازا گیا۔ ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ آج کل کے یہ مولوی صاحبان اپنے بزرگوں کی کتابیں بھی نہیں پڑھتے اور خواہ مخواہ اہل حق کے منہ لگتے ہیں۔
میں یہ نہیں کہتا کہ سائل دیوبندی ہے مگر آج کل ایسے بے تکے سوالات آتے رہتے ہیں اور دیوبندیوں کی طرف سے شائع ہوتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے۔
(۵) شریعت میں ماں باپ کے اذیت دینے والے کو عاق کہتے ہیں، ماں باپ نے اگر جائداد چھوڑی تو انتقال کے بعد یہ لڑکا بھی وارث ہوگا، آج کل جس طرح تحریر کے ذریعہ لڑکے کو جائداد سے محروم

کردیا جاتا ہے اس کا شرعاً اعتبار نہیں، اور اس عاق لڑکے کا حق جائداد سے ختم نہ ہوگا، ماں باپ اپنی زندگی میں جائداد کو اپنی ملک سے نکال کر کسی دوسرے کو اس کا مالک کردیں تو یہ لڑکا کچھ نہیں پائے گا، اس لیے نہیں کہ اس کو عاق کیا بلکہ اس لیے کہ انھوں نے اپنے بعد کوئی جائداد چھوڑی ہی نہیں جس میں حصہ لگے۔

واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۹ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

(۳۷-۳۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں کے بارے میں کہ

(۱) بکر کا قول یہ ہے کہ اذان اور اقامت مسجد میں ہی کہی جاسکتی ہے لہٰذا مسجد کے علاوہ کسی کے ذاتی مکان یا کسی دینی ادارے میں اگر نماز کی جماعت قائم ہوگی تو اذان واقامت کا کہنا جائز نہیں، زید کا قول یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے لیے مسجد شرط نہیں ہے لہٰذا اگر کسی کے ذاتی مکان یا دینی ادارے میں نماز کی جماعت ہوگی تو اس کے لیے اذان اور اقامت کہنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ اولیٰ ہے، زید اپنے قول کی تائید میں فقہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:

”ولا یکرہ فی البیوت والکروم وضواحي القریٰ لان اذان القریة والمصر اذان لھم فان ترکوا الاذان و الاقامة جاز وان اذن کان اولیٰ“(خانیہ)

وان الصلاۃ بجماعة فی المفازۃ ان ترکوا الاذان لا یکرہ وان ترکو الاقامة یکرہ وقیل لا یترك الاذان ایضاً۔ (خانیہ جلد اول صفحہ ۳۸)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر اور زید کے اقوال میں سے کس کا قول شرعاً درست ہے۔

(۲) بکر کا قول یہ ہے کہ نماز جمعہ کی جماعت مسجد کے علاوہ دوسری جگہ نہیں ہوسکتی زید کا یہ قول ہے کہ جمعہ کی جماعت کے شرائط میں شہر اور فناء شہر اور اذن عام ہے، جمعہ کی جماعت کے لیے مسجد کی شرط نہیں ہے لہٰذا کسی کے مکان یا کسی دینی ادارے یا کسی میدان میں بھی جمعہ کی جماعت ہوسکتی ہے شرط یہ ہے کہ یہ مکان ادارہ اور میدان شہر میں ہو اور اس کے لیے صاحب مکان نے یا منتظم ادارہ نے اجازت اور اذن عام دے دیا ہو زید اپنے قول کی تائید میں کتب فقہ کی یہ عبارتیں پیش کرتا ہے:

”السلطان لو صلی فی دارہ ان فتح با ب دارہ جاز وان لم یأذن لعامة لا تجوز“ (شامی رجلد اول صفحہ ۲۶۹) ملخصاً

یشترط لصحتھا المصر او فنائه وھو ما حوله لاجل مصالحه کدفن الموتی ورکض الخیل۔ (شامی صفحہ ۱۳۸)

یشترط لصحتھا الاذن العام فلو دخل امیر حصنا او اغلق بابه وصلی باصحابه لم

تنعقد۔ (تنویرالابصار)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکراور زید کے اقوال میں سے کس کا قول شرعاً درست ہے۔

السائل، محمد ہاشم مصباحی جواھر نگر جمشید پور (بہار)

الجواب

دونوں مسئلوں میں زید کا قول صحیح اور موافق کتب فقہ کے ہے اور بکر کی بات غلط اور بے سند ہے ۔واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۳۹۔۴۲)**مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

"عن السائب بن يزيد قال كان يؤذن بين يدى رسول الله ﷺ اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد " (سنن ابى داؤد:۱/۱۵۶)

اس حدیث سے بظاہر اذان خطبہ مسجد کے دروازے پر ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن فقہائے احناف کی تصریحات اور حدیث میں تضاد معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ذیل میں تحریر ہے۔

(۱) نورالایضاح میں ہے "والاذان بين يديه كا لاقامة "

یعنی خطبہ کی اذان امام کے سامنے اقامت کی طرح کہنا سنت ہے۔

(۲) مراقی الفلاح میں ہے " والاذان بين يديه جرئ به التوارث كالاقامة بعد الخطبة

یعنی خطبہ کے بعد اقامت کی طرح خطیب کے سامنے قریب سے خطبہ کی اذان دینے کا معمول چلا آرہا ہے۔

(۳) امدادالفتاح میں ہے " والاذان بين يديه كالاقامة سنة "

یعنی خطیب کے سامنے قریب سے اذان دینا اقامت کی طرح سنت ہے۔

(۴) مالابد منہ فارسی میں "چوں امام بر منبر آید اذان دوم روبروئے او گفتہ شود"

ذیل میں لفظ "بين يديه" اور" على باب المسجد " پر اشکال ہے، اشکال دور فرما کر لفظ "بين يديه" اور "على باب المسجد" کی ایسی تشریح کیجئے تا کہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائے۔

(۱) کسی علت کی وجہ سے بخاری، نسائی، مشکوۃ اور خود ابوداؤد کی ایک روایت میں "على باب المسجد " کا لفظ نہیں ہے اگر چہ راوی سائب بن یزید ہی ہیں۔

(۲) آثار السنن میں حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "قال النيموى على باب المسجد غير محفوظ " سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

(۳)بین یدیہ سے قریب کا سامنا مراد لیا جائے یا دور کا، اگر دور مراد لیا جائے تو اس حدیث "خرج علینا رسول اللہ ﷺ بالھاجرۃ فصلی بالبطحاء الظھر والعصر رکعتین ونصب بین یدیہ عنزۃ" (مسند امام احمد بن حنبل:۶/۳۷۴)

میں امام اور سترہ کی دوری کیا ہوگی، جیسا کہ امام ابن عابدین شامی فرماتے ہیں "السنۃ ان لایزید ما بینہ وبینھا علی ثلثۃ اذرع"

یعنی سنت یہ ہے کہ نمازی اور سترہ کے درمیان تین ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہ ہو یہ حدیث اور فقہاء احناف کی عبارتوں کے مدنظر رکھتے ہوئے ایسی تحقیق پیش کیجئے تاکہ تضاد رفع ہو جائے اور اشکالات ختم ہو جائیں۔ بینوا توجروا المستفتی، محمد سمیع اللہ مقام مناچھاپر بازار ضلع پڈرونہ یوپی

الجواب

بین یدیہ کے لفظ میں قرب و بعد کو دخل نہیں اس کا ترجمہ تو صرف سامنے ہے سامنے کی چیز قریب ہو تو اس پر بھی بین یدیہ صادق ہے اور دور ہو تو اس پر بھی جیسا کہ آپ کی نقل کردہ عبارت میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے بین یدیہ کا ترجمہ صرف لفظ روبرو سے کیا ہے قریب یا بعید کا پیوند نہیں لگایا

اور سترہ کے لیے الگ سے حدیث شریف میں قریب ہونے کا حکم ہے "قال النبی ﷺ اذا صلی منکم الی سترۃ فلیدن منھا" (طبری:۲/۱۱۹)

تم میں سے کوئی سترہ کی طرف نماز پڑھے تو سترہ سے قریب ہو۔

اسی لیے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باب سترہ میں بین یدیہ کی تفسیر تین ہاتھ سے کی، اذان چونکہ مسجد کے اندر دینا مکروہ ہے اور واقعہ چونکہ یہ ہے کہ عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین بلکہ بعد میں بھی مسجد النبی کے دروازہ پر ہوتی تھی اسی لیے حضرت سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیان کردہ روایت میں بین یدیہ کی تفسیر علی باب المسجد سے کی، یہاں بین یدیہ کا معنیٰ اتنی دور ہے کہ مسقف مسجد اور اس سے متصل فرش کا حصہ ختم ہو جائے۔

پس جب لفظ بین یدیہ میں دونوں احتمال ہیں تو حدیث نبوی کی تصریح کے موافق ایک جگہ قریب اور دوسری جگہ بعد مراد لینے میں کیا حرج ہے؟ تضاد تو اس غلط ترجمہ سے پیدا ہوا جو آپ نے کیا کہ ہر جگہ بین یدیہ کے ترجمہ میں قریب کا پیوند لگایا۔

آپ کے اس غلط ترجمہ کی وجہ سے صرف فقہاء کی عبارت اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہی نہیں خود فقہائے کرام کی عبارتوں میں بھی تعارض ہوتا ہے۔

رہ گیا جناب شوق نیموی کا روایت سائب بن یزید کے " علی باب المسجد " والے ٹکڑے کو غیر محفوظ بتانا، ہمارے خیال میں یہ موصوف کا نرا شوق ہی ہے، کیونکہ اس کی وجہ اگر وہ ہو جو آپ نے لکھا ہے کہ یہ ٹکڑا بخاری، نسائی، مشکوۃ، اور خود ابوداؤد کی ایک روایت میں نہیں ہے جب کہ یہ روایتیں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہیں تو ہماری گذارش ہے کہ بخاری، نسائی، اور مشکوۃ شریف میں لفظ بین یدیہ بھی تو مذکور نہیں ہے، تو لازم ہے کہ لفظ بین یدیہ بھی غیر محفوظ ہوا، پھر یہ کیسا ظلم ہے کہ ایک ٹکڑے کو غیر محفوظ کہا جا رہا ہے اور دوسرے کو محفوظ۔

یا یہ وجہ ہوگی کہ اس حدیث کو حضرت سائب بن یزید سے امام زہری نے روایت کیا اور امام زہری کے شاگردوں میں ابن زیاد سے راوی محمد بن اسحاق ہیں لیکن یہ کوئی عیب نہیں، محمد بن اسحاق ثقہ راوی ہیں۔

تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۴۰ میں ہے "لم أرا اهل الحديث يختلفون فى ثقته وحسن حديثه " علمائے حدیث میں کسی کو میں نے ان کے ثقہ ہونے اور ان کی حدیث کے حسن ہونے میں اختلاف نہیں دیکھا۔ اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔

نخبۃ الفکر صفحہ ۳۷ میں " وزيادة راويهما اى الحسن والصحيح مقبولة مالم تكن منافة برواية اوثق منه هذه تقبل لانها فى حكم حديث المستقل الذى ينفرد به الثقة"

اور مسئلہ دائرہ میں لفظ بين يديه اور على باب المسجد میں کوئی منافات نہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ظاہر کیا واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۴۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ کہ اذان دینے کے لیے کوئی مخصوص جگہ ہے یا خارج مسجد کہیں سے بھی دے سکتے ہیں جیسے کہ اگر مسجد کے احاطہ میں کسی کا بنگلہ ہو جس میں امام گھر والوں کی اجازت سے رہتے ہوں، اس جگہ بنگلہ کے اندر مائک رکھ کر اذان دینا درست ہے یا نہیں؟

شاہ جہاں اشرفی مقام و پوسٹ پیار پور تھانہ راج محل ضلع صاحب گنج

الجواب

مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے، مسجد سے باہر مگر اتنی قریب ہو کہ اسی مسجد کی اذان کہی جائے، سوال میں ذکر کی ہوئی اذان میں کوئی حرج نہیں، افضل یہ ہے کہ بلند جگہ سے اذان دی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۴۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلوں میں کہ

سیوان شہر اور اس کے مضافات کے مسلمانوں کی اکثریت خانقاہ رشیدیہ جون پور کے بزرگوں سے دست گرفتہ اور متوسل ہے اور جب سے سیوان کی آبادی ہے یہاں کی کل مساجد میں جمعہ کی اذان ثانی اندرون مساجد ہی ہوتی ہے، سیوان کی مساجد میں بعض مسجدیں ایسی بھی ہیں جن کی تعمیر تقریباً سو برس کی ہے، مثلاً نیا قلعہ سیوان کی جامع مسجد، اس طویل مدت میں اس مسجد میں سینکڑوں علمائے کرام واولیاء و مشائخ نے انفرادی واجتماعی صورت میں بار ہا نماز جمعہ ادا کی اور امامت کی اور کر رہے ہیں، مثلاً الحاج حیدر نما حیدر بخش، سرکار قطب الدین الھند، ان دونوں کے مزار مقدس بہمن بارہ شریف میں مرجع خلائق ہیں، سرکار آسی، سرکار سبز پوش، سرکار مولینا مفتی شاہ مصطفےٰ علی شہید گورکھ پوری اور حضرت مولانا سید شاہ محمد ایوب صاحب ابدالی اسلام پوری، حضور مفتی شاہ حبیب الرحمٰن صاحب قادری مجاہد ملت کٹکی، والحاج حافظ ملت جلالت العلم مولانا حافظ شاہ عبدالعزیز صاحب قادری شیخ الحدیث وبانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، مولانا مفتی قاضی شمس الدین صاحب قادری، مفتی سلیمان صاحب بھاگلپوری، مولانا قائم صاحب قتیل داناپوری، مولینا مفتی عبدالمنان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم گھوسی مولینا سید محمد مظفر حسین صاحب کچھوچھوی مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی، الحاج علامہ ارشد القادری صاحب سربراہ اعلیٰ ادارہ شرعیہ پٹنہ، الحاج شیخ العلماء ابوسہیل محمد انیس عالم صاحب قادری امین شریعت ثانی پٹنہ وغیرہ ہم مدظلھم العالی نے اس مسجد میں نماز پڑھی اور پڑھائی اور ان سب کی موجودگی میں خطبہ کے وقت اذان ثانی اندرون مسجد ہوئی اور ابھی تک ہو رہی ہے مگر کبھی کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، علماء ومفتیان کرام ومشائخ عظام اہل سنت کے اس عمل سے اندرون مسجد اذان ثانی کے جائز ہونے پر گویا اجماع ہو گیا، نیز یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ صرف سیوان ومضافات سیوان ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان وپاکستان میں اکثر مساجد کی تعمیر کی شکل یہ ہے کہ منبر کے بیرونی صحن کے درمیان کہیں ایک اور کہیں دو دیواریں حائل ہیں ایسی شکل میں اگر جمعہ کی اذان ثانی مسجد سے باہر خارج مسجد میں دی جائے تو خطیب ومؤذن کا آمنا سامنا ہرگز نہیں ہو سکتا حالانکہ مؤذن کو خطیب کے (بین یدیہ) ہونا چاہئے اور مؤذن کے خطیب کے (بین یدیہ) دونوں ہاتھوں کے درمیان ہونے کی تدبیر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس شکل کی جتنی مسجدیں ہیں ان کی اگلی دیواروں کو منہدم کر کے پھر سے پایوں پر اس کی چھت قائم کی جائے جیسا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی مساجد کی تعمیر ہے، ان حقائق وحالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب ہم مسلمانان سیوان کی فریاد سنئے کہ کچھ دنوں سے یہاں کی ایک مسجد کا امام جو صرف حافظ قرآن ہے ایک شرپسند مولوی کے زیر اثر ایک مدرسہ میں

پڑھاتا بھی ہے، اس مولوی کی تحریک سے اس مسجد میں جہاں یہ امامت کرتا ہے جس پر یہ منبر سے ہٹ کر مسجد کے اس صحن کے دکھن جانب جو صحن داخل مسجد ہے جس میں نماز پڑھی جاتی ہے جمعہ کی اذان ثانی اس پر دلانا شروع کر دیا ہے حالانکہ اس صحن اور منبر کے درمیان دو دیواریں حائل ہیں اور خطیب و مؤذن کا آمنا سامنا بھی نہیں ہوتا ہے حالانکہ اس امام نے برسوں یہاں کی مختلف مسجدوں اور اس مسجد میں بھی امامت کر گیا ہے اور اندرون مسجد اذان ثانی دلاتا رہا ہے اور وہ مولوی جس کے زیر اثر یہ امام ہے اور اب بیرون مسجد اذان ثانی دلانے کا محرک ہے خود بھی جا بجا جمعہ کی نماز پڑھی اور پڑھائی ہے، مگر کبھی ان دونوں میں سے کسی نے اذان ثانی اندرون مسجد ہونے پر کوئی اعتراض نہ کیا، اب اپنے اس عمل سے انھوں نے سیوان میں ایک فتنہ برپا کر دیا ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ صدیوں سے ہمارے علماء و مشائخ نے اندرون مسجد اذان ثانی کے ہونے پر کوئی انکار و اعتراض نہیں کیا آج آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں تو جواباً یہ امام اور اس کے محرک مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ وہ نا سمجھ تھے اس امام اور اس کے مقتدی شر پسند مولوی کے اس فعل سے یہاں فتنہ فساد اور افتراق و انتشار اور اختلاف بین المسلمین پیدا ہو گیا ہے اور اس مسجد میں اس فتنہ پسند مولوی نے فتنہ کی آگ سلگائی ہے وہ نمازی جو پابندی کے ساتھ نماز پنج گانہ پڑھتے تھے نکل کر دوسری مسجد میں پڑھ رہے ہیں لہٰذا ان تمام حالات و واقعات کو ملحوظ رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات کے اطمینان بخش جواب سے ہم مسلمانان اہل سنت کو مطمئن فرمائیں، اور از روئے شرع آپ حکم نافذ فرمائیں جس سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے دفع ہو جائے اور مسلمانوں میں انتشار و افتراق و اختلاف کی جو آگ سلگائی گئی ہے وہ ہمیشہ کے لیے بجھ جائے۔

سوالات

(۱) اندرون مسجد جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے آمنے سامنے (بین یدیہ) چار قدم کے فاصلے سے دینی جائز ہے یا ناجائز حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟ اگر مکروہ تنزیہی ہے تو کیا عموم بلوی اور اختلاف بین المسلمین سے بچانے کے لیے اندرون مسجد جمعہ کی اذان ثانی بدستور سابق نہیں دی جا سکتی؟ اگر کسی حال میں یہ جائز نہیں ہے تو پھر ان علماء و مفتیان کرام و مشائخ عظام پر شریعت کا کیا حکم ہے جنھوں نے صدیوں سے اندرون مساجد جمعہ کی اذان ثانی دلائی اور کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا، اور اگر ان لوگوں نے فتنہ و اختلاف بین المسلمین اور عوام کے گمراہ ہو جانے اور عموم بلویٰ اور مساجد کی تعمیرات وغیرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان اولیاء و مشائخ عظام و علماء و مفتیان کرام نے اس پر سکوت اختیار کیا تو پھر کیوں نہ انھیں مصالح کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں وجوہ کو ترجیح دے کر اندرون مسجد اذان ثانی کے جواز کا فتویٰ

دیا جائے آج جو مولوی اور امام نے محض اپنی قابلیت وفوقیت جتانے کیلیے مسلمانوں میں اختلاف کی آگ سلگادی ہے ان پر شریعت مقدسہ کا جو حکم ہے وہ صادر کیا جائے اور اس کی سرزنش کی جائے تاکہ آئندہ کوئی نیا فتنہ پیدا کرنے کی جرأت نہ کرسکیں۔

المستفتی، محمد حسین نیابازار دربار روڈ سیوان بہار ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۶ء

الجواب

جمعہ کی اذان ثانی بیرون مسجد ہونے کی طرف ہندوستان میں غالباً سب سے پہلے امام اہل سنت مجدد مأۃ رابع عشر اعلیٰ حضرت مولینا شاہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی نے توجہ دلائی (رحمۃ اللہ علیہ) اور یہ ان کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے کہ ایسی سنت رسول اللہ ﷺ جو مردہ ہوگئی تھی اس کو انھوں نے زندہ کیا۔ اس مسئلہ پر برسہابرس علمائے بدایوں اور علمائے بریلی میں قلمی مناظرہ بلکہ مقدمہ بازی تک ہوئی مگر حق یہ ہے کہ حق حضرت مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تھا، پوری بحث فتاویٰ رضویہ جلد دوم اور ان رسائل میں ملے گی جو اس وقت طرفین سے شائع ہوئے، ہم صرف وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو اس مسئلہ کی بنیاد ہے اور ابوداؤد شریف میں صحیح سند کے ساتھ مذکورہ ہے۔

"کان یؤذن بین یدی رسول اللہ ﷺ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر" (ابوداؤد جلد اول صفحہ ۱۵۶)

جمعہ کے روز رسول اللہ ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی ایسا ہی ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ تک برابر ہوتا رہا۔

اس حدیث مبارک سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ اذان ثانی مسجد سے باہر ہونی چاہئے وہیں بھی پتہ چلتا ہے کہ بین یدیہ کے معنیٰ بالکل منبر کے متصل نہیں۔

قاضی خاں اور عالمگیری میں ہے " لا یؤذن فی المسجد "

کوئی اذان بھی مسجد کے اندر نہ ہونی چاہئے۔

قہستانی میں ہے: "یکرہ ان یؤذن فی المسجد "مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔

اور جب مطلقاً مکروہ بولا جاتا ہے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ ہندوستان کی تمام مساجد میں یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی ہے اور بہت سارے علمائے اہل سنت کے سامنے ہوتی ہے اور کسی نے انکار نہیں فرمایا تو یہ اجماع ہوگیا۔ اس امر کو فعل اجماع کہنا غلط ہے۔

اولاً یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ تمام علما نے نکیر نہیں فرمایا، ابھی آپ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا انکار شدید سن چکے، خود مفتی اعظم کو کتنی مسجدوں میں باہر اذان دلاتے ہم نے دیکھا ہے۔

ثانیاً خلاف سنت فعل کے ترک پر اگر اتفاق ہو بھی جائے تو اس کا نام اجماع امت نہیں بلکہ اماتت سنت ہے جس کو زندہ کرنے اور اس پر عمل کرنے والے کے لیے حضور ﷺ نے سو شہیدوں کا ثواب مقرر فرمایا ہے۔ " من احیا سنتی عند فساد امتی فله اجر مأتة شهید " (مشکاۃ شریف: ۱/۱ ۵)

جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری کسی مردہ سنت کو زندہ کیا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

اور یہ بات کہ اتنے بڑے بڑے اولیاء اور علماء نے سکوت فرمایا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی بڑے بڑے صحابہ علماء اور صلحاء موجود تھے کسی نے یزید کی مخالفت نہیں کی اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تو ان کے خلاف محمود احمد عباسی کی دلیل مان لی جائے کہ چونکہ صحابہ و تابعین نے یزید کی خلافت مان لی تھی اس لیے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناحق پر تھے اور یزید حق پر تھا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنی کتاب " شمامة العنبر ص ۱۳۶ " میں لکھتے ہیں:

" الم يعلموا أن الخليفة الراشد أميرا لمؤمنين عمر بن عبدالعزيز رضى الله تعالىٰ عنه كم من سنن احياها وظلمات بدع احلاها فكان له الاجرا لجزيل والذكر الجميل والفخر الجليل ولم يكن عيب قط على من قبله من الصحابة الكرام وا كابر ائمة التابعين الاعلام رضى الله تعالىٰ عنهم انهم جهلوا الحق وسكتو اعنه ولا قيل لا مير المؤمنين انك تقحمت ما اجتنبوه أوانكرت ما اقروه افانت اعلم بالسنة منهم أو أتقى منهم لفتنة "

خلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہتیری مردہ سنتوں کو زندہ کیا اور بدعتوں کو مٹایا یہ بات ان کے محامد جلیلہ میں شمار ہوتی ہے اور اس سے گذشتہ یا موجودہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برائی ظاہر نہیں ہوتی کہ وہ حق سے جاہل یا ساکت رہے نہ امیر المؤمنین پر کوئی اعتراض کرتا ہے کہ آپ ان صحابہ سے زیادہ سنت کے جاننے والے تھے کہ ان لوگوں نے جس کا انکار نہیں کیا اور ان کے زمانہ میں جو ہوا تھا اس کو آپ نے الٹ دیا۔

پس فتنہ کی نسبت اس کی طرف نہ ہونا چاہئے جس نے خلاف سنت فعل کو بند کرا کے سنت کے موافق جاری کرایا بلکہ ان لوگوں نے غلط کیا جنھوں نے اس پر جھگڑا بڑھایا یا مسجد ہی چھوڑ دی ہاں ان امام صاحب کو بھی لازم تھا کہ نرمی سے عوام کو مسئلہ سمجھاتے اور اگر عوام فتنہ اور ضد پر آمادہ ہوئے تو وہ زیادہ

سے زیادہ یہ کرتے کہ وہاں کی امامت چھوڑ دیتے۔

الختصر مسئلہ یہی ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی بلکہ تمام اذانوں کا حکم یہ ہے کہ مسجد کے باہر ہوں مسجد کے اندر اذان دینا خلاف سنت اور مکروہ ہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ جب صحیح مسئلہ معلوم ہو جائے تو ضد چھوڑ دی جائے اور غلط رواجوں کی سند نہ پکڑی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۱ر جب المرجب ۱۴۱۱ھ

(۴۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ

ایک مسجد ہے مسجد کے سامنے صحن بھی ہے مسجد اور صحن کے چاروں طرف چہار دیواری ہے، چہار دیواری کے باہر سے اذان دینا کیسا ہے؟ اور مسجد کے چھت پر سے اذان دینا کیسا ہے؟

المستفتی، محمد وکیل خان لنکا پورڈیمار نگالینڈ

الجواب

مسجد کا جو حصہ نماز پڑھنے کے لیے بنایا جاتا ہے جو عام طور سے دالان اور صحن اور بعض جگہ دالان سائبان اور صحن پر مشتمل ہوتا ہے اس میں اذان دینا مکروہ وممنوع ہے۔

مراقی الفلاح صفحہ ۱۰۷" ویکرہ أن یؤذن فی المسجد "اس کے علاوہ جوز مین ہے چاہے چہار دیواری کے اندر ہو یا باہر ہر جگہ اذان ہو سکتی ہے، اسی طرح مسجد کی چھت پر اگر اس طرح اذان دے کہ مؤذن مسجد کے کنارے والی دیوار پر کھڑا ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اسی میں ہے" والظاهر ان یؤذن فی مکان عال "واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

(۴۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید ایک دیوبندی لڑکا ہے جس کا کہنا ہے کہ پانچ وقتوں کی نماز کے لیے اور جمعہ کی اذان دینے کے لیے صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور کسی دوسری جگہ کے لیے اذان دینا صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ اگر کسی دوسری حدیث پاک میں ملتی ہے، تو صرف نومولود بچے کے کان میں داہنی طرف اذان اور بائیں طرف تکبیر کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ اذان دینا حضور ﷺ اور حضور کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تمام بزرگان دین کے مذہب میں نہیں ہے۔

اور دلیل پیش کرتے ہیں حضرت امام شیخ بن ہمام جو دیوبندی اور بریلوی دونوں کے نزدیک تسلیم شدہ ہیں وہ اپنی کتاب فتح القدیر ج اص ۱۶۸ میں لکھتے ہیں:

ثبت متواترا أن رسول الله ﷺ أذن للصلوات الخمس والجمعة دون ماسواها من

الوتروالعیدین والکسوف والخسوف والاستسقاء وصلوۃ الجنازۃ والسنن والنوافل۔

تم لوگ قبر پراذان دیتے ہو کیا یہ جائز ہے؟ تو کیا ان کا یہ کہنا اور دلیل دینا صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو دوسری کوئی دلیل دے کر بتائیں اور اگر غلط ہے تو اس کا بھی پوری دلیل کے ساتھ جواب دینے کی زحمت گوارا کریں۔ عین کرم ہوگا۔ المستفتی محمد ادریس رضوی، ساکن ہولیا کراف محمد حسن متعلم مدرسہ ہدایت الاسلام انروا بازار ضلع سنسری نیپال

الجواب

آج کل عجیب قسم کے زید دنیا میں پیدا ہو گئے ہیں جو جی میں آئے بولیں اور جو منہ میں آئے کہہ دیں ان کی کوئی ذمہ داری نہیں، سارا بوجھ علما پر ہے، زید صاحب غلط بولیں تو علما رد کریں، زید صاحب صحیح بولیں تو علما ثابت کریں، اب آپ اپنے ہی زید کو دیکھ لیجئے پنجوقتہ نماز اور جمعہ اور اذان مولود کے علاوہ ان کو کسی اذان کا ثبوت ملا ہی نہیں۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک پہونچ گئے اور شامی کو نہیں دیکھا جس سے زید کا سارا خلجان دور ہو جاتا اور ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت بھی سمجھ میں آجاتی، فرماتے ہیں:

لایسن لغیرها أی من الصلوات والا فیندب للمولود وفی حاشیة البحر للخیر الرملی رأیت فی کتب الشافعیة أنه قد یسن الأذان لغیر الصلاة کما فی أذان المولود والمهموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من انسان اوبهیمة وعند مزدحم الجیش وعند الحریق قیل وعند انزال المیت فی القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا لکن رده ابن حجر فی شرح العباب وعند تغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیه۔ أقول ولابعد فیه عندنا الخ أی لان ماصح فیه الخبر بلامعارض فهو مذهب المجتهد وان لم ینص علیه لما قدمناه فی الخطبة عن الحافظ ابن عبدالبر والعارف الشوانی عن کل من الائمة الاربعة أنه قال :اذا صح الحدیث فهو مذهبی ـعلی أن فی فضائل الأعمال یجوز للعمل بالحدیث الضعیف۔ (شامي:۲/٤٦)

نماز پنج وقتہ اور جمعہ کے علاوہ کسی اور نماز کے لیے اذان دینا سنت نہیں، جیسے عید، بقرعید، نفل وغیرہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ کسی کام کے لیے بھی اذان جائز نہیں، نماز کے علاوہ کئی چیزوں کے لیے اذان دینا مستحب ہے۔

(۱) سب سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کے کان میں۔ اس کا تو زید نے بھی اقرار کیا ہے۔

(۲)اور جس آدمی کوغم لاحق ہو(۳)جس کو مرگی آتی ہو(۴)جس کو غصہ آتا ہو(۵)آدمی یا جانور بگڑ گیا ہو (۶)اور جب گھمسان کی لڑائی ہورہی ہو(۷)جب آگ لگی ہو(۸)بعض علماء نے کہا ہے جب مردے قبر میں دفن کریں تب۔ابن حجر شافعی نے اس سے اختلاف کیا ہے(۹)اور جنوں کی سرکشی کے وقت،امام خیرالدین رملی نے یہ سب باتیں نقل کرکے کہا کہ ہم حنفیوں کے نزدیک ان اذانوں کے مستحب ہونے میں کوئی بعد و ممانعت نہیں۔امام ابن عابدین کہتے ہیں اس میں سے جو باتیں حدیث سے ثابت ہیں وہ تو بلاشبہ ہمارا مذہب ہیں اور جواذان حدیث ضعیف سے ثابت ہو اس پر بھی عمل کیا جائے۔کہ اعمال کی فضیلت میں ضعیف حدیثیں بھی قابل قبول ہیں۔

دیکھئے آپ کے زید صاحب کو تو نماز پنج گانہ اور جمعہ اور اذان مولود کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا، علمائے اسلام مذکورہ بالا باتوں میں سے بیشتر کو حدیث سے ثابت مانتے ہیں،اگر آپ کے زید صاحب کچھ بھی عربی پڑھے ہوئے ہوتے تو سمجھتے کہ ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی عبارت میں ماسواھا کا بیان خود ہی فرمارہے ہیں: عن الوتر والعیدین والکسوف والخسوف وصلاۃ الاستسقاء وصلاۃ الجنازۃ والسنن والنوافل۔

صرف نمازوں کا ذکر کیا ہے، مطلب وہی ہوا جو علامہ ابن عابدین نے بیان کیا کہ فرائض اور جمعہ کے علاوہ کسی نماز کیلیے اذان ثابت نہیں،دوسرے کام کے لیے تو ثابت ہے،قبر پر اذان کے ثبوت میں زیادہ دلائل کی ضرورت ہو تو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب کا رسالہ" ایذان الاجر فی اذان القبر" کا مطالعہ کریں،ہم نے تو صرف زید صاحب کی خوش فہمی کا پردہ چاک کیا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۴۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

جمعہ کے خطبہ کی اذان مسجد سے باہر ہونی چاہئے یا مسجد کے اندر منبر کے پاس؟ برائے کرم حکم شریعت طاہرہ سے آگاہ فرمائیں۔ مستفتیان: محبوب عالم وکمال الدین علاد لپور غازیپور

الجواب

جمعہ کی نماز کے لیے پہلی اذان یا دوسری اذان جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے یا اس کے علاوہ پنج وقتی اذان ہو،ان سب اذانوں کا مسجد کے اندر ہونا ممنوع ہے،ان سب اذانوں کو مسجد کے باہر ہونا چاہئے۔فقہ کی مندرجہ ذیل ۲۰ رکتابوں میں یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے:

ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ أو خارج المسجد و لایؤذن فی المسجد۔

اذان منذنہ پردینی چاہئے یا مسجد کے باہر مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔

(یعنی دینا مکروہ ہے) ان بیس کتابوں کے نام یہ ہیں: فتـاوی قاضی خان، خلاصه، خزانة المفتئين، شرح نقايه، عالم گیری، تاتارخانیه، مجمع البركات، بحر الرائق، كنز الدقائق، شـرح مـختـصـر امـام طـحـاوی، المجتبیٰ، شرح مختصر قدوری، بنایه، غنیه، نظم امام زندویسی، حاشیه مراقی الفلاح، غاية البيان، فتح القدير، مدخل لابن امیز الحاج۔

اور خاص اذان خطبہ کے بارے میں یہ حدیث شریف ہے:

عـن السـائب بن يزيد رضى الله تعالىٰ عنهما قال: كان يؤذن بين يدى رسول الله ﷺ اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد و أبى بكر و عمر رضى الله تعالىٰ عنهما۔ (سنن ابی داؤد شریف: ۱/۱۷۱)

صحابی رسول حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن جب ممبر پر بیٹھتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی۔ ایسا ہی حضرت ابوبکر وعمر کے زمانے میں بھی ہوتا رہا اور ظاہر ہے کہ مسجد کا دروازہ اس حصہ سے باہر ہی ہوتا ہے جہاں نماز ادا کی جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۲/صفر ۱۴۱۸ھ

(۴۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک دیہات ہے جس میں جمعہ کی نماز بہت دنوں سے قائم ہے چونکہ شہر بہت دور ہے۔ گذارش ہے کہ اذان ثانی کہاں سے دی جائے؟ اس کا خلاصہ تحریر فرمائیں اور معلوم ہو کہ نمبر ایک میں تین صف کی جگہ ہے اور نمبر دو میں دو صف یا کل چھ صف ہے، لیکن کبھی نمبر ایک میں ایک صف کبھی دو صف کبھی یہ بھی نہیں۔ لیکن نمبر (۱) میں پوری تین صف ہر جمعہ کو ہوتی ہیں تیوہار یا مہمان کے آجانے سے نمازی ہوجاتے ہیں، تو نمبر دو لگتی ہے ورنہ تین۔ تین صف کے پیچھے اذان ثانی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور ابھی نمبر ایک کے دروازہ پر اذان پکاری جاتی ہے چونکہ اس کی دوری ۱۴رفٹ ہے اور نمبر دو کی دوری ۴رفٹ ہے اور چھت کی ڈھلائی بھی ہوتی ہے، اس نقشہ اور مسئلہ کو ملاحظہ فرمائیں حوالے کے ساتھ نوازیں۔

از طرف: گوگڈ میا گریڈیہہ بہار

الجواب

فقہ کی بہت سی کتابوں میں ہے: يكـره الاذان فـي الـمسجد۔ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے، مسجد سے مراد وہ حصہ ہے جو نماز کے لیے خاص کیا گیا۔ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کا

خاص حصہ جو نماز کے لیے متعین ہے وہ نمبر ایک اور نمبر دو ہے، مصلی کم ہوتے ہیں تو اندر والے حصہ میں پڑھتے ہیں اور زیادہ ہو گئے تو باہر والے حصہ میں۔ مسجد کی تعیین مسجد بنانے والوں کا کام ہے، انہوں نے زمین کے جتنے ٹکڑے کو مسجد قرار دیا ہے اتنا ہی مسجد ہوگا نماز پڑھنے والوں کی تعداد گھٹنے، بڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے، شہروں میں جمعہ کے روز مسجد کے باہر سڑک تک لوگ جمعہ پڑھتے ہیں تو کیا سڑک بھی مسجد میں شامل ہو جائے گی؟

اسی طرح اوپر چھت ہونے نہ ہونے سے بھی مسجد ہونے نہ ہونے میں کچھ فرق نہیں پڑتا، اکثر مسجدوں میں دو حصہ ہوتا ہے ایک حصہ پر عمارت ہوتی ہے جس کو ہال اور دالان کہتے ہیں اور دوسرا حصہ کھلا ہوتا ہے جس کو فرش اور صحن کہتے ہیں۔ تو شریعت کے نزدیک وہ سب مسجد ہے اور اتنے حصہ کے اندر اذان دینا منع ہے۔ چاہے جمعہ کی ہو چاہے پنج وقتہ کی۔

البتہ جمعہ کی خطبہ والی اذان کے لیے خاص دروازہ کا لفظ حدیث شریف میں آیا ہے: کان یؤذن بین یدی رسول اللہ ﷺ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر۔ حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر کے زمانہ میں مسجد کے دروازہ پر امام کے سامنے اذان ہوتی تھی۔

تو آپ کے یہاں خطبہ کے اذان میں مؤذن نمبر دو کے دروازہ پر اس طرح کھڑا ہو کہ خطیب کا سامنا ہو اور دروازہ ممبر کے سامنے نہ ہو تو ممبر کے سامنے دیوار میں کوئی جنگلہ لگا لیا جائے تا کہ خطیب اور موذن کا سامنا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۲؍ صفر ۱۴۱۸ھ

(۴۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کا کہنا ہے کہ خطبے کی اذان خطیب کے سامنے ہو، اس لیے زید نے بتایا کہ ممبر کے سامنے مشرقی دیوار کو کھود کر جالی لگا دیں اور اذان باہر سے دیں تا کہ مؤذن خطیب کے روبرو ہو جائے اتنے میں عمر کا کہنا ہوا کہ نہیں مشرقی دیوار یعنی برآمدہ اور مسجد کی درمیان والی دیوار کو کھود کر مانند محراب بنا دو، اب اس دیوار سے (مانند محراب) اذان دینا جائز ہے۔ سوال طلب امر یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ بتایا جائے کہ اذان ایسی صورت میں کہاں سے دی جائے، مدلل و مفصل جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں اور عنداللہ و عندالرسول ماجور ہوں۔ المستفتی: محمد کمال الدین حبیبی بنگلہ بستی گارڈن ریچ روڈ کلکتہ ۲۴

الجواب

فقہ کی معتمد اور مفتی بہ فتاویٰ ہندیہ، قاضی خاں درمختار، ردالمحتار، وقایہ، شرح وقایہ، وغیرہ میں یہ صراحت ہے کہ اذان خواہ جمعہ کی ہو یا دیگر نمازوں کی مسجد سے باہر دی جائے۔

چنانچہ فتاوی عالم گیری میں ہے: ینبغی أن یؤذن علی المئذنة او خارج المسجد و لا یؤذن فی المسجد کذا فی فتاوی قاضی خاں۔ یعنی اذان مئذنہ پر یا مسجد کے باہر دی جائے مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ (فتاوی عالم گیری ج اول ص: ۵۵)

خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں اذان مسجد سے باہر دروازے پر ہوتی تھی۔

سنن ابی داؤد میں ہے: عن سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنه قال کان یوذن بین یدی رسول اللہ ﷺ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر و عمر۔ یعنی حضور ﷺ منبر پر جلوہ فرما ہوتے تو آپ کے سامنے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں ہوتا رہا۔ (ابوداؤد شریف ج اول ص: ۱۷۱)

اب اگر صحن کے بعد مسجد کی بلند دیوار ہے (جو امام کی مواجہت سے مانع ہے) تو اسے موذن کے لائق تراش کر باہر کی جانب جالی یا کواڑ لگالیں (فتاوی رضویہ دوم ص ۴۰۸) واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۸ر جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ

(۵۰-۵۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ دستی گھڑی جس کی چین کسی معدنی شے کی ہو یعنی سونے چاندی کے علاوہ دیگر کسی دھات کی ہو اس کا پہننا مرد کو جائز ہے یا نہیں؟ نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اگر نہ ہو تو اس پر نماز پر بھی کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ اگر نماز پر بھی اثر پڑتا ہے تو آیا نماز فاسد ہوگی یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی اور ایسی چین کا عورت یا اس کے نماز کے لیے کیا حکم ہے؟

(۲) اذان ثانی جمعہ مسجد کے اندر ہونا چاہئے یا باہر، اگر باہر ہونی چاہئے تو کون سی جگہ؟ اکثر اصحاب کہتے ہیں کہ اذان خطیب کے سامنے ہونی چاہئے، یعنی خطیب کو دیکھتا رہے، اگر یہ بات درست ہے کہ خطیب کا دیکھنا ضروری ہے تو بتائیے کہ اذان کون سی جگہ پڑھی جائے؟ سامنے سے مراد ہم لوگ منبر صحن سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ سامنے سے مراد منبر سے دور کو کہتے ہیں۔

اذان دینے پر خطیب کے سامنے دیوار آجاتی ہے۔ اب آپ سامنے کا مطلب بتائیے اور یہ بتائیے کہ اذان صحن میں ہو یا صحن سے باہر، جواب درست لکھیں یعنی سمجھا کر۔

(۳) ایک گورنمنٹ کا ملازم مویشی ڈاکٹر خنزیر کا علاج نہ کرنے پر ملازمت کا خطرہ ہے، خنزیر کا علاج کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اس سے بچنے کے لیے کوئی صورت بتائیے؟ ہر سہ سوالوں کا جواب جلد مرحمت فرمائیں۔ المستفتی: اختر الاسلام مدرسہ بدر العلوم مقام وپوسٹ جس پور ضلع نینی تال

الجواب

(۱) گھڑی دستی ہو یا جیبی اس میں چاندی سونے یا کسی اور دھات کی چین لگانا مکروہ ہے۔ تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت کا رسالہ "الطیب الوجیز" دیکھا جائے۔

(۲) اگر اس دیوار میں جو منبر کے سامنے ہے ایسا روشن دان بنایا جا سکتا ہے جس سے موذن و امام کا سامنا ہو سکے تو ایسا کیا جائے ورنہ اذان بہر حال مسجد کے باہر ہونی چاہیے۔

(۳) اگر اس کے علاج میں ہاتھ لگانا یا چھونا نہ پڑے کوئی حرج نہیں، ورنہ ایسی ملازمت ہی ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۵؍ شوال ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبد الرؤف

(۵۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

جمعہ کے دن جو اذان خطبہ کے وقت ہوتی ہے وہ مسجد کے اندر ہونی چاہیے یا مسجد کے باہر یا دروازہ پر؟

عبد الحفیظ پنچی پور پوسٹ کھواجوا ضلع سارن

الجواب

جمعہ کی دوسری اذان کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اذان مسجد کے اس حصہ سے باہر دی جائے جو نماز پڑھنے کے لیے بنا ہے، لیکن ایسی جگہ دی جائے کہ موذن امام صاحب کے سامنے ہو مسجد کے اندر اذان دینے کو علماء نے منع اور مکروہ لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۵۴۔۵۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) داڑھی منڈا فاسق اور فاجر ہے کہ نہیں؟

(۲) داڑھی منڈانے والے اگر اذان دیں تو کیا اذان دہرائی جائے گی؟

(۳) حضور پر نور ﷺ نے داڑھی رکھنے کی اگر تاکید کی ہے تو حدیث کا حوالہ تحریر کریں۔

(۴) کلثوم اپنے شوہر خاص کے پاس رہی اور ایک لڑکا اور لڑکی پیدا ہوئی، کچھ عرصہ کے بعد کلثوم نے زنا کرایا اور ناجائز حمل قرار ہوا، اور کلثوم نے کہیں دوسری جگہ جا کر عقد ثانی کر لیا، جو کچھ ملکیت یا جائداد اسے ملی تھی کیا اب وہ اس کی حق دار ہے یا نہیں؟ اگر وہ حق دار نہیں ہے تو اس کے پہلے شوہر کا جائز

لڑکا یا لڑکی حق دار ہوگی؟ جواب مفصل طور پر سوالات کے حوالہ دینے کی زحمت فرمائیں۔

الجواب

(۱) داڑھی منڈا فاسق ہے۔

(۲) داڑھی منڈا اذان دے تو دہرائی جائے۔ درمختار میں ہے: "و یکرہ اذان الفاسق"

(۳) حدیث شریف میں ہے: "قصوا الشارب و اعفوا اللحی" یہ حدیث مشکوۃ شریف (ص ۳۸۰) بخاری و مسلم دونوں کے حوالے سے مذکور ہے۔

(۴) زنا کی وجہ سے کلثوم میکہ میں اپنے حقوق سے محروم نہیں ہے، والدین کی وفات کے بعد ان کی وارث ہوگی اور اپنی زندگی میں اگر وہ لوگ دیں گے تو اس کی مالک ہوگی۔ گناہ اس نے اتنا بڑا کیا کہ اس کی سزا یہاں بھی دل ہلا دینے والی ہے اور وہاں بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۰ ربیع الثانی ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

(۵۸۔۶۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) خطبہ کے وقت اذان ثانی جو کہی جاتی ہے اس کا کہنا داخل مسجد یا خارج سے ضروری ہے جو شخص داخل مسجد دے تو اس کا یہ فعل سنت ہے یا خلاف سنت ہے؟ بہر دو صورت اس کی دلیل فقہ، حدیث اور عمل صحابہ سے دی جائے۔

(۲) جو شخص اس کا قائل ہو کہ خطبہ کی اذان خارج مسجد ہونے میں کچھ کراہت معلوم ہوتی ہے تو ایسے شخص کے بارے میں عندالشرع کیا حکم ہے؟

(۳) بعد دفن میت قبر پر اذان دینا جائز ہے یا ناجائز؟ درصورت ثانی دلیل عقلی و نقلی کی ضرورت ہے۔

(۴) "ایذان الاجر فی اذان القبر" میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث قبر پر اذان دینے کے ثبوت میں احمد طبرانی و بیہقی بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیش فرمائی جب کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہو چکے اور قبر درست ہوگئی نبی کریم ﷺ دیر تک سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے، پھر حضور اللہ اکبر فرماتے رہے، صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے، پھر صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے، ارشاد فرمایا اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف دور کی اور قبر کشادہ فرما دی، تو کیا ان کا پیش فرمانا برمحل ہے یا بےمحل، بر تقدیر ثانی ثبوت آنے کی ضرورت ہے۔

(۵) قبر میں عہد نامہ یا شجرہ طاق کھود کر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی ثبوت کی اشد ضرورت ہے اور بر تقدیر اول کس بزرگ سے یہ رواج جاری ہے؟ کوئی شخص یہ کہے کہ شجرہ رکھنے سے اگر میت کو فائدہ پہنچتا ہے تو اس سے بہتر ہوگا قرآن وحدیث قبر میں رکھدیا جائے تا کہ پورا پورا میت کو ثواب ملتا رہے۔ تو عند الشرع اس کا قائل یا قرآن شریف کو رکھنے والا ماخوذ ہوگا؟

عبد الرشید انوار العلوم کامنی شریف قابل پور

الجواب

(۱) خطبے کے وقت جو اذان دی جاتی ہے اس کا بلکہ سبھی اذانوں کا مسجد میں دینا مکروہ ہے۔ اور مسجد کے باہر ہونا سنت ہے حضور ﷺ کے زمانہ میں اذان مسجد سے باہر دروازہ پر ہوتی تھی۔

حدیث شریف میں ہے: "کان یؤذن علیٰ باب المسجد علی عھد رسول اللہ و ابی بکر و عمر" تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت کے فتاوی دیکھے جائیں۔

(۲) اس کو اپنے اس خیال سے توبہ کرنی چاہئے۔

(۳،۴) بعد دفن قبر پر اذان دینا جائز ہے، ایذان الاجر میں ذکر کی ہوئی حدیث ضرور بر محل ہے۔

(۵) درمختار میں ہے: "کتب علی جبھۃ المیت وعمامتہ و کفنہ عھدنامہ یرجی ان یغفر اللہ للمیت" اس امر کی تصریح نظر سے نہیں گذری کہ کب سے اس کی ابتدا ہوئی۔

شامی میں ہے: "کان الفقیہ ابن عجل یأمر بہ" طاق کھود کر اس لیے رکھا جاتا ہے کہ اسمائے الٰہی تلویث سے محفوظ رہیں، اس کے رکھنے کا منشا تبرک ہوتا ہے، ثواب پہنچانے کے لیے پڑھنا ضرور ہوتا ہے، چونکہ قرآن شریف رکھنے کی تصریح کتب فقہ میں نہیں آئی، اس لیے قیاس سے اس کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۸؍صفر ۹۴ھ

الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبد الرؤف غفر لہ

(۶۳۔۶۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) اگر مؤذن اذان کہہ کر پھر تکبیر کہے اور تکبیر کہنے والا یعنی مؤذن قد میں چھوٹا پانچ فٹ ۳؍انچ اس کا قد ہو تو کیا وہ اذان دے کر تکبیر نہیں کہہ سکتا؟ اگر کہہ سکتا ہے تو کیا وہ امام کے پیچھے بیچ صف میں کھڑے ہو کر نماز فرض ادا نہیں کر سکتا۔ مسئلہ کیا ہے؟ مطلع فرمائیں۔

(۲) امام جو نماز کے لیے مصلے پر جا چکا ہو پھر کسی کے اعتراض کرنے سے وہ انصاف کرے اور

کہے جو قد میں چھوٹا ہو اسکو بیچ صف میں کھڑا نہیں ہونا چاہئے اور تکبیر کہہ دیجائے پھر بیچ سے چھوٹے قد والے کو کنارے میں کردیا جائے جب کہ وہ بالغ ہے اور شادی شدہ ہے اس کی عمر ۲۵ رسال کی ہے، ایم اے پاس ہے، قد پانچ فٹ تین انچ ہے۔

(۳) کوئی شخص سینٹ لگا کر اگر نماز پڑھے کیا اس کی نماز ہوسکتی ہے یا نہیں یا مکروہ ہوتی ہے؟

(۴) اگر مؤذن اذان کہنے میں حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح میں رخ داہنے اور بائیں نہیں کرتا اس کے لیے کیا حکم ہے؟ صادر فرمائیں۔

(۵) زاہد نے بغرض شوق داڑھی رکھی اور اس نے داڑھی کا خط نہ کیا ہو اور داڑھی اس کی خوب زور پر ہو، یعنی بڑی بڑی ہو، کیا وہ داڑھی منڈوائے اتنا ہی گناہ ہے جتنا خط بنوانے پر ہوتا ہے، یعنی بغیر خط کے داڑھی اور خط والی داڑھی دونوں منڈوانے میں کیا فرق ہے؟

(۶) کوئی ایسی ترکیب فرمائیں جس سے دل کی سیاہی مٹ جائے اور دل میں روشنی پیدا ہوجائے۔

المستفتی: آپ کا خاکسار عظیم انور رحمانی پرائمری

الجواب

(۱) جس آدمی نے اذان کہی اگر وہ موجود نہیں ہے تو جو چاہے اقامت کہدے اور بہتر امام ہے اور مؤذن موجود ہے تو اس کی اجازت سے دوسرا کہہ سکتا ہے کہ یہ اسی کا حق ہے اور اگر بے اس کی اجازت کے کہی اور اس کو ناگوار گزرا تو یہ مکروہ ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے: "والافضل ان یکون المؤذن ھو المقیم وان اذن رجل واقام اخر ان غاب الاول جاز من غیر کراھة وان کان حاضرا وتلحقه الوحشة باقامة غیره یکره وان رضی به لایکره عندنا کذافی المحیط۔ (عالم گیری: ۱/ ۷۰)

اور جب وہ بچہ نہیں ہے تو بلاشبہ بیچ صف میں شامل ہوسکتا ہے اس میں قد کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ شریعت نے صفوں کی ترتیب کا یہی طریقہ بتایا ہے کہ پہلے مرد ہوں پھر بچے اسکے بعد خنثیٰ۔

(۲) امام نے یہ ظلم کیا ہے کہ اس کو بیچ صف سے ہٹا کر کنارہ کیا جو مصلی صف میں جہاں کھڑا ہو وہی اسکا حق ہے اور کسی کو اسکے حق سے محروم کرنا ظلم ہے اس میں قد کا کوئی اعتبار نہیں بلاشبہ ناٹا آدمی دوسرے مردوں کے ساتھ بیچ صف میں کھڑا ہوسکتا ہے۔

(۳) اگر سینٹ میں الکحل شامل کیا گیا ہو تو اس کا استعمال ضرور حرام ہوگا، اور اگر درہم کی مقدار لگ جائے تو نماز ہوگی ہی نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ . وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾[المدثر:٤۔٥]

(۴)مؤذن کو چاہئے کہ حی علی الصلاۃ کے وقت اپنے چہرے کو داہنے طرف موڑے اور فلاح کے وقت بائیں طرف اگر اس طرح نہ کیا تو انہوں نے خلاف سنت کیا۔

"کیفیته ان یکون الصلوة فی الیمین والفلاح فی الشمال"(عالم گیری:۱/۷۳)

نیز اسی میں ہے:"واذا انتهى الصلوة والفلاح حول وجهه يمينا وشمالا"

(۵)داڑھی سنت کے موافق رکھے یا فیشن کے موافق اگر اس کو حد شرع سے کم کرے گا ضرور حرام وگناہ ہوگا۔ پہلے اگر فیشن کی خاطر رکھی تھی تو ثواب سے محروم تھا اب کہ کٹادی گنہگار بھی ہوگیا۔

شامی میں ہے:"یحرم قطعه والسنة فيه القبضة"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی دارالافتاء شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۶۹۔۷۷)**مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ

(۱) جمعہ کے دن خطبہ کی اذان از روئے شرع معتبر احادیث کریمہ اور فقہائے عظام کے اقوال زریں وفقہ حنفی کی معتبر کتابوں جو مشہور فرقے بریلوی دیوبندی اختلاف سے پہلے کی ہوں کہاں دی جائے مدلل ومفصل مع احادیث وکتب فقہ حنفی مرقوم فرمائیں۔

(۲) جمعہ کی اذان ثانی اندرون مسجد دینا جائز ہے یا ناجائز؟ یا اور جس شق کو اپنائیں؟ براہ کرم مدلل طور پر بیان فرمائیں۔

(۳) جمعہ کی اذان ثانی حقیقت میں کون سی ہے آیا اذان اول وثانی دونوں رسول کے زمانے سے یا ان میں سے کوئی ایک پھر ثانی یا اول کس زمانے کی ایجاد ہے بحوالہ کتب فیصلہ فرمائیں۔

(۴) علمائے کرام کیا لوگوں کے مشورے پر چلیں یا عوام علماء کی باتوں پر پھر اس صورت میں علماء وعوام دونوں کو باعتبار شرع کیا کرنا چاہئے؟

(۵) غلط رسم ورواج پر مسلمانوں کا اڑنا کیسا ہے بقول ایک فریق کہ کسی مستحب فعل کے اندر رکاوٹ کرنے سے اس پر عامل رہنا عنداللہ ضروری ہوجاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(۶) مساجد ومدارس میں خلاف شریعت عام ازیں کہ مستحب وافضلیت کا اختلاف ہو تو اقوام مسلمین کو کیا کرنا چاہئے آیا اکثر واقل کا اس میں خیال کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۷) دنیوی مقاصد ومنافع کیلئے دینی امور کو ترک کرنا کیسا ہے خواہ مستحب ہی کیوں نہ ہو۔

(۸) علماء وعوام دونوں ملکر کسی سنت کو زندہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں کہ نہیں یا ان میں سے زیادہ

حق والے کون ہیں سنت کے زندہ ہونے پر ثواب ہے تو کتنا بینوا بالتفصیل مع حوالہ کتب معتبرہ۔

(۹) دنیاوی اختلاف لیکے بدعقیدہ وگمراہ فرقوں سے مساجد ومدارس کے معاملے مدد لینا کیسا ہے

یہ سوالات نوک قلم ہیں امید ہے کہ جلد مکمل ومدلل جوابات سے ہمیں نواز کر ہم سب کی دکھتی ہوئی آنکھ کو سکون بخشیں گے۔

المستفتی: عبدالمصطفی، شمع پان فروش چوک موئی ماتا پروانی گھر گون ایم پی

الجواب

حضور ﷺ کے عہد مبارک میں جمعہ کی صرف ایک اذان ہوتی تھی جو اس وقت ہوتی جب امام خطبہ دینے کے لیے منبر پر بیٹھتا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اذان مسجد سے باہر مسجد کے دروازہ پر دیتے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایسا ہوتا رہا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایسا ہی ہوتا رہا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کی ابتدا میں بھی یہی معمول رہا، جب آدمی زیادہ ہو گئے تو ایک اذان کا اضافہ ہوا جس کو آج کل پہلی اذان کہا جاتا ہے، یہ اذان بھی مسجد سے باہر بلکہ دور بازار میں مقام زوراپر دی جاتی تھی۔

اسی سے آپ کی تین باتوں کا جواب ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ جمعہ کی وہ اذان جو خطیب کے ممبر پر بیٹھے اور خطبہ دینے سے پہلے دی جاتی ہے اس کو مسجد سے باہر اور خطیب کے سامنے دینا چاہیے۔

اب حوالے کے لیے حدیث کے الفاظ بھی پڑھیے:

"عن السائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان یوذن بین یدی رسول اللہ ﷺ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر فلما کان خلافۃ عثمان و کثر الناس أمر عثمان بالاذان الثالث فاذن بہ علی الزوراء فثبت الأمر علی ذلک۔

(ابوداؤد شریف جلد اول باب النداء یوم الجمعۃ)

(۴) مسئلہ شرعی ہو تو اس کے خلاف نہ عوام کی رائے کا لحاظ ہے نہ خواص کی رائے کا، شریعت پر عمل درآمد دونوں کے لیے ضروری ہے۔ ہاں دنیاوی معاملہ ہو تو کثرت رائے سے عمل کیا جائے، مسئلہ کی زیادہ تفصیل فتاوی رضویہ حصہ ہفتم میں دیکھی جائے۔

(۵) جو رسم ورواج شرع کے خلاف ہو اس پر اڑنا ناجائز وحرام ہے۔

قرآن عظیم میں ہے: ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ [النساء:۵۹]

ہاں یہ مسئلہ کہ مستحب پر عمل روکا جائے تو وہ واجب ہو جاتا ہے اور یہ بھی حکم ہے۔

﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾[البقرة:۱۹۱]

پس ایسی صورت میں جو مقدم ثابت ہوا اسی پر عمل کیا جائے خاص مسئلہ اذان میں مولانا احمد رضا خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں: جو مسجد اپنی ہے اس میں خود مخالفت سنت کا مواخذہ اس کی ذات پر ہے اور جو پرائی ہے اس میں اس کے ذمہ صرف انکار رکھا گیا ہے ازالہ منکر پر قدرت نہ ہو تو صرف زبان سے منع کرے اور اس میں بھی فتنہ وفساد ہو تو دل سے برا جانے۔

اور حدیث شریف میں ہے:"من رأمنكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه"
(مسند امام احمد بن حنبل:۴/۵۴)

(۷) دنیوی منافع کے لیے امور دینی کا ترک ناجائز وگناہ ہے مستحبات کرنے والے کو اختیار ہوتا ہے اس لیے اس کے ترک پر گناہ نہ ملامت۔

(۸) حدیث شریف میں ہے:"من احیا سنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهیدا"
یہ حکم عالم اور جاہل سب کے لیے حسب استطاعت ہے۔

(۹) اس کا حکم نمبر ۷ سے ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی　شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ　۱۷ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

(۷۸۔۸۰)**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) اقامت کے وقت امام اور مقتدی کو کھڑا ہونا چاہئے یا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہئے؟ جب کہ صف سیدھی کرنے کے بارے میں حدیث شریف میں تاکید آئی ہے۔
اگر حی علی الفلاح پر مقتدی اور امام کھڑے ہوتے ہیں تو صف سیدھی کرنے والی حدیث شریف پر عمل نہیں ہوتا ہے۔
دوسرے ابوداؤد شریف میں ہے کہ
حضور ﷺ پہلے صف سیدھی کروانے کے بعد پھر اقامت کہنے کی اجازت دیتے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اقامت میں بیٹھنا حضور ﷺ کے عمل سے ثابت نہیں ہے بلکہ کھڑا ہونا ثابت ہے۔ اس لیے آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ اس کا جواب سنت یا مستحب اور بیٹھنا کیا ہے؟ مع حدیث صحیحہ صفحہ نمبر کے جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) اذان یا اقامت کے وقت انگوٹھے کا چومنا کیسا ہے؟ جب کہ دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں
[illegible] عنایت فرمائیں۔

(۳) عصر وفجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا کیسا ہے؟ جب کہ امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے، پھر امام اعظم کے ماننے والے کیوں کرتے ہیں، دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور بدعت حرام ہے، اس لیے حضرت سے گزارش ہے کہ ان تمام سوالوں کے جواب مع حوالہ احادیث کریمہ اور اقوال فقہائے شریعت عظیمہ کے جواب جلد عنایت فرمائیں۔ کیونکہ چند دنوں سے ہمارے یہاں ان چیزوں کو لے کر ہنگامہ کھڑا ہو گیا ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی محمد نواب علی سانگانیر جے پور (راجستھان)

الجواب

(۱) بے شک حدیث شریف میں صفیں درست کرنے کا حکم آیا ہے۔

ارشاد نبوی ہے کہ: سووا صفوفکم فان تسویة الصفوف من اقامة الصلوة۔

(ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۱۳)

صفیں درست کرو اس لیے کہ صفوں کی درستگی نماز کی تکمیل ہے۔

اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ شروع میں جب تک لوگوں کو صفوں کی درستگی کی مشق نہیں تھی۔ رسول اللہ ﷺ صفوں کی درستگی کا اہتمام کرتے تھے۔

اسی ابوداؤد شریف میں ہے: کان النبی ﷺ یسوینا فی الصفوف کمایقوم القدح حتی اذا ظن قد اخذنا ذلك عنه وفقهنا اقبل ذات یوم بوجهه اذا رجل منتبذ بصدره فقال لتسون صفوفکم اولیخالفن الله بین وجوهکم۔ (ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۱۳)

حضور ﷺ ہماری صفوں کو ایسے درست کرتے جیسا کہ تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ یہ اس وقت تک رہا کہ ہم نے حضور کی بات سمجھ لی اور آپ کے اس حکم پر عمل درآمد کرنے لگے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور نے اس کے بعد یہ درستگی چھوڑ دی۔ تو ایک دن پیچھے کی طرف دیکھا تو ایک آدمی کا سینہ صف سے باہر تھا آپ نے فرمایا کہ صفیں درست کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں میں اختلاف ڈال دے گا۔

اولاً: لیکن یہ سوچنا کہ اگر حی علی الفلاح تک بیٹھے رہیں گے اور اس کے بعد کھڑے ہوں گے تو صف سیدھی نہ ہو سکے گی اور سیدھی کرنے والی حدیث پر عمل چھوٹ جائے گا۔ یا تو جہالت کی وجہ سے ہے یا بددیانتی کی وجہ سے ہے، صفوں کے سیدھا کرنے کا عمل لوہا سیدھا کرنے کی طرح نہیں ہے، کہ دیر تک آگ میں تپاؤ جب لوہا گرم ہو تو گھن مار کر سیدھا کرو، یہ تو سکنڈوں کا عمل ہے۔

حدیث شریف میں خود بتایا ہر آدمی اپنا ٹخنہ دوسرے کے ٹخنے کے سیدھ میں کرے اور کندھے

سے کندھا ملادے، آپ بتائیے جماعت میں لاکھ آدمی بھی ہوں کیا سب ایک ساتھ ایسا نہیں کر سکتے، جسم کے دوحصہ کو ایکدوسرے کے مقابل کرنا ہے آدھا منٹ بھی تو اس کام میں نہیں لگے گا۔

آپ ہمارا تجربہ سنئے قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ میں زمانہ قدیم سے ایک جامع مسجد تھی جس میں اس وقت ایک ساتھ پانچ ہزار آدمی نماز پڑھتے ہیں اور حی علی الفلاح سے کھڑا ہونا شروع کرتے ہیں اور حی علی الفلاح پر سیدھے ہوجاتے ہیں۔ صفیں بالکل سیدھی ہوجاتی ہیں۔ اس لیے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حی علی الفلاح تک بیٹھے رہیں تو صفیں سیدھی نہ ہوسکیں گی اور صف سیدھی کرنے والی حدیث پر عمل فوت ہوجائے گا۔

ثانیاً: صف سیدھی کرنے والی حدیث پر عمل فوت ہونے کا شگوفہ آج کل کے ہی لوگوں کو سوجھا بقیہ اور علماء ومحدثین جو آج سے چودہ سو سال سے (لگ بھگ) حدیثیں لکھ رہے ہیں پڑھا رہے ہیں پڑھ رہے ہیں ان کو یہ الجھن نظر نہ آئی، وہ برابر اپنی کتابوں میں دونوں مسئلوں کو ساتھ ساتھ لکھتے رہے اور انہیں کوئی تعارض نظر نہ آیا کہ بیٹھنے والی حدیث پر عمل کریں گے تو صف سیدھی کرنے والی حدیث پر عمل چھوٹ جائے گا۔

یہی ابوداؤد شریف جس کا حوالہ آپ نے دیا ص۱۱۲ باب تسویۃ الصفوف کے تحت یہ حدیثیں لکھتے ہیں۔ اسی کتاب کے اسی جلد کے ص ۹۶ پر لکھتے ہیں: باب فی الصلوۃ تقام ولم یات الامام ینتظر له قعودا ۔ جب اقامت ہو اور امام نہ آیا ہو تو بیٹھ کر امام کا انتظار کریں۔

حدیث نقل کرتے ہیں: اذا اقیمت الصلوة فلا تقوموا حتی ترونی ۔ (سنن نسائی ۲/ ۳۱) جب اقامت کہی جائے تو جب تک مجھے آتا دیکھ نہ لو ہرگز کھڑے مت ہو۔

یہی حدیث بخاری شریف میں بھی ہے۔ تو کیا اقامت ہوتے وقت کھڑا ہونے سے روک کر خود رسول اللہ نے اپنے حکم تسویۃ الصوف کے خلاف حکم دیا۔

معلوم ہوا کہ یہ سب واہیہ ہے تسویہ صفوف اور حی علی الصلوۃ تک بیٹھے رہنے میں کوئی منافات نہیں، اس لیے حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہو۔

بالفرض صفیں برابر کرنے میں کچھ دیر ہو تو امام تکبیر تحریمہ میں تاخیر کرے جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے: کان النبی ﷺ یسوی صفوفنا اذا قمنا للصلوة فاذا استوینا کبر ۔

(سنن ابو داؤد: ۱/ ۱۷۸)

جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوجائیں تو حضور ﷺ ہماری صفوں کو برابر کرتے۔ جب صفیں درست ہوجاتیں تو اللہ اکبر کہتے۔ یعنی تکبیر تحریمہ کرتے۔

معلوم ہوا کہ تسویہ کے بعد تکبیر تحریمہ ہوئی یعنی اگر تسویہ میں دیر ہوتی تو اسی حساب سے تحریمہ میں بھی تاخیر کرتے نہ یہ کہ بیٹھ کر اقامت سننا چھوڑ دیتے۔

ثالثاً: اگر کوئی شخص ان حیلہ وبہانہ کرنے والوں سے کہے کہ حضور ﷺ کا حکم ہے کہ اقامت ہو تو مت کھڑے ہو تو اگر آپ صفیں درست کرنے کے لیے پہلے سے کھڑے ہوں تو اس حدیث پر عمل نہیں ہوتا ہے وہ لوگ کیا جواب دیں گے کہ دونوں صورتوں میں بقول ان کے ایک حدیث پر عمل چھوٹتا ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہم کو ایسی کوئی حدیث نہ ملی کہ جماعت سیدھی کرنے کے بعد حضور ﷺ اقامت کہلاتے۔ غالباً اسی ایک حدیث سے کسی نے آپ کو دھوکہ دیا جس کو ہم نے اخیر میں لکھا ہے۔ فاذا استوینا کبر کیونکہ اس شخص نے تکبیر تحریمہ کو اقامت بتادیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب یہ مسئلہ کوئی آج کا نکالا نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور شرح وقایہ اور عالمگیری میں تفصیل سے لکھا کہ کھڑے ہو کر اقامت سننا مکروہ ہے اور تسویہ صف سنت ہے۔

(۲) حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۱۱ پر ہے:

ذكر القهستاني عن كنز العباد انه يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة صلى الله عليك يارسول الله وعند سماع الثانيةمنها قرة عيني بك يارسول الله اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفري الابهامين على العينين فانه ﷺ يكون قائدا له الى الجنة۔

(رد المحتار:باب الازان. ۲/۶۲)

وذكر الديلمي فى الفردوس من حديث ابى بكر رضى الله تعالىٰ عنه مرفوعا۔ من مسح العينين بباطن انملتي السبابتين بعد تقبيلهما عندسماع قول المؤذن اشهد ان محمد رسول الله مع قوله اشهد ان محمدا عبده ورسوله رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد نبيا حلت له شفاعتي-(المقاصد الحسنة:حديث ۱۰۲۱)

وكذا روى عن الخضر عليه السلام ۔ وبمثله يعمل فى الفضائل ۔

قہستانی نے کنز العباد سے نقل کیا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ پہلی بار اشهد ان محمد رسول الله سن کر صلى الله عليك يارسول الله کہے اور دوبارہ سنے تو قرة عيني بك يارسول الله کہے۔ یا اللہ تو مجھ کو میری آنکھ اور کان سے فائدہ دے، دونوں انگوٹھے آنکھ پر رکھ کر کہے تو رسول اللہ ﷺ جنت میں اس کے رہنما ہوں گے اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی کہ جو آدمی کلمہ کی دونوں انگلیوں کے باطنی حصہ سے آنکھوں کو چھوئے انہیں چوم کر مؤذن کے

اشھد ان محمد رسول اللہ کہنے کے وقت اور کہے میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اللہ کو رب مان کر راضی ہوا اسلام سے از روئے دین کے راضی ہوا۔ اور محمد ﷺ سے از روئے نبی کے راضی ہوا۔ تو اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی ایسا ہی خضر علیہ السلام سے بھی مروی ہے اور فضائل اعمال میں ایسی حدیثوں پر عمل جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ ان صاحبان کو عقل دے جو حدیث پر عمل کرنے کو بدعت قرار دیں، یہ صحیح ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر تمام علماء کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔

مزید بحث اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب کے رسالہ "منیر العین فی تقبیل الابھامین" میں دیکھیں۔

درمختار میں ہے: کالمصافحة ای کما تجوز المصافحة لانها سنة قديمه متوارثة لقوله عليه السلام من صافح اخاه المسلم وحرك يده تناثرت ذنوبه واطلاق المصنف تبعا للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والملتقى وغيرها يفيد جوازها مطلقا ولو بعد العصر وقولهم انه بدعة اى مباحة حسنة كما افاده النووى فى الاذكار وغيره فى غيره وعليه يحمل ما نقله عنه شارح المجمع من انها بعد العصر والفجر ليس بشئ توفيقا فتامله۔

(در مختار: ۹/ ٤٦٤)

مصافحہ جائز ہے اس لیے کہ یہ قدیم سنت حضور ﷺ کے زمانہ سے ہوتی چلی آئی ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنے بھائی سے مصافحہ کرے اور ہاتھ کو حرکت دے اس کے گناہ جھڑتے ہیں، مصنف نے مصافحہ کو مطلقا جائز لکھا کسی وقت کی تخصیص نہیں کی کہ فلاں وقت جائز اور فلاں وقت نہیں اور یہ مسئلہ فقہ کی اور کتابوں، مثلا کنز الدقائق، وقایہ، نقایہ، مجمع الانہر، ملتقی الابحر وغیرہ میں اسی طرح ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عصر کے بعد بھی جو مصافحہ کیا جائے وہ جائز ہے اور جن لوگوں نے اس کو بدعت کہا ہے ان کا مطلب بدعت حسنہ مباحہ ہے جیسا کہ امام نوی نے اپنی کتاب اذکار میں تحریر کیا ہے: یہی مطلب ہے شارح مجمع کی بات کا کہ عصر و فجر کے بعد مصافحہ کچھ نہیں یعنی فرض یا واجب نہیں۔ (جلد ۵ ص ۲۴۴)

تو فقہ حنفی کی مشہور اور متداول کتابوں میں تو یہ لکھا ہے کہ مصافحہ مطلقا جائز ہے، یعنی کسی وقت کی تخصیص نہیں کہ صرف فلاں وقت جائز اور فلاں وقت نہیں مصافحہ جب کرو جائز ہے تو یہ خبر آپ کو کہاں سے مل گئی کہ امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے۔ جس نے آپ سے کہا اس سے پوچھئے کہ کس کتاب میں یہ روایت ہے کہ عصر کے بعد مصافحہ کو امام اعظم نے مکروہ فرمایا، اگر یہ روایت وہ آپ کو نہ دکھا سکے تو جھوٹے

کے منہ پر تھوک دیجئے اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ جس نے اس کو بدعت کہا اس کی مراد بدعت حسنہ مباحہ ہے تو اس کو حرام کیسے کہتے ہیں جو لوگ حرام ہونے کے مدعی ہیں، ان سے کہئے کہ جس طرح حلال ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اسی طرح حرام ہونے کے لیے بھی اگر تم میں ذرا بھی غیرت ہو تو کوئی ایک صحیح حدیث ہی دکھا دو جس میں یہ حکم ہو کہ عصر کے بعد مصافحہ حرام ہے، اور اگر وہ یہ نہ دکھا سکیں اور ہرگز نہ دکھا سکیں گے تو کس منہ سے اس کو حرام کہتے ہیں، ہم نے حدیث شریف بھی روایت کی کہ مسلمان سے مصافحہ کرنے کا رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے اور اسی حدیث کی روشنی میں فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار کی عبارت بھی پیش کر دی کہ عصر کے بعد مصافحہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۶ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

(۸۱۔۸۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

(الف) دیہات کی جن مسجدوں میں قریب قریب دس سال سے نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے زید کا کہنا ہے کہ دیہات میں بھی صرف جمعہ کی نماز ادا کی جائے اور ظہر کی نماز باجماعت ادا نہ کی جائے۔

(ب) اثنائے خطبہ واذان خالی نام حضور لامع النور ﷺ سننے کے بعد امام ومصلی اپنے انگوٹھے چومیں یا نہیں؟

(ج) دوران خطبہ واذان ثانی درود پاک بر صاحب لولاک ﷺ باواز بلند پڑھیں یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب سے ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: رشید الحسن رضوی، مدرس مدرسہ حشمت العلوم گانڈیہ اترولہ بلرام پور

الجواب

(ا) زید کا کہنا غلط ہے۔ بہار شریعت میں عالم گیری کے حوالے سے لکھا ہے گاؤں میں جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز اذان واقامت کے ساتھ باجماعت پڑھیں۔ (حصہ سوم ص ۱۰۲)

(ب) اذان خطبہ کے جواب اور اس کے بعد دعا میں امام صاحب اور صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے، بچنا بہتر ہے اور کریں تو بھی حرج نہیں۔ اذان خطبہ میں نام پاک پر انگوٹھے چومنے کا بھی یہی حکم ہے۔ فتاویٰ رضویہ سوم باب الجمعہ ص ۴۸۰ ر میں یہی لکھا ہے جو اوپر تحریر ہوا۔ (فتاوی رضویہ جلد دوم باب الاذان میں تاکیداً منع فرمایا ہے) لیکن خطبہ میں محض سکون کا حکم ہے، خطبہ میں صرف نام سن کر دل میں درود شریف پڑھیں اور کچھ نہ کریں زبان کو جنبش بھی نہ دیں (حوالہ مذکورہ بالا) چومنے میں لوگ جو منھ

سے آواز نکالتے ہیں اس کو سختی سے منع کیا ہے چٹ چٹ کی آواز نہیں نکالنا چاہئے منع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

(۸۴_۸۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) صلاح الدین اذان دیتا ہے اور تمام نمازیوں کو صلاح الدین کی اذان پر اعتراض ہے یہاں تک کہ بعض آدمی صلاح الدین کی اذان دینے سے جماعت ترک کردیے ہیں اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ اذان کے کلمات غلط کہتا ہے اور وضو میں پچاس لوٹا سے زائد پانی خرچ کرتا ہے وضوء کرتے وقت لنگی تو تہائی حصہ تک بھیگا لیتا ہے اور نماز پڑھتے وقت ہاتھ پیر کی تمام انگلیوں کو کثرت سے حرکت کرتا ہے جیسے لگتا ہے کہ حالت نماز میں نہیں ہے اور دونوں پیروں کو آگے پیچھے کرتا رہتا ہے حالت نماز میں اور علم سے جاہل ہے یہاں تک کہ چند سورتیں درود وغیرہ تک یاد نہیں ہے اور بعد نماز رات ودن مسجد میں سوتا ہے اور کپڑا دھوکر مسجد میں پھیلا دیتا ہے اب صلاح الدین قابل مؤذن ہے یا نہیں اور صلاح الدین کا مذکورہ فعل کیسا ہے؟

(۲) صلاح الدین جبراً اذان دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر جبراً دے تو نمازی اور کمیٹی از روئے شرع اس کے ساتھ کیا طریقہ اپنائیں گے؟

(۳) غلط اذان سے اور تکبیر سے جماعت کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کراہت کیساتھ یا بغیر کراہت کے ساتھ اگر کراہت ہے تو کون سی؟

(۴) صلاح الدین کو اذان دینے سے اگر نمازی یا کمیٹی نہ روکے تو گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

(۵) صلاح الدین اگر نہ مانے اور جبرا اذان دے تو دوسرا آدمی اس کی اذان دوبارہ کہے گا یا نہیں؟ مذکورہ بالا سوالوں کا جواب قرآن حدیث کی روشنی میں مرحمت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: صدر یوسف علی مقام رپوتی بڑی مسجد بلیا یوپی ۲۲ را کتوبر ۱۹۹۸ء

الجواب

سائل نے اذان دینے میں صلاح الدین کی غلطی کا بار بار ذکر کیا مگر اس کی غلطی کی کوئی وضاحت نہیں کی کہ کس بات میں اور کیا غلطی کرتا ہے اور جب تک اس کی وضاحت نہ ہو صحیح جواب نہیں ہوسکتا۔

اور وضو میں پچاس لوٹے سے زائد پانی خرچ کرنے کا تعلق اذان سے براہ راست نہیں اس لیے اس سوال میں اس کا ذکر بیکار اس کا تعلق وضو سے ہے اور وضو میں اسراف کو علماء نے مکروہ بتایا ہے، مگر اسراف کی صورت میں بھی وضوء صحیح ہوجاتا ہے اور اذان تو بے وضو کے بھی صحیح ہوجاتی ہے اگرچہ اس طرح

اذان دینے کی ممانعت ہے، تو اذان کی صحت کے سلسلہ میں وضوء میں پانی کے صرف میں بے اعتدالی کا ذکر کس درجہ بے محل ہے اور اس سلسلے میں کپڑا بھیگے ہونے کا ذکر اور بھی بے موقع اور بے محل ہے کیونکہ اذان بھیگا ہوا پورا لباس پہنکر دی جائے تو اذان میں کوئی خلل نہیں تہ بند بھیگا ہونے سے کیا خلل ہوگا؟۔

بقیہ باتیں بھی ... ہیں جن کا اذان سے کوئی تعلق نہیں۔

البتہ اذان ... ایک مسئلہ یہ ہے کہ ہجڑے اور فاسق، نشہ والے، پاگل، جنبی، (بے غسل) کی اذان مکروہ ہے سب کی اذان کا اعادہ کیا ... ئے۔ (بہار شریعت)

فاسق جیسے داڑھی منڈھا، جھو... شرابی، ... وغیرہ گناہ کبیرہ کا علی الاعلان کرنے والا، تو صلاح الدین میں اگر یہ اور اس قسم کے عیب ہوں تو اس کی کہی ہوئی اذان دہرائی جائے اور دہرانے والا ان عیوب سے پاک ہو۔ صلاح الدین کی وجہ سے جن لوگوں نے جماعت چھوڑ دی غلط اور ناجائز کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۱ر رجب المرجب ۱۴۱۹ھ

(۸۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید اذان وتکبیر کہتے ہیں اور وہ دونوں میں کلمات غلط کہتے ہیں جیسے اللہ اکبر کو اللہ اکبر کہتے ہیں اور بعض اوقات میں اکبر کے بعد الف بڑھا دیتے ہیں اشھدان لا الہ الا اللہ کو اسھد ان لا الہ ای ل اللہ کہتے ہیں اشھد ان محمدرسول اللہ کو اسھد ان مھمدرسول اللہ کہتے ہیں، حی علی الصلوۃ کو ھیا ل الصلوۃ کہتے ہیں حی علی الفلاح کو ھیا ل الفلا کہتے ہیں "لا الہ الااللہ کو لا الہ الا" کہتے ہیں۔" قدقامت الصلاۃ کو کد کامت الصلا" کہتے ہیں اور اذان کے دوکلموں کے درمیان سکتہ نہیں کرتے ہیں اور بہت تیز رفتار میں اذان دیتے ہیں یہاں تک کہ ایک منٹ بھی نہیں لگتا ہے، اب زید کی اذان اور تکبیر صحیح ہے یا نہیں؟ اور زید قابل مؤذن ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہے تو لوٹائی جائے گی یا نہیں؟ اگر نہ لوٹائی جائے تو ایسی اذان اور تکبیر سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ صحیح ہوگی تو کراہت کے ساتھ یا نہیں؟ کراہت کے ساتھ تو کون سی کراہت؟ مذکورہ بالا سوالوں کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

مرسلہ یوسف علی مقام وپوسٹ رپوئی ضلع بلیا

الجواب

سائل نے اپنی تحریر میں اذان کی جن غلطیوں کی نشان دہی کی ہے ان میں بعض کو فقہ کی اصطلاح میں لحن کہتے ہیں، ایسی اذان کا جواب نہ دیا جائے بلکہ سنا بھی نہ جائے۔ ایسی اذان کہنا حرام ہے

(بہار شریعت سوم ص ۳۳ و ۳۸)

بعض ایسی صورت میں جب اذان مکروہ ہو اعادہ کا حکم ہے تو جب اذان صحیح ہی نہیں ہوئی تو ضرور لوٹانا چاہئے، نماز ایک علیحدہ عبادت ہے، اذان کی غلطی کا نماز پر اثر نہیں پڑتا نماز صحیح طور پر ادا کی گئی تو نماز ہو جائے گی۔ اذان کہنے یا غلط کہنے کا گناہ الگ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۸/ذوالقعدہ ۱۴۱۹ھ

مساجد کا بیان

مسئلہ (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ

چاروں طرف سے مسلمانوں کی آبادی ہے اور بیچ میں گرام سماج کی زمین ہے جو کسی کی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ زمین سرکار کی ہے اور جو لیکھ پال ہے وہ کہہ دیا ہے کہ میں اس زمین کو گرام سماج میں کاٹ دیتا ہوں ایسی حالت میں اس سرزمین پر اگر وہاں کے لوگ چاہیں تو مسجد بنوا سکتے ہیں کہ نہیں؟ آپ اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔ عین نوازش وکرم ہوگا۔ بینوا توجروا

المستفتی خان محمد انصاری گرم رحمت نگر (درگا کھیڑا) پوسٹ ادساوا یا رسول آباد ضلع اناؤ

الجواب

ایسی زمین پر مسلمانوں کا مسجد بنانا جائز ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

كأن الأرض كانت لبيت المال فحاز جعلهم اياها مسجدا۔

اور حدیث شریف میں ہے:

عادی الارض لله ولرسوله ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی مدرسہ شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ یوپی ۹/شوال المکرم ۱۴۰۶ھ

مسئلہ (۲): کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہمارے شہر جبل پور کی جامع مسجد میں جمیعۃ القریش رضا چوک مدار ٹیکری جس کی دائیں جانب توسیع کرتے وقت دو منزلہ جدید عمارت تیار کی گئی جس کی اوپری منزل کو ایک کشادہ ہال کی شکل دی گئی ہے جو کہ چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے، یہ کہ اس ہال میں پہلی صف میں کھڑے ہونے والے نمازیوں کو نیچے سڑک پر گزرتے لوگ نظر آتے ہیں اور سامنے پڑوسیوں کے مکانات کا پردہ باقی نہیں رہ جاتا ہے، اس ہال کی جدید تعمیر مسجد حرام کے محرابوں کے نقشے کو مدنظر رکھ کر کرائی گئی ہے، لہذا چند حضرات کا مشورہ ہے کہ اس

مسجد کی رونق میں اضافہ کے پیش نظر کھلا رکھا جائے، آپ سے گزارش ہے کہ مسائل شرعیہ کی روشنی میں فتوی صادر فرمائیں کہ آیا ہال کی محرابوں کو پردہ ہونے کے لحاظ سے موٹی یا باریک جالیوں سے دھندے شیشوں سے کچھ اونچائی تک ڈھک دیا جائے یا اس کے کھلا رکھا جانے میں کسی طرح کا حرج نہیں؟ فقط

طالب دعائے خیر: محمد ہارون قریشی مدار ٹیکری جبل پور مورخہ ۷ جون ۸۷ء

الجواب

صورت مسئولہ میں یہی صورت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ کچھ اونچائی تک اس طرح ڈھک دیا جائے کہ نمازیوں کی نگاہ سڑک اور گھروں میں نہ پڑے۔

حدیث شریف میں ہے:

خمروها فانه لاينبغي فى قبلة البيت شئ يلهى المصلى ـ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی دارالافتاء شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۸/ ذوقعدہ ۱۴۰۷ھ

(۳-۵) مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) ایک مفتی جو مصلے کو پیر کے انگوٹھے سے گھسیٹتے اور چھٹکتے ہوئے باہر کی طرف لے گئے جس میں خانہ کعبہ اور گنبد خضریٰ کا نقشہ بنا ہوا تھا۔

(۲) عید میلاد النبی ﷺ میں باجے بجانا یا بجوانا کیسا ہے؟

(۳) عید میلاد النبی میں ٹریکٹر ٹرالی کے اوپر ایک عمارت جس میں خانہ کعبہ، گنبد خضریٰ بنا ہوا تھا اور پیٹھ کے پیچھے رکھا ہوا تھا اور آگے آدمی بیٹھے ہوئے تھے، اس کے متعلق علمائے کرام کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی حبیب احمد مقام چھترپور ایم۔ پی

الجواب

کعبہ معظمہ اور گنبد خضریٰ کے نقشہ کی تعظیم مسلمانوں کو لازم ہے اور سائل نے جس طرح پاؤں سے ایسے مصلے کو کھسکانے کا ذکر کیا ہے ضرور ادب کے خلاف ہے، مولوی صاحب نے جان بوجھ کر توہین کی نیت سے ایسا کیا ہے تب تو ان کے دین وایمان کا خطرہ ہے لیکن ایسا کسی عام مسلمان کے بارے میں بھی نہیں سوچا جا سکتا چہ جائیکہ ایک مولوی صاحب جو خیر سے مفتی بھی کہے جاتے ہوں، اس لیے ہرگز ہرگز یہ کام مولوی صاحب نے جان بوجھ کر توہین کی نیت سے نہیں کیا بلکہ قرین قیاس یہی ہے کہ مصلی لپٹا ہوا پڑا تھا یا تو انہیں یہ پتا ہی نہ رہا کہ اس مصلی میں کعبہ شریف اور گنبد مبارک کا نقشہ ہے، یا بے خیالی میں بھی انہوں نے ہاتھ سے اٹھانے کے بجائے پاؤں سے کھسکا دیا، یہ بے خیالی میں ہی سہی بے ادبی ہوگی، مولوی

صاحب کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں عذر خواہ ہونا چاہئے اور آئندہ کے لیے عہد کریں کہ ایسا نہیں ہوگا، ایک بات اور ہے اس میں تنہا مولوی صاحب ہی قصوروار نہ ہوں گے وہ شخص بھی مجرم ہوگا جس نے اس بااحترام مصلے کو اوپر ٹانگنے کے بجائے ایسی جگہ ڈالا جہاں وہ پاؤں سے روندا جائے۔

عالمگیری میں ہے:

"اذ کتب اسم فرعون او کتب ابو جهل علی غرض یکره ان یرمی [illegible] الحروف الحرمة"

کسی چیز پر ابوجہل یا فرعون لکھ کر اس پر تیر وغیرہ سے نشانہ لگانا مکروہ ہے کیونکہ عربی حروف تہجی کی بھی تعظیم کرنے کا حکم ہے بلکہ ایسا مصلے خرید [illegible] ڈالنا اچھا نہیں کبھی کوئی پاؤں رکھدیتا ہے اور کوئی اسی پر سرین رکھکر جا بیٹھتا ہے۔ والعیاذ با[illegible]

(۲) باجا چاہے عید میلاد النبی ﷺ [illegible] بجوا [illegible] یں یا شادی بیاہ کی بارات میں یا اور کہیں ناجائز وحرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"کل لهو لها به المؤمن باطل الا ثلاث" (در منثور ۱۹۳/۳)

دوسری حدیث شریف میں ہے:

"لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحروا لحریر و [illegible]مر والمعازف"

(السنن الکبری للبیهقی: ۲۲۱/۱۰)

اگر وہ نقشے سر سے اوپر رہے ہوں تو کوئی حرج نہیں ورنہ بے ادبی ہوئی اس سے بچنا چاہئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

(۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

کہ اس دور کے مروجہ مصلے جو تمام ممالک اسلامیہ اور ہمارے ملک کی سبھی مساجد میں موجود ہیں جن پر ان مقدس مقامات کی تشبیہ بنی رہتی ہے۔ مثلاً خانہ کعبہ، بیت المقدس، سبز گنبد وغیرہا۔ اور ان جمیع مصلوں پر نمازیں پڑھی جاتی ہیں بعض مصلوں پر وہ شبیہیں حالت سجدہ میں سجدہ کرنے کی جگہ اور بعض حالت سجدہ میں گھٹنوں کی جگہ اور بعض حالت سجدہ میں قدم تک واقع ہو جائیں یا ہو جاتی ہیں تو ان مذکورہ مصلوں پر امام ومنفرد کا نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ایک ایسا مصلی جس پر ایک بالست حاشیہ کے اندر شبیہ بیت المقدس بنی ہوئی ہے اس پر امام

ومنفرد کا نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

یا ایسا مصلی جس پر ان مذکورہ مقامات مقدسہ کی شبیہ پورے مصلے پر بنی ہوئی ہو کہ بحالت قیام نماز قدم مصلی اسی پر واقع ہو ایسے مصلے پر امام یا منفرد کا نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

اگر اسی طرح کے مصلوں پر خطیب روز جمعہ مصلے کے کنارے کھڑا ہو کر نماز روزہ کے متعلق وعظ نصیحت کرے تو خطیب کا مصلے کے کنارے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

جب کعبہ کے اندرونی حصہ میں اور بضرورت اس کی چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے تو شبیہ پر نماز پڑھنے میں کوئی خرابی لازم آتی ہے یا نہیں اور اس خرابی سے نماز کی صحت پر کیا اثر پڑے گا نماز ہوگی یا نہیں؟ عین کا احترام مقدم ہے یا شبیہ کا۔

مندرجہ بالا مسائل کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی مولانا غلام یٰسین القادری مقام و پوسٹ مبارکپور ٹانڈہ ضلع فیض آباد یوپی

الجواب

کسی معظم دینی کی تعظیم اور توہین کا مدار اصل یا نقل پر نہیں ہے عرف وتعامل پر ہے یعنی عرف میں جو کام توہین کا سمجھا جاتا ہو وہ معاملہ توہین قرار دیا جائے گا۔ اور جس کو لوگ توہین نہیں سمجھتے وہ توہین نہیں اصل میں ہو یا نقل میں ہو، اسی طرح جو چیز اصل کے لیے باعث اہانت ہو ضروری نہیں کہ نقل کے لیے بھی ایسا ہی ہو و بالعکس، ہماری اس تقریر سے یہ بات خود واضح ہوگئی کہ بضرورت کوئی فعل کیا گیا ہو وہ عرف میں اہانت نہیں شمار ہوتا ہے۔

پس ان دونوں باتوں کو مصلے میں بنے ہوئے نقشے پر پاؤں رکھنے یا بیٹھنے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ انہیں مقامات مقدسہ کا نقشے کاغذ پر طغریٰ کی صورت میں بنائے جاتے ہیں تاکہ گھر میں دیواروں پر آویزاں کیے جائیں جن سے برکت کے ساتھ زینت بھی حاصل ہو اور نقشے اگر یونہی زمین پر ڈال دیئے جائیں تو لوگ اس کو توہین تصور کرتے ہیں ان کو روندنا یا ان پر بیٹھنا تو دور کی بات ہے۔

پس اولا ہمارے نزدیک ایسے مصلے استعمال ہی نہ کرنا چاہئے جن پر اس قسم کی مقدس شبیہیں بنی ہوں۔

﴿ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ [الحج:۳۲]

حکم ربانی ہے اور یہ فرش اور بچھونے ابتذال اور تہاون کی جگہ ہے۔

ہدایہ میں ہے: "ولو كانت الصورة على وسادة ملقاة او على بساط مفروش لايكره

لانها تداس وتوطأ بخلاف ما اذا كانت الوسادة منصوبة او كانت على الستر لانه تعظيم لها" (هدايه اولين:ص١٤٢)

اور بسا اوقات اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ مصلی پر بے خیالی میں بیٹھ گئے تو خاص شبیہ پر بیٹھ گئے وہی مصلی منبر پر بچھا دیا جاتا ہے اس وقت بھی یہی ناگوار صورت پیش آتی ہے، مقرروں کی تقریر کی کرسی پر لوگ بچھا دیتے ہیں تو مقرر صاحب یا تو اس مبارک شبیہ پر بیٹھتے ہیں یا اس سے پیٹھ لگا کر تقریر کرتے ہیں، یہ دونوں صورتیں بے ادبی کی ہیں اور کہیں کے لوگ ایسے باادب اور سلیقہ مند ہوں کہ مصلے کو اس قسم کی بدخیالی اور بے ادبی سے بچائیں صرف نماز کے لیے بچھائیں پھر اٹھا کر کسی بلند جگہ رکھیں تو بھی وہ مصلی رکھیں جس کے نصف بالائی حصہ پر ایسی شبیہیں بنی ہوئی ہیں جن مصلوں کے پورے حصہ پر یہ شبیہیں بنی ہوں ان پر پاؤں رکھنے یا پشت ٹکانے سے پرہیز کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو　　۴؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

(۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید ایک مسجد کی تعمیر کے لیے ایک کافر ہندو کے پاس گیا اور اس سے دو ہزار اینٹیں خریدیں اور ایک ہزار کا دام دے کر کہا کہ ایک ہزار اینٹ کی قیمت بعد میں دوں گا قریب ہی ایک کافر کھڑا تھا اس نے کہا کہ اگر میں اپنی طرف سے ایک ہزار اینٹ دیدوں تو کیسا ہے تم اس کو مسجد میں لگاؤ، اس پر زید نے جواب دیا کہ ہاں، کافر نے کہا کہ میں اس ایک ہزار اینٹ کی قیمت دے دیتا ہوں تم اس کو میری جانب سے مسجد میں لگا دو، اور نیز پہلی اینٹ میری ہی لگنی چاہیے، غرض زید نے ایسا ہی کیا اور مسجد تعمیر ہوگئی، کیا ایسی مسجد میں نماز پڑھنی جائز ہوگی جس میں کافر کی اینٹ لگی ہو اور زید پر کیا حکم نافذ ہوگا۔؟

المستفتی　محمد صدیق مقام ہرواس پور نبی نگر اورنگ آباد

الجواب

کافروں کا چندہ مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں۔

قرآن شریف میں ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ [التوبة:١٨]

مسجد آباد کرنے کا کام صرف مسلمانوں کا ہے۔

شامی میں لکھا ہے: "ان الله طيب لا يقبل الا الطيب"

اللہ تعالیٰ پاک ہے تو پاک مال کو ہی قبول فرماتا ہے۔

لیکن جب کہ پوری مسجد مسلمانوں کی رقم سے بنی زمین مسلمانوں کی ہے تو صرف کافر کی اینٹیں

لگا دینے سے وہ مسجد ہونے سے نہیں نکلے گی اور مسجد ہی رہے گی اس میں نماز جائز ہوگی اور مسئلہ مسئولہ میں تو اینٹ بھی کافر کی نہیں اس کو تو پہلے مسجد کے لیے خرید چکا تھا۔ البتہ اس میں سے ا[illegible] رکا دام غیر مسلم کی رقم سے ادا کیا گیا ہے اگر چہ ایسا نہ کرنا چاہئے تھا لیکن اس صورت میں اس رقم [illegible] اس اینٹ تک سرایت نہ کرے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۲۱ر ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ

(۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کے محلہ میں سرکاری غلہ کی دوکان ہے جس میں چینی گندم و چاول وغیرہ آتا ہے اور وہ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے لوگوں کو یہ اطلاع دیتا ہے کہ چینی گندم چاول مٹی کا تیل دوکان پر آ گیا ہے جن لوگوں کے پاس کارڈ ہو وہ جا کر لے لیں اور اس کے علاوہ کسی کا بچہ یا بکرا یا کوئی چیز گم ہوگئی ہو تو یا کسی کا انتقال ہو گیا یا میلاد شریف یا قرآن خوانی وغیرہ کا اعلان کرتا ہے اس پر بکر یہ کہتا ہے کہ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ان چیزوں کا اعلان کرنا جائز نہیں ہے اور اعلان کرنے پر اعتراض کرتا ہے۔ اب آپ شریعت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ مندرجہ ذیل چیزوں کی مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی عظیم اللہ خاں صدر مدرس غربیہ فیض العلوم محلہ عمر گنج ڈاک خانہ سیری ضلع بلیا

الجواب

لاؤڈ اسپیکر اگر مسجد کی آمدنی سے خریدا گیا ہے تو اس سے کسی دوسری چیز کے اعلان میں صرف نہیں کیا جا سکتا۔ اور اعلان کر دیا تو معاوضہ مسجد کو ادا کر دینا پڑے گا۔ اور لوگوں نے چندہ کر کے اس نیت سے لگایا ہو کہ اس سے مسجد کا کام بھی ہوگا اور افادہ عام کیلیے بھی ہوگا تو کوئی حرج نہیں۔

"انما الاعمال بالنیات" (مشکاۃ: ۱۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۷ر محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

(۹۔۱۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) ہمارے محلہ کی مسجد میں فرش کی مرمت دوبارہ ہوئی اور جو پہلے بچھے ہوئے پتھر تھے انہیں نکال دیا گیا اور اسے مسجد کے بازو میں جو مسجد کی جگہ تھی لیکن وہ خارج مسجد ہے اسی میں لگا دیا گیا ہے اس بچھے ہوئے پتھر پر جوتا چپل پہن کر چل سکتے ہیں شرعا کیا حکم ہے؟

(۲) جب کہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس پتھر پر سجدہ کیا گیا ہے اس پر جوتے چپل پہن کر نہ جانے میں دقت ہوتی ہے یا گرمیوں اور سردیوں میں تکلیف ہوتی ہے کیا ایسی حالت میں جوتے پہن کر جا سکتا

ہے کہ نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

(۳) اوراس مسئلہ کے بارے میں کیا حکم ہے کہ لوگ مسجد کی تعمیرات کے بعد جو سامان بذری، ریتا، یا بالو وغیرہ بچ جاتے ہیں کیا اسے بیچ کر مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ فقط

آپ کا عبدالسبحان خاں محلہ شکران قصبہ کرہل ضلع مین پوری

الجواب

درمختار میں ہے: "حشيش المسجد وكناسته لايلقى فى موضع يخل بالتعظيم" مسجد کا کوڑا کرکٹ ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں اس کی بے ادبی ہو۔

اور آپ کے وہاں تو خاص وہی پتھر ہے جس پر سالہا سال سجدہ ہوا ہے اور اس پر جوتا پہنے ہوئے چلنا جس کی طہارت کا بھی بھروسہ نہیں، ہمارے نزدیک ضرور اس کی بے ادبی ہے، اس لیے جوتا پہن کر اس پر نہ چلا جائے، موزہ پہن کر چلنے میں کوئی حرج نہیں، موزہ پہن کر تو نماز پڑھی جاتی ہے۔ ہاں گرمی اور سردی سے بچنے کے لیے ٹاٹ پٹی وغیرہ بچھا کر کوئی انتظام کرلیں۔

(۳) مسجد کا فرش اگر مسجد کے مال سے خریدا گیا تو متولی بیچ کر مسجد کے جس کام میں چاہے لگادے۔ چوکھٹ لکڑیاں کواڑ کڑی تختہ بیچ کر خاص عمارت مسجد کے کام میں صرف ہو۔ (فتاوی رضویہ)

جن چیزوں کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ ہم کو قسم اول کی معلوم ہوتی ہیں اس لیے انہیں بیچ کر مسجد کے کسی کام میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۳؍ جمادی الآخر ۱۴۱۰ھ

(۱۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

گرمی کے موسم میں جس وقت لائٹ یا بجلی نہیں رہتی ہے اس وقت محراب کو چھوڑ کر مسجد کے باہر جماعت ہوتی ہے۔ تو کیا مسجد کے اندر یا باہر جماعت ہونے میں ثواب میں کمی وبیشی ہوتی ہے یا نہیں۔ زید کہتا ہے مسجد کے اندر ثواب زیادہ ہے اور مسجد کے باہر جماعت میں ثواب کم کیا یہ بات صحیح ہے؟ مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ نیز زید کا کہنا یہ بھی ہے کہ دائیں طرف نماز پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد کبیرالدین قادری مدینہ مسجد سادلپور، ضلع چورو راجستھان

الجواب

مسجد کے جتنے حصہ پر چھت بنی ہوئی ہے اس کو فقہا مسجد شتوی (جاڑے کی مسجد) کہتے ہیں او

رجتنا حصہ کھلا ہوا ہے اس کو مسجد صیفی (گرمی کی مسجد) کہا جاتا ہے۔اس اعتبار سے نماز چاہے باہر کے حصہ میں پڑھی چاہے چھت دار حصہ میں ثواب میں کوئی کمی زیادتی نہیں۔

البتہ امام کو مسجد کے ٹھیک بیچ میں کھڑا ہونا اور مقتدیوں کا اس کے دونوں طرف (دائیں او ربائیں) برابر کھڑا ہونا سنت متوارثہ ہے۔درایہ شرح ہدایہ میں ہے:

"السنة ان يقوم الامام وسط الصف" اور مبسوط امام بکر خواہرزادہ میں ہے:" ولو قام فی احد جانبی الصف يكره"

مسجد کے اندرونی حصہ میں مغربی دیوار میں جو محراب بنتی ہے اگر وسط میں نہ بنی ہو تو غلط ہے امام کو اس جگہ نہ کھڑا ہونا چاہئے، بلکہ دائیں یا بائیں وہاں کھڑا ہو جہاں بیچ ہو۔وہی محراب حقیقی ہے اور صیفی مسجد اگر ٹھیک اندرونی مسجد کی سیدھ میں پورب طرف بنی ہے تو اس میں بھی امام کو ٹھیک اندرونی مسجد کے سیدھ پر کھڑا ہونا چاہے اور باہری مسجد اندرونی مسجد سے دائیں بائیں ہٹ کر بنی ہو تو اندر اس کے بیچ میں اور باہر باہری مسجد کے بیچ میں کھڑا ہو،امام کے دائیں کھڑے ہونے میں فضیلت زیادہ ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم شمس العلوم گھوسی ۱۵/رجب ۱۴۲۱

(۱۳-۱۵)**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) گیس سلنڈر مسجد میں جلانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے اپنی زوجہ کی خواہر سے ہم بستری کی،ایسی صورت میں زید کے نکاح میں کوئی حرج واقع ہوگا یا نہیں؟ نیز زید کی زوجہ زید پر حلال رہے گی یا نہیں؟

(۳) بعض جگہوں پر کچھ لوگ ہولی کے چودہویں اور پندرہویں دن پوری اور گلگلے پکاتے ہیں اور چودہ گلگلوں پر مراد بیوی کی فاتحہ دلاتے ہیں اور کچھ اس طرح کی روایت بیان کرتے ہیں کہ:

"ہولیکا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر عاشق ہوگئی تھیں پھر ایمان لائی تھیں جس سے کفار جلنے لگے اور اس کو جلانے کا ارادہ کیا یہاں تک کہ انڈ کے پیڑ پر چڑھ کر غائب ہوگئی۔جب ان لوگوں نے اسے نہ پایا تو اسی پیڑ میں آگ لگادی یہاں تک کہ جمع کردہ لکڑیاں تو جل گئیں مگر انڈ کا پیڑ نہیں جلا،وہی اب تک ہوتا چلا آرہا ہے کہ انڈ کا پیڑ آج بھی نہیں جلتا"

تو آیا یہ روایت کیسی ہے؟ نیز پوری گلگلے کے پکانے،اس پر چودہ گلگلوں پر مراد بیوی (بیان کے مطابق ہولیکا کا نام مراد رکھا گیا) کی فاتحہ دلانے کا رواج درست ہے یا نہیں؟ نیز اس روایت کو موقوف کرنا چاہئے کہ نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: نور محمد نوری کمہارا سیتاپور

الجواب

(۱) مسجد میں بدبودار چیز لے جانا حرام ہے: ''فتاوی رضویہ'' چولھے میں استعمال ہونے والی گیس میں کبھی کبھی بدبو پھیلتی ہے اس حالت میں اس کا مسجد میں لے جانا جلانا ضرور ناجائز اور ممنوع ہوگا اور بدبو نہ ہو تو جلانا جائز ہوگا۔

(۲) فتاوی رضویہ جلد پنجم صفحہ ۱۱۰ر میں ہے بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح حرام ہے اور نکاح کرنے والے پر فرض ہے کہ سالی کو ہاتھ نہ لگائے اور اسے فوراً چھوڑ دے، زنا تو ہر حال میں حرام ہی ہے لیکن سالی سے صرف نکاح کرنے یا زنا کرنے سے عورت پر طلاق نہیں پڑتی ہے اور سالی سے زنا کے سبب سے بیوی حرام نہیں ہوتی۔ درمختار میں ہے:

”وطی اخت امرأته لا تحرم عليه امرأته“ (درمختار: ٤/٨٨)

یوں ہی سالی سے صرف نکاح بلا جماع سے بیوی کی صحبت حرام نہیں ہوتی۔ ہاں سالی سے نکاح کے بعد صحبت بھی کرلی تو عورت حرام ہوگئی جب تک کہ سالی کو نہ چھوڑے اور اس کی عدت نہ گذر جائے۔

(۳) ہولیکا کے بارے میں جو آپ نے روایت لکھی ہے ہم نے نہ کہیں دیکھی نہ کہیں پڑھی نہ سنی، البتہ فرہنگ آصفیہ میں یہ تحریر ہے:

راجہ ہرناکش جو اپنے کو خدا کہتا تھا اور لوگوں سے پجواتا تھا، اس کا لڑکا پرہلاد اس کے خلاف اور خداپرست تھا راجہ نے خداپرستی سے پھیرنے کے لیے بڑی کوشش کی اور جب وہ کسی طرح خداپرستی سے نہیں پھرا تو اس کو آگ میں جلانا چاہا تو ہولیکا نے جو اس کی بہن تھی اور اس کے پاس آگ میں نہ جلنے والا لباس تھا اس کو پہن کر اور پرہلاد کو گود میں لے کر بیٹھی کہ میں کپڑے کی وجہ سے بچ جاؤں گی اور یہ جل جائے گا، تو پرہلاد تو نہ جلا ہولیکا ہی جل گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہولیکا مشرک اور موحد دشمن بن کر جلی پھر ہولیکا اور اس کا سارا تہوار ہندوستان میں منایا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ ہندوستان کا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی ہندوستان میں آئے ہی نہیں اور نہ ہولیکا کے عراق جانے اور رسم آگ زنی میں شرکت کی کوئی سند ہے۔ ادھر اسلامی تاریخوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صرف دو بیویاں سارہ اور ہاجرہ کا ذکر آتا ہے اس لیے ہم کو تو یہ سارا واقعہ ہی بے سند معلوم ہوتا ہے اور کسی فرضی اور بے بنیاد قصے کی بنیاد پر کسی فرضی ذات کو ایصال ثواب کرنا ناجائز اور ایسی رسم کی پابندی بھی شرعاً ممنوع ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۷ر شعبان ۱۴۲۱ھ

(۱۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید قرآن پاک کے جزدان ورحل کو روزانہ روندتا ہے اور کچھ لوگ اس کی مدد کرتے ہیں جب کہ علمائے کرام بیان کرتے ہیں کہ جو کلام الٰہی سے مس ہو گیا اس کی بہت اہمیت ہو جاتی ہے، لہذا اس بارے میں مسائل شرعیہ کی روشنی میں مدلل اور واضح جواب تحریر فرمایئے، اور یہ بھی کہ ان دونوں کے بارے میں شرعی حکم کیا نافذ ہوتا ہے، یعنی جو رحل وجزدان کی بے حرمتی کرتا ہے اس کو منع کرنے پر کچھ لوگ اس کی مدد کرتے ہیں، یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت کی رو سے غلط نہیں ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی: محمد جمیل عالم گھوسی

الجواب

غیر معتکف کو مسجد میں سونا مکروہ تحریمی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں ”اور ظاہر ہے کہ مسجدیں سونے، کھانے، پینے، کو نہ بنیں تو غیر معتکف کو ان میں ان افعال کی اجازت نہیں اور بلا شبہ اگر ان افعال کا دروازہ کھولا جائے تو زمانہ فاسد ہے اور قلوب ادب وہیبت سے خالی، مسجدیں چوپال ہو جائیں گی اور ان کی بے حرمتی ہوگی۔ ”کل ما ادعی الی محظور محظور“

(فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۱۵/ ۶۱۶)

اسی طرح آدمی مسجد میں ہو تو اذان کے وقت بلا ضرورت نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر نکل جائے یہ مکروہ تحریمی ہے: ”و کرہ تحریما خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ“

(شامی درمختار ص ۴۷۹)

اور حدیث شریف میں اذان سن کر بھاگنے کو شیطان کی حرکت بتایا ہے، سائل نے رحل اور جزدان کی بے حرمتی کے سلسلہ میں روندنے کا نام لیا ہے، روندا پیر سے جاتا ہے تو اگر واقعی زید نے رحل اور جزدان کے ساتھ تحقیراً یہ حرکت کی ہے تو سخت گنہگار ہے اسے توبہ کرنا چاہیے۔

قرآن عظیم میں ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

[المائدہ: ۲]

نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور سرکشی میں کسی کی حمایت نہ

واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو یکم محرم ۱۴۲۱ھ

(۱۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

جاڑے کے دنوں میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ظہر اور عصر کی فرض نماز دھوپ میں پڑھی جاتی ہے

اور فجر، مغرب، عشاء کی نماز ممبر کے پاس اسی طرح گرمی کے دنوں میں عشاء کی نماز بھی آنگن (مسجد) میں پڑھی جاتی ہے، ممبر کے پاس نماز پڑھنے اور صحن یا آنگن میں نماز پڑھنے پر ثواب وافضلیت میں کوئی فرق؟ اسی طرح دوسرا مسئلہ تکبیر کا ہے۔ تکبیر امام کے پیچھے سے کہنی چاہئے یا امام کے داہنی طرف سے۔

احقر: الحاج شاکر علی مسجد احمدی، سوداگر محلہ بسنت پور گورکھپور ۲۹؍جنوری ۲۰۰۲ء

الجواب

عام طور سے دنیا کے ہر خطہ میں مسجد کا کچھ حصہ چھت لگا کر اور چاروں طرف سے گھیر کر بناتے ہیں اور کچھ حصہ کھلا رکھتے ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں دونوں کو مسجد کہا گیا ہے، اول کو شتوی کہا جاتا ہے اور دوسرے کو صیفی۔ اس طرز تعمیر سے بنانے والوں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ حسب ضرورت بارش برف اور سخت دھوپ سے بچا جائے اور دھوپ میں بیٹھنے اور گرمی سے بچنے میں کام آئے۔

(فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۶۰۰)

اور یہ دونوں حصے حقیقۃً مسجد ہیں۔ اس موضوع پر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان نے ایک رسالہ تحریر کیا "التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد" تفصیل کے لیے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ان دونوں حصوں میں جہاں نماز پڑھی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا، اس کے کسی حصہ میں کوئی ذاتی فضیلت نہیں کہ یہاں ثواب زیادہ ملے اور یہاں کم صف میں دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے۔ تو چھت والے حصہ میں بھی افضل ہے، ایسے ہی صحن والے حصہ میں بھی تو دائیں اور بائیں میں افضل اور مفضول ہوا، لیکن اس میں اندر اور باہر کی کوئی تفریق نہیں، مسجد مسقف (چھت والی) اور غیر مسقف (صحن) دونوں ہی میں امام کے دائیں بائیں، اب ایک اور مسئلہ سنئے مسجد کی لمبان اتر دکھن اگر سو فٹ ہے تو اس کا بیچ یعنی ۵۰؍فٹ حقیقی محراب ہے۔ وہاں محراب کی صورت اگر بنی ہو تب بھی اور محراب کی صورت نہ بنی ہو تب بھی اور جس طرح پچھم طرف پچاس فٹ پر محراب ہے۔ اسی طرح پورب طرف ۵۰؍فٹ پر محراب ہے۔ یعنی مسجد کے بیچوں بیچ پچھم سے پورب صحن کے اخیر تک جو خط چلا گیا ہے وہی محراب ہے، اندر صف قائم ہو تو امام اسی خط پر کھڑا ہو اور باہر جماعت کی جائے۔ تو امام کو اسی کی محاذات میں کھڑا ہونا چاہئے اور صف امام کے پیچھے دونوں طرف برابر قائم کی جائے تو سنت پر عمل ہوا۔ اور امام محراب میں نہ کھڑا ہو اور اس کے دو چار فٹ دائیں یا بائیں ہٹ کر کھڑا ہوا تو خلاف سنت ہے۔ اور پوری جماعت چاہے اندر ہو یا باہر محراب سے منحرف ہو کر کھڑی ہو تو غلط ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ اندر و باہر یا صحن میں جہاں پڑھا جائے مسجد کا ہی ثواب ہے۔ تکبیر امام کے پیچھے مسجد میں کہی جائے کہ پوری مسجد کے مصلیوں

کے لیے نماز کے شروع ہونے کا اعلان ہے تو وسط ہی مناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۱؍ذو القعدہ ۱۴۲۲ھ

(۱۸) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک قدیم مسجد از سرنو تعمیر ہو رہی ہے اور اس مسجد میں نماز جمعہ اور پنج وقتہ نماز بھی قدیم زمانہ سے ہوتی چلی آرہی ہے جگہ کی کافی قلت کی وجہ سے محلہ کے پنچان ومصلیان نے بیٹھ کر سوچ سمجھ کر مسجد کے نچلے حصہ کو بطور تہہ خانہ تعمیر کرایا اور اس کے اوپر مسجد کا مکمل حصہ بنوایا تہہ خانہ ایسا بنایا کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے، مگر اس میں اس وقت نماز بھی ہو رہی ہے، اب مسجد تین منزل کی بن کر تیار ہو چکی ہے اور مصلیان یہ سوچ رہے ہیں کہ اب ہم لوگ تہہ خانہ کے اوپر والی منزل میں پنج وقتہ نماز اور نماز جمعہ ادا کریں اور نماز جمعہ کے وقت لوگوں کی تعداد بڑھنے پر نیچے بھی نماز پڑھی جائے اور اس کے اوپر والی منزل میں بھی نماز پڑھی جائے اور ضرورت پڑنے پر تہہ خانہ میں مسجد کا سامان مثلاً چاندنی، چٹائی، دری بھی رکھی جائے۔ ایسی صورت میں تہہ خانہ کے اوپر نماز پڑھا جانا درست ہے کہ نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد فاروق محلہ تکیہ سریاں۔ بنارس

الجواب

صورت مسئولہ میں مسجد اصلی وہ نچلا حصہ ہی ہے جس کو آپ نے اب تہہ خانہ بنا دیا اور دوسری اور تیسری منزل مسجد کی چھت ہے اور بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے، اس لیے نماز پنجگانہ ہو یا نماز جمعہ جماعت اس نچلی منزل پر کی جائے جب آدمی زیادہ ہو جائیں اور نیچے جگہ نہ ہو تو اوپر کی منزل پر اور وہ بھی بھر جائے پھر اس سے اوپر کی منزل پر کی جائیں اور چونکہ نچلی اصل مسجد ہے تو وہاں ایسا سامان رکھنا جس کے نماز پڑھنے والوں کی جگہ گھرے ممنوع و ناجائز ہوگا، یہ سب تفصیل فتاوی رضویہ میں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو یکم محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

(۱۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کے والد صاحب متولی نے عیدگاہ اور اس سے متعلق زمین وقف کی تھی زید کے والد صاحب کے انتقال کے بعد زید اس جائداد موقوفہ کا متولی ہے اس عیدگاہ کے قریب ایک مسجد ہے مسجد کی توسیع کے لیے مسجد کے ذمہ داران مسجد کے پاس کی زمین وقف زید سے مانگ رہے ہیں، کیا زید جائداد موقوفہ سے کچھ حصہ اہل مسجد کو دے سکتا ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں صورت مسئولہ کی وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: شاہ عالم نزد محمد ابراہیم مستری مسجد بلرام پور

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر مسجد میں تنگی اور مسجد کی توسیع ضروری ہو اور اس زمین کو مسجد میں شامل کرنے سے عیدگاہ میں کوئی تنگی نہ ہو تو دے سکتے ہیں (خلاصہ تصریحات فتاوی رضویہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۵؍جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ

(۲۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

سنی جامع مسجد جس کے تحت یہاں کے عرف کے اعتبار سے ایک مکتب زمانہ قدیم سے چلتا آرہا ہے اور قریبا بیس سال سے اسے فروغ دے کر اسی سے ملحق ایک دار العلوم قائم ہو چکا ہے جس میں اس وقت درس عالیہ تک تعلیم جاری وساری ہے اس وقت مسجد کا جدید جامعہ کمپلیکس تعمیر ہونے جارہا ہے جس کی تکمیل کے بعد مسجد کی آمدنی میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا یہ کمپلیکس مسجد کے احاطہ میں مین گیٹ کی طرف واقع ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس گرانی کے دور میں بہت سارے غریب ونادار بچے تعلیمی اخراجات کو برداشت نہیں کر پاتے اور تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں ایسے بچوں کی اردو، انگریزی اور صوبائی زبان کی تعلیم ایل، کے، جی، سے ہائی اسکول دسویں جماعت تک کے لیے ایک ایسے اسکول کا قیام جس کے تمام تر مصارف مسجد ہذا کے ذمہ ہوں، از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ٹی نور محمد سکریٹری سنی جامع مسجد گاندھی بازار شیموگہ

الجواب

وقفی جائداد کی آمدنی اسی مصرف میں صرف ہوگی جس کام کے لیے وہ وقف کی گئی ہے۔ آپ کے بیان سے یہ ظاہر ہے کہ وہ جائداد مسجد کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دینی تعلیم میں بھی وہ صرف ہو سکتی ہے۔ آپ نے دنیوی تعلیم اور ہائی اسکول کا ذکر کیا اس میں یہ رقم صرف کرنا ناجائز وحرام ہے۔ یہ وقف کا بدلنا ہوا اور فقہ کی عام کتابوں میں ہے: لا یجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۲؍جمادی الاولی ۱۴۲۴ھ

(۲۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے اپنی زمین میں ایک مسجد تعمیر کروائی زید کے انتقال کے بعد ان کے فرزند عمرو نے اس مسجد کے آنگن کو وسیع کرنے کی غرض سے اس کے در ودیوار کو شہید کیا اور مسجد کی توسیع کرنے میں مسجد کے پوربی حصہ کی زمین زیادہ استعمال کی بغرض وضوخانہ کے مسجد کے پورب جانب گرام سماج کی زمین جو کہ

چار پانچ کلو میٹر دوری کے عام پانی بہنے کا نالا بنا ہوا تھا، اس نالا کے اوپر وضو خانہ قائم کیا اور وضو خانہ کے نیچے سے پانی بہنے کا راستہ جاری رکھا مگر نالہ کی کشادگی میں کمی آگئی ساتھ ہی ساتھ واضح رہے کہ عمرو کی ذاتی زمین مسجد کے پچھم اور دکھن کافی موجود ہے، ایسی صورت میں وضو خانہ کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ کیا تعمیر کرنے والے غاصب کہلائیں گے یا نہیں؟ یہ بھی فرمائیں کہ اس وضو خانہ پر وضو کر کے نماز پڑھنے سے صحت نماز میں کمی واقع تو نہیں ہوگی۔ بینوا توجروا المستفتی: فریاد احمد خان ندوا سرائے مئو

الجواب

ایسی زمین کو اردو میں نزول کی زمین کہتے ہیں، جو کسی خاص فرد کی ملکیت نہیں ہوتی، گاؤں کے عام لوگوں کے لیے ہوتی ہے، اس کے لیے حدیث شریف میں ہے: عادی الارض لله ولرسوله۔

(السنن الکبری: ٦/١٤٣)

ایسی زمین کو اگر مسجد میں شامل کر لیا گیا اور کسی کو کوئی اعتراض نہیں تو وہ مسجد ہوگئی۔

عالم گیری میں خاص صورت مسئولہ کا جزئیہ مذکور ہے:

فی نوارد هشام سالت محمد ابن حسن عن نهر قرية كثيرة الاهل لايحصى عددهم وهونهر قناة او نهروا دلهم خاصة اراد قوم يعمروا بعض هذا النهرو يبنوا عليه مسجدا ولايضر ذلك بالنهرو لايتعرض لهم احد من اهل النهر قال محمد رحمة الله تعالىٰ عليه يسعهم ان يبنوا ذلك المسجد للعامة او المحلة۔(عالم گیری: ٢/٤٩٨)

حضرت ہشام نے محمد ابن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا ایک بہت بڑی آبادی ہے اور اس میں بیشمار آدمی ہیں اور وہاں سے کوئی نالہ یا نہر بہہ رہا ہے ان میں کچھ لوگوں نے چاہا کہ اس پر تعمیر کریں اور اس پر ایک مسجد بنادیں جس سے نہ تو اس نہر کے بہاؤ میں کوئی کمی ہے نہ بستی والوں میں سے کسی کو اس سے نقصان ہے، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا عام لوگوں کے لیے ایسی مسجد بنا سکتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مسجد ہوگئی اور اس میں نماز پڑھنی جائز ہے حضور ﷺ کا فرمان ہے:

جعلت الارض کلهالي ولأمتي مسجدا۔ (مسند امام احمد بن حنبل ٧/٣٨٧)

میرے لیے اور میری امت کے لیے ساری زمین مسجد بنائی گئی۔

البتہ فتنہ وفساد سے بچنا چاہئے۔ ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ -[البقرة: ١٩١]

فتنہ قتل سے بھی برا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ١٧/ رجب ١٤٢٢ھ

(۴۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

پرانی مسجد کے احاطہ (گراونڈ) میں ایک پرانا نیم کا درخت ہے اور اس کے نیچے دو قبریں ہیں ایک قبر بہت پرانی ہے یہ معلوم نہیں کہ قبل تعمیر مسجد ہے یا بعد تعمیر مسجد، صاحب قبر کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے کہ کون ہیں، پہلے کچی قبر کی شکل میں تھی بعد میں پکی کردی گئی اور اس قبر پر غلاف چڑھا رہتا ہے کبھی کبھی پھول بھی چڑھا دیتے ہیں آیا اس پرانی نامعلوم قبر پر غلاف اور پھول چڑھانا درست ہے یا نہیں؟ دوسری قبر نئی ہے جو چار پانچ سال قبل میت کو دفنایا گیا ہے یہ دونوں قبر ایک دوسرے کے متصل ہیں، دونوں اطراف کے کمروں سے اخراجات اب تک پورے کئے جاتے رہے، اب نیم کا درخت نکال کر قبروں کے دونوں اطراف کے کمروں کے اوپر مسجد کی آمدنی کے لیے کمرے بنانا چاہتے ہیں، ساتھ ساتھ دونوں قبروں کے اوپر مسجد کی آمدنی کے لیے روم بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس نیم کے درخت کو کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ مسجد بیچ شہر میں ہے مسجد کے اخراجات روم ہی کے کرایہ پر منحصر ہیں۔

جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں جو شریعت کا حکم ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا شریعت کے حکم کا شدت سے انتظار ہے۔ المستفتی: اراکین ومتولی مٹی مسجد ہاویری کرناٹک

الجواب

آپ نے اپنے سوال میں حقیقت حال کو مبہم رکھا ہے، ہمارے علاقہ میں تو آبادی کا بھی نقشہ اور خسرہ ہوتا ہے، اور کاشتکاری کی زمین کا بھی نقشہ اور کھتونی ہوتی ہے اور ضلع کے محافظ خانہ سے اس کی نقل دستیاب ہو جاتی ہے جس سے زمین کے مختلف ٹکڑوں کی نوعیت کس وقت کیا تھی اور اب کیا ہے معلوم ہو جاتی ہے۔

آپ کے مبہم بیان اور قدیم عہد سے وہاں قبر ہونے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زمین کا وہ ٹکڑا جس میں قبر واقع ہے مسجد پر وقف نہ تھا ورنہ مسجد کی ملکیت میں قبر کیسے بنتی، شاید بعد میں چہار دیواری کے ذریعہ اس جگہ کو مسجد کے احاطہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔

ایسی صورت میں مسجد اگر تنگ ہو جاتی اور توسیع کی ضرورت محسوس ہوتی اور توسیع کے اندر وہ قبریں بھی مسجد میں آجاتیں تو انہیں کھود کر فرش کے برابر کرنا جائز نہ ہوتا، بلکہ قبریں جوں کی توں باقی رکھیں جاتیں اور ان کے پورب طرف قبر کی لمبائی میں ڈیڑھ دو ہاتھ اونچا ایک پردہ بنا دیا جاتا کہ قبر کی پورب طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والوں کا رخ قبر کی طرف نہ ہوتا کہ یہ مکروہ ہے اور موجودہ صورت میں تو آپ صاحبان مسجد کی آمدنی میں اضافہ کے لیے ان قبروں پر دوکان بنانا چاہتے ہیں تو ان قبروں

کو کھود نے یا ان پر مٹی پاٹ کر رہائش یا تجارت کرنے کی شرعا کیسے اجازت ہوگی۔

فتاوی رضویہ جلد ششم ص ۴۴۰ پر ہے:

زمین میں مسجد بنائی جائے اور قبر نکلے تب بھی وہ جگہ ضرور مسجد ہے اور اس میں نماز جائز ہے اور اس کی حفاظت واجب ہے اور قبریں جو نکلی ہیں ان پر نماز نہ پڑھیں اور ان کی طرف نماز نہ پڑھیں اس کے برابر آگے، دائیں اور بائیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، قبر کے مشرقی جانب آدھ گز بلند ایک اینٹ کا سترہ قائم کریں پھر اس طرف بھی نماز جائز ہو جائے گی۔

تو موجودہ صورت میں مذکورہ قبروں پر دوکان یا مکان بنانا جائز نہ ہوگا، البتہ دونوں قبروں کے چاروں کونوں کے قریب ستون قائم کر کے اتنی بلندی پر اس پر چھت ڈال دی جائے کہ فاتحہ پڑھنے والے کھڑے ہو کر بہ اطمینان فاتحہ پڑھ سکیں اور اس چھت پر مسجد کی آمدنی کے لیے دوکان قائم کی جائے تو جائز ہوگا۔

اسی کتاب میں ص ۴۹۱ پر ہے: اور زمین اگر اپنی ملک ہے تو اس کو اس طرح مسقف کرنا کہ دیوا ریا پایہ عین کسی قبر پر نصب ہو جائز نہیں کہ اس میں میت کی ایذا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: انزل عن القبر لا تؤذ صاحب القبر۔ (کنز العمال: ۴۲۶۰۵)

درخت بہت پرانا ہے اگر اس کا کوئی دعویدار نہ ہو تو ظاہر یہی ہے کہ وہ مسجد کا ہے اسے کاٹ کر اس کی قیمت مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے۔

(۲) مسلمانوں کی قبروں پر پھول یا ہری ڈالیاں رکھنا مستحب ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لعلهما يخفف عنهما مالم ييبسا (مسند امام احمد بن حنبل: ۱/ ۱۰۶)

یعنی جب تک ڈالیاں ہری رہیں گی میت کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اسے تسلی اور انس حاصل ہوگا اور نیک و بد ہر قسم کے مسلمانوں کی قبر پر ہو سکتا ہے کہ یہ کام ایصال ثواب کی طرح ہے کہ نیک اور بد دونوں کو ایصال کیا جاسکتا ہے اور غلاف اور چادر حضرات علماء اور اولیاء کی خصوصیت ہے تو جس صاحب قبر کا نیک عالم وصالح ہونا معلوم و مشہور ہو ان کی قبر پر غلاف ڈال سکتے ہیں، عام مردوں کی قبر پر غلاف نہ ڈالا جائے۔ واللہ تعالی اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲ ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ

(۲۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

لوگوں نے زید کو مسجد کی عمارت کا مالک بنایا لوگوں نے مسجد کے لیے وصولی کر کے پیسہ زید کو دیا،

زید نے پیسہ لے کر مسجد کی عمارت کا سامان خرید کر رکھدیا، اس وقت خالد نے مسجد کا سامان بیچ کر ٹی وی خریدا اور باقی پیسہ مسجد کے منیجر بکر نے اپنے کام میں لگالیا۔ تو صورت مسئولہ میں زید خالد اور بکر کے لیے کیا حکم ہے؟ بحوالہ قرآن وحدیث وفقہ بالتفصیل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد مطیع الرحمٰن مقام مونہی پوسٹ پچھیا ضلع مغربی چمپارن

الجواب

جو شخص مسجد کی رقم اپنے ذاتی صرفہ میں خرچ کرے یا مسجد کے علاوہ کسی دوسرے نیک کام میں ہی خرچ کرے، ایسا کرنا ناجائز وحرام ہے۔ درمختار میں ہے:

ان اختلف احدهما بان بنى رجل مسجدين اورجل مسجدا اومدرسة وقف عليهما اوقافا لايجوزله ذلك۔ (در مختار: ٦/٤٣١)

مسلمان وہ ساری رقم اس سے وصول کریں اور بے جا تصرف کرنے والوں کو علیحدہ اور معزول کردیں۔ وينتزع الخائن وجوبا ولوالواقف یہ عبارت بھی درمختار میں ہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۴رمحرم ۱۴۲۵ھ

(۲۴-۲۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) عیدگاہ کے فاضل چندہ سے مسجد کی تعمیر ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) کیا نکاح کا خطبہ ایجاب وقبول کے بعد بھی جائز ہے؟

(۳) عبدالسبحان کی عورت نے مشرکین کے تیرتھ بابا دھام جانے کی منت مانی اور تنہا ہندو عورتوں کے ساتھ بابا دھام گئی اور اب بھی ہر سال وہاں جانے کو کہہ رہی ہے اور بقیہ لوگوں نے ان کا ساتھ بھی دیا مگر اس نے میلاد کیا اس میں مولوی محرم علی کو بلایا ان کو بات بتادی گئی مگر وہ نہیں مانے اور ان کی دیکھا دیکھی کچھ اور لوگ بھی شریک ہوئے لہذا ان کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد لطیف الرحمٰن مصباحی پیش امام بیریاں بازلہ بھاٹپار رانی ضلع دیوریا یوپی

الجواب

(۱) عیدگاہ کا فاضل پیسہ کسی دوسرے کار خیر میں لگانے سے پہلے چندہ دینے والوں کی رائے لینی ضرور ہے وہ اگر مسجد کی تعمیر میں لگانے کے لیے راضی ہوں تو مسجد میں صرف کیا جائے کسی دوسرے مصرف خیر میں صرف کرنے کو کہیں تو اس میں لگایا جائے یا اس کو واپس لینا چاہیں تو واپس دیا جائے۔ فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۳۳۹ میں ہے: ایسے چندوں سے جو روپیہ فاضل بچے وہ چندہ دہندگان کا ہے انہیں کی طرف

رجوع لازم ہے وہ جس امر کی اجازت دیں وہی لازم ہے وہ نہ ہوں تو ان کے بالغ وارثوں سے رجوع کیا جائے اگر چندہ دہندگان اوران کے وارث نہ معلوم ہوں تو جس کام کے لیے دیا تھا اس میں صرف کرسکتے ہیں (جیسے سوال میں عیدگاہ کے چندہ کا ذکر ہے) اور یہ بھی نہ بن پڑے، تو ان کی طرف سے فقیروں پر صدقہ کردیں اس کے علاوہ جو کچھ نکتہ آفرینی زید یا بکر نے کی ہے وہ سب غلط قیاس ہے جس کا کوئی ذکر کتب فقہیہ میں نہیں۔

(۲) افضل اور مستحب طریقہ یہی ہے کہ پہلے خطبہ پڑھا جائے پھر دولہا سے ایجاب وقبول کرایا جائے، یہی حدیث کی کتابوں میں ہے اور یہی فقہ کی کتابوں میں ہے اور یہی پرانے زمانہ سے اب تک ہوتا آیا ہے اس لیے ہم کو بھی اسی طریقہ پر عمل درآمد کرنا چاہئے، البتہ یہ بات ہے کہ خطبہ نکاح کے لیے نہ شرط ہے نہ ضروری اس لیے کسی نے خطبہ پڑھا ہی نہیں یا الٹا کام کیا اور ایجاب وقبول پہلے کروادیا۔ تو اس نے ادب وفضیلت کے خلاف کام کیا البتہ نکاح ہو جائے گا۔

درمختار جلد دوم میں ص ۲۶۳ پر ہے: "تقديم الخطبة وكونه في المسجد يوم الجمعة بعاقد رشيد" اور نکاح جمعہ کے دن ہونا، مسجد کے اندر ہونا، پڑھانے والے کا دین دار اور نیک ہونا مستحب ہے، اسی کو بہار شریعت ساتویں جلد ص ۵ ار پر ذکر کیا ہے،

نکاح میں یہ امور مستحب ہیں: نکاح اعلانیہ ہونا، خطبہ نکاح سے پہلے ہونا، اور ص ۶ میں فرمایا: یہ مستحبات نکاح ہوئے اگر اس کے خلاف بھی ہو تو نکاح ہو جائے گا۔

(۳) بتوں کے استھان پر جانے کی منت ماننا گناہ کبیرہ اور اس پر عمل کرنا سخت شدید ترین حرام بلکہ کفر وشرک ہے، ایسی عورت پر توبہ استغفار پھر سے ایمان لانا اور کلمہ پڑھنا ضروری اور توبہ واسلام کے بعد پھر سے نکاح پڑھنا ضروری، مسلمانوں نے اس کی اس حرکت ناپاک پر اس کا بائیکاٹ کیا بہت اچھا کیا، اس وقت تک اس کے کسی کام میں شریک نہ ہوں، نہ دعوت، نہ میلاد، نہ شادی، نہ بیاہ، نہ اس سے کوئی رشتہ قائم رکھیں جب تک سچی توبہ نہ کرے۔

قرآن شریف میں ہے: ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ [الانعام: ۶۸]

یہ ساری حقیقت جان کر غیر مسلموں کے ساتھ بابا دھام گئی اور اب بھی اکڑ رہی ہے کہ میں ہر سال جاؤں گی جو لوگ اس کی دعوت میں شریک ہوئے وہ سخت گنہگار ہوئے وہ بھی توبہ استغفار کریں۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو مسلمان ان سب لوگوں سے بھی قطع تعلق کریں، ایسا کرنے والے مولانا ہوں یا جاہل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۱ رمحرم ۱۴۲۶ھ

(۲۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہمارے یہاں مسجد اور عیدگاہ بالکل متصل ہیں، پہلے مسجد اور سامنے عیدگاہ، بعض حضرات یہ چاہتے ہیں کہ مسجد شہید کر کے دوسری جگہ منتقل کر دیں اور مسجد کی جگہ عیدگاہ میں شامل کر لیں، جب کہ مسجد دوسری جگہ منتقل کرنے کی کوئی شرعی مجبوری نہیں ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ انتقال جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔ المستفتی: محمد نوشاد احمد مہاراشٹر

الجواب

جو جگہ ایک دفعہ مسجد ہوگئی قیامت تک کے لیے وہ مسجد ہوگئی کسی کے منتقل کرنے سے منتقل نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ تو مسجد رہے گی ہی اس کی جگہ جو مسجد بنائی جائے گی وہ بھی مسجد ہو جائے گی، دونوں جگہ کی حفاظت اور آبادی مسلمانوں پر لازم ہوگی۔ رہ گیا یہ سوال کہ مسجد کی زمین عیدگاہ میں شامل کر دی جائے یہ بھی ناجائز اور ممنوع ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لا یجوز تغیر الوقف من ھیئتہ ۔

واقف نے وقف کو جس کو جیسا بنایا اس میں تغیر وتبدل جائز نہیں، جب کہ بقول سائل مسجد کو منتقل کرنے کی کوئی شرعی مجبوری نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۲۸۔۳۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

(۱) مسجد میں دو درجے ہیں، اندرونی درجے میں امام اور بیرونی درجہ میں مقتدی کھڑے ہوں، تو کیا مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی؟

(۲) زید باپ اور عمر اس کا بیٹا ہے، زید کی بیوی یعنی عمر کی ماں کا انتقال ہو گیا اب زید وعمر دونوں ایسی عورتوں سے شادی کرنا چاہتے ہیں جو آپس میں سگی بہنیں ہیں۔ کیا یہ رشتہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے اپنی شادی ایک عورت سے کی، کچھ دنوں کے بعد اس عورت کی سگی بہن سے شادی کی، اس میں کون سی شادی جائز ہے؟ دوسری شادی سے جو اولاد ہوئی وہ جائز اولاد کہلائے گی یا ناجائز؟

(۴) ایک شادی شدہ عورت نے طلاق کے بغیر دوسرے شخص سے شادی کر لی، دوسری شادی کا کیا حکم ہے اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد کا کیا حکم ہے؟ مناخان چلبلوا پوسٹ ٹھٹھٹ بازار ضلع گورکھپور

الجواب

(۱) جو مسجد بہت بڑی نہ ہو اس میں امام محراب میں کھڑا ہو اور مقتدی منتہائے مسجد میں تب بھی اقتداء صحیح ہے۔ عالمگیری میں ہے:" و لو اقتدی بامام فی اقصی المسجد والامام فی

المحراب فانه یجوز "(عالم گیری:۱/۱۱۲) لیکن ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔

(۲) یہ رشتہ جائز ہے کہ باپ بیٹے اوران کی دونوں منکوحہ عورتوں کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جس سے باہم ان کا نکاح جائز نہ ہو۔قرآن عظیم میں ہے:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم﴾[النساء:۲٤]

(۳)ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح کرنا سخت حرام ہے۔

قرآن عظیم میں ہے: ﴿ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾[النساء:۲۳]

زید پرلازم ہے کہ دوسری بہن کوفوراً علیحدہ کردے اور اگر ایسا نہیں کرتا ہے تو مسلمان اس سے قطع تعلق کرلیں۔

(۴) دوسری شادی ناجائزوحرام ہے۔عالمگیری میں ہے:" لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره و کذلك المعتدة "(عالم گیری:۱/۳۰۸) واللہ تعالی اعلم۔

عبدالمنان اعظمی دارالعلوم اشرفیہ ۳رجمادی الاخری

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ . الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۳۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص نے ایک مسجد پر کافی سرمایہ لگایا مسجد کے باقی حصہ پر اپنا اوراپنے آباءواجداد کا نام پتھر پرنقش کرکے نصب کرادیا ایسی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یانہیں؟

محمد اسلام خاں خالص پوراعظم گڑھ

الجواب

کسی زمین کے مسجد ہونے کے لیے صرف یہ شرط ہے کہ واقف وہاں مسلمانوں کونماز پڑھنے کا اذن عام دےدے اس پر متولی کا قبضہ دےدے یا کوئی اذن عام کے بعدوہاں نماز پڑھ لے۔رہا یہ کہ عمارت ہو یا کس قسم کی ہواوراس پر کیا تحریر ہواس کی کوئی شرط نہیں۔ یزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل و بقوله جعلته مسجدا ۔ اس کے کسی حصہ پر بنانے والے کا نام لکھنے سے مسجد ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔اوروہاں نماز پڑھنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔پتھر لگانے والے کی نیت ٹھیک ہے مثلاً نام ہونے سے آئندہ دوسرے فرقہ کے لوگ اس پر قبضہ نہ کرلیں یا آئندہ نسلوں کواس کی تاریخ کی معلومات فراہم ہوتو پتھر نصب کرنے کا ثواب بھی ملےگا اورنام نمود کے لیے ہوتو حدیث شریف میں اس کی برائی آئی ہے۔

اصل یہ ہے کہ۔ انما الأعمال بالنیات ۔جیسی نیت ویسی برکت اور نقصان ۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی اشرفیہ مبارک پور ۱۶؍رجب المرجب ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۳۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک مسجد زمین سے ایک منزل کی بلندی پر اس کی سطح ہے۔اس کے مشرقی شمالی جنوبی اطراف میں دوکانیں ہیں اور قبلہ کی طرف اوپری منزل تک زمین ٹھوس ہے۔امام اور متعدد صفیں ٹھوس زمین پر ہی قائم ہوتی ہیں اب قبلہ کی جانب کچھ زمین مسجد نے خریدی ہے اور یہ تجویز ہے کہ قبلہ کی سمت مسجد کو آگے بڑھا دیا جائے اور نیچے دوکانیں بھی بنائی جائیں اس طرح کہ امام اور دائیں جانب کی صفیں ٹھوس زمین پر قائم ہونگی البتہ بائیں طرف دوکانیں نکلیں گی جس کی زمین کھوکھلی رہے گی۔ایسی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟اور جواز کی کیا سبیل ہوگی۔ قاری محمد عثمان محمد اسماعیل ڈی مدنپورہ وارانسی

الجواب

اس بات میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ زمین کے مسجد ہونے سے پہلے اگر اس پر امام کا حجرہ،اسباب رکھنے کی کوٹھری یا دوکان وغیرہ ایسی چیزیں جو مسجد کے فائدہ کے لیے ہوں بنوائی گئیں پھر اس کی چھت کو باقاعدہ مسجد کے فرش میں شامل کرلیا گیا تو یہ جائز ہے۔چاہے امام ٹھوس زمین پر ہو یا نہ ہو،اور اگر کوئی حصہ زمین ایسا ہے جو مسجد ہو چکا ہے تو نماز کے علاوہ ضروریات مسجد کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔نہ اوپر مکان بنا سکتے ہیں نہ نیچے۔درمختار میں ہے: " اما لو تم المسجدية ثم اراد البناء منع "(در مختار:٦/٤٢٨)

پس صورت مسئولہ میں جب کہ وہ زمین ابھی مسجد کی نہیں ہوئی ہے تو تعمیر جائز ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی ۲۴؍ذوالحجہ ۷۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۳۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک مسجد میں زید اور عمر کی امامت کے بارے میں جھگڑا ہوا ایک پارٹی زید کو اچھا کہتی ہے اور ایک عمر کو۔زید کے ماننے والوں نے اپنی مسجد علیحدہ بنوالی تو عمر کے ماننے والے اس کو مسجد ضرار کہتے ہیں کوئی مسجد کب مسجد ضرار کہلانے کی مستحق ہے؟۔ والی محمد گورجی مقام بھروچ گجرات پوسٹ کنتھاریہ۔

الجواب

اگر صرف زید اور عمر کی افضلیت کی بنا پر اختلاف ہوا اور زید کی پارٹی نے الگ مسجد بنائی اور عمر

پرانی مسجد میں پہلے سے امام تھا تو زید والی پارٹی کی جنگ خلاف شرع ہے اوران کی مسجد ضرور مسجد ضرار کے مشابہ ہے کہ اس دوسری مسجد سے ناجائز طور پر پہلی مسجد کی جماعت کو نقصان پہونچا۔ تفسیر احمدی میں ہے:"

لما فتح الله الامصار علی عمر امر المسلمون ان یبنوا مساجد وان لا یبنوا فی المدینة مسجدین یضار احدهما الاخر۔

لیکن یہ دوسری مسجد جب بن گئی تو مسجد ہی رہے گی۔ اور اگر اختلاف کی بنیاد کوئی شرعی خرابی تھی جس سے لوگوں کی نماز میں خلل پڑتا یا دوسری مسجد کی تعمیر کی اس لیے ضرورت تھی کہ پہلی مسجد تنگ ہوگئی تھی اور اس کی توسیع نہ ہوسکتی تھی تو دوسری مسجد مسجد ضرار کے حکم میں نہ ہوگی۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی ۲۳؍ذوالحجہ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۳۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک مسجد قدیم بسبب تنگی منہدم کر کے از سر نو وسیع کر کے تعمیر کی گئی اندرونی حصہ نیز سائبان تعمیر ہوکر مکمل ہوا باقی رہا فرش مسجد بلحاظ وسعت مسجد فرش کے طول وعرض میں بھی وسعت کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے باب مسجد کے سامنے زمین کافی وسیع ہے عرصہ سے مسجد کی نہر کا سرا قدیم مسجد کی بیرونی دیوار سے کافی آگے پختہ نالی کی شکل میں بڑھا ہوا ہے باب مسجد کے بالمقابل کچھ فاصلہ پر ایک درخت ہے اسی درمیان سے تعزیہ دار لوگ جو سبھی مذہب اہل سنت وجماعت ہیں شیعہ ایک بھی نہیں ہے اور نہ اس تعزیہ میں شیعوں کا کچھ لگاؤ ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فرش کو مسجد کے طول وعرض کا خیال کرتے ہوئے اتنا وسیع کیا جائے کہ نہر کے سرے پر بیرونی دیوار بنائی جائے تا کہ مسجد کی زینت میں اضافہ ہوجائے اب تعزیہ دار لوگ جو جاہل ہیں کہتے ہیں کہ ہمارا راستہ بند ہوجائیگا لہٰذا ہمارا راستہ چھوڑ کر دیوار بنائی جائے ورنہ یہاں ہمارا راستہ جو قدیم ہے بند ہوجانیکی صورت میں دوسرے مقامات کے لیے نظیر ہوجائے گا اور ہمارے لیے دشواریاں پیدا ہوجائیں گی، لہٰذا دریافت طلب یہ ہے کہ اس خوف سے مسجد کی وسعت روک دی جائے اور راستہ چھوڑ دیا جائے جب کہ آگے ایسا میدان ہے کہ ایک نہیں بلکہ کئی ایک تعزیہ لے جائے جاسکتے ہیں شرعاً افضلیت اور فوقیت کسے حاصل ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔ بینوا وتوجروا۔

المستفتی عبدالستار بھیروی۔ ۸؍محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

الجواب

چونکہ مسجد کی مبینہ توسیع صرف زینت وآرائش کے لیے ہے جیسا کہ سوال کی عبارت سے ظاہر

ہے ضرورت وحاجت کے لیے نہیں، اس لیے ان تمام لوگوں سے اجازت لینی چاہئے جن کا کسی قسم کا حق بھی اس راستہ سے متعلق ہو اور فتنہ وفساد کا ڈر ہے تو توسیع سے بچنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی ۲ر صفر ۱۳۷۹ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۳۶۔۴۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ہمارے گاؤں میں ایک خام مسجد تھی جو نہایت بوسیدہ ہو چکی تھی اور گاؤں میں دو پارٹیاں تھیں مگر مسجد کو تعمیر کرانے کے لیے متفقہ کمیٹی ہوئی جن میں دونوں پارٹیوں کی رائے متفق ہو گئیں، اور چندہ کیا گیا مگر کچھ دنوں بعد جب مسجد کا کام شروع ہوا تو ایک (پارٹی کے لوگوں نے جو کہ تعداد وطاقت ہر صورت میں زیادہ تھی) دوسری کمزور پارٹی کا چندہ لینے سے اور ان کو کام کرنے سے منع کر دیا۔ از روئے شریعت ایسا کرنا کیسا ہے؟

(۲) بڑی پارٹی کے لوگوں نے مسجد بنوانا شروع کر دیا اور مسجد کو وسیع کرنے کے خیال سے شمال و جنوب اور مغرب میں زمین کا کچھ حصہ داخل کر لیا ایسی زمین میں مسجد بنوانا جائز ہے؟ جب کہ زمین جبرا لے لی گئی ہو اور زمین کمزور پارٹی والے کی ہو؟

(۳) کیا اس طرح کی مسجد جو غصب کی ہوئی زمین میں بنوائی جائے اس میں چندہ دینا جائز ہے اور ایسے ظالم وجابر لوگوں کا ساتھ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) مسجد مذکور میں نماز ہوگی یا نہیں؟ از روئے شریعت اس مسجد کے بارے میں مفصل تحریر فرمائیں۔

(۵) بوقت تقریر ووعظ مقرر کو ریاح خارج کرنا کیسا ہے؟

الجواب

سوال میں ذکر کی ہوئی صورت حال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسجد کا واقف کوئی شخص واحد نہ تھا بلکہ وہ پورے گاؤں کے چندہ سے بنی تھی اور تعمیر جدید میں بھی ابتدا میں یہی صورت اختیار کی گئی ہے، اگر صورت حال یہی ہے تو منتظم کار یا متولی کو حق نہیں پہنچتا کہ کسی عذر شرعی کے بغیر وہ کسی مسلمان کا چندہ مسجد میں شریک کرنے سے انکار کر دے۔ قرآن عظیم میں ہے:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾[التوبۃ:۱۸]

مؤمن یوم آخرت پر ایمان لانے والا مسجدیں بناتا ہے تو مسجد بنانے کا حق سبھی مسلمانوں کا ہے، زبردست پارٹی والوں نے چندہ لینے سے انکار کر کے ظلم اور زیادتی کی ہے۔

(۲) اگر مسجد کی توسیع ضروری تھی اور بغیر وہ زمین لیے مسجد کی توسیع نہیں ہو سکتی تھی تو زمین کے مالک سے اجازت لینی ضروری تھی اگر وہ برضا ورغبت بلا قیمت دیتا فبہا ورنہ عدم رضا کی صورت میں واجبی قیمت دے کر بھی وہ زمین مسجد میں شامل کی جا سکتی تھی۔ تنویر الابصار میں ہے:

"توخذأرض بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها"

(درمختار:۶/۴۵۱)

(۳۔۴۔۵) اگر مذکورہ بالا طریقہ پر زمین حاصل کی گئی تو اس میں نماز جائز اور وہ مسجد ہو گئی اگر ایسا نہ ہوا تو وہ زمین مغصوب ہوئی اور صرف اتنے ہی حصہ میں جو مغصوب بہا ہو نماز مکروہ ہوگی اور اس کا حکم مسجد کا حکم بھی نہ ہوگا۔ شامی میں ہے: "بنى مسجد على سور المدينة لا يصلى فيه لانه حق العامة فلم يخلص لله تعالیٰ كالمبنى فى ارض المغصوبة فالصلاة فيه مكروهة تحريمة جو مسجد شہر پناہ پر بنائی گئی وہاں نماز نہ پڑھی جائے گی کہ وہ زمین تو عوام کی زمین تھی پھر صرف خدا کے لیے کیسے ہو سکتی ہے تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے کسی آدمی کی زمین غصب کر کے اس میں مسجد بنا لیا کہ اس میں نماز مکروہ تحریمی ہے اور چندہ دینا جائز ہوگا کیونکہ مسجد کا بقیہ حصہ بنوانا تو بہر حال جائز ہے تو چندہ اسلیے دیا جائے۔

(۶) آداب مسجد کے خلاف ہے اور بلا عذر ہو تو قباحت و بے شرمی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: الحياء شعبة من الايمان۔ (مشکاۃ:۱۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ۔ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۴۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک دوکان مسجد کے متعلق ہے دوکان میں ایک الماری ہے دوکان مذکور کی صرف چھت ٹوٹ رہی تھی یہ شکست دو ماہ رہی دوکان والا سڑک پر کام کر کے اپنا کچھ سامان دوکاندار الماری مذکور میں رکھ کر شام کو مکان چلا جاتا تھا۔ اس درمیان دو ماہ کا کرایہ پورا کسی طرح سے دوکاندار سے وصول کر لیا گیا یہ کرایہ مسجد پر لگانا جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب

جب مسجد کی اس دوکان کی مرمت کے سلسلہ میں دوکاندار اور دوکانداری کا فائدہ ہی حاصل نہ کر سکا تو اجارہ اگرچہ بغیر اس کے فسخ کیے فسخ نہ ہوگا لیکن دوکاندار پر دوکان کی اجرت واجب نہ ہوگی۔

عالمگیری میں ہے: "اذا انهدمت الدار كلها الصحيح انه لا يفتسخ لكن يسقط الا جر عنه

فسخ او لم یفسخ۔ اسلیے اس مدت کا کرایہ جو وصول کیا گیا وہ ناجائز ہوا اور اس کو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔ ہاں الماری میں سامان رکھنے کا مناسب معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی مبارکپور اعظم گڑھ ۴؍ رجمادی الاخریٰ ۹۷ھ

(۴۲-۴۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک دوکان مسجد کی جس میں ایک کرایہ دار عرصہ تخمیناً آٹھ دس سال سے ہے اس سے ایک فٹ دوکان چھوٹی کرنی کی اجازت لی گئی لیکن منتظم کاروں نے بجائے ایک فٹ کے تخمیناً ڈھائی فٹ چھوٹی کر دی یہ عمل کر کے مسجد کو فائدہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اب کرایہ دار سابق وہی کرایہ دینے کا مستحق ہے یا پہلے سے کم؟۔ فقط

الجواب

اگر جدید تعمیر سے مسجد کو فائدہ پہنچے گا اور یہ چیز مصالح مسجد کے لیے مفید ہے تو متولی ایسا کر سکتا ہے۔ الذی یبدأ من ارتقاء الوقف عمارته شرط الواقف ام لا ثم الی ما هو اقرب الی العمارة واهم الی المصلحة ،، وقف کی آمدنی سے سب سے پہلے عمارت کی حفاظت کی جائیگی پھر ان مصارف کی طرف توجہ دلائی جائے گی جو عمارت کے قریب ہوں اور مصالح وقف کے مناسب ہوں۔

فتح القدیر میں ہے: "وله ان یبنی بیوتا یستغلها اذا کانت الارض متصلا بیوت المصر (ملخصا) متولی وقف کی زمین میں نئے مکان بنوا سکتا ہے اگر وہ زمین شہر سے متصل ہو اور آمدنی کی توقع ہو جس سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد کی مصلحت اور اس کا فائدہ وقفی زمین میں کسی تعمیری کام سے ہو تو متولی کو اس کا حق پہنچتا ہے لیکن موقوفہ عمارت میں وقف کی شرط یہ ہے کہ مال وقف سے نہ ہو چندہ وغیرہ سے اضافہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔ ہدایہ میں ہے: "انما یستحق العمارة بقدر ما یبقی الموقوف علی الصفة التی وقفه وان خرب یبنی علی ذلك الوصف لانها بصفتها صارت غلتها مصروفة الی الموقوف علیه فاما الزیادة علی ذالك فلیست بمستحقة علیه،، وقف کی آمدنی سے وقف کی تعمیر میں اتنا ہی صرف کیا جا سکتا ہے جس سے وقف اسی حالت میں باقی رہے جس حالت پر وقف کیا گیا تھا زیادتی اس آمدنی سے نہیں ہو سکتی۔

(۲) آج کل جس طرح مکانات وغیرہ کرایہ پر لیے جاتے ہیں (مثلاً دس روپیہ ماہوار اور کتنے دنوں اور مہینوں کے لیے لیا گیا یہ طے نہیں ہوتا) اس صورت میں مہینہ ختم ہونے کے بعد متعاقدین میں سے ہر شخص اجارہ ختم کر سکتا ہے اور نئے سرے سے اجرت طے کر سکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے: "وان اجر

دار کل شهر بدرهم صح العقد في شهر واحد و فسد في البقية الشهور واذا اتم الشهر الاول فلكل واحد منهما ان ينتقض الاجارة لا نتهاء العقد الاول "

(عالم گیری: ٤/٥٦٨)

پس اگر صورت حال یہی ہے کہ وہ اجارہ معلوم مہینوں اور سالوں کے لیے نہ ہو بلکہ جس طرح عرف عام میں مطلقا دس یا پندرہ روپے ماہوار پر کرایہ کا معاملہ ہوتا ہے تو کرایہ دار مہینہ ختم ہونے پر اجارہ فسخ کرسکتا ہے اور متولیان مسجد اگر کم کرایہ پر راضی نہ ہوں تو دوسری دوکان میں اٹھ سکتا ہے صرف اس بنیاد پر کہ ڈھائی فٹ دوکان کم ہوگئی اجارہ فسخ کرنے کا یا کرایہ کم کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا جب کہ اس کمی سے دوکانداری میں کمی نہ ہو اور کرایہ متعین مدت کے لیے ہو۔

عالمگیری میں ہے:" والعيب اذا احدث بالعين المستاجرة فان كان عيبا لا يوثر في اختلال المنافع لم يثبت للمستاجر خيار نحو دار سقط حائط منها وذالك لا يضر بالسكنى وان كان عيبا يوثر في اختلال المنافع كحائط سقط يضر للسكنى فللمستاجر الخيار فان شاء استوفى المنفعة مع العيب و يلزمه جميع البدل وان شاء نقض العهد

(۶۲۳/۴)

جس چیز کو اجرت پر لیا گیا جب اس میں عیب پیدا ہو جائے تو اگر وہ عیب ایسا ہے کہ اس کی موجودگی میں بھی شئی مستاجر سے کما حقہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے مثلاً مکان کی کوئی ایسی دیوار گر گئی جس سے سکونت میں کوئی نقصان نہ پڑے تو کرایہ دار کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر ایسا عیب ہے کہ اس سے اصل مقصد اجارہ میں بھی نقصان پہنچتا ہے مثلاً ایسی دیوار گر گئی جس کی وجہ سے مکان میں رہنا ہی مشکل ہو تو کرایہ دار کو اختیار ہوگا چاہے اسی کرایہ میں مکان سے فائدہ اٹھائے چاہے مکان چھوڑ دے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبدالمنان اعظمی مبارکپور اعظم گڑھ ۴ر جمادی الاخری ۹۷ھ

(۴۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

حسن علی شبراتی وغیرہ احمد و نور محمد وغیرہ باشندگان موضع باری سروان کے مابین کچھ باغ جائداد کا تنازعہ تھا، اس میں پنچایت جمع ہوئی۔ پنچوں نے اپنے فیصلہ سے دونوں کو نصف نصف حصہ کرکے دے دیا، جب احمد نے فیصلہ سنا تو غصہ ہوا، اسی روز عشا کے وقت حسن علی نماز پڑھنے مسجد میں گیا تو احمد نے کہا کہ مسجد ہماری ہے تو حسن علی نے کہا کہ مسجد خدا خانہ ہے۔ پھر دوبارہ احمد نے کہا کہ مسجد ہماری ہے قرآن شریف اور رحل لے کر چلے جاؤ تو حسن علی قرآن شریف اور رحل لے کر چلا آیا، آکر اپنے گھر والوں سے سا

راواقعہ بیان کیا تو صبح کو برادری کے لوگوں کو جمع کیا۔ برادری کے لوگوں نے گواہ طلب کیا اور گواہوں کے ذریعہ مسجد سے نکالنا ثابت ہوگیا پھر پنچایت دوسرے دن مقرر کرکے ملتوی کردیا پھر جب لوگ اکٹھا ہوئے کہ دونوں فریقین میں صلح ہو جائے تو احمد نے کہا کہ حسن علی نماز پڑھ سکتے ہیں مگر جماعت سے نہیں پڑھ سکتے کیونکہ احمد کا بھائی نور محمد مسجد کا پیش امام ہے۔ جب پنچوں نے دیکھا کہ مصالحت کو احمد نہیں مانتے تو پنچ اٹھ کر چلے گئے حسن علی کے لوگ تب سے اپنے گھر نماز پڑھنے لگے اس کے بعد گوپا گنج میں پنچایت ہوئی تو حسن علی کے بھائی وزیر احمد نے معبد سے علی حسن کو نکالنے اور پنچایت کا سارا واقعہ بیان کیا جو اس کے پنچوں نے سن کر احمد کو برادری سے کھانا پانی اور حقہ بند کردیا اور کہا کہ ہم لوگ عالم نہیں ہیں آپ لوگ عالم سے اس کا فتویٰ پوچھ کر حسب حکم علماء کے ساتھ کاروائی کرکے برادری میں لے لیں اور حقہ پانی چالو کردیں اور ہمارے چودھری کو خبر کردیں کہ اس میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے احمد اور علی حسن میں قصوروار کون اور کس سزا کا مستحق ہے؟ بینوا توجروا

نشانی انگوٹھا گواہ سیر علی: ساکن آڈھ ڈیہہ عبدالغفار بقلم خود ساکن: سردوان انگوٹھ نشانی حسن علی گواہ نشانی انگوٹھا محمد ساکن آڈھ ڈیہہ۔

الجواب

صرف ذاتی رنجش کی بناء پر کسی کو مسجد سے نکالنا صریح ظلم اور ناجائز ہے:

﴿ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ ﴾[البقرة:۱۱٤]

اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو لوگوں کو مسجد میں ذکر الٰہی کرنے اور نماز پڑھنے سے روکے، اس لیے حسن علی کو مسجد سے نکال کر اس کو جماعت سے نماز پڑھنے سے روک کر احمد نے سخت ظلم کیا اس کو لازم ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کرے اور حسن علی وغیرہ سے معافی مانگے اگر وہ ایسا کرے تو مسلمان اس کو اپنی برادری میں شامل کرلیں کہ حدیث شریف میں ہے: "التائب من الذنب کمن لا ذنب له ۔(الترغیب: ٤/٩٧) گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی مبارکپور اعظم گڑھ ارجمادی الآخر ۹۷ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۴۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مسجد کی چہاردیواری کی اینٹوں سے طہارت خانہ بنوالیا۔ اس اینٹ سے طہارت خانہ بنوانا کیسا ہے؟ نیز مسجد کی مٹی اور اینٹ ایک ہے یا دو؟ آفاق احمد متعلم مدرسہ اشرفیہ ۲۰ ر اکتوبر ۷۵ء

الجواب

وہ اینٹیں اگر مسجد کے مصرف کی نہ تھیں، اور مسجد نے انہیں فروخت کر دیا تو زید انہیں ہر قسم کے استعمال میں لاسکتا ہے کہ وہ اس کا مالک ہے، لیکن جواز اور چیز ہے ادب اور چیز اور یہ بات ادب کے بالکل خلاف ہے کہ مسجد کی اینٹ طہارت خانہ میں لگائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۸؍ جمادی الآخر ۸۷ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ۔ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۴۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک زمین چندہ میں مسجد کو ملی اس کو متولیان مسجد سے پنچوں نے چار سو روپئے میں خریدا، کچھ دنوں کے بعد اسی زمین کو دوسرے کے ہاتھ متولیان نے فروخت کر دیا دوسرا بیع نامہ مدرسہ اشرفیہ کی بیع نامہ کمیٹی سے ۱۲؍ صفر ۷۷ھ کو غیر شرعی قرار پا چکا ہے، اور روپیہ جو غیر شرعی بیع نامہ سے وصول ہوا تھا اس کو مسجد پر خرچ کر دیا گیا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ محمد ابراہیم پورہ صوفی نے محمد سید پورہ رانی۔ عبدالخالق محصل کی موجودگی میں متولی صاحب سے پوچھا کہ وہ روپیہ جو غیر شرعی بیع نامہ سے حاصل ہوا تھا اس کا کیا ہوا تو متولی صاحب نے جواب دیا کہ مسجد پر خرچ ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ غیر شرعی طریقہ پر حاصل کیا ہوا روپیہ مسجد پر خرچ کیا گیا تو مسجد میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ قاضی اقبال احمد صوفی دیورہ باغ رانی ۷۷ھ

الجواب

غیر شرعی طور پر حاصل ہونے والے روپیہ کے مسجد پر خرچ ہونے کا مطلب عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ اس سے سامان خریدا گیا ہو جو مسجد میں لگا ہوگا اور عام طور سے خریداری اس طور پر نہیں ہوتی کہ روپیہ دکھا کر کہا جائے کہ اس روپیہ کے بدلے میں یہ سامان دیدو، بلکہ بات چیت سے طے ہو جاتی ہے اور بیع مکمل ہو جانے کے بعد دام ادا کیا جاتا ہے اور اسی قسم کی بیع جس میں معاملہ پہلے اور دام بعد میں کسی قسم کے روپیہ سے ادا کیا جائے ایسی بیع سے جو مال حاصل ہو جائے۔ شامی میں ہے: "رجل اکتسب مالا من حرام و اشتری مطلقاو دفع تلك الدراهم قال الکرخی یطیب والفتویٰ الآن علی قول الکرخی" (ملخصا) اس سے ثابت ہوا کہ مسجد میں جو سامان لگا جائز تھا اس لیے مسجد میں نماز جائز ہوگی۔ ہاں جس متولی نے یہ رقم مسجد میں صرف کی وہ گنہگار رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۵؍ رجب ۸۷ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ۔ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۴۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ :

کہ اگر دس فٹ ہر چہار سمت چھوڑ دیا جائے تو اتنی جگہ ہی نہیں رہتی کہ مسجد تعمیر کی جا سکے مسجد کا کل رقبہ ۲۸۱ فٹ ہے۔ آخر کار چند با اثر مخلص مسلمانوں کی تگ ودود کے نتیجے میں ایک دوسری تجویز میونسپلٹی نے رکھی ہے کہ موجودہ مسجد کے ملحق ذبح خانہ باندرہ کے کمپاؤنڈ میں جس قدر جگہ چاہیے تعمیر کے لیے دی جا سکتی ہے بشرطیکہ موجودہ مسجد چھوڑ دی جائے جو راستہ کی کشادگی کے لیے میونسپلٹی کو مطلوب ہے اور شہری ترقیات کے صوبہ میں شامل ہے۔ اس تجویز سے کئی لوگ متفق ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ متبادل جگہ پر ہم اپنی حسب منشاء مسجد تعمیر کر سکیں گے، نیز قانون اور شرعی نظریہ سے بھی یہ جگہ مسجد کے لیے مخصوص اور وقف ہے جب کہ موجودہ مسجد کی زمین نہ مسجد کے لیے خریدی گئی ہے نہ وقف ہے۔ کئی لوگ اس تجویز کے مخالف ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ جو زمین بطور مسجد ایک عرصہ تک استعمال کی گئی چھوڑ دینا شرع شریف کے خلاف ہے اور مسلمانوں کے دل میں مسجد کا احترام یہ گوارہ نہیں کرے گا جو جگہ کہ ایک عرصہ تک سجدہ گاہ رب العالمین بنی رہی۔ شاہراہ عام میں تبدیل ہو جائے۔ لہٰذا اس مسئلہ پر شرعی نقطہ نظر سے جواب دے کر اختلاف بین المسلمین کا سد باب فرمائیں۔　　سائل: احمد ابراہیم پٹیل روم ۱۱، مقبول بلڈنگ ۱۶۶، روڈ بمبئی ۵۰

الجواب

گورنمنٹ کے فیصلہ کے بعد جب مسلمانوں نے اس کو مسجد قائم رکھا تو اب وہ مسجد ہوگئی اور جو زمین ایک دفعہ مسجد ہوگئی قیامت تک مسجد رہے گی یہاں تک کہ عمارت منہدم ہو جائے تب بھی اس کو بدلنا یا کسی مصرف میں لانا شرعاً جائز نہیں۔ شامی میں ہے: "لو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا الى يو م القيامة اى ولو مع بقاء ه عامرا و كذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقداستغنى الناس عنه لبنا ء مسجد اخر۔　　(شامی: ۶/۴۲۹)

اسی میں ہے:" جا ز جعل الطريق مسجد الاعكسه "(در مختار: ٦/ ٤٥٠)

راستے کو مسجد میں شامل کر سکتے ہیں مسجد کو راستہ میں نہیں، اس لیے مسلمان اپنی مرضی سے اس کو کسی زمین سے بدلنا چاہیں تو شرعاً مجرم ہوں گے اور ہر ممکن اور جد وجہد کے بعد ظلماً کوئی کچھ کرے اور مسلمان مجبور ہوں تو اور بات ہے۔ اس صورت میں شریعت کی نظر میں معذور ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۸ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۴۸۔۴۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) مسجد کی بوسیدہ جانماز مکتب کے بچوں کے بیٹھنے یا اپنے ذاتی مقصد میں کچھ قیمت دے کر لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) تسلیم خاتون کا نکاح اس کے والد کی اجازت کے بغیر گھر والوں نے کر دیا اور لڑکا بھی نابالغ ہے۔ لڑکی کے چچا تین بھائی ہیں اور تینوں میں ایک گھر پر رہتے ہیں اور دو بھائی باہر رہتے ہیں جب گھر والے چچا نے باہر والے کے پاس لکھا تو اس نے والد کی اجازت لیے بغیر گھر لکھدیا کہ تم لوگ شادی کر دینا والد باہر دور دراز رہتے تھے، جب والد کو خبر ہوئی تو مولانا لوگوں سے دریافت کی انہوں نے کہا کہ والد کی اجازت کے بغیر شادی نہ ہوئی تو والد نے گھر خط لکھوا دیا کہ بغیر ہماری اجازت لڑکی رخصت نہ ہو چھ مہینہ بعد جب والد گھر آئے تو رشتے کو ناپسند کر دیا اور کہتے رہے کہ بغیر ہماری اجازت نکاح کیوں پڑھایا گیا۔ لڑکی کے چچا جو مکان پر تھے یہ سمجھ کر نکاح کر دیا کہ دوسرے بھائی نے لڑکی کے والد سے اجازت لے کر خط لکھا ہوگا۔ سوال یہ ہے مذکورہ بالا نکاح نکاح ہوا کہ نہیں؟

الجواب

(۱) جائز ہے اگر مسجد کی ضرورت کے لائق نہ رہ گیا ہو۔

(۲) صورت مسئولہ میں تسلیم خاتون کا نکاح باپ کے انکار کے بعد ٹوٹ گیا۔ شامی میں ہے:"

کل عقد صدر من فضولی ولہ مجیز حال العقد ینعقد موقوفاً"(۲۳۲/۷) واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۸؍ جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ — الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید ہمیشہ سے عیدین کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد کا مصلی اور جانماز عیدگاہ میں بغرض نماز عید ادا کرنے بچھاتا تھا لیکن امسال ایک حافظ صاحب لکھنؤ سے آئے تھے مسجد کے مصلی پر نماز عید پڑھنے کے لیے بہت زوروں پر منع کیا، کہتا ہے کہ مسجد کے مصلی پر نماز عید نہیں ہوگی ناجائز ہے اور اس بات پر بہت تاکید کی کہ ہرگز نماز نہیں ہوگی۔ لہٰذا براہ کرم ہم لوگوں کو مطلع کیجئے کہ جائز ہے یا ناجائز؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب

اگر وہ مصلی مسجد کے لیے بنایا گیا تھا تو اس کا عیدگاہ میں لے جانا منع ہے۔

(فتاوی رضویہ سوم ص ۸۰۸) اور نماز اس پر مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۱رذی القعدہ ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسجد کا نکلا ہوا سامان مثلاً پتھر یا پٹیہ وغیرہ فروخت کر کے پھر اس روپئے کو مسجد میں لگا سکتے ہیں کہ نہیں؟ یا اس کو مدرسہ میں لگانا کیسا ہے؟ چونکہ مدرسہ اور مسجد متصل ہے اور مدرسہ از سرنو تعمیر ہوگا۔

سائل محمد ظہور۔ چت بڑا گاؤں یکم فروری ۱۹۶۹ء

الجواب

اگر وہ پٹیہ وغیرہ مسجد کے کام میں نہ آنے والی ہوں تو ان کو بیچ دیا جائے اور وہ رقم مسجد میں صرف کی جائے۔ پٹیہ یا اس کی رقم بلا معاوضہ ادا کئے مدرسہ میں نہیں لگ سکتی۔

درمختار میں ہے: "وان اختلف احدهما با ن بنى رجلان مسجدين او رجل مسجدا او مدرسة ووقف عليهما او قافا، لا يجوز له ذلك "(درمختار: ٦/٤٣١) واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۵رذوالقعدہ ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

جامع مسجد کی وہ دکان جو لب سڑک تھی اس کا برآمدہ (P.W.D) کے محکمہ نے توڑ دیا تھا دوکاندار اپنی جگہ موجود ہیں اور کرایہ ادا کر رہے ہیں۔ اب ایک امیدوار جو الکشن میں کانگریس کی طرف سے کھڑا ہے اور سکھ ہے چاہتا ہے کہ دوکانوں کا برآمدہ اپنے پاس سے تعمیر کرادے لیکن بعض لوگ اس کے مانع ہیں کہ یہ بات نادرست ہے، حالانکہ مسجد کی تحویل مدت تک اس قابل نہ ہوسکے گی کہ اس کے حصہ کی تعمیر کرا سکے اس سے جائداد کو نقصان کا اندیشہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ مال موذی نصیب غازی اس سلسلہ میں جو حکم ہو آپ علماء حضرات کی رائے ہو اس سے مطلع فرمائیں۔ ۱۳رجنوری ۱۹۶۹ء

الجواب

خاص مسجد کی تعمیر میں صرف مسلمانوں کا پیسہ لگنا چاہئے اس سے متعلق کسی دوکان کی تعمیر میں دیگر

مذہب کے لوگ مدد کریں تو اس میں کوئی ممانعت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

جس جگہ مسجد ہو اور وہ جگہ بھی پرانی ہوگئی ہو اس کو شہید کر کے اس کے نیچے زمین کھود کر دینی مدرسہ بنادیا جائے اور اوپر مسجد تعمیر کردیا جائے۔ محض جگہ میں کمی ہونے کی وجہ سے چونکہ مدرسہ کا ہونا اشد ضروری ہے اور جگہ میں اتنی کشادگی نہیں کہ مدرسہ بنادیا جائے تو ایسی صورت میں مسجد کے تحت مدرسہ بنانا جائز ہوگا کہ نہیں۔ بینوا وتوجروا

المستفتی محمد منظور عالم کوٹواری

الجواب

جو زمین مسجد ہوئی اب تحت الثریٰ سے عرش تک مسجد ہی ہے اس کے نیچے یا اوپر کسی قسم کی کوئی تعمیر جو مسجد کے علاوہ ہو نا جائز ہے۔

درمختار میں ہے: "اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع "(درمختار:٦/٤٢٨)

اس طرح کہ تعمیر جیسا کہ سوال میں مذکور ہے شرعاً منع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۶/ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

جوتا مسجد میں لے جانا کیسا ہے۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۸۲/ میں ہے کہ جو لوگ جوتیاں مسجد میں لے جاتے ہیں وہ خیال کریں اور اس کو صاف کرلیں، حالانکہ کوئی صاحب نہیں کرتے ہیں۔ زید کہتا ہے جوتا مسجد میں لے جانا گناہ نہیں ہے اور سعید کہتا ہے کہ گناہ ہے۔ بینوا وتوجروا

المستفتی عبدالمنان پورہ صوفی مبارک پور اعظم گڑھ اتحاد المسلمین

الجواب

مسئلہ وہی صحیح ہے جو بہار شریعت میں لکھا ہوا ہے۔ اگر جوتے میں نجاست لگی ہو تو اس کا مسجد میں لے جانا ضرور گناہ ورنہ نہیں، یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص سائل کو دکھائے کہ دیکھو میں جوتا صاف کررہا ہوں، شاید سائل کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ کوئی شخص جوتا نہیں دھوتا ہے اور اس کو پہن کر ہر جگہ جاتا ہے اور وہ نجاست پر ضرور پڑتا ہے تو جوتے کا یہ حکم ہے کہ اگر پاخانہ گوبر وغیرہ لگ جائے اور پھر چلتے چلتے گھس کر

صاف ہو جائے تو جوتا پاک ہو گیا اور ایسا جوتا مسجد میں لے جایا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر لوگ بد احتیاطی کریں اور جوتے میں گندگی لگی ہو اور مسجد میں لے جائیں تو جو ایسا کرے ضرور گنہگار ہو گا، لیکن قیاس سے عام حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۵/ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

یہاں ایک مسجد ہے جس کا ایک حصہ جس میں منبر ہے دوسرا حصہ سائبان کا ہے تیسرا حصہ صحن ہے امام صاحب موسم کے اعتبار سے کبھی اندرونی حصہ میں کبھی سائبان میں کبھی صحن میں کسی کسی وقت کی نماز پڑھا دیا کرتے ہیں۔ اب متولی مسجد کا خیال ہے کہ صحن کافی وسعت رکھتا ہے اس کے کچھ حصہ پر دو کمرے تعمیر کرا کے اس میں دو کان کر دی جائے اور اس کی آمدنی مسجد کی مرمت یا جانماز وغیرہ میں صرف کی جائے تو کیا بایں نیت صحن مسجد پر دوکان یا مکان کی تعمیر جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا

سائل محمد حبیب اللہ از ملیامنی پور۔ مورخہ ۱۵/جنوری ۱۹۶۹ء

الجواب

زمین کا جو حصہ مسجد کا ہو گیا قیامت تک تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک مسجد ہی کا رہے گا۔ اس میں کسی قسم کی دوسری تعمیر ناجائز و حرام ہے۔

درمختار میں ہے:" امالو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولا یجوز اخذ الاجرۃ منہ ولا ان یجعل شیئا منہ مستغلا ولا سکنیٰ" (درمختار:۶/۴۲۸)

مسجد کے واسطے ہی کیوں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۸/ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسجد میں برائے تعمیر و صفائی وغیرہ سیڑھی ہے اور نہر کی صفائی کے لیے لوہے کی فروہی بھی ہے اور رمضان شریف میں افطاری رکھ کر روزہ داروں کو تقسیم کرنے کے لیے مٹی کی ڈھکیاں بھی ہیں اس کو کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور کوئی بغیر کرایہ دئے ہوئے اپنی مرضی سے اپنے گھر لے جائے اور استعمال کرے تو کیسا ہے؟ شادی کے موقع پر بدھنا کوئی اس شرط پر لے جائے کہ استعمال کر کے واپس کر دوں گا اور جس کی

قیمت ادا کر کے بدھنا حسب شرط واپس کردے تو کیا ہے۔

المستفتی عبدالرشید ومصلیان مسجد بلوریا پورہ صوفی مبارکپور۔ مورخہ ۶ر جون ۱۹۶۹ء

الجواب

مسجد کی چیزیں ذاتی استعمال میں لانا حرام ہے۔ ہاں ان چیزوں کو مسجد پر وقف کرنے والوں نے اگر اس نیت اور شرط سے بنوایا کہ کرایہ پر بھی دی جایا کرے تو اب کرایہ پر دی جا سکے گی۔ شرط الواقف کنص الشارع'' اور اگر کسی نے کوئی چیز ذاتی طور پر استعمال کی گنہگار رہوا استعمال سے چیز ضائع ہوگئی تو تاوان ادا کرے۔ واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲ر ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید نے اپنے گھر کے لیے بجلی منظور کرائی ہے تو اس سے مسجد میں بلب وغیرہ جلا سکتا ہے کہ نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ المستفتی، شمشاد احمد جوگری

الجواب

جب زید گورنمنٹ کے محکمۂ بجلی کو اس روشنی کا چارج دے رہا ہے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات پر دعا دی'' نور عمر فی قبر لقد نور علینا مساجدنا'' اللہ تعالیٰ حضرت فاروق کی قبر انور میں اجالا کرے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کردیا تو یہ ایک باعث اجر امر ہوا البتہ اس میں قانونی اڑچن نہ ہو جس سے زید کی جان ومال پر کوئی وبال آئے یا بے عزتی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۵ر ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

(۵۸-۶۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) لالٹین کی روشنی میں قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تعزیہ بنانا حرام ہے یا ناجائز؟

(۳) حجر اسود جنت سے کون لا کر مکہ شریف میں رکھا؟

(۴) چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۵) پہنی ہوئی تہبند میں وضو کا پانی سکھا سکتے ہیں یا نہیں؟

نوٹ: حضرت جو اس خط میں غلطی ہوئی ہوتو اسے معاف کیجئے گا عین کرم ہوگا، یہ مسئلہ طالب علموں کی طرف سے ہے۔

آپکا خادم علی محمد قادری مدرسہ اشرفیہ انوار العلوم متصل عیدگاہ کھڈا بازار ضلع پڑرونہ

الجواب

لالٹین میں چونکہ مٹی کا تیل جلتا ہے جس میں بو ہوتی ہے تو اس کو مسجد میں جلانا منع ہے، البتہ اس کی روشنی میں تلاوت قرآن کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) مروجہ تعزیہ داری ناجائز ہے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی کتاب "رسالہ تعزیہ داری" میں اس کی تفصیل دیکھی جائے۔

(۳) حجراسود کے بارے میں مشکوۃ شریف صفحہ ۲۲۷ پر یہ حدیث ہے" نزل حجرالاسود من الجنة وهو اشد بياضاً من اللبن فسودته خطايابنى آدم " حجراسود جنت سے اترا تو دودھ کی طرح سفید تھا تو اس کو آدمیوں کے گناہ نے کالا کردیا کون لایا اس کی مستند روایت ہمیں نہیں ملی بعض تاریخوں میں ایسا خیال آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس کو لانے والا بتایا ہے۔

(۴) چین اگر دھات کی ہے تو اسے پہن کر نماز پڑھنا منع ہے۔

(۵) مسجد میں غسالہ وضو ٹپک رہا ہو تو اس سے اچھا تو یہی ہے کہ تہبند میں سکھائے ورنہ اس سے بچنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم　عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی　۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ

(۶۳-۶۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) ہم لوگ گاؤں لائق پاڑہ کے رہنے والے ہیں سب لوگ مل کر ایک مسجد بنائے تھے جس میں امام گاؤں ہی کے تھے جب سے اس نے امامت کرنا شروع کی تب ہی سے کسی دن دو وقت کی نماز میں غائب، کسی دن تین وقت کی نماز میں غائب، اور کبھی کبھی اذان بھی نہیں ہوتی تھی تب سب گاؤں والوں نے مل کر ان سے کہا کہ ہم لوگ ایک باہر کے امام رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ آپ اس کام کو ٹھیک انجام نہیں دے پارہے ہیں، تو اس نے کہا ٹھیک ہے۔ مزید ان سے کہا گیا کہ ہم لوگ اگر باہر کے امام رکھیں تو آپ نماز پڑھنگے یا نہیں تو اس نے کہا کہ ہم کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے چاہے خدا کا ولی ہی کیوں نہ آجائے، اور باہر کا امام ایک سال تک امامت کیا لیکن کبھی اس نے نماز نہ پڑھی، اس وقت اسی امام نے زبردستی امامت کرنا شروع کر دیا تو کیا اس امام کے پیچھے نماز جائز ہوگی۔ قرآن وحدیث کے مطابق بتائیں کرم ہوگا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ مسجد کی جگہ جس آدمی کی تھی اس نے خدا کی راہ میں دے دیا تھا لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے نے کہا مسجد ہماری ہے جب کہ مسجد پورے گاؤں والوں نے تعمیر کرایا اور اس کے لڑکے کا کہنا ہے کہ آگے گاؤں والا امام نماز پڑھائے گا چاہے جو نماز پڑھے یا نہ پڑھے تو اس وقت اس امام کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں اور اس مسجد میں نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ مسجد کا متولی اس آدمی کا لڑکا کہتا ہے کہ یہ مسجد میری ہے اس بدچلن کے امام مقرر ہونے کے ناطے ہم سب لوگ گاؤں والے اس مسجد کے ایک سوبیس فٹ دوری پر دوسری جگہ نماز باجماعت ادا کرتے ہیں کیا یہ نماز صحیح ہوگی۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ اس وقت وہی امام مسجد میں امامت کرتا ہے اور اس کا کہنا ہے آج کل کے زمانے میں جو قوالی ہوتی ہے اور تعزیہ بنانا اور قبر پر سجدہ کرنا، ڈھول بجانا، گانا، سید کے لیے زکوۃ فطرہ کھانا یہ سب جائز ہے اور جو اس کو ناجائز کہے وہ مسلمان ہی نہیں اور سب چیزیں وہ خود کرتے بھی ہیں اور دسروں کو بھی کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

یہ سب مسائل کے بارے میں مفتیان دین کا کیا کہنا ہے قرآن وحدیث کے مطابق جواب دیں کرم ومہربانی ہوگی۔ المستفتی، حاجی محمد صابر علی لائق پاڑہ پوسٹ اوں ہرش پور تھانہ پانچلا ضلع مئو یوپی

الجواب

آج کل مسلمانوں نے اپنے قول وقرار کا اعتبار بالکل کھودیا ہے اس لیے خوب جان لینا چاہئے کہ ہم جو کچھ احکام بیان کریں گے وہ یہ مان کر کہ سائل اپنے بیان میں سچا ہے اگر اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہوگا تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔

برتقدیر صدق مستفتی چاروں نمبروں میں امام مذکور کے بارے میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں اس کا ادنیٰ درجہ فسق وفجور اور گمراہی ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی کہ پڑھ لی تو نماز لوٹاؤ اور اس کو امام بنانا گناہ اور بشرط استطاعت اس کو امامت سے علیحدہ کرنا واجب۔

شامی میں ہے۔"ومشیٰ فی شرح المنیۃان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریمۃ"

اور چوتھے نمبر میں قوالی، تعزیہ اور مزامیر، زکوۃ علی بنی ھاشم وغیرہ ممنوعات کو ناجائز کہنے والوں کو اسلام سے خارج کرنا ایسا قبیح ہے جس نے اس کے ایمان واسلام میں شبہ ڈال دیا سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں تا آنکہ وہ اپنی ان خلاف شرع حرکتوں سے توبہ صادقہ کرے اور توبہ وتجدید ایمان ونکاح کرے۔

وقف کے بعد موقوفہ چیز آدمیوں کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملک ہوجاتی ہے اگر خود واقف موجود ہوتا تو وہ بھی اس پر اپنی ملکیت جتا نہ سکتا اس کے لڑکوں کی کیا حیثیت ہے؟

جن لوگوں نے الگ جماعت قائم کی اگر مذکورہ امام کو امامت سے الگ کرنے پر قادر نہیں تو معذور ہیں اور ان کی جماعت صحیح و جائز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، یکم ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

(۶۷-۷۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) ایک مسجد جس کی لمبائی تقریباً ۳۰ فٹ تھی مگر نمازیوں کی کثرت کی وجہ کم پڑ جاتی تھی اس وجہ سے کچھ لوگوں نے مذکورہ مسجد کے بائیں طرف تقریباً ۱۰ فٹ کا کمرہ بہ نیت مسجد تعمیر کرایا اور درمیانی دیوار کو اپنی جگہ باقی رکھا صرف اس میں ایک یا دو جنگلے لگا لیا اور مسجد کے دوسرے حصہ سے کمرہ کا دوسرا حصہ ملا ہوا ہے یعنی بیچ میں کوئی دیوار نہیں۔ ایسی صورت میں محراب بدل کر نماز پڑھی جائے یا پرانی محراب سے نماز ہو جائے گی؟

(۲) مسجد کے اندر دینی کام کے لیے عید گاہ قبرستان وغیرہ کے سلسلے میں چندہ کا سوال کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) زید ایک مسجد میں امامت کرتا ہے اور اسکے پاس غیر محرمات عورتیں بے پردہ آتی جاتی رہتی ہیں زید ان عورتوں سے منہ در منہ خبر پرسی اور حالات شناسی کے بعد تعویز وغیرہ بنا کر دیتا ہے، آیا زید کی امامت میں نماز پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے۔

(۴) جیسا کہ آج کل عام دنوں میں یا رمضان المبارک کے مہینہ میں شبینہ چند حفاظ مل کر جماعت کی شکل میں دو دو رکعت نماز نفل کی نیت سے ایک رات میں پورا قرآن شریف فرداً فرداً سنتے اور سناتے ہیں ایسا کرنا کیسا ہے ؟ مدلل تحریر فرمائیں۔ المستفتی، سبحان اللہ قصبہ گنج پور ضلع گورکھ پور

الجواب

(۱) صورت مسئولہ میں پرانی محراب پر کھڑا ہو تو نماز تو ہو جائے گی لیکن سنت کے خلاف ہوگی سنت یہ ہے کہ امام مسجد کے بیچوں بیچ کھڑا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) مسجد میں اپنے لیے سوال کرنا حرام ہے، لیکن کسی دوسرے ضرورت مند کے لیے یا کسی دینی کام کے لیے سوال کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ سنت ہے، بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) غیر محرم عورتوں سے بے پردہ ملنا حرام ہے اگر زید اجنبی عورتوں سے بے پردہ ملتا ہے تو

فاسق ہے اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ (غنیۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) مروجہ شبینہ جس میں کچھ لوگ پڑھتے ہیں اور کچھ بیٹھ کر گپ اڑاتے ہیں بیڑی چائے پیتے ہیں منع ہے البتہ رات بھر میں پورا ایک ختم پڑھنا بزرگوں سے ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۵ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

(۷۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

زید مسجد میں جس مصلے پر نماز پڑھ رہا ہے اس کے آگے بھی ایک مصلیٰ بچھا ہوا ہے جس کی لمبائی بیس ہاتھ چوڑائی ڈھائی ہاتھ ہے اب بکر اگلے مصلے پر سے گذرا تو کیا زید کا سترا اگلا مصلی ہے کہ نہیں؟ نیز بکر گنہگار ہوا یا نہیں؟

المستفتی، عبدالولی دیال پور چھپرہ

الجواب

چھوٹی مسجد میں کہیں سے بھی مصلی کے آگے سے گذریں گذرنے والا گنہگار ہوگا۔

(بہار شریعت بحوالہ عالم گیری)

البتہ بڑی مسجد ہو تو سجدہ کرنے میں جہاں سر ہوتا ہے اگر مصلی کھڑا ہو کر وہاں تاکے تو مسجد کا جتنا حصہ نظر آتا ہے اس کے بعد سے گذرنے میں حرج نہیں اور یہاں کے گز سے ساڑھے چون گز کی مسجد مسجد کبیر اور اس سے کم ہو تو مسجد صغیر ہے۔ (فتاویٰ رضویہ) بچھا ہوا مصلی سترہ نہیں ہو سکتا سترہ کیلیے ہاتھ بھر اونچا اور انگوٹھا یا اس سے زائد موٹی کوئی چیز ہونی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ

(۷۲۔۷۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) زید سنی ہے اور مسجد کے لیے چندہ وہابیوں سے لیتا ہے اور مسجد میں لگاتا ہے۔ خالد وہابی مذہب رکھتا ہے زید و خالد دونوں اسمبلی کے الیکشن میں کھڑے ہوئے، زید سنی سے سائل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، خالد سے کوئی نقصان نہیں ہے۔ ایسی صورت میں سائل کسے ووٹ دے۔ اگر زید کو سائل ووٹ نہ دے کر خالد کو اپنا ووٹ دے تو شرع کا سائل کے لیے کیا حکم ہے بیان فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

(۲) بالغ کے ہوتے ہوئے نابالغ کی اقامت درست ہے یا نہیں۔

المستفتی: الحاج عبدالرشید صاحب محلہ کوٹ غربی سنبھل ضلع مراد آباد

الجواب

(۱) وہابی کا مسجد میں چندہ لگانا جائز نہیں۔

قرآن عظیم میں ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ﴾[التوبة:۱۸]
مسلمان کو ہی مسجد کی تعمیر کا حق ہے۔

(۲) ووٹ دینا نہ فرض ہے نہ واجب، بقول سائل سنی امیدوار سے دنیاوی نقصان کا خطرہ ہے اور وہابی کو اپنا نمائندہ بنانے میں دین کا نقصان ہے، اس لیے دونوں سے بچے اور کسی کو ووٹ نہ دے۔ آج کل عام طور سے لوگ مسائل عمل کرنے کیلیے نہیں پوچھتے، یا تو کسی پر الزام دھرنا ہوتا ہے یا اپنے سے الزام دفع کرنا۔ ووٹ دینے کا اصل حکم یہ ہے کہ جس کو ووٹ دیا گیا اسے اپنی طرف سے نمائندہ بنایا گیا تو وہ جو غلطی کرے گا اس کا وبال ووٹ دینے والے پر بھی ہوگا، اس لیے ووٹ اسی کو دینا جائز ہوگا جو دین دار اور صالح اور حق کا جانبدار ہو جس میں یہ صفات نہ ہوں چاہے کسی پارٹی سے یا نجی طور پر آزاد اٹھے اس کو ووٹ دینا جائز نہیں ہوگا، اسلام میں جس طرح اور تمام ذمہ داریوں کے لیے سنیت شرط ہے۔ اس کے لیے بھی سنیت شرط ہے۔

(۳) خاص امامت کے بارے میں اس وقت کوئی جزیہ مستحضر نہیں سمجھ والے بچے کی اذان بلا کراہت جائز ہونے کی تصریح عام کتب فقہ میں ہے، اسی پر اقامت کے مسئلے کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۲۶ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ

(۷۴۔۷۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) شر پھیلانے والے جماعت بھنگ کرنے والے کو مسجد سے روکنا چاہئے یا نہیں؟۔

(۲) جو شخص کہے میں مسئلہ کو نہیں مانتا ہوں میں مسئلہ کو ٹھوکر مارتا ہوں ایسے شخص پر شریعت کا کیا حکم ہے؟۔

(۳) زید بکر کی غیبت کر رہا تھا اس پر تیسرے شخص نے کہا ایسا مت کہئے آپ غلط فہمی کے شکار ہو کر ایک سید کی برائی کر رہے ہیں اس پر اس نے کہا وہ سید ہے؟ میں اس سالے کے منہ پر پیشاب کرونگا ایسے شخص کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے۔

ان سوالات کے جوابات شریعت کی رو سے مفصل ومدلل عنایت فرمائیں۔

المستفتی محمد شفیق بریلی شریف بتاریخ ۱۳؍اگست ۱۹۹۶ء

الجواب

(۱) بر تقدیر صدق مستفتی شر پھیلانے والے کو مسجد سے روکا جا سکتا ہے۔

درمختار میں ہے: "يمنع منه كل موذ لو بلسانه "

مگر طریقہ تحفظ کا لحاظ ضروری ہے اگر منع کرنے میں اندیشۂ فساد ہو چارہ جوئی کر کے بند کرادیں۔ (فتاوی رضویہ ششم ص۴۴)

(۲) مسئلہ شرعی کی توہین اور اس کا انکار کفر ہے ایسے شخص پر توبہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے۔ (فتاوی رضویہ جلد ششم ص۹۵)

(۳) کسی مسلمان کی غیبت کرنا حرام ہے اور اس کو گالی دینا فسق ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ سباب المسلم فسق۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۸؍جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ

(۷۷۔۷۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) ایک سند یافتہ عالم نے تقریر میں اعلان کیا کہ عورتوں کو مسجد میں جانا جائز ہے اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ جب حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد میں عورتیں آتی تھیں تو حضور نے نہیں روکا تو حضرت فاروق اعظم کو روکنے کا کیا حق ہے؟ ایسا برسر عام کہا تو شخص مذکور کا یہ قول از روئے شرع کیسا ہے؟ خلاصہ فرمائیں۔

(۲) مسجد کے ساتھ میں مدرسہ بھی ہے جس میں مسلم بچے علم دین حاصل کرتے ہیں اور متعین وقت پر چلے جاتے ہیں، پھر اس مدرسہ میں عورتیں آکر علم وحکمت کی باتیں سیکھیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ حکم شرع کیا ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد نصیب سومرا محلہ کلکٹر آفس بھوج کچھ گجرات

الجواب

بے شک حضور ﷺ کے زمانہ برکت نشان میں عورتیں مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتی تھیں، اور بلاشبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد مبارک میں عورتوں کو مسجد میں حاضری سے روکا مگر اس غیر مقلد بے ادب مولوی کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ اس نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جناب میں یہ گستاخانہ جملہ ادا کیا کہ حضور نے نہیں روکا تو فاروق اعظم کو روکنے کا کیا حق ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کے عہد مبارک میں کتے مسجد نبوی شریف میں عام طور سے آتے اور جاتے تھے۔

کانت الکلاب تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول الله ﷺ فلن یکونوا یرشون من ذلك۔

حضور ﷺ کے عہد مبارک میں کتے مسجد پاک میں آتے جاتے مگر کوئی پانی ڈال کر زمین پاک

وصاف نہیں کرتا تھا۔ (بخاری بحوالہ مشکوۃ ۵۳)

تو کیا غیر مقلد آج مسجد میں کتے اور دوسرے چوپایوں کو روکنے والوں سے اسی لب ولہجہ میں کہہ سکتا ہے کہ جب کتے عہد رسالت میں مسجد کے اندر بلا روک ٹوک کے جاتے تھے تو آج تم کو روکنے کا کیا حق ہے؟

حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تو لوگ عام طور سے جوتا پہن کر نماز پڑھتے بلکہ خود حضور علیہ السلام نے صحابہ کو اس کا حکم دیا۔

خالفوا اليهود فانهم لا يصلون في نعالهم و خفافهم (مشكاة: ۱/۱۵۲)

یہودی موزہ جوتا پہن کر نماز نہیں پڑھتے تو تم ان کی مخالفت کرو،

آج جوتوں میں نماز پڑھنا تو بڑی بات ہے اگر ہمت ہو تو غیر مقلد مولوی جوتا ہی پہن کر مسجد میں گھس جائے، یا فرش پر ہی جوتا پہن کر ٹہلنے لگے اور اگر کوئی ٹوکے تو انہیں للکارے کہ حضور علیہ السلام نے تو جوتا پہن کر نماز پڑھائی اور اس کا حکم دیا، تم لوگوں کو روکنے کا کیا حق ہے؟ تو مسلمان جوتوں سے اس کی چاند گنجی کر دیں گے۔

پس جب یہ امور آج کے عہد میں عہد رسالت کے خلاف ہو رہے ہیں، اور ان کو اسی طرح ادا کرنا مسلمان کار ثواب سمجھتے ہیں، اور خود غیر مقلد بھی مسجد میں کسی جانور کا گھسنا اور نماز کی جگہ جوتا پہن کر چلنا یا جوتا سمیت نماز پڑھنا خلاف ادب سمجھتے ہیں، تو اس غیر مقلد کو اس کا کیا حق پہونچتا ہے کہ امام برحق خلیفہ راشد نائب رسول اللہ حضرت فاروق عادل بین الحق والباطل پر یوں زبان طعن دراز کرے۔

خزله الله، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے۔ بات اصل یہ ہے کہ بہت ایسے احکام ہیں جو وقت او رزمانہ کے تغیر اور عرف و عادت کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں، تفصیل آگے آرہی ہے۔

اس گستاخ غیر مقلد کا یہ کہنا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا کیا حق کہ عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے منع کریں تو ان کو یہ حق ان کے آقا و مولا حضور سید عالم علیہ السلام نے عطا فرمایا۔ احادیث کریمہ ملاحظہ ہوں:

(۱) میرے آقا علیہ السلام نے فرمایا: اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم۔

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، تم جس کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔

(رواہ رزین بحوالہ مشکوۃ ص ۵۵۴)

تو صحابہ کرام میں ابوبکر و عمر سے زیادہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے احکام کی پیروی کی

جائے کہ یہ بے تمیز وہابی حضرت عمر کے حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔

آپ کی مشہور و معروف حدیث خلفائے راشدین کے بارے میں: علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ۸٤١/٥)

میرے طریقہ کو لازم پکڑو اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کو لازمی اختیار کرو۔

تو کیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلفائے راشدین میں سے نہیں کہ یہ نا سمجھ مولوی ان کے حق کا سوال اٹھا رہا ہے۔ آپ نے خاص ابو بکر و عمر کے بارے میں فرمایا: لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین بعدی ابی بکر و عمر۔

کیا معلوم کہ میں کب تک تم میں رہوں تو میرے بعد رہنے والے ابو بکر و عمر کی پیروی کرنا۔

(ترمذی بحوالہ مشکوۃ ص ۵۶)

پس جب رسول اللہ ﷺ نے تین تین طرح سے حضرت عمر کی اتباع اور پیروی اور ان کی سنت و طریقہ پر عمل کرنے کا حکم دیا تو کسی غیر مقلد یا وہابی کو ان پر اعتراض کرنے کا کیا حق پہونچتا ہے۔

(۲) سنن راتبہ جو پنجوقتہ فرائض سے پہلے یا بعد میں پڑھی جاتی ہیں ان کا مسجد میں پڑھنا بھی جائز لیکن ان کی اصل جگہ گھر ہے کہ گھر کے اندر ہی ان کو پڑھنا بہتر اور افضل ہے تو جن نمازوں سے پہلے سنتیں ہیں انہیں گھر میں ادا کر کے آدمی مسجد میں جائے اور جماعت میں شریک ہو اور جس میں بعد میں ہیں انہیں جماعت پڑھ کر گھر چلا آئے اور گھر میں ادا کرے اور جن میں پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں پڑھنا ہے وہ بھی صرف فرض مسجد میں ادا کرے اور سنتیں بالترتیب گھر میں ادا کر کے جائے اور فرض پڑھ کر گھر آئے اور سنت پڑھے حضور ﷺ کا یہی طریقہ تھا خود اسی پر عمل کرتے اور مسلمانوں کو بھی اس پر تاکید فرماتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

اذا سکت المؤذن من اذان الفجر قام فرکع رکعتین خفیفتین ثم اضطجع علی شقه الایمن حتی یاتیه المؤذن للاقامة فیخرج۔

موذن صبح کی اذان سے فارغ ہوتا اور صبح روشن ہوجاتی تو آپ کھڑے ہوکر دو رکعتیں مختصر ادا فرماتے اور اقامت کے انتظار میں دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے اور موذن اقامت کے لیے آتا تو آپ فجر کی جماعت کے لیے حجرہ سے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

اس حدیث شریف سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ سنت فجر آپ گھر میں ہی ادا فرماتے پھر اقامت کے انتظار میں گھر ہی میں لیٹ جاتے لیکن معلوم نہیں کہ کس حق سے آج کل غیر مقلدین ان

دونوں سنتوں کی مخالفت کرتے ہیں کہ سنت فجر مسجد میں پڑھتے ہیں اور مسجد میں ہی لیٹ کر خراٹے لیتے ہیں۔

دوسری حدیث: کان یصلی فی بیتی قبل الظهر اربعا ثم یخرج فیصلی بالناس ثم یدخل فیصلی رکعتین و کان یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین ثم یصلی بالناس العشاء ویدخل بیتی فیصلی رکعتین۔ (مشکاۃ:۱/۱۰۳)

حضور ﷺ میرے حجرہ میں ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھ کر نکلتے اور مسجد میں لوگوں کو فرض پڑھاتے پھر حجرہ میں آکر دو رکعتیں پڑھتے اور لوگوں کو مغرب پڑھا کر آتے تو حجرہ میں دو رکعتیں پڑھتے اسی طرح عشا پڑھ کر آتے تو دو رکعت سنتیں گھر میں پڑھتے۔

ایک حدیث شریف میں ہے: کان النبی ﷺ اتی مسجدا بنی الاشھل فصلی فیه المغرب فلما قضوا صلاتهم راهم یسبحون بعدها فقال رسول الله ﷺ علیکم بهذه الصلاة فی البیوت۔ (مشکاۃ:۱۰۵)

حضور ﷺ مسجد بنی اشہل میں تشریف لائے نماز مغرب پڑھی تو لوگ وہیں کھڑے ہو کر سنن و نوافل پڑھنے لگے آپ نے تاکید فرمائی کہ ان نمازوں کو گھر میں پڑھنا لازم پکڑو۔

دوسری حدیث میں ہے:

صلاة المرء فی بیته افضل من صلاته فی مسجدی هذا الا المکتوبة۔ (مشکاۃ:۱۰۵)

فرض کے علاوہ تمام نمازیں گھر میں پڑھنا میری اس مسجد میں پڑھنے سے بھی زیادہ افضل ہیں۔

ان حدیثوں سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں (الف) سنتیں اور نوافل گھر میں پڑھنا افضل اور مسجد میں پڑھنا صرف جائز اور کم درجہ ہے اب حضور ﷺ نے مسلمانوں کو جائز امر سے روکا اور افضل عمل کی تاکید فرمائی اس پر مسلمان کو یہ حق ملا کہ ایک کام میں افضل و مفضول یا جائز اور بہتر دونوں پہلو ہوں تو مفضول کو منع کر کے افضل پر عمل کرنے کی تاکید کی جا سکتی ہے تو مسلمانوں کے امیر اور خلفائے راشدین کو بدرجہ اولی اس کا حق ہوگا۔

اب عورتوں کے مسجد میں آنے اور جانے کے مسئلہ پر غور کیا جائے تو صرف ایک جائز بات ہے خود یہ غیر مقلد مولوی بھی اس کا اعتراف کرتا ہے، تبھی تو کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مسجد سے نہیں روکا اور حدیث شریف میں ہے بھی یہی فرمایا کہ عورتیں مسجد میں جانا چاہیں تو انہیں اجازت دیدو، اس کے برخلاف عورتوں کو مسجد کے بجائے گھر میں نماز پڑھنے کی فضیلت میں یہ حدیث مروی ہے:

لا تمنعوا نسائکم المساجد وبیوتھن خیر لھن۔

(مسند امام احمد بن حنبل:۲/۱۰۱ ۴)

عورتوں کو مسجد سے نہ روکو لیکن ان کے لیے مسجد سے بہتر گھر ہی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے نماز کے واسطے مسجد کے بجائے گھر افضل واعلیٰ ہے اور برتر و بالا ہے جس طرح مردوں کے لیے سنن ونوافل کی ادائیگی کے لیے مسجد کے بجائے گھر بہتر اور افضل ہے، تو جس طرح سید عالم نے مردوں کو سنن ونوافل سے مسجد میں روکا اور گھر میں پڑھنے کی تاکید فرمائی، اسی طرح امیر المومنین غیض المنافقین خلیفۃ الرسول ﷺ فی الارضین نے عورتوں کو مسجد میں نماز کے لیے آنے سے روکا تو کیا غلط کیا، حضرت فاروق اعظم کو تو رسول اللہ ﷺ کی اس سنت مبارکہ نے حق دیا کہ خدا کی کنیزوں کو افضل نماز پڑھنے کی تلقین کریں، غیر مقلدوں کو خلیفہ راشد پر اختلاف اور اعتراض کا کہاں سے حق ملا۔

(۳) شرع شریف سے ثابت شدہ یہ اصول وقاعدہ ہے، ضرورت، دفع حرج، عرف، تعامل، جلب منفعت ودفع مضرت کے لیے زمانہ ماسبق کا قیاسی بلکہ منصوص حکم بھی بدل جاتا ہے۔ مجدد مائۃ رابع عشر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گراں قدر تصنیف اجلی الاعلام میں فرمایا:

قول کی دو صورتیں ہیں قول ضروری، قول صوری۔ قول صوری وہ ہے جو قائل سے کسی خاص مسئلہ میں منقول اور مروی ہو اور قول ضروری وہ ہے کہ قول صوری کی طرح منصوص ومنقول تو نہ ہو، لیکن اس نے ایسا ایک عام قول کہا ہو جو اس منقول ومنصوص کے لیے بھی اپنے ضمن میں ایک حکم رکھتا ہے کہ اگر قائل موجودہ خاص صورت کے بارے میں کوئی حکم دیتا تو یہی حکم دیتا اور بسا اوقات حکم ضروری حکم صوری کے مخالف ہوتا ہے اور موجودہ صورت حال میں حکم ضروری پر ہی حکم دیا جاتا ہے اور حکم صوری چھوڑ دیا جاتا ہے اور حکم ضروری کی اتنی اہمیت بڑھ جاتی ہے کہ اس صورت میں جو شخص حکم ضروری کو چھوڑ دے گا اور صوری پر عمل کرے گا تو اس کو حکم دینے والے کا نافرمان ومخالف کہا جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ زید اور بکر میں دوستی تھی اور بکر صالح بھی تھا تو زید نے اپنے خدام ومتعلقین کو بکر کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا، بار بار اس کی تاکید کی اور زید اپنے خدام کو یہ تاکید بھی کر چکا تھا کہ فاسقوں کی تعظیم وتکریم سے پرہیز کرنا، ایک زمانہ کے بعد (زید نے جس کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا تھا) فاسق ہو گیا، تو اب بکر کے اعلانیہ فسق کے بعد بھی زید کے خدام اگر بکر کی تعظیم وتکریم اس خیال سے کرتے رہے کہ زید نے اس کی بار بار تاکید کی، تو یہ خدام زید کے نافرمان ہوں گے، اور تعظیم ترک کر دیں گے تو فرمانبردار

کہلائیں گے۔ پس ایسا ہی احکام شرع میں بھی ہوتا ہے کہ وقت اور ضرورت کے تقاضہ سے حکم مخصوص متروک اور حکم عام کی اتباع لازم ہوتی ہے۔

صورت مسئولہ میں بھی کچھ یہی صورت حال ہے حضور ﷺ نے اپنے زمانہ میں یہ حکم دیا تھا کہ:

"لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ، (مسند امام احمد بن حنبل: ۷/۲۵۸)

اللہ تعالیٰ کی کنیزوں کو مسجدوں سے نہ روکو"

لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عام وتام بھی خود حضور ﷺ نے بیان فرمایا تھا۔ الفتنۃ اشد من القتل۔[البقرۃ: ۲] فتنہ قتل سے بھی زیادہ برا ہے۔ تو اس کی روک تھام بھی قتل کی روک تھام سے زیادہ ضروری ہے، سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ مقدس میں صلاح وفلاح غالب تھی اور مردوں میں غالب تر تھی تو آپ نے مسجد میں عورتوں کی حاضری کی اجازت عطا فرمائی، آپ کے عہد مبارک ومسعود کے بعد نہ عورتیں اس حال پر ہیں نہ مرد۔ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

لقد نهى عمر رضى الله تعالىٰ عنه النساء عن الخروج الى المساجد فشكون الى عائشة رضى الله تعالىٰ عنها فقال لو علم النبى ﷺ ما علم عمر ما اذن لكن فى الخروج۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی حاضری سے روکا تو عورتوں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی آپ نے فرمایا: آج عمر پر عورتوں کی جو حالت ظاہر ہوئی ہے حضور ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں ظاہر ہوتی تو آپ بھی عورتوں کو مسجد کی حاضری کی اجازت نہ دیتے۔

بخاری شریف جلد اول ص ۱۲۰ میں ہے:

لو ادرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن كما منعت نساء بنى اسرائيل۔

اگر حضور ﷺ آج کا زمانہ پاتے اور عورتوں میں یہ نئی باتیں دیکھتے تو آپ بھی ان کو مسجد سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں۔

تو حضرت عمر اور ان کے ساتھ ام المومنین بلکہ عام مسلمانوں نے یہ ضروری جانا کہ دفع فتنہ کی غرض سے عورتوں کو مسجد کی حاضری سے روکا جائے اور اللہ ورسول کے حکم عام پر عمل درآمد کیا جائے۔ پس آج کے دور پر فتن میں جو لوگ عورتوں کی مسجد میں حاضری پر اصرار کرتے ہیں در حقیقت وہ اللہ اور رسول کے حکم کی نافرمانی کر رہے ہیں، لیکن اس کو کیا کیجئے کہ وہابیہ اور غیر مقلدین بے ادب گستاخ اور نا سمجھ قوم ہیں جو خلفائے راشدین پر بھی اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے۔

اسی طرح عہد رسالت میں لوگوں کا رہن سہن نہایت سادہ اور بے تکلف تھا خود اپنے گھروں کے

لیے استنجا بلکہ دروازوں کے لیے بھی کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا، یہی حال مساجد کا بھی تھا اور کتے مساجد میں آتے جاتے رہتے تھے اور اس زمانہ میں جوتا پہنے ہوئے کسی مجلس میں بیٹھنے کو کوئی بدتہذیبی تصور نہیں کرتا تھا، کھانا بھی لوگ جوتہ پہن کر ہی کھاتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کھاتے وقت جوتا نکال دیا کرو اس سے تمہارے پیر کو آرام ملے گا، اسی لیے جوتا پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا، لیکن اب ہر انسان اپنے گھر کی حفاظت اور قفل و دروازہ کی ضرورت سے زیادہ اہمیت و ضرورت سمجھتا ہے اس لیے مسجد میں اس کا اہتمام ضروری سمجھا گیا اور گندے جانور تو الگ رہے مطلق کسی جانور کو مسجد کے اندر داخل ہونا بے ادبی تصور کیا جانے لگا اور نماز کو کون کہے، جوتہ پہن کر مسجد کے دالان یا فرش پر چلے جانا بھی بے ادبی قرار دی گئی۔

اہل اسلام کے ایک بڑے حصہ میں اسی پر عمل درآمد ہے، اور سابقہ تعامل متروک ہے، موجودہ حالات میں مسجد کے احترام کا تقاضہ اسی صورت میں ادا ہوتا ہے اور جو پرانے طریقہ کو گائے گا اس کو خاطی اور مجرم تصور کریں گے۔

مگر یہ غیر مقلدین اس درجہ بے باک واقع ہوئے ہیں کہ اتباع سنت کے نام پر خلفائے راشدین اور ائمہ ہدیٰ کی ہتک سے بھی نہیں چوکتے، اور شیعوں کی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مساعی جمیلہ سے ان کو انکار ہے، عورتوں کے مسجد میں آنے کے مسئلہ میں آپ نے ان کا حال خود دیکھا شیعہ تراویح کے اس لیے منکر ہیں کہ یہ سنت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے، اور غیر مقلدین بھی صرف ۸ر رکعت پڑھتے ہیں ان کو بھی بقیہ ۱۲ رکعت سے اسی لیے انکار ہے کہ حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۲) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

عورتیں نماز مسجد سے ممنوع ہیں واعظ یا میلاد خواں سنی صحیح العقیدہ ہو اور اس کا بیان صحیح اور مطابق شرع ہو اور جانے میں پوری احتیاط اور کامل پردہ ہو اور کوئی رجحان فتنہ نہ ہو اور مجلس رجال سے دوران کی نشست ہو تو حرج نہیں مگر جانے میں ان شرائط کا اجتماع خیال و تصور سے باہر شاید نہ ہوسکے۔ ومن لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل۔ فقط

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۷ر جمادی الاخری ۱۷ھ

(۷۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مسجد کی محراب وغیرہ میں بجلی بتی کا پورا انتظام ہے پھر بھی چراغ جلاتے ہیں تو یہاں کے امام

صاحب کا کہنا ہے کہ بجلی ہوتے ہوئے چراغ مت جلائیں، کیوں کہ فضول خرچی ہے، ہاں جب بجلی چلی جائے تو جلائے تو یہاں کے چند افراد کا کہنا ہے کہ چراغ جلانے سے میرے دل کو سکون ملتا ہے ہم بجلی ہوتے ہوئے بھی چراغ جلائیں گے بھلے آپ کچھ کہیں۔

نیز اگر کسی کا بچہ چھت پر سے گر جائے تو بطور جان کا صدقہ تیل لاکر مسجد میں چراغ جلاتے ہیں ،کیسا ہے؟ نیز اگر کوئی شخص امام صاحب کی شان میں گستاخی و بدکلامی کرے تو اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ مندرجہ بالا باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ المستفتی: محمد یوسف اشرفی اندرا کولانی

الجواب

بہار شریعت جلد دہم ص ۵۷ میں ہے: ایک شخص نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی کہ نیک کاموں میں صرف کیا جائے تو اس مال سے مسجد میں چراغ جلایا جاسکتا ہے، مگر اتنے ہی چراغ اس مال سے جلائے جاسکتے ہیں جتنے کی ضرورت ہے، ضرورت سے زیادہ محض زینت کے لیے اس رقم سے نہیں جلائے جاسکتے،

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) مال موقوفہ اور اس کی آمدنی سے ضرورت سے زیادہ چراغ روشن کرنا منع ہے۔ (۲) البتہ مسجد کی تعظیم یا زینت کی نیت سے اپنے مال سے خرچ کرنا ممنوع نہیں۔

فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۴۴ سے بھی اسی مسئلہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

''سوال: محراب مسجد یا دیوار قبلہ کو نقش و نگار اور سونے کا پانی چڑھانا اور رنگ دینا مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب: مکروہ ہے کہ باعث شغل قلب نمازیاں ہے مگر واقف نے کہا ہو تو ویسا ہی کیا جائے اس میں مسجد کی تعظیم کی نیت ہو۔

ان دونوں مسئلوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ وقف آمدنی سے اتنا ہی کیا جاسکتا ہے جتنی ضرورت ہو یا جتنا واقف نے کہا اور اپنی جیب سے خرچ کرنے میں شرط یہ ہے کہ نیت صحیح ہو جیسے مسجد کی تعظیم مقصود ہو یا مسجد کی زینت و آرائش اللہ کے گھر کی خصوصیت کی وجہ سے کی جائے۔

آپ نے سوال میں جو صورت تحریر کی ہے ہمیں تو اس میں تعظیم معلوم ہوتی ہے نہ زینت کہ بجلی کے قمقموں کے زمانہ میں مٹی کے دیئے میں تیل جلانا، وہ بھی برقی روشنی کی موجودگی میں ایک بے فائدہ کام

ہی معلوم ہوتا ہے، اس لیے یہ فعل منع ہی ہو جانا چاہیے، ممانعت کے باوجود جو لوگ ضد کر کے جلاتے ہیں وہ اپنے فعل کے ذمہ دار ہیں۔ امام صاحب نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر دیا یہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ حدیث شریف میں ہے:

اذا رأيت شحا مطاعا و هوى متبعا ودنيا موثرة واعجاب كل ذى راى برايه و رأيت امرا لا بد لك منه فعليك بنفسك۔ (طبری:۶۳/۷)

جب لوگ بخل کے پیچھے دوڑیں اور خواہش نفس کی پیروی کریں اور دنیا کو دین پر ترجیح دیں اور ہر آدمی اپنے رائے پر مغرور ہو اور کوئی چارہ نہ ہو تو تم اپنے نفس کو لازم پکڑو یعنی اس کی اصلاح کرو۔ ایسی صورت سے بچیں جو فتنہ پیدا کرنے والی ہو۔

قرآن شریف میں ہے: ﴿الفِتنَةُ اَشَدُّ مِنَ القَتلِ﴾ [البقرۃ:] واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۸ر ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

(۸۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے سورج پور میں ایک مسجد ہے جس کا فرش کل پانچ فٹ چوڑا ہے، وہاں مصلی نماز پڑھتے ہیں۔ اب فرش پر ایک ہینڈ پائپ (نل) گاڑ دیا گیا ہے جہاں لوگ نہاتے ہیں اور کپڑا دھوتے ہیں، نہاتے وقت چھینٹے مسجد کی عمارت کے اندر جاتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد غلام رسول مقام سورج پور پوسٹ سورج پور ضلع مئو یوپی

الجواب

ہندوستان میں عام طور سے مسجد بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جتنی زمین پر مسجد بنانی ہوتی ہے مثلاً تیس فٹ لمبی چوڑی تو اس میں سے ۱۵/۲۰ فٹ چوڑائی اور پوری لمبان پر عمارت بنا دیتے ہیں اور دس پندرہ فٹ چوڑا اسی سے لگا ہوا مسجد کا فرش ہوتا ہے جس پر عمارت نہیں بناتے مگر یہ پورا حصہ مسجد ہی میں شامل مانا جاتا ہے۔ باہر فرش پر بھی نماز ہوتی ہے۔

پھر جہاں زمین کشادہ ہوتی ہے تو اس کے بعد بھی پورب طرف صحن چھوڑ دیا جاتا ہے اس کے بعد مسجد کی چہار دیواری ہوتی ہے جس میں نالی، وضو کی جگہ اور غسل خانہ و پیشاب خانہ وغیرہ ہوتا ہے اور بعض جگہ زمین کی تنگی کی وجہ سے چھایا ہوا حصہ ہو یا بے چھایا ہو، سب مسجد ہوتا ہے اس پر نماز پڑھی جاتی ہے وضو وغیرہ کے لیے جگہ کی تنگی کی وجہ سے مسجد کے پاس انتظام نہیں ہوتا۔

سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ مسجد بھی جس کا سوال ہوا ہے اسی دوسرے قسم کی ہے جس کا

کل حصہ مسجد ہی ہے، کچھ پر چھت پڑی ہے اور کچھ کھلا ہوا بطور فرش کے ہے، اب اس فرش والے حصہ پر کچھ لوگوں نے ہینڈ پائپ گاڑ دیا ہے، اسی فرش پر غسل وغیرہ کرتے ہیں تو مسجد میں ہینڈ پائپ گاڑنا حرام ،اس میں وضو کرنا، نہانا اور کپڑے دھونا تو بڑی بات ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

یکره التوضی فی المسجد لانه مستقذر طبعاً فیجب تنزیه المسجد عنه کما یجب تنزیهه عن المخاط والبلغم۔(بدائع الصنائع:٦)

مسجد میں وضو کرنا منع ہے اس لیے کہ یہ گندگی ہے تو اس سے مسجد کو بچانا چاہئے جیسے تھوک بلغم وغیرہ سے مسجد کو بچانا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں ہے: انما لم تبن لهذه۔انما لذکر الله وتلاوة القرآن

مسجدیں آلودگی کے لیے نہیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوت قرآن کے لیے ہیں۔

پس صورت مسئولہ میں لازم ہے کہ وہاں سے ہینڈ پائپ اکھاڑ کر مسجد کے فرش کو نماز کے لیے خالی کیا جائے اور وہاں غسل وضو وغیرہ افعال جو مسجد کی حرمت کے خلاف ہیں نہ کئے جائیں اور مسئلہ معلوم ہونے کے بعد ایسا کرنے والے نہ مانیں تو مسلمان ان کا بائیکاٹ کر سکتے ہیں وہ سخت مجرم اور عذاب الٰہی کے مستحق ہیں، بھلا ہم مسلمان ہی مسجد کا احترام نہ کریں گے تو دوسرے لوگ کیا کریں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۵ر جمادی الاخری ۱۴۱۸ھ

(۸۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مسجد بنانے میں اگر غیر مسلم بخوشی کچھ نقد یا اینٹ وغیرہ دے تو اس کو مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ دراں حالیکہ مسجد میں افتادہ زمین ہے کمیٹی مسجد نے اس کے اندر دکان بنوانے کا ارادہ کیا تاکہ امام کے رہنے کی بھی عافیت ہو اور بقیہ دکان کرایہ پر لگا کر جو اس سے روپیہ آئے امام و مؤذن کی تنخواہ ہو، بنوائی۔ جس میں یہاں کے غیر مسلموں نے بھی چندہ یا اینٹ دیا اور دکان تیار ہوگئی، جو ہنوز کرایہ پر چل رہی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ روپیہ جو کرایہ سے آتا ہے امام و مؤذن کی تنخواہ میں دینا درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس دکان میں مسلم غیر مسلم دونوں کا روپیہ خلط ہے اس لیے کرایہ کے روپے سے امام و مؤذن کی تنخواہ دینا درست نہیں۔ لہذا جواب مدلل بحوالہ کتب ارشاد فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بینوا توجروا المستفتی: محمد ادریس عرف منوئیان از اندان ضلع بردوان ۲ر نومبر ۶۳ء

الجواب

مسجد کی تعمیر میں غیر مسلم سے چندہ لینا منع ہے۔ قرآن عظیم میں ہے:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾[التوبة:۱۷)
مسجد کے متعلق افتادہ زمین پر دو کانات کی تعمیر میں بہتر یہی تھا کہ چندہ نہ لیا جاتا، لیکن جب لے لیا گیا ہے اور وہ اس بات پر راضی ہیں کہ مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں تو اس کے کرایہ کی آمدنی سے امام و موذن کو تنخواہ دی جاسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۲؍جمادی الاخری ۸۳ھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ

(۸۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ
موضع غوث پور اور مضافات ضلع غازی پور میں ایک کچی مسجد ہے جو ۱۹۲۲ء میں یہاں کے مسلمانوں کی غربت کی بنا پر درست نہ ہوسکی اور شہید ہوگئی۔ تقریبا پچیس سال تک یوں ہی رہی، پھر یہاں کے مسلمانوں نے چندہ کرکے ۵۸ء میں مسجد پکی بنائی اور اسی مسجد کی تھوڑی سی زمین اس خیال سے چھوڑ دی کہ پیسے کی فراہمی پر ایک مکتب بنوادیا جائے گا مگر بدقسمتی سے ابھی تک مکتب نہ بن سکا۔
اسی اثنا میں ایک صاحب نے پھل دار درخت لگائے جس کی دیکھ بھال اور سینچائی تمام مسلمانوں نے کی یہاں تک کہ درختوں میں پھل لگنے لگے مگر ان پھلوں کو سوا ان صاحب کے جنھوں نے لگایا تھا کسی اور کو کوئی فائدہ نہیں، استفسار پر کہتے ہیں چونکہ ہم نے لگائے ہیں اس لیے میرا حق ہے حالانکہ مسجد کے مصارف کا انتظام چندہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب درختوں کو کاٹ کر مکتب بنواسکتے ہیں یا نہیں؟ ازروئے شرع جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ المستفتی: حشمت اللہ انصاری

الجواب

جو زمین مسجد کی ہوگئی وہ اب قیامت تک مسجد کی رہے گی نہ اس میں کوئی مکان بنا سکتا ہے نہ مکتب اور مدرسہ۔ عالم گیری میں ہے: "اذا خرب المسجد و استغنی اهله صار بحيث لا يصلى فيه قيل هو مسجد ابدا و هو الاصح" (۴۹۹/۲)
اس حصہ میں جو مسجد میں تھا اور جس کو اب علیحدہ کیا گیا ہے جو درخت لگایا گیا ہے مسجد کا ہے۔ لگانے والے نے اس سے جو فائدہ اٹھایا اس کا معاوضہ مسجد کو ادا کرے۔ اسی میں ہے "واذا غرس شجرا فی المسجد فالشجر للمسجد" [عالم گیری: ۵۰۸/۲) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۱۷؍رجب ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ

(۸۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

گرام سماج کی کچھ جگہ چھوڑی ہوئی زمین چار آدمیوں نے پردھان سے بیع وشراء پختہ کرا کے اور بعد ادائیگی قیمت کے چار آدمی اس زمین کے مالک ہو گئے اور ہر شخص نے ان چاروں میں سے اپنا اپنا حصہ چار جگہ کر کے قابض ہو گئے، پھر اس کے بعد گاؤں والے اپنی زمین کے ایک حصہ میں مسجد تعمیر کرنے کے لیے سامان مہیا کرنے لگے، پھر کچھ گاؤں والوں نے راضی ہو کر کہا کہ مسجد یہاں تعمیر نہیں ہوگی بلکہ گرام سماج کی جو زمین چار آدمیوں نے خریدی ہے اسی زمین میں مسجد بنائی جائے گی۔

پھر ان چار آدمیوں کو خبر ہوئی تو ان چاروں نے رائے کی کہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق امام باڑہ اور چوک اور مسجد بنانے کے لیے اپنی اپنی زمینوں سے دیا جائے۔ چنانچہ یکے بعد دیگر ہر ایک شخص نے اپنی اپنی وسعت کے مطابق اپنا اپنا حصہ وقف کر دیا تین چیزوں کے لیے تین حصہ دار نے اپنا اپنا حصہ مسجد امام باڑہ اور چوک کے لیے وقف کر دیا اور چوتھے حصہ دار نے جو کثیر العیال ہونے کے باعث جگہ کی قلت ہونے کے سبب اپنا پورا حصہ ان تینوں چیزوں کے لیے وقف کرنے سے معذور ہے۔ اب گاؤں کے سبھی لوگ زبردستی اس چوتھے شخص سے زمین لینا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس سلسلہ میں اس چوتھے غریب حصہ دار کثیر العیال کو مجبور کرتے ہیں اور یہ شخص پوری زمین دینے سے مجبور ہے۔

ایسی صورت میں گاؤں والوں پر کیا حق ہے۔ جب کہ یہ شخص اتنی زمین کی قیمت کا تھوڑا سا حصہ دیتا ہے اور بقیہ زمین اپنے مصرف میں رکھنا چاہتا ہے اور باقی ماندہ زمین کی قیمت دینے کے لیے تیار ہے لیکن زبردستی ہی گاؤں والے لینا چاہتے ہیں اس کے متعلق کیا فتوی شریعت مطہرہ کا ہے؟ مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمایا جائے۔

المستفتی: عبدالستار موضع چاڑی مبارک پور اعظم گڑھ

الجواب

شریعت میں کسی سے زبردستی اور جبر کے ساتھ کوئی کام کرنا منع ہے۔ اگر سائل اپنی پوری زمین بھی مسجد کو نہ دے تو اس پر جبر نہ کیا جانا چاہئے اور اب تو وہ خود اس کا حصہ دے رہا ہے جو لوگ اس سے اس کی زمین جبرا حاصل کریں گے خواہ وہ مسجد کے لیے ہو وہ ظلم کریں گے۔ انہیں اس حرکت سے باز آنا چاہئے، یہ تو فتوی تھا۔ ویسے سائل کو خود سوچنا چاہئے کہ اگر اس کے اس انکار سے کچھ فساد برپا ہو یا مسجد کی تعمیر میں کچھ رکاوٹ ہوئی تو یہ نقصان زمین کے نقصان سے بڑا ہوگا، اسے سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۸۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ

زید ایک مسجد میں امام ہے، امام کے سونے ودیگر ضروریات کے لیے مسجد میں کوئی حجرہ نہیں ہے ایسی صورت میں بدرجہ مجبوری امام مسجد کے اندر رہتا ہے اور سوتا ہے۔ علاوہ ازیں زید طبابت بھی کرتا ہے جس کی وجہ سے مسجد میں مریضوں کا آنا جانا ہے۔

لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کہ جو امام ہے مسجد میں سو سکتا ہے کہ نہیں؟ اور مریضوں کی تشخیص وعلاج اور دوا وغیرہ دے سکتا ہے کہ نہیں؟ اگر جواز کی کوئی صورت ہو تو تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: عطاء المصطفی جین پور اعظم گڑھ

الجواب

زید نہ تو مسجد کے اندر سو سکتا ہے اور نہ رہ سکتا ہے، نہ علاج ومعالجہ کر سکتا ہے، نہ سامان بستر وغیرہ رکھ سکتا ہے، جیسا کہ سوال میں درج ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "انما هذه المساجد لم تبن لهذه" مسجد دنیوی کام کے لیے نہیں بنائی گئی ہے، اعتکاف کرنے والوں کے لیے البتہ کچھ رعایتیں ہیں، لیکن اعتکاف کے حیلہ سے سوال میں درج کی ہوئی صورت میں فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے کہ اس طرح مسجد کی حرمت ختم ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور

(۸۵۔۸۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بعد ادائے ادب کے عرض یہ ہے کہ موضع مہرپور پوسٹ مہراج گنج اعظم گڑھ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور کثیر آبادی ہے جس کی وجہ سے جمعہ کی نماز پڑھنے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے، اور مسجد کو بڑھانے کی بالکل گنجائش نہیں اور آبادی کے بالکل قریب عیدگاہ ہے اور ابھی پوری تیار نہیں ہے۔

(۱) گاؤں کے لوگوں کا خیال ہے کہ عیدگاہ کو جامع مسجد بنالیا جائے اس کے متعلق آپ علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

(۲) اور عیدگاہ میں عیدین کی نماز کے علاوہ دوسری نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱/۲) عیدگاہ کو جامع مسجد قرار نہیں دیا جا سکتا وہ ہمیشہ عیدگاہ رہے گی۔ لان الوقف لا يتبدل۔ ہاں عیدگاہ میں اگر نماز جمعہ ادا کریں تو نماز ہو جائے گی کہ صحت جمعہ کے لیے خاص جامع مسجد ضروری نہیں

کوئی بھی ایسی جگہ جہاں اذن عام ہو کسی کے لیے روک ٹوک نہ ہو وہاں نماز جمعہ پڑھی جاسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۸/ ذوالقعدہ ۸۳ھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ

(۸۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک گاؤں میں ۱۴۰ گھر آباد ہیں شروع شروع میں تقریباً سات آٹھ گھر ساتھ رہے، محض ایک چھوٹی مسجد بنائی گئی ہے گاؤں والوں کی بے توجہی سے مسجد کی بنیاد از سر نو ختم ہوگئی کسی مولوی صاحب کے توجہ دلانے سے گاؤں والوں میں جذبۂ دینی نے جوش مارا مالک زمین سے باعث تنگ ہونے مسجد کے لیے کچھ اور زمین کا مطالبہ کیا، وہاں پر زمین دینے سے انکار کرتے ہوئے اسی سے متصل اپنی ایک دوسری زمین دینے کا اقرار کیا، گاؤں کی ایک نیک عورت نے اپنی آٹھ منڈی زمین میں کشادگی کے ساتھ مسجد میں کنواں کھدوانے اور مسجد کو کشادہ بنانے کی اجازت دے دی، مولوی صاحب نے محلہ والوں کی رائے معلوم کی تو متفقہ طور پر یہی معلوم ہوا کہ مسجد نہایت ہی جوش وخروش کے ساتھ سب زمین پر پہونچ کر مسجد کی غرض سے چند پھاوڑے بھی چلائے گئے، کچھ چندے بھی آناً فاناً اکٹھا ہوگئے، خود مولوی صاحب نے دو روپیہ دینے کا وعدہ فرمایا، کچھ سامان اسی مسجد کی غرض سے خریدے گئے، کچھ دن جب بیت گئے تو دوسرے صاحب نے مسجد کے لیے اپنی زمین وقف کر دی۔ حسن اتفاق سے اس زمین کے قریب ہی میں ایک کنواں بھی ہے لوگوں کی پھر رائے یہ ہوگئی کہ یہاں ایک کنواں بھی ہے مسجد کا یہیں بنانا مناسب ہے۔

مولوی صاحب سے گاؤں والوں نے دوسرے بڑے مولوی صاحب کو تیسری زمین میں مسجد کی بنا رکھنے کے لیے بلوایا اور گاؤں والوں نے متحدہ طور پر اس تیسری زمین میں مولانا صاحب کے مبارک ہاتھوں سے نیو رکھوائی کچھ دیوار بھی اونچی آچکی ہے۔ اذان واقامت نمازیں پڑھی جانے لگیں۔ آپس میں کچھ اختلاف ایسا رونما ہوا کہ الاماں والحفیظ۔ کچھ لوگ اسی تیسری مسجد میں بدستور سابق نماز پڑھتے رہے اور کچھ لوگوں نے عورت والی زمین میں بھی نمازیں وامامت کرنا شروع کر دیا۔ کچھ روز نہایت ہی زور کے ساتھ دونوں فریق میں یہ نزاع قائم رہا بالآخر کل امر مرھون باوقاتھا کے مطابق آپس کے اختلاف ختم ہوئے اور یہ طے ہوا کہ حضور جس مسجد کے بنانے کا فتویٰ مرحمت فرمائیں گے ہم لوگ بنائیں۔

حضور سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ تینوں مسجدوں کے بنوانے کی اجازت دیتے ہیں یا ایک ہی کی؟ اگر صرف ایک ہی کی تو ہاں دونوں فریقوں کو کس مصرف میں صرف کیا جائے، لیکن حضور خیال شریف میں یہ بات ضرور رکھیں کہ تینوں مسجدوں میں حق کا حصہ نہیں ادا ہوسکتا ہے، مسجد بنانے کی صورت

میں مستفتی ہوں۔ اہل دیہو ضلع بستی

الجواب

صورت مسؤلہ میں وہ تینوں زمین مسجد ہوگئیں جب توفیق ہو تو تینوں مسجدوں کی آبادی وہاں کے مسلمانوں پر ہے، لیکن اگر افراد کی کمی اور پیسے کی قلت کی وجہ سے تینوں کی آبادی مشکل ہو تو وہاں کے مسلمان ایک ہی زمین کو جو اس گاؤں کے محل وقوع اور مصلیوں کے آنے کی وجہ سے بہتر ہو تعمیر کریں، بقیہ زمینوں کو گھیر کر محفوظ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۱۳ر رمضان

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۸۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک پختہ مسجد بن رہی ہے ابھی مسجد کا کام بھی پوری طرح مکمل نہیں ہوا ہے لیکن مسجد میں بلیک کا سمینٹ لگایا گیا ہے۔ اور پوری بستی والوں کی رائے سے بلیک کا سمینٹ لگا ہے۔ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے اور مسجد کیسی ہوئی؟ بعض عوام اعتراض کرتے ہیں کہ بلیک کا مال چوری کا ہوتا ہے پاک صاف نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں کہ مسجد میں کیسے لگایا جائے علیٰ ہذا القیاس۔ اسی مسجد میں برگد کی لکڑی اگرچہ قلیل ہے۔ بلیک سے خرید کر مسجد میں لگایا جائے تو شرعاً کیا حکم ہے۔

صوفی نصارت حسین مقام و پوسٹ چھپڈی بورو یسٹ مالدہ بنگال

الجواب

بلیک کا مال چوری کا ہوتا ہے اگر یہ مطلب ہے کہ سمینٹ تو کسی دوسرے کی تھی اور اسے جبراً اگر کسی نے مسجد کے ہاتھ بیچ دیا اور مسجد والوں نے جان بوجھ کر اسے لیا تو ناجائز ہوا اور اصل مالک کو اس کا دام ادا کرنا ضروری ہے۔ شامی میں ہے: "لو انفق فی ذلك ما لا خبيثا و ما لا سببه الخبيث والطيب فيكره لان الله لا يقبل الا الطيب فيكره تلويث بيته بما لا يقبله"

اگر بلیک کا یہ مطلب ہے کہ اس کا دام کنٹرول ریٹ سے زیادہ دے کر لیا ہے۔ تو یہ مال چوری کا کس طرح ہوا اس میں تو دام زائد لینے والے پر ایسی سمینٹ کا لگانا ناجائز نہیں ہے۔ نماز بہر حال اس مسجد میں جائز ہے کہ مسجد نام اس زمین کا ہے جو نماز کے لیے وقف کی گئی۔ گارا اینٹ سمینٹ تو زوائد میں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۸۹-۹۲)**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

میرے محلہ میں ایک مسجد ہے اور کچھ عرصہ ہوا کہ اس مسجد کی توسیع کی گئی اور مسجد کے آگے کافی جگہ تھی اس لیے مسجد کی دیوار پیچھے سے کھسکا کر آگے کر دی گئی۔ اور جہاں سے دیوار ہٹا کر آگے کی ہے اس جگہ دو کمرے بنائے گئے ہیں اور اس کو کرایہ پر لگایا گیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ

(۱) ان کمروں کو کرایوں پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایک مسجد کے کمرے کا کرایہ دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اول مسجد خود محتاج ہو۔

(۳) چرم قربانی کسی مسجد میں دینا یا ایسے مکتب میں دینا جہاں مقامی لڑکے پڑھتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

(۴) زید کا پیشہ افیون، بھانگ، مدک کی تجارت ہے اور زید نے مذکورہ شی کی آمدنی سے ایک کنواں کھدوایا ہے۔ اب اس کنوئیں سے پانی پینا یا دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شریعت مطلع فرمائیں کتابوں کا حوالہ ضروری ہے۔

المستفتی: محمد اسلم خاں ڈاکخانہ کھمریا ضلع بنارس

الجواب

(۱) جس جگہ مسجد کے دو کمرے بنائے گئے ہیں اگر وہ مسجد تھی تو یہ تعمیر ناجائز ہے اور اس کو دوکان کے مصرف میں لانا حرام ہے نماز ہی پڑھی جاسکتی ہے۔ درمختار میں ہے: "اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع" (درمختار: ٦/٤٢٨)

(۲) ناجائز ہے۔ شامی میں ہے: "لا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر" (كتاب الوقف: ٦/٤٣٩)

(۳) جائز ہے۔ شامی میں ہے: "لانه ليس من صدقات واجبة"۔

(۴) جائز ہے۔ شامی میں ہے: "عقد و نقد دونوں مال حرام سے ہوں تو بیع حرام ہے اور یہاں تو پانی کے مقابلہ میں مال حرام کا کوئی حصہ نہیں اس لیے پانی جو قدرت کا دیا ہوا ہے۔ یہاں کس طرح حرام ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۶/ذوالقعدہ ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۹۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

شہر میں ایک عیدگاہ مسجد ہے جس میں عید الفطر و عید الاضحیٰ کی نماز ہوتی ہے مگر چھوٹی ہے جس کی وجہ سے نمازیوں کو نماز پڑھنے میں جگہ کی کمی پڑتی ہے، لہذا اس کو بڑھانا بہت ضروری ہے مسجد کے دکھن جانب قبرستان کی زمین موجود ہے اور وہ میونسپلٹی کے حدود میں ہے، اب اس میں سوائے ایک خاندان کے علاوہ کوئی دوسرے کا مردہ دفن نہیں ہوتا ہے، کیونکہ ۱۹۰۲ء میں پلیگ بہت زور پر تھا بہت زیادہ آدمی مرے، اس سال قبرستان بالکل پر ہوگئی تھی تب کلکٹر کے آرڈر سے کچھ زمین نئی قبرستان کے لیے ملی، اب اسی قبرستان میں مردہ دفن ہوتا ہے۔ اس پرانی قبرستان میں اب بالکل دفن کرنا بند ہوگیا، مسجد سے ملی کچھ پختہ قبریں موجود ہیں باقی کچھ قبریں مٹ چکی ہیں جو بالکل نہیں معلوم ہوتی ہیں، اس قبرستان کی زمین دکھن جانب مسجد عیدگاہ بڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ مسئلہ کیا ہے فقط والسلام۔ بینوا توجروا حاجی خدایار خان

الجواب

صورت مسؤلہ میں قبرستان کی زمین پر مسجد کی توسیع ناجائز ہے۔ عالمگیری میں ہے:

"المقبرة فی القری اذا اندرست و لم یبق منها اثر الموتی لا العظم و لا غیره هل یجوز زرعها و اشتغلالها قال لا ولها حکم المقبرة" (عالم گیری: ۲/ ۵۰۷)

پس جب اس کا حکم تازہ مقبرہ کا ہے تو اس پر مسجد کیسے بن سکتی ہے۔ تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت کا رسالہ اہلاک الوہابیین دیکھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڈھ یکم محرم ۸۵ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ

(۹۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

ہمارے گاؤں میں پرانے زمانے سے ایک مسجد پھوس کی بنی ہوئی تھی، سب لوگ وہیں نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد جناب حاجی حمید الدین صاحب مرحوم نے اینٹیں مکان بنانے کے لیے منگائیں تو گاؤں والوں نے اصرار کیا کہ حاجی صاحب آپ پختہ مسجد بنوادیں ہم لوگ اسی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھیں گے۔ آخر جب اصرار حد درجہ ہوا تو حاجی صاحب نے مسجد پختہ بنا کر بائیس بیگھے زمین دے کر وقف فی سبیل اللہ کردیا، لیکن پیچھے چند لوگ بچھڑ کر اپنے وعدے سے مکر گئے اور اسی پھوس والی مسجد میں نماز جمعہ پڑھتے تھے اور یہاں بھی نماز جمعہ ہوئی اسی عید کے موقع پر ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ ہم لوگ جب سب کی رائے سے مسجد بنا کر وقف فی سبیل اللہ کردیا اور نماز نہیں پڑھی تو وہ مسجد جو موروثی جگہ میں ہے

اورعیدگاہ بھی تو جب عیدگاہ بھی فی سبیل اللہ نہیں تو ہم لوگ سبھی اس عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھیں گے۔

یہ بات طے پائی کہ ہم لوگ بھی مسجد ہی میں عیدین پڑھا کریں گے لیکن چند عالموں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بلاعذر شرعی عیدین کی نماز آبادی میں نہیں پڑھنا چاہئے بستی کے باہر نماز ہونی چاہئے اسی کے تحت اس سال ان لوگوں نے ایک نئی جگہ عیدگاہ مقرر کر کے عید کی نماز آبادی سے باہر پڑھی اور اعلان کیا کہ عیدگاہ کی زمین کو ہم وقف فی سبیل اللہ کریں گے۔

اب کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایک بستی میں دو جگہ عیدگاہ نہیں بنانا چاہئے، عیدگاہ کو مقرر کر کے فی سبیل اللہ کرنے سے بھی اس عیدگاہ میں نماز جائز نہیں۔ اس لیے خلاصہ حال تحریر ہے اس کا ٹھیک ٹھیک جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دے کر یہ بتائیں کہ اس پختہ والی مسجد جو وقف فی سبیل اللہ نہ ہو عیدگاہ وقف فی سبیل اللہ کرنا چاہتے ہیں، اس میں نماز جائز ہے کہ نہیں؟ یا عیدین کی نماز مسجد ہی میں پڑھی جائے گی؟ جواب سے ممنون فرمائیں۔ خدائے کریم اجر عظیم عطا فرمائے۔

نوٹ: جواب جلد تحریر فرمائیں جناب سید مجتبیٰ اشرف صاحب نے بھی اس کے بارے میں کہا کہ مبارکپور میرا حوالہ دے کر تحریر کرو کہ جواب جلد دیں۔ مزید تاکید کی ہے پھر بہت جلد عیدالاضحیٰ آنے والی ہے، آپ سے اس لیے گذارش ہے کہ اس کے قبل نئی عیدگاہ رجسٹری ہو اس سے پہلے روانہ کر دیا جائے ورنہ کافی دشواری ہوگی جو لوگ کافی طور پر اس کی چھان بین میں لگے ہیں، بہتوں کا کہنا ہے کہ نئی عیدگاہ میں نماز جائز نہیں اور ادھر مسجد میں بھی نماز عید درست نہیں تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ جواب سے جلد نوازیں۔ حافظ محمد عمران اشرفی مونگیری امام مسجد موضع تیکھرا ڈاکخانہ سالماری پورنیہ

الجواب

جب پختہ مسجد بنا کر وقف کر دیا مسجد ہو گئی اور اس میں نماز جائز ہے۔ اور یہی حال عیدگاہ کا ہے۔

درمختار میں ہے: "و یزول ملکه عن المسجد و المصلی بالفعل بقوله جعلته مسجدا"

(درمختار: ٦/٤٢٦)

شامی میں ہے: "المصلی شمل مصلی الجنازة ومصلی العید" (شامی: ٦/٤٢٦)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک گاؤں میں دو عیدگاہ ناجائز ہے، غلط کہتے ہیں۔ یہ بات البتہ ہے کہ اگر ایک عیدگاہ سے کام چلتا ہو تو بلاضرورت دوسری عیدگاہ بنانا مستحسن نہیں لیکن نماز وہاں بھی جائز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۴؍محرم ۸۵ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ

(۹۵-۹۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک چال میں ایک مسجد بنائی جس کے لیے اس چال اور دوسری چال کے مسلمانوں نے چندہ کر کے بغیر اجازت میونسپلٹی کے مسجد بنائی، چال کے مالک نے مسجد کا ہبہ نامہ نہیں لکھا اور نہ کوئی تحریر مسجد کمیٹی والوں کو دیا اب نیا ریلوے اسٹیشن بننے کے لیے پلان میں مسجد آگئی اور گورنمنٹ نے جب چال مالکوں سے کہا کہ اپنی اپنی ملکیت لکھاؤ تو اس چال مالک نے مسجد اپنی ملکیت لکھائی، حالانکہ چال کے مالک نے مسجد پر ایک کتبہ لگایا جس میں تحریر ہے "بسم الله الرحمن الرحیم وقف فی سبیل الله محمدی" مسجد رنگ پور بہار تو ایسی حالت میں چال مالک مسجد کا معاوضہ لیگا یا جو مسجد کی کمیٹی کے ممبران ہیں وہ لیں گے؟ اگر مسجد کمیٹی معاوضہ کی حق دار ہے تو اس معاوضہ کی رقم سے دوسری جگہ مسجد بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) جب کہ مالک زمین مسجد کو جو عوام کے چندہ سے بنائی گئی ہے اپنی ملکیت قرار دیتا ہے تو عوام کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ ایسا کہنے اور لکھانے والوں کا کیا حکم ہے؟ مع حوالہ ومہر جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتیان: اراکین وصدر سکریٹری مسجد کمیٹی مورخہ ۲۳ ردسمبر ۱۹۶۱ء

الجواب

صورت مسؤلہ میں جب گورنمنٹ نے بجبر اس مسجد پر قبضہ کرلیا ہے تو معاوضہ لینے کے علاوہ چارۂ کار کیا ہے۔ معاوضہ لے کر دوسری مسجد بنائی جائے جائز ہے:

"فی الدر عن الاشباه لا یجوز استبدال العامر الا فی اربع فی رد المحتار الثانیة اذ غصبه غاصب واجری علیه الماء صار بحرا فیضمن القیمة و یشتری المتولی بها ارضا بدلا" (درمختار وشامی: ۶/ ۴۶۰)

اگر چال کا مالک یہ کام کرتا تو بہت بہتر ہوتا مگر موجودہ صورت حال میں جب کہ وہ احد من الغاصبین ہوا جا رہا ہے تو یہ روپیہ کسی طرح اس کے قبضہ میں نہیں جانا چاہئے اور مسجد کی کمیٹی کے لوگ اس پر قبضہ کر کے دوسری مسجد بنالیں، مالک کا یہ کہنا کہ مسجد ہم نے نہیں بنائی تھی کچھ اثر نہیں رکھتا جب کہ اس کے قول وفعل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس نے مسجد ہونے کا اعلان کیا اور لوگ نماز پڑھتے رہے اور اس کی اجازت وحکم سے یہ کتبہ لگا، مسجد ہونے کے لیے رجسٹری کی کوئی ضرورت نہیں صرف یہ اعلان کر دینا کہ یہ مسجد ہے اور لوگوں کا اس میں نماز پڑھ لینا کافی ہے۔

درمختار میں ہے: "یزول ملکه عن المسجد و المصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا و

شرط الامام محمد الصلوة فیہ"(درمختار: ٦/٤٢٦) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

(۹۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک جامع مسجد جو پچاس سال سے قائم ہے اس محلہ میں مسلمانوں کی کثیر تعداد واقع ہوگئی ہے۔ لہذا لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد اس وقت مکمل طور پر شہید کر کے از سر نو تعمیر کردی جائے تاکہ ہم لوگوں کی گنجائش کافی ہوسکے، اب یہ بھی خیال ہے کہ تعمیر کے وقت چند ایسی دوکانیں بنادی جائیں جس کے کرایہ کی آمدنی سے مسجد ہذا خود کفیل ہوجائے۔

ان حالات کے پیش نظر از روئے شرع یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ مسجد مذکور کے صحن میں روزانہ نمازیں تو ہوتی ہیں اس میں دوکانیں، مسجد کا سامان رکھنے کے لیے تہہ خانہ اور وضوخانہ برائے وضو یا مسافر خانہ بنانا کیسا ہے، جائز اور درست ہے یا نہیں؟ اگر شرعا جائز ہو تو نیچے کا حصہ مندرجہ بالا مصارف میں لے لیا جائے اور اس کے عوض مذکورہ بالا اشیاء کی چھت کو مسجد کا صحن بنادیا جائے جس میں نماز پڑھی جاسکے۔ سید محمد فہیم الدین

الجواب

سوال میں درج کی ہوئی صورت ناجائز ہے، جو حصۂ زمین مسجد ہوگیا وہ تحت الثری سے آسمان تک مسجد ہی ہے اس لیے اس کے کسی حصہ کو خواہ اوپر ہو یا نیچے دوسرے کام میں نہیں لاسکتے۔ ہاں جب مسجد نہیں تھی تب اس کے نیچے دوکانیں اور اوپر مسجد ہوسکتی تھی اور نیچے دوکانیں رہ جاتیں۔

درمختار میں ہے: "اذاجعل تحته سرادبا لمصالح المسجد جاز کمسجد المقدس اما لو تمت المسجدیة ثم اراد بنائها منع "(درمختار: ٦/٤٢٨) ۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

(۹۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

حکومت کی ایک ایسی زمین ہے جس پر عوام نے قبضہ کرلیا ہے اور عوام کی رضامندی سے جماعت خاکساران حق نے دفتر بنالیا ہے۔ نیز جماعت کے لوگ اس دفتر میں نماز بھی ادا کرتے ہیں، لیکن اب تک اس زمین کی قیمت عوام یا حکومت کو ادا نہیں کی گئی ہے، لہذا براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں

بتایا جائے کہ اس زمین پر نماز جائز ہوگی یا نہیں۔ فقط

المستفتی شیخ حقیقت علی سالار خاکساران کل ہند تحریک

شاخ گھڑی۔ ہوڑہ۔ بنگال کیراف محمد سیف الدین متعلم مدرسہ ہذا

الجواب

ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو اور جس پر گورنمنٹ کا عمل دخل ہو ایسی لاوارث زمین اللہ ورسول کی ہے، عوام نے اس پر قبضہ کر کے مسجد بنادی تو مسجد ہوگئی اور نماز تو کسی کی زمین میں پڑھی جاسکتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "جعلت الارض کلها لی ولأمتی مسجدا وطهورا"

(مسند امام احمد بن حنبل: ۳۸۷/۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۹۹۔۱۰۱) مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسائل میں کہ

(۱) زید کسی زمین کا شرعی مالک ہے لیکن بکر نے اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیا ہے کیا زید کی اجازت کے بغیر اس زمین پر مسجد یا عیدگاہ بنائی جاسکتی ہے؟

(۲) کیا کسی مسلمان کی قبر پر مسجد یا عیدگاہ بنائی جاسکتی ہے؟۔

(۳) زید کا کہنا ہے کہ عیدگاہ جب بنی تھی تو تمام علماء اور عوام نے مذکورہ قبر کی وجہ سے پورب دکھن جانب کی دیوار ٹیڑھی رکھی تھی۔

کیا اب اس دیوار کو سیدھی کرنے کے لیے کسی مومن کی قبر پر بنیاد اٹھائی جاسکتی ہے؟

المستفتی فرید الحق ساکن کریم الدین گھوسی

الجواب

(۱) نہیں بنائی جاسکتی۔

(۲) کسی مسلمان کی قبر پر دیوار قائم نہیں کی جاسکتی ہے ہمارے یہاں حدیث شریف "ولا یبنی علیها" کا مطلب یہی ہے کہ اس پر دیوار قائم نہ کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۱۰۲) مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کے مکان سے متصل ایک گڈھا تھا جو گرام سماج کا تھا جو زید کے مصرف کا تھا اس نے چند مہینے قبل اس پر کافی روپے خرچ کر کے مٹی ڈلوایا اور دیوار کھڑی کیا اب گاؤں والے مسجد کے نام پر دیوار توڑ

کراس پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔کیا ایسی صورت میں اس زمین پر مسجد بنوانا جائز ہے یا نہیں۔بینوا وتوجروا

المستفتی امیر احمد نیا پورہ علمی نگر ادری

الجواب

اس زمین سے اگر بستی والوں کو کسی قسم کا اجتماعی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہوتو زید کا یہ قبضہ صحیح اور جائز ہوگا۔ درمختار اور اس کی شرح شامی میں ہے:"اذا احیاء مسلم ارضا غیر منتفع بها لانقطاع الماء منها اوغلبته عليها اوغلبة الرمال او كونها سبخة وليست بمملوكة لمسلم ولا ذمى ملكها۔ (كتاب احياء الموات: ۶/۱۰)

اور اسی میں ہے:

"واحيائه ببناء اوغرس او كرب او سقى "(كتاب احياء الموات: ۵/۱۰)

اور مسجد مصلیوں پر تنگ ہوگئی ہوتو اس کی توسیع کے لیے واجبی قیمت دے کر اس جگہ کو حاصل کر سکتے ہیں، مسجد والوں کا بلا ضرورت شرعیہ اس پر قبضہ ناجائز وحرام ہوگا۔درمختار۔واللہ تعالیٰ اعلم

نوٹ:-اجتماعی فائدہ عوام کو اس زمین سے حاصل ہوتا رہا ہوتو زید کا قبضہ ناجائز ہوگا۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۱۰۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک غیر مسلم نے مسجد میں بجلی کی روشنی جلانے کی اجازت دے دی کچھ مسلمان مسجد میں روشنی جلانے لگتے ہیں اور کچھ اس کے خلاف ہیں کہ کرایہ دیئے بغیر لینا بھی نہیں ہے۔اب اس حالت میں جلانا جائز ہے یا نہیں۔

المستفتی بشیر احمد

الجواب

مسجد کی تعمیر، مرمت اور آبادی بحکم قرآن شریف مسلمان کا کام ہے۔

قرآن شریف میں ہے:﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾[التوبة:۱۸]

اس لیے جو لوگ منع کرتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں مسلمان خود سے ایک الجھن پیدا کرتے ہیں اور پھر فتویٰ پوچھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۱۶رمحرم الحرام ۱۴۰۹ھ

(۱۰۴۔۱۰۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسجد موسومہ کنگرہ مسجد پورہ رانی کے متولی سابق نے چہار دیواری مسجد کے اندر صحن مسجد میں جدید

دوکانیں تعمیر کرائیں اوراسے کرایہ پر چلاتے رہے۔جس کا کوئی حساب وکتاب نہیں۔ان کے بعدان کے لڑکے جدید متولی نے بھی چہار دیواری کے اندرواقع کنوین وغسل خانہ وطہارت خانہ کوتوڑکرمزید دوکانیں بنوانی چاہیں اوراہل معاملہ کرایہ داران متوقع سے تعمیر کے نام پر کافی پیشگی بھی وصول کرچکے ہیں۔جب کہ آبادی کی کثرت اور مصلیوں کے اضافہ کیوجہ سے مسجد میں توسیع کی سخت ضرورت ہے۔

اہل محلہ اور مصلیوں کا سخت تقاضا ہے کہ سب دوکانیں ختم کرکے مسجد میں نماز کی جگہ میں توسیع کیجائے۔اس مسئلہ پر بار بار پنچائت ہوئی۔اورتوسیع مسجد کی بات طے کرکے بھی متولی مکرگیا۔اوراپنی ضد پرآمادہ ہے۔اورمسجد کے آمدوخرچ کے سوال پربھی متولی آناکانی کررہاہے۔ایسی صورت میں حکم شرع کیاہے۔المستفتی کمال الدین،پوراحضرت مبارکپور ۱۵ردسمبر۱۹۹۲ء۱۹رجمادی الاخری ۱۴۱۳ھ

الجواب

اس طویل سوال میں تین بنیادی باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) متولی کی خیانت،جواب اس کا یہ ہے کہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ متولی نے مسجد کی رقم میں خوردبردکیاہےتواس کوفوراتولیت سے علحدہ کردیاجائے۔اورکسی امین ودیانت دارکومتولی رکھاجائے۔

درمختارمیں ہے:

وینزع وجوبا لوالواقف فغیرہ بالأولی غیر مامون ۔(کتاب الوقف:۶/۴۰۲)

اگرخودواقف بھی وقف میں خیانت کرے تواس کووقف کے انتظام سے علیحدہ کردیاجائے گا تودوسرے کوکیوں نہ ہٹایاجائے گا؟۔اورمتولی پرصرف شبہ ہوتواس سے حساب فہمی کی جائے۔

(۲) مسجد تنگ ہوجائے اورمسجد سے متصل مسجد کی زمین ہوتواس کومسجد میں شامل کرسکتے ہیں یانہیں؟۔

اس کاجواب یہ ہے کہ شامل کرسکتے ہیں۔

عالمگیری میں ہے: ارض وقف علی مسجد والأرض بحنب ذلك المسجد وارادوا ان یزید وافی المسجد شیئا من الارض جاز۔ (۲/۴۹۸)

مسجد کے پہلومیں مسجد کی زمین ہولوگ اسکومسجد میں شامل کرناچاہیں توکرسکتے ہیں بلکہ دوکان ہو تواس کوبھی مسجد میں شامل کرسکتے ہیں۔

شامی میں ہے:لوضاق المسجد وبحنبه ارض وقف علیه اوحانوت جاز ان یؤخذ ویدخل فیه۔ (شامی:۶/۳۵۱)

مسجد تنگ ہو جائے اور مسجد کے پہلو میں مسجد کی زمین یا دوکان ہو تو اس کو لے کر مسجد میں داخل کیا جا سکتا ہے۔

(۳) کیا مسجد کی چہار دیواری کے اندر دوکان تعمیر کی جا سکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ نہیں۔

عالم گیری میں ہے:

قیم المسجد لایجوز له ان یبنی حوانیت حد فی المسجد او فنائه ۔(۲/۲ ۰ ۵)

مسجد کا انتظام کار مسجد کی حد میں یا اس کے صحن میں دوکان نہیں بنا سکتا۔

اسی میں مبسوط سے ہے: "لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمته بهذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد" (۲/۲ ۰ ۵)

مسجد کو دوکان یا مکان بنایا جائے تو مسجد کی بے حرمتی ہوگی اور یہ جائز نہیں اور مسجد کا صحن بھی مسجد کا تابع ہے۔ لہذا اس کا حکم بھی مسجد کا ہی ہوگا۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاوی رضویہ جلد ششم میں فرماتے ہیں:

اور یہ خیال کہ بہت سی مسجدوں میں مکان پیش امام اور موذن کی سکونت کیلیے بنے ہوئے ہیں ۔نفع نہ دے گا۔ علماء نے تصریح فرمائی: کہ مسجد بن جانے سے پہلے اگر بانی مسجد ایسا کوئی مکان بنادے تو جائز ہے۔ اس کے بعد اگر خود بانی بنانا چاہے۔ تو اجازت نہ دیں۔

توسابق متولی نے بھی جو دوکانیں مسجد کی چہار دیواری کے اندر بنائیں ناجائز ہوں گی۔ اور جواب بنے گی ناجائز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۶ر جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ

(۱۰۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

محمد یسین نے اپنی زمین اور زمین پر بنے ہوئے کمرے کی بیع مسجد بنانے کے لیے منتظمین کے ہاتھ بیع کیا۔ کمرے کے ملبہ کے لیے بہ اتفاق فریقین طے ہوا کہ یہ بیع سے مستثنی ہے اور اس کو محمد یسین لے لیں گے۔ کمرے کی مغربی دیوار جو محمد لیس اور غلام محمد کے درمیان مشترک تھی جس پر محمد یسین اور غلام محمد دونوں نے اپنے اپنے مکان کی چھت ڈال رکھی تھی اس کا بیع میں شامل ہونے نہ ہونے کا کوئی ذکر نہ تھا۔

مگر بیع نامہ لکھتے وقت آراضی بیع کے رقبہ میں مشترک دیواروں کا رقبہ اندازہ سے شامل کرلیا گیا۔

جب مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو منتظمین نے محمد لیس کو نہ تو کمرہ کی چھت کا ملبہ ہی دیا، نہ غلام محمد کے ساتھ مشترکہ دیوار کا لحاظ کیا مسجد کی دیوار کی نیو تو مشترکہ دیوار کی جڑ سے کھدی اور اس پر دیوار کی چنائی ہوئی

مگر اب یہ ارادہ ہے کہ آدھی دیوار کو مسجد کی ملک کا میرے آنگن کی طرف مسجد کا بارچہ اور روشندان رکھنا چاہتے ہیں۔ اسی صورت میں شرعی حکم سے آگاہ کیا جائے۔

المستفتی بقلم خود محمد بھیرہ پوسٹ ولید پور ضلع شعر

الجواب

صورت مسئولہ میں فریقین کو یہ تسلیم ہے کہ غلام محمد کے مکان اور محمد لیس کے دکھنی حصہ مکان بیعہ بحق رضا مسجد کے درمیان کی دیوار مشترکہ ہے۔

اب تنقیح یہ قائم ہوئی ہے کہ مسجد والوں نے محمد لیس سے جو عقد بیع کیا اس میں اس مشترکہ دیوار کا جز حصہ شامل ہے یا نہیں؟ مسجد والوں کے جن دلائل کا سوال میں ذکر ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ وہ حصہ بھی بیع میں شامل ہے اور سائل بھی اپنی تائید میں جو بات ذکر کر رہا ہے کہ محمد یسین سے معاملہ کرتے وقت اس جز حصہ کا نام نہیں لیا گیا۔ یہ بات بھی اس حصہ کے بیع میں شامل ہونے کے منافی نہیں۔

ہدایہ میں ہے: من باع دارا دخل بناء ها فی البیع وان لم یسمہ ۔(۳/۲۵)

جس نے گھر بیچا تو اس کی بنا یعنی دیوار اور چھت بھی بیع میں داخل ہے۔

اگر چہ تصریح کے ساتھ دیوار اور چھت کا نام نہ لیا گیا ہو۔ الغرض ظاہر یہی ہے کہ وہ جزء مشترک بھی بیع میں داخل ہے۔

اور ایسے جزء مشترک کی بیع بلا اجازت شریک فاسد ہے۔ مشتری اور بائع دونوں پر اس کا توڑنا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے:

فصح له بیع حصته من غیر شریکه بلا اذن الا فی صورة الخلط ۔(٦/٣٦٤)

حصۂ مشترک کو شریک کے علاوہ کسی فرد کے ہاتھ بیچ سکتے ہیں اس کے لیے شریک کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں، ہاں جب دونوں کے حصے باہم مخلوط ہو جائیں تو بے اجازت شریک بیع منع ہے۔

چنانچہ شامی میں ہے: فانه لا یجوز البیع من غیر شریکه بلا اذنه ۔(٦/٣٦٤)

اسی میں ہے: ومثل الخلط والاختلاط بیع ما فیه ضرر علی الشریك او البائع او المشتری ۔ (٦/٣٦٤)

اور خلط ہی کی طرح اس صورت میں بھی حصہ مشترک کی بیع ناجائز ہے جس میں شریک یا بائع یا مشتری کسی کا ضرر ہو۔

کبیع الحصة من البناء او الغرس او بیت معین من دار مشترکة ۔(٦/٣٦٤)

اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے مشترکہ دیوار یا چھت یا درخت کی بیع ایک مشترکہ مکان میں کمرہ معین کی بیع۔ شامی میں ہے: کبناء وشجر وزرع مشترك صنيعه يقتضى ان هذا من قبيل الخلط وليس كذلك انما توقف البيع فيه من الاجنبي على اذن شريكه لتضرر الشريك بالقلع والهدم۔ (جلد۶ص۳۶۴)

صاحب درمختار نے ممنوع بیع کی مثال میں بناء وشجر اور زرع مشترک کا نام لیا ان کی عبارت کے سوق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیع مخلوط کی مثال ہے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے یہاں بیع موقوف ہونے کی وجہ اکھاڑنے اور ڈھانے میں شریک کو ضرر پہونچتا ہے۔اور مشترکہ دیوار بھی انہیں چیزوں میں شمار ہوتی ہے جس میں شریک کی اجازت کے بغیر اجنبی سے بیع میں شریک کا ضرر ہے۔

چنانچہ شامی میں ہے: فان كان الحائط يحتمل القسمة وعليه حمولة لهما اولاحدهما فان القسمة فى العرصة لايضر الاخر ولو عريضة اذ لكل منهما حق فى كل العرصة وهو وضع الجذوع على جميع الحائط۔ (۴۰۲/۶)

دیوار دو آدمیوں میں مشترک ہو اور قابل تقسیم ہو۔ مگر اس پر دونوں یا کسی ایک کی چھاجن ہو اور ایک شریک دیوار کی تقسیم کا مطالبہ کرے اور دیوار چوڑی اور قابل تقسیم ہو تب بھی دوسرے شریک کو تقسیم پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ دونوں شریکوں کا پوری دیوار پر کڑی رکھنے کا حق ہے۔

پس مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں ہمارے نزدیک مسئلہ نصف دیوار کی بیع مسجد کے حق میں غلام محمد کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں اور سائل کے اس قول کی کہ اس نے دیوار کے نصف حصہ کو محمد یٰسین سے بعد میں خرید ا صحت وعدم صحت کا فیصلہ اسی تنقیح کی روشنی میں ہوگا۔ مسجد والوں نے یہ بہت اچھا کیا کہ مسجد کی تعمیر اس حصہ میں کی جو شرکت سے پاک تھا اور مشترک دیوار والے حصہ کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ اگر اس کو بھی شریک کر لیتے تو مسجد مسجد ہی نہ رہتی۔

فتاوی رضویہ جلد ہشتم ص ۴۵۳ میں ہے:

سوال: مسجد کی دیواریں ہمسایوں کے ساتھ مشترک کرنا جائز ہے؟

الجواب: اللہ عزوجل فرماتا ہے: ان المساجد لله ۔ مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، مسجد ہونے کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی شش جہت میں جمیع حقوق سے منزہ ہو اگر اس کے کسی حصہ میں بھی ملک عبد باقی ہے تو وہ مسجد نہ ہوگی۔

اور آئندہ بھی اسی میں خیر ہے کہ اس حصہ میں نہ مسجد کا روشن دان رکھیں نہ کارنس اور بارجہ کہ یہ تو پھر اسی کا اختیار کرنا ہوا جس سے بنیاد رکھتے وقت پرہیز کیا گیا تھا۔

مذکورہ بالا تفصیلات کے ضمن مکان کے حلیہ کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ اگر بیچتے وقت اس کا استثناء کیا گیا تھا۔ تو اس کا حق محمد یسین کا ہے ورنہ نہیں۔ یہاں تک ہم نے بنیادی باتوں کا جواب دے دیا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ مذکور ہے۔ ہمارے خیال میں وہ ایک دوسرے کو الزام دینے کے لیے ہے اور فریق مخالف کو بھی سائل سے اس قسم کی بہت سی شکایتیں ہو سکتی ہیں۔

پس بہتر تو یہ ہے کہ کسی کے جرم و گناہ کا ثبوت فراہم کرنے اور اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کے بجائے ہر ہر آدمی اپنی اپنی کوتاہیوں پر نظر کرے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ واستغفار کرے اور آئندہ نیک چلن کا عہد کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۴ رذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

(۱۰۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

دو منزلہ مسجد تعمیر کی گئی اس بناء پر کہ منزل ثانی میں مصلی رہے گا لیکن ضعیف حضرات کے لیے مسجد ثانی پر جانا دشوار ہے اس دشواری کے پیش نظر کیا پانچ وقتہ نماز کے لیے پہلی منزل میں مصلی اور عیدین میں دوسری منزل میں مصلی منتقل کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

المستفتی سید احمد رضا کافی، غریب نواز مسجد نل بازار، سید امین روڈ، سان کی مہاراشٹر

الجواب

مسجد دو منزلہ ہے تو ہر نماز میں امام کا مصلی نچلی منزل پر بچھنا چاہیے جب نچلی منزل بھر جائے تو مقتدی دوسری منزل پر جا سکتے ہیں۔

عالمگیری میں ہے: "الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا شتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود للضرورۃ"

ہر مسجد کی چھت پر چڑھنا مطلقاً مکروہ ہے اس لیے تیز گرمی کے وقت اگر اوپر جماعت کرنا چاہیں تو مکروہ ہے ہاں نچلی منزل بھر جائے تو اوپر منزل پر مقتدیوں کا جانا مکروہ نہ ہوگا کہ چھت پر چڑھنا ضرورۃ ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

(۱۰۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے اپنی دکان کا افتتاح کرایا جس میں خوشیوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے غیر مسلموں کو بلوایا اور مسجد کے اندر بیٹھا کر مٹھائی وغیرہ سے ضیافت کی، اس میں تین باتیں لائق طلب ہیں اول تو یہ ہے کہ غیر

مسلم کا مسجد میں کھانا کیسا ہے؟ دوم: مسجد میں کھلانے والے مسلم پر شریعت کا کیا حکم نافذ ہوتا ہے۔ سوم: ان کافروں کی ضیافت کے چکر میں اذان وقت سے دس منٹ تاخیر سے ہوئی۔
قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں اور شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔
المستفتی عبدالوحید لاڑپور کیتھون (راجستھان)

الجواب

مسجد کا وہ حصہ جو نماز پڑھنے کے لیے بنایا گیا ہے اس میں ہندو مسلمان کسی کی تخصیص نہیں اعتکاف کرنے والے کے علاوہ کسی کو اس میں سونا اور کھانا منع ہے۔

عالم گیری میں ہے: "یکرہ الاکل والنوم فیہ لغیر المعتکف"

غیر مسلمانوں کو مسجد میں لیجانے کی ممانعت قرآن شریف میں ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَـٰذَا﴾ [التوبۃ:۲۸]

بلکہ مسجد کا صحن اور احاطہ بھی مسجد کے حکم میں ہے اس میں کوئی دکان بنانا یا مکان بنانا یا ایسے کام کرنا جو گھروں میں کرنے کے ہیں جیسے بھی دعوت عام جس کا سوال میں ذکر ہے سب ناجائز اور منع ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: "ان ھذہ المساجد لم تبن لھذہ" مسجد اس قسم کے کام کے لیے نہیں ہے۔ عالم گیری میں ہے: "قیم المسجد لایجوز لہ ان یبنی حوانیت فی المسجد او فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمتہ وھذا لایجوز والفناء تبع للمسجد فیکون حکمہ حکم المسجد" (۵۰۲/۲)

مسجد کے منتظم کو مسجد کے اندر یا اس کے احاطہ میں مکان اور دوکان بنانا نہیں چاہئے کہ اس سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی اور صحن اور احاطہ بھی مسجد کے تابع ہے تو ان کا حکم بھی وہی ہوگا زید کو اپنی اس حرکت سے توبہ کرنی چاہئے اور آئندہ احتیاط کرنا چاہئے۔ ہاں اگر دوکان کا رخ باہر کی طرف ہو اور اس میں آنے جانے کا راستہ بھی باہر کی طرف سے ہی ہو اور اس نے دوکان کرایہ پر لی ہو تو اپنی دوکان میں اسے اس قسم کے افعال سے نہیں روکا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

(۱۱۰-۱۲۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین سوالات ذیل میں کہ

(۱) کوئی کافر اپنی زمین کو اپنی ملک رکھتے ہوئے اگر مسجد کو دے تو وہ شرعاً مسجد ہوگی یا نہیں۔

(۲) اگر وہ اس زمین کو مسلمان کو ھبہ کر دے اور مسلمان اسے مسجد بنا دے تو وہ شرعاً مسجد ہوگی یا نہیں؟

(۳) اگر وہ مسلمانوں کی مسجد کی مرمت خود کروا دے تو شرعاً مسجد رہے گی یا نہیں؟۔

(۴) اگر وہ مسجد کے فرش کو پختہ کرنے کے لیے سمینٹ وغیرہ سامان دے اور بعینہ ان سامانوں کو لگا کر مسجد کے فرش کو پختہ بنوایا جائے تو وہ شرعاً مسجد رہے گی یا نہیں؟ ان سامانوں کا مالک کون رہے گا؟ اس فرش پر نماز ہوگی یا نہیں؟ ایسے سامانوں کو مسجد کے فرش کے لیے قبول کرنا مسلمانوں کو چاہیے یا نہیں؟

(۵) اگر وہ کسی مسلمان کو روپیہ دے دے اور کہے کہ اس سے مسجد کے فرش کے لیے فلاں سامان میری طرف سے خرید کر کے اسے مسجد کے فرش میں لگا دو اور وہ مسلمان ایسا کرے تو اسے قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟

(۶) اگر وہ کسی مسلمان کو ھبہ کر کے روپیہ کا مالک بنا دے اور وہ مسلمان اس روپیہ سے سامان خرید کر کے مسجد کے فرش میں لگا دے تو یہ درست ہے یا نہیں؟۔

(۷) اگر وہ مسلمان کو ھبہ کر کے روپیہ کا مالک بنا دے اور اس سے مسجد کی تعمیر کرنے یا مسجد کی مرمت کرنے یا اس کے فرش کو پختہ کرنے کے لیے کہہ دے اور وہ مسلمان ایسا کرے تو یہ درست ہے یا نہیں؟۔

(۸) مسجد یا دینی مدرسہ یا کسی دوسرے دینی کام کیلیے کسی کافر سے چندہ کی رقم یا اور کوئی سامان بطور مدد مانگنا چاہیے یا نہیں؟۔

(۹) اگر وہ مسجد یا مدرسہ یا کسی دوسرے دینی کام کے لیے خود سے رقم دے تو اسے قبول کرنا مسلمان کو چاہیے یا نہیں؟۔

(۱۰) بھارت کی کافر حکومت یا اس کے کسی محکمہ یا شہر کے میونسپل کارپوریشن سے چندہ کی رقم یا اور کوئی سامان مسجد یا دینی مدرسے یا کسی دوسرے دینی کام کے لیے بطور مدد مانگنا چاہیے یا نہیں؟۔

(۱۱) مسجد یا دینی مدرسہ یا کسی دوسرے دینی کام کے لیے اگر یہ حکومت یا اس کا کوئی محکمہ یا شہر کا میونسپل کارپوریشن خود سے رقم دے تو اسے قبول کرنا مسلمان کو چاہیے یا نہیں؟۔

(۱۲) بھارت کا کوئی کافر اگر مسجد یا دینی مدرسے یا کسی اور دینی کام کے لیے از خود کوئی رقم دے اور دے کر احسان جتائے تو مسلمان کو اسے قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟۔

(۱۳) اگر وہ مسجد یا دینی مدرسہ یا کسی دوسرے دینی کام کے لیے از خود کوئی رقم یا سامان دے اور دے کر احسان جتائے تو مسلمان کو اس کا قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟ کیا کافر لوگ ایسا کر کے اسے اپنا احسان

سمجھیں گے؟۔

(۱۴) بھارت کی کافر حکومت یا اس کا کوئی محکمہ یا شہر کا میونسپل کارپوریشن مسجد یا مدرسہ یا کسی دوسری دینی کام کے لیے خود سے رقم یا کوئی سامان اگر دے تو جن حکام کے ذریعہ سے وہ رقم یا سامان ملے کیا وہ لوگ اسے اپنا احسان سمجھیں گے؟۔

(۱۵) بھارت کی کافر حکومت یا اس کا کوئی محکمہ یا شہر میونسپل کارپوریشن مسجد یا مدرسہ یا کسی اور دینی کام کیلیے خود سے رقم اگر دے اور جن حکام کے ذریعہ سے وہ رقم یا سامان دے وہ لوگ اسے نیازمندانہ طور پر پیش کریں تو اس کا قبول کرنا مسلمان کو چاہئے یا نہیں؟ کیا وہ لوگ اسے نیازمندانہ طور پر پیش کریں گے۔

(۱۶) اگر کسی مسجد کے شہید ہو جانے کا اندیشہ ہو اور مسلمانوں میں اس کی مرمت کی طاقت نہ ہو تو ایسی حالت میں کسی کافر یا کافر حکومت یا اس کے محکمہ یا شہر کے میونسپل کارپوریشن کا روپیہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۷) موجودہ زمانے میں یہ دیکھا جا رہا ہے کہ بھارت میں حکومت کے محکموں سے دینی مدرسوں کیلیے مسلمان لوگ ایڈ یعنی مدد مانگ کر لیتے ہیں اور جیسا کہ ہمارے بعض اکابر کو حضرت علامہ بدرالدین احمد صاحب گورکھپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بتایا تھا اتر پردیش کے مدارس عربیہ کے ایک سابق انسپکٹر نے خود سے ضلع بستی کے ایک ایڈ نہ لینے والے مدرسے کے ذمہ داران سے کہا تھا کہ آپ لوگ ایک درخواست دے دیں، میں ایڈ دلا دوں گا، اسی طرح کہا جاتا ہے کہ انہوں نے خود سے دیا لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ان کے کہنے پر مسلمان درخواست دیتے ہیں۔ یہ حکام ہرگز نیازمندانہ طور پر ایسا نہیں کرتے ہیں۔ حکومت گیز یٹ (گزٹ) میں شائع کرتی ہے کہ ہم نے فلاں فلاں اسلامی مدرسوں کو اتنا اتنا دیا ہے جن حکام کے ذریعہ سے رقمیں ملتی ہیں وہ لوگ احسان جتاتے ہیں جیسا کہ بعض اکابر سے معلوم ہوا ہے۔ ۱۹۷۶ء ۱۹۷۷ء میں اتر پردیش کے ایڈ پانے والے مدرسوں کو حکومت کی طرف سے آرڈر آیا۔ کہ مدرسوں میں "جن گن من" گایا جائے۔ اگرچہ اس پر سختی نہیں کی گئی۔ مدرسوں کے ذمہ داران جو حکومت سے روپیہ وصول کرتے ہیں خود نیازمندانہ اطوار اپنائے رہتے ہیں اور ہر سال ۲؍ اکتوبر کو گاندھی جینتی کی تعطیل کرتے ہیں۔

(۱۸) اسی طرح معلوم ہوا کہ اڑیسہ میں حضور مجاہد ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درگاہ کے احاطے میں کام کے لیے وہاں کسی ممبر اسمبلی کے ذریعہ حکومت سے رقم لی گئی احاطہ میں ان کے نام کا کتبہ لگایا گیا ایسے غیر مسلم کا نیازمندانہ طور پر استقبال کیا گیا، حد ہے کہ اس کے استقبال میں تالیاں بجائی گئیں، اسی طرح معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۹۸ء میں درگاہ مذکور کے سامنے سڑک پر اپنے کو مسلم کہنے والے نے ایسے غیر مسلم کو پھولوں کا ہار پہنایا، پھر بھارت کے دستور میں یہ ہے کہ بھارت کی گورنمنٹ پارلیامنٹ، بھارت کی

ریاستوں کی حکومتیں، ان کے مجالس قانون ساز اور بھارت کی عملداری اور اس کے تسلط کے تحت جتنے بھی حکام ہیں، وہ سب بھارت کی عملداری کے اندر باشندگان کیلیے ایک یکساں سول کوڈ کو مضبوطی سے لگانے کے لیے جدوجہد کریں گے۔ (آرٹکل نمبر۴۴)

اس کے لیے بھارت کی مرکزی حکومت اس کی ریاستوں کی حکومتیں اور حکام جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں، یکساں سول کوڈ دفعۃً لگانے کو حکومت غیر مناسب تصور کرتی ہے، اسی لیے اس کی راہ ہموار کرنے میں حکومت لگی ہوئی ہے۔ مثلاً اتر پردیش میں، اڑیسہ میں اور دوسری ریاستوں میں بھی نہیں معلوم شہروں کے کتنے مسلم علاقوں کو لیڈیز وارڈ بنادیا گیا ہے جہاں کے میونسپل کارپوریشن میں صرف عورت ہی کارپوریٹر بن سکتی ہے، چنانچہ کچھ روز پہلے مجبوراً مسلم خواتین الیکشن میں کھڑی ہوگئیں، معلوم ہوا ہے کہ بزرگ کہلانے والے، لیکن درحقیقت شریعت اسلامیہ کی اہانت کرنے والے بعض اشخاص نے ایسی عورتوں کو دعائیں بھی دیں۔ اس وارڈ سے صرف عورتیں ہی کھڑی ہونگی اس پابندی کے عائد کرنے کے نتیجے میں عورتیں الیکشن لڑتی پھر رہی ہیں۔ بے پردہ باہر گھوم رہی ہیں، غیر مسلم مردوں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا چالو ہے، اس طرح مسلم معاشرتوں کے مسلم اقلیتی کردار کو ختم کرنے میں حکومت اور میونسپل کارپوریشن لگے ہوئے ہیں، یہی حکومتیں اور میونسپل کارپوریشن ایک طرف مسجدوں اور مدرسوں کو رقم دے رہی ہیں اور دوسری طرف مسلم معاشروں کی اسلامی روح کو نکال کر باہر پھینک رہی ہیں، اتر پردیش کے ایڈ لینے والے دینی مدرسوں کے ذمہ داران خود غیر مسلم حکام کے روبرو نیازمندانہ اطوار اپنائے رہتے ہیں۔ حکومت کے اس قسم کے اقدامات کے خلاف کچھ بولنے کی ان میں ہمت نہیں مسلم محلوں کو زنانہ وارڈ بنانے کے خلاف وہ لوگ بھی کچھ کرسکے اور خاموش تماشائی بن کر بیٹھے رہے۔

اڑیسہ کے مسلمان لوگ بھی حکام کے روبرو خوب نیازمندی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ لوگ زنانہ وارڈ بنانے پر کچھ نہ کرسکے، کچھ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہے اور کچھ لوگوں نے نیازمندی میں حکومت کے اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے سعی بلیغ کی۔ نتیجے میں اب یہ طریقہ ہمیشہ کے لیے قائم ہوگیا۔ اسی طرح یہ حکومتیں اور حکام مسجد والوں کو اور مدرسہ والوں کو مسجد اور مدرسہ کے لیے تھوڑا سا چارہ دیتے ہیں اور جب ان کو نیازمند بنالیتے ہیں تب اسلامی معاشرتوں کے مسلم اقلیتی کردار کو برباد کرکے یکساں سول کوڈ کی راہ کو ہموار کرتے ہیں۔ آئے دن سننے میں آتا ہے کہ حکومت مسلم پرسنل لا میں مداخلت کرنے جارہی ہے۔ خدانہ کرے، اگر یہی حال رہا کہ مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نے حکومت اور حکام کے سامنے زانوئے نیازمندی کو ٹیک دیا۔ مسلم پرسنل لا میں مداخلت ہوئی اور یکساں سول کوڈ نافذ کیا گیا تو

مثال کے طور پر ایسا قانون بھی نافذ ہو جائے گا کہ چونکہ مرد اور عورت برابری کے حق دار ہیں اور ہر میدان میں مساوات کا تقاضا رکھتے ہیں لہذا میت کے ترکہ میں سے لڑکے کو جتنا دیا جائے گا لڑکی کو بھی اتنا ہی دیا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ مسلم اقلیت سے تعلق رکھنے والے ادارہ کے مسلم اقلیتی کردار کو بھی حکومت دیکھنا نہیں چاہتی ہے۔ ایسی حالت میں بھارت کی حکومت یا اس کا کوئی محکمہ یا شہر کا میونسپل کارپوریشن اگر مسلمانوں کی مسجد کے لیے یا دینی مدرسے یا کسی دوسرے دینی کام کے لیے خود سے کوئی رقم دے تو مسلمانوں کو اسے قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟

اسے قبول کرنا مصلحت شرعیہ کے خلاف ہوگا یا نہیں؟۔ حالات کی شدت کے پیش نظر گذارش ہے کہ براہ کرم فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے اور اگر ہو سکے تو خصوصاً اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیفات سے حوالہ دے دیں بینوا توجروا المستفتی (مولانا) غلام صادق حبیبی ۳ر صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

الجواب

سوال میں الجھاؤ بے ترتیبی اور بلا ضرورت تکرار و طول ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ کسی غیر مسلم نے چندہ ذاتی مالیت سے زمین، یا سامان، یا نقد رقم مسجد کے لیے دی، یا دوسرے امور خیر کے لیے دی تو کیا حکم ہے؟ مسجد کے لیے امداد کی چند صورتیں ہیں:

(الف) صرف زمین مسجد کو دی۔

(ب) مسجد تیار کر دی کہ یہ تمہاری نماز کے لیے ہے۔

(ج) خود ایسا کیا۔

(د) کسی دوسرے آدمی کو اپنا نائب اور وکیل بنا کر مسجد اپنی زمین میں بنوا دی،

ہر حالت میں وہ مسجد نہیں ہوئی کہ مسجد بنانا غیر مسلموں کا کام نہیں یہ صرف مسلمانوں کا کام ہے۔

قرآن عظیم میں ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾[التوبۃ:۱۸]

مسجد بنانے اور اس کے آباد کرنے کا حق صرف مسلمانوں کا ہے۔

غیر مسلم تو خیر علیحدہ ملت ہی ہیں، وہ کلمہ گو بھی جن کی گمراہی حد کفر کو پہونچی ہو اس کی بنائی ہوئی مسجد مسجد ہی نہیں۔ (فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۳۹۷)

بلکہ خالص مسلمان جسے مسجد تعمیر کرنے کا حق ہے مسجد میں صرف اپنی حلال کمائی لگا سکتا ہے، حرام یا شبہ کی رقم مسجد میں نہیں لگ سکتی۔

شامی کتاب الصلوۃ میں ہے: "ان اللہ طیب لایقبل الا الطیب"

(د) وہ زمین، سامان، یا نقد مسلمان کو ہبہ کردیا اور مسلمان نے اپنی طرف سے اس پر مسجد بنادی تو مسجد ہوگئی، کیونکہ ہبہ کیوجہ سے وہ سب اشیاء مسلمان کی ہوگئیں اور انہوں نے اپنی طرف سے مسجد بنائی تو یہ مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد ہوگئی۔ (حوالہ فتاوی رضویہ ج۶ ص ۳۹۶)

(ہ) پرانی مسجد کی تعمیر جدید غیر مسلم نے کرادی، یا اس کی مرمت پلاسٹر وغیرہ اپنے سامان سے کرادیا، یا کسی آدمی کے ذریعہ تعمیر ومرمت کرادی، ان سب صورتوں میں وہ مسجد ہی رہے گی کہ اصل مسجد تو زمین ہے جب ایک دفعہ وہ مسجد کردی گئی تو قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی قسم کی ٹوٹ پھوٹ، اور تعمیر ومرمت سے وہ مسجد ہونے سے نہیں نکلے گی۔

البتہ وہ عمارت جو غیر مسلم نے بنائی۔ یا فرش کا پلاشٹر غیر مسلم کی ہی ملک رہیں گے جب اس فرش پر نماز پڑھنے کی اجازت وہ غیر مسلم دے گا، نماز بھی جائز اور وہاں نماز پڑھے گا ثواب بھی مسجد کا ملے گا۔ اور منع کرے تو وہاں نماز پڑھنی مکروہ ہوگی، فرش اکھاڑ کر مسلمان نیا فرش بنوائیں یا زمین پر ہی نماز پڑھیں تو نماز جائز ہوگی۔ (حوالہ فتاوی رضویہ ج۶ ص ۹۶۔۳۹۷)

نوٹ: یہ دونوں قسم کی امداد نہ تو غیر مسلم سے مانگنا چاہئے، نہ از خود دیں تو قبول کرنی چاہئے۔

حدیث شریف میں ہے:

"انی نہیت عن زبد المشرکین" (حوالہ فتاوی رضویہ ج۶ ص ۹۶ و ۳۹۷)

ہاں ایک استثنائی صورت یہ ہے کہ مسجد منہدم ہو رہی ہو اور مسلمانوں میں تعمیر کی سکت نہ ہو اور غیر مسلم مدد کرنا چاہے تو مدد قبول کر سکتے ہیں۔ (حوالہ فتاوی رضویہ ج۶ ص ۴۴۹)

(و) یہاں تک جو کچھ ذکر ہوا مسجد میں غیر مسلم کے ذاتی مالیت دینے یا سامان ورقم صرف کرنے کا تھا، ایک صورت یہ ہے کہ وہ زمین سرکاری ہو جسے حکومت یا اس کے ادھیکاری کبھی بطور خود مسجد کے لیے دیدیتے ہیں۔ کبھی مسلمانوں کو درخواست دینی اور کوشش کرنی پڑتی ہے اور کبھی مسلمان ایسی پڑی ہوئی زمین پر قبضہ کر لیتے ہیں اور مسجد بنادیتے ہیں۔ ان تینوں صورتوں میں کسی صورت سے مسجد بنی وہ مسجد ہوجائے گی۔ ایسی زمین کو جی۔ ایس یا نزول کی زمین کہتے ہیں۔

شریعت کے نزدیک ایسی زمین کے مالک اللہ ورسول ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

"ان عادی الارض للہ ورسولہ"۔ (فتاوی رضویہ ج۶ ص ۴۵۹)

الف: (۲) دوسرے امور خیر جو ہندؤں کے نزدیک بھی بھلائی کے کام ہوں۔ جیسے غریبوں کی

مدد یا تعلیم اور طبی امداد کے لیے تو غیر مسلم بھی اپنی زمین وقف کر سکتا ہے۔ (فتاوی رضویہ ج۶ ص ۳۳۸)

ب: غیر مسلم اوقاف کی تعمیر ومرمت کر سکتا ہے اور اس کے لیے چندہ دے سکتا ہے بشرطیکہ اس سے وہ اپنا استحقاق نہ ثابت کرے اس پر اپنا احسان نہ جتائے۔ (فتاوی رضویہ ج۶ ص ۴۵۸)

حدیث شریف میں ہے: "انا لانستعین بمشرك"

ہاں نیاز مندی سے دے تو لے سکتے ہیں۔ (فتاوی رضویہ ج۶ ص ۴۶۰ و ۵۰۶)

ج۔ گورنمنٹ مسلم ہو یا غیر مسلم ایسی امداد بصورت زمین یا سامان، یا رقم دے تو اس کا لینا جائز ہے اس میں شرعا کوئی حرج نہیں۔ کہ ایسی سرکاری زمین اور رقم میں پبلک کا حق ہوتا ہے۔

فتاوی رضویہ ہشتم ص ۱۸۴ میں ہے۔

اصل یہ ہے کہ بیت المال خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی جب اتباع انتظامات شرعیہ نہ کرے تو اہل استحقاق مثلا طلبہ علم دین کہ اپنا وقت خدمت دینیہ مثلا درس وتدریس ووعظ وافتاء وتصنیف میں صرف کر رہے ہیں اگر چہ لکھو کھا روپے کے مالک اغنیاء کثیر المال ہوں، اور وہ یتیم لنجے اندھے فقراء ومساکین جو کچھ اسے برضائے سلطنت، بے غدر وفتنہ وارتکاب جرائم پائیں ان کے لیے جائز ہے اگر چہ دینے والا کسی دوسری وجہ ناجائز کے نام سے دے۔

تو فتوی یہ ہوا کہ گورنمنٹ کی ایسی امداد مستحقین کے لیے جائز ہے، گورنمنٹ جس نام سے بھی دے یہ مسئلہ امداد کا نہیں استحقاق کا ہے۔ گورنمنٹ اس کا نام امداد اور ایڈ ہی کیوں نہ رکھے۔ اپنے حق کے لیے آدمی لڑ سکتا ہے خوشامد وشفارش کی ضرورت ہو تو وہ بھی کر سکتا ہے تو فتوی کا حکم یہ ہوا۔

اور جو کچھ آپ نے حضرت مولانا بدر الدین صاحب علیہ الرحمہ سے متعلق لکھا وہ تو تقویٰ تھا۔ اصحاب تقویٰ ہماری قوم کے قابل فخر نفوس قدسیہ ہیں، ہم ان پر جتنا ناز کریں کم ہے اور آج جو اللہ کا مخلص بندہ ان کے نقش قدم پر چلتا ہے وہ انتہائی قابل ستائش ہے مگر مسلمانوں میں جو کمزور دل ودماغ والے ہیں علمائے کرام ہی کیوں نہ ہوں توکل واعتماد علی اللہ کا توشہ ان کے پاس نہیں وہ اگر تقویٰ پر عمل نہیں کر سکتے اور اگر از روئے فتوی ایسی رقوم وصول کرنے کی اجازت ملتی ہے اور وہ اسی پر عمل کرتے ہیں تو انہیں کیوں الزام دیا جائے اور ملامت کی جائے۔

مگر رونا تو یہ ہے کہ اہل مدارس خواہ ارکان کے دائرے کے ہوں یا ملازمین کے گروپ میں۔ آج ان کے بارے میں اخباروں اور بازاروں میں جو افواہیں گشت کر رہی ہیں کس درجہ افسوس ناک ونفرت انگیز ہیں مثلا۔

(۱) کتنے ایسے ارکان ہیں کہ مدرسہ ان کی جیب میں رہتا ہے، پورے سال کاغذ کا پیٹ بھرتے رہتے ہیں۔ نہ مدرسہ نہ طلبہ نہ ملازمین، صرف اہل کاروں کی ملی بھگت سے جملہ امدادی رقوم حاصل کرتے رہتے ہیں۔

(۲) اور جن کے پاس مدرسہ ملازمین اور طلبہ ہیں۔ ان کے یہ انداز ہیں کہ تقرری ملازمین کیلیے تمام کاغذی کاروائیاں مکمل کی جاتی ہیں۔ مگر ملازمت لیاقت اور اہلیت کی بنیاد پر نہیں دی جاتی۔

(۳) طلبہ کا وظیفہ گورنمنٹ کے گودام اور خزانے سے ضرور نکالا جاتا ہے، تقسیم کے رجسٹر میں اندراج بھی ہوتا ہے مگر طلبہ کو شکایت ہے کہ معلوم نہیں کہ وظیفہ کیا ہوا۔

(۴) ملازمت کی دو چار فاضل اسامیاں بھی منظور کرالی جاتی ہیں۔ مگر جس کے نام سے منظوری پہنچائی جاتی ہے وہ کہیں اور ملازم ہے اور اس کے نام کی دستخط کوئی اور کرتا ہے اور رقم ملکر بانٹ کھاتے ہیں اور کبھی بالا ہی بالا اڑ جاتی ہے۔

(۵) جو افراد ملازمین کے دائرے میں آتے ہیں۔ ان کے بہت سارے اوقات منتظمہ سے صف آرائی میں گذر جاتے ہیں۔ تعلیم کا معاملہ کھٹائی میں پڑا ہوتا ہے، کبھی تاخیر سے آئے یا غیر حاضر رہے مگر رجسٹر پر باقاعدہ دستخط موجود ہے جو کچھ احتیاط برتے ہیں تو رخصت علالت لے لیتے ہیں حالانکہ خوب تندرست اور صحت مند ہوتے ہیں۔ بعض اراکین و ملازمین اپنے اعزہ اقرباء کو مدرسہ میں بھر دیتے ہیں بلکہ اپنے لڑکے کو ملازمت دلا دیتے ہیں اور جب ان کی انکوائری ہوتی ہے تو حلف نامہ لگا دیتے ہیں کہ میرا لڑکا نہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۶) بعض معاملات میں طلبہ کی شرکت بھی ہوتی ہے، فارم کسی اور کے نام سے بھرا جاتا ہے اور سنٹر پر کوئی دوسرا لڑکا اس کے نام سے امتحان دیتا ہے، مدرسہ میں پڑھنے والے ریگولر طلبہ نہ ہوں تو فارم بھرنے کے وقت بھاڑے کے طلبہ تلاش کیے جاتے۔

خدا کرے یہ افواہیں غلط ہی ہوں۔ لیکن خدانخواستہ ان میں دو چار باتیں ہی صحیح ہوں تو کس درجہ خلاف شرع و قابل شرم اور غلط ہیں۔ اگر آپ سے ہو سکے تو اس کے خلاف تحریک چلایئے مابین مدارس کوئی تنظیم قائم کیجیے اور کچھ بھی اصلاح ہو جائے تو بڑا کام ہوگا۔

اس کے علاوہ حکومت پر برسر اقتدار لوگوں کے جن عزائم کا آپ نے ذکر کیا ہے اور جو کارگزاریاں یہاں آپ نے بیان کی ہیں اگر آپ یہ سوچتے ہیں کہ ایڈ نہ لینے سے ان کی ایذا رسانیوں سے نجات مل جائے گی تو یہ خوش فہمی ہے۔ وہ تو آپ کے دین ایمان، جسم و جان، کے دشمن ہیں، آپ [illegible]

ہندوستان سے ختم کرنا چاہتے ہیں اور ان کا جب بھی قابو چلے گا اس میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے، یہ تو آپ کے صوابدید کی بات ہے کہ آپ کس طرح ان مصائب سے نجات حاصل کرتے ہیں اور اپنے دین وایمان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

باقی رہ گیا آپ کا یہ خیال کہ آپ ایڈ لینا بند کردیں گے تو محفوظ ہوجائیں گے، صحیح نہیں، آج کل ہندوستان میں عربی کے جتنے نان ایڈڈ بڑے مدرسے ہیں آپ ان کا حال دیکھ لیجئے سب پر موجودہ صاحبان اقتدار دانت تیز کررہے ہیں۔

پس اپنی حفاظت کے لیے آپ اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کریں قدرت جب تک آپ کو باقی رکھنا چاہے گی آپ باقی رہیں گے شرط یہ ہے کہ ہر دم ہوشیار و بیدار رہئے اور ظلم کے مقابلہ میں سینہ سپر اسلام کی خاطر ہر قربانی کے لیے تیار رہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

(۱۲۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک مسجد ہے جو کم از کم دوسو سال پرانی ہوگئی۔ اس وقت مسجد مخدوش، اور چھت کا کچھ حصہ منہدم ہوگیا ہے۔ یہاں کی آبادی میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں۔ اور مسلمان اس پوزیشن میں نہیں کہ مسجد از سر نو تعمیر کرسکیں۔

پرانی چھت میں چند گٹر لوہے کے ہیں۔ انہیں فروخت کردیا جائے تو آدھی چھت کا پیسہ فراغ ہو جائے گا۔ ایسا کرنا شرعاً جائز ہو تو بقیہ کا انتظام چندہ سے ہوجائے گا۔ فقط

المستفتی: آپ کا خادم مشتاق احمد، بیتالاب مسجد ۶ نمبر تھانہ روڈ گودا بازار دم دم کنٹ کلکتہ ۲۸

الجواب

کلکتہ جیسے شہر میں جہاں کی امداد واستعانت سے ہندوستان کی بہت سی جگہوں کے مدرسے آباد ہیں، آپ مسلمانوں کی ناداری کا رونا رو رہے ہیں، میرے خیال میں آپ وہاں کے ذی استطاعت مسلمانوں کو امداد کے لیے متوجہ کریں۔

اور اس کی سبیل آپ یہ بتا رہے ہیں کہ مسجد کی چھت میں جو لوہے کا بیم لگا ہوا ہے اس کو بیچ دیا جائے۔ اولاً بیم یا کنکریٹ کی شہتیر وہیں لگتی ہے جہاں چھت دس فٹ سے زائد چوڑی ہو۔

الغرض مستفتی کے ذہن میں آہنی بیم کے بیچنے کی جو ضرورت ہے وہ نہیں سمجھ میں آتی۔

فتاوی رضویہ شریف میں ہے: جو اجزا عمارت مسجد ہوں اگر وہ حاجت مسجد سے زاید ہوجائیں

اور دوبارہ ان کے اعادہ کی امید نہ ہو۔ تو متولی اور متدین اہل محلہ کی اجتماعی رائے سے انہیں بیچ کر قیمت عمارت مسجد ہی کے کام میں لگائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو یکم شعبان ۱۴۲۰ھ

(۱۲۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے ایک زمین خشکی کی بیعنامہ لیا تھا جو مسجد سے متصل ہے مسجد کے متولی اور چند لوگوں نے دھوکے سے زید کو دوسرے کے گھر بلایا اور زید سے اس زمین کو خریدنے کے لیے کہا کہ اس زمین کا روپیہ پیسہ لے لو اور زمین مسجد کے لیے دو تو زید نے انکار کیا، پھر ان لوگوں نے زید کو بہت پریشان کیا اس کے بعد بھی زید نے انکار کیا اور زید نے یہ بھی کہا کہ بعد میں اس کے بارے میں سوچا جائے گا، لیکن ان لوگوں نے زید پر بہت دباؤ ڈالا تو زید کو مجبوراً اقرار کرنا پڑا یعنی زید نے کہا جب آپ لوگ مجھ کو مجبور کر رہے ہیں تو لے لیجئے میں نے زمین دے دیا یہ بات زید نے اپنی جان چھڑانے کے لیے کہا اگر زید اقرار نہ کرتا تو زید کو خطرہ تھا کہ زید کو بہت زیادہ لوگ مار پیٹ دیں گے، اس ڈر سے زید نے زمین کی بیع کر دیا تو اس صورت میں بیع مکمل ہوگئی اور زید کیا بیع سے انکار کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی بشیر احمد بچلا پورہ بھیلو پاکٹر سرواں مئو

الجواب

نماز پڑھنے والوں پر اگر مسجد تنگ تھی اور مسجد میں توسیع کی واقعی ضرورت بھی تھی تو اس زمین کا جو مسجد سے متصل تھی زبردستی مصلیوں کا مسجد میں شامل کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس زمین کی واجبی قیمت زمین والے کو دیں۔

درمختار میں ہے: "توخذ ارض بجنب المسجد ضاق علی الناس بالقیمة کرھا" (۶/۴۵۱)

اور اگر توسیع کی ضرورت نہ تھی تو اس زمین کو جبراً مسجد کے لیے حاصل کرنا ناجائز اور ظلم وزیادتی ہے جس کی سزا انہیں آخرت میں ملے گی۔

اگر سائل اپنے بیان کہ میں نے اکراہ وجبر کی صورت میں زمین بیع کی ہے سچا ہے اور اکراہ شرعی ہو تو اس کو اس بیع کے توڑنے کا حق حاصل ہے۔

درمختار میں ہے: "لو اکرہ بحبس اوقید مدید حتی باع فسخ او امضی۔

قتل اور ہاتھ پاؤں توڑنا تو بڑی بات ہے۔ اگر عرصہ تک مقید رکھنے پر اکراہ کیا اور مکرہ نے زمین

بیع کردی تو اس کو اس بیع کے فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو　　۱۱ر جمادی الاخری ۱۴۲۱ھ

(۱۲۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

آج کل بروز جمعہ وقت نماز کے لیے اکثر مقام پر مسجدوں میں بڑے لوگ اپنے اپنے نابالغ بچوں کو لاتے ہیں اور ان بچوں کے شور وغل کیوجہ سے خطبہ ونماز پڑھنے والوں کو خلل پڑ جاتا ہے بچوں کے والدین پر کیا حکم ہے۔

الجواب

چھوٹے بچوں کو مسجد میں لانا منع ہے۔ جتنے بڑے بچے مسجد میں آسکتے ہیں وہ بھی سب سے آخر میں بیٹھیں جہاں انہیں صف لگانی ہے اور انہیں شور وغل سے روکنے کے لیے کچھ لوگوں کو مقرر کردیا جائے۔

اقامت کا بیان

(۱-۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) اقامت کے وقت ابتدا ہی سے قیام ہے یا جب مکبر حی علی الصلوۃ کہے تب کھڑے ہوں۔ ان میں کون سا طریقہ افضل ہے؟

(۲) فجر ظہر عصر میں بعد اذان جماعت سے قبل موذن کا بلند آواز سے صلوۃ وسلام پڑھنا صحیح ہے یا بدعت؟

(۳) بعد نماز فجر امام یا دیگر نمازیوں سے مصافحہ کرنا جائز ہے یا بدعت؟

اصغر حسین چرگلیا روڈ مدنیہ منزل ہلدوانی ضلع نینی تال

الجواب

طریقہ یہی ہے کہ بیٹھ جائیں اور جب مکبر حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوجائیں۔

عالمگیری میں ہے: " اذا دخل الرجل عند الاقامة یکره له الانتظار قائما لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح "(۱/۷٤)

جب آدمی اقامت کے وقت آئے تو اسے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے، بلکہ بیٹھ جائے۔ اور جب موذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑا ہوجائے۔

(۲) اصطلاح شرع میں اس کو تویب کہتے ہیں۔ یہ جائز ہے۔ درمختار میں ہے: " ویثوب بین

الاذان والاقامۃ فی الکل بما تعارفوہ "(۵۱/۲)

اذان اور اقامت کے بیچ نماز کے لیے ایک بار بلانا جائز۔ہے اور یہ ہر نماز میں ہوسکتا ہے۔اور اس کے لیے کوئی خاص الفاظ نہیں جہاں کے لوگ جو چاہیں مقرر کرلیں۔

اسی کے حاشیہ شامی میں ہے:" بما تعارفوہ کتنحنح او قامت قامت اوالصلوۃ الصلوۃ ولو احدثوا اعلا ما مخالفا لذلك جاز مثلا"(۵۲/۲)

کھکھارنا یاقامت قامت کہنا، یاالصلوۃ الصلوۃ کہنا۔اوراس کے علاوہ بھی کوئی اعلان مقرر کیا جائے تو جائز ہے۔جیسے یہی صلوۃ وسلام مذکور۔

(۳) نماز فرض بلکہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے۔

شامی میں ہے:" اعلم ان المصافحۃ مستحب عند کل لقاء واماما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلوۃ الفجر والعصر فلا اصل له فی الشرع علی ھذا الوجه لکن لاباس به فان اصل المصافحۃ سنۃ وکونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال وترکوا فی کثیر من الاحوال او اکثر لا یخرجها کونه من المصافحۃ التی ورد الشرع باصلها ۔ قال الشیخ ابو الحسن کرخی وتقیدہ بما بعد العصر والصبح ، علی عادۃ کانت فی زمنه وعقب الصلوۃ کلها کذالك ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۷ر جمادی الآخرہ ۸۷ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

لکھنا ضروری یہ ہے کہ جے پور سانگانیر کے دیوبندی اور غیر مقلدوں نے مل کر ایک اشتہار نکالا ہے جس میں دس ہزار روپیہ کا انعام رکھا ہے اشتہار حاضر خدمت ہے۔اشتہار نکلنے کے بعد سنیوں میں بڑی بے چینی پائی جارہی ہے اس لیے حضرت سے گذارش ہے کہ اس اشتہار کا ایسا مدلل اور منھ توڑ جواب عنایت فرمائیں کہ آئندہ اس قسم کا اشتہار نکالنے کی جرأت نہ ہو اور سنیوں میں بھی مایوسی نہ پھیلے اگر حضرت اشتہار کا جواب جلد عنایت نہیں فرماتے ہیں تو اپنوں میں زیادہ بے چینی پھیلے گی جس کے نتائج خراب مرتب ہوں گے اس لیے جواب جلد عنایت فرمائیں۔دعاؤں کا محتاج منظور الحق مصباحی فاروقی مسجد کمہاری ضلع ناگور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشتہار: ان بلالا کان یرقب خروج النبی ﷺ فاول ما یراہ یشرع فی الاقامۃ قبل ان

یراہ غالب الناس ثم اذا راوہ قاموا فلا یقوم فی مکانہ حتی تعتدل صفوفھم قلت ویشھد لہ ما رواہ عبد الرزاق عن ابن جریج عن ابن شھاب الناس کانوا ساعۃ یقول المؤذن اللہ اکبر یقومون الی الصلوۃ فلا یاتی النبی ﷺ مقامہ حتی تعتدل الصفوف۔

(بذل المجھود شرح ابوداؤد جلد اول صف ۳۰۷)

بے شک بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتظار کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کا، لہٰذا جیسے ہی حضور کو دیکھتے اقامت شروع کر دیتے تھے اس سے پہلے کہ اکثر لوگ حضور کو دیکھتے پھر جب لوگ حضور کو دیکھ لیتے کھڑے ہو جاتے پس حضور اپنے مقام مصلے پر نہیں کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ان کی صفیں سیدھی کر دی جاتی تھیں اور اس کی شہادت اس سے بھی ہوتی جسے عبد الرزاق نے ابن جریج سے انہوں نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن اللہ اکبر کہتا تھا نماز کے لیے پس نہیں آتے تھے نبی ﷺ اپنے مقام مصلے پر یہاں تک کہ صفیں سیدھی کر دی جاتی تھیں۔

نوٹ: جو حضرات بھی اس حدیث کو متروک العمل (پورے عرب وعجم) یا حوالہ غلط ثابت کر دیں یا (عرب وعجم میں عامل نہ ہونا ثابت کر دیں ان حضرات کو دس ہزار نقد روپے انعام دیا جائے گا۔ حوالہ یا ثبوت دے کر اس پتہ پر حاصل کر لیں۔

حافظ عبد الغفار ولد محمد حسین پیر جی قادری چشتی سہروردی نقشبندی۔ سانگانیر جے پور راجستھان

الجواب

نماز با جماعت میں مقتدیوں کو اقامت شروع ہونے کے پہلے سے صف باندھ کر کھڑے رہنا چاہیے یا اقامت شروع ہونے کے ساتھ ساتھ یا بیٹھ کر انتظار کرنا چاہئے اور جب مؤذن حی علی الصلاۃ و حی علی الفلاح کہے تب کھڑے ہو جانا چاہئے، ہندستان میں کلمہ گویوں کے دو فرقوں میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے، طبقہ اہل سنت و جماعت حی علی الصلاۃ و حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا قائل ہے جب کہ دیو بندی حضرات تکبیر کی ابتدا بلکہ اس سے بھی پہلے صف لگا کر کھڑے رہنے کے قائل ہیں، اس طرح دیو بندی حضرات اس مسئلے میں تضاد کا شکار ہیں کہ خود کو حنفی بھی کہتے ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسئلہ کا خلاف بھی کر رہے ہیں، اور طبقہ اہل سنت و جماعت کا عمل وقول اپنے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے موافق ہے، اسی لیے دیو بندی صاحبان اپنے قول و فعل کی تائید کے لیے ادھر ادھر کے بے بنیاد سہاروں کی تلاش کرتے ہیں۔ فی الوقت ہمارے سامنے اس قسم کا ایک اشتہار ہے جس میں بذل المجھود جلد اول صفحہ ۳۰۷ کی ایک عبارت لکھ کر خواہ مخواہ چیلنج دیا ہے

بذل المجھود ایک دیوبندی مولوی خلیل احمد انبیٹھی کی تصنیف ہے جو ابوداؤد شریف کی شرح ہے، اب ہم بذل المجھود کا بیان اور مشتہرین کی بے تکی حرکت کی تفصیل ذکر کرتے ہیں۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ایک عنوان قائم کیا کہ جب اقامت کہی جائے اور امام نہ آیا ہو تو مقتدی بیٹھ کر اس کا انتظار کریں" اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ حدیث ذکر کی۔ "عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلوۃ فلا تقوموا حتی ترونی" حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو تم لوگ نماز کے لیے قبل اقامت کھڑے نہ ہو جایا کرو یہاں تک کہ مجھے آتا نہ دیکھ لو۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے حضرت ابن حجر صاحب فتح الباری کے حوالے سے امام قرطبی کا ایک قول نقل کیا کہ "اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک مجھ کو آتا نہ دیکھ لو کھڑے مت ہو" چاہے مؤذن اقامت کہتا رہے۔ اور جابر ابن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے حجرہ سے برآمد ہونے سے پہلے تکبیر پڑھتے ہی نہیں تھے، تو ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے کہ پہلی حدیث کا تقاضا ہے کہ لوگ پہلے سے کھڑے ہوتے تھے، اس لیے حضور سرور کائنات نے منع فرمایا، اور اس حدیث سے ثابت کہ حضور کے آنے سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقامت ہی نہیں کہتے تھے تو لوگ نماز کے لیے کھڑے کیسے ہوں گے۔ امام قرطبی نے دونوں حدیثوں کا تعارض رفع کرنے کے لیے ایک قیاس کیا کہ پہلی حدیث میں لوگوں کے حضور کے آنے سے قبل ہی نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں حضرت بلال کا حضور کے برآمد ہوتے ہی تکبیر کہنا ثابت ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلال انتظار میں دروازہ پر ٹکٹکی لگائے رہتے تو وہ پہلے دیکھ لیتے اور لوگوں کی نگاہ آپ پر نہیں پڑتی بلکہ لوگ بلال کی تکبیر کی صدا سن کر کھڑے ہو جاتے اس طرح بلال کے حضور کو دیکھ کر تکبیر کہنے اور لوگوں کے بے دیکھے کھڑے ہونے میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ اور اپنی اپنی جگہ دونوں ہی باتیں صحیح ہیں۔

اس کے بعد مولوی خلیل احمد صاحب نے قلت کہہ کر دو حدیثیں نقل کی ہیں، ایک مصنف عبدالرزاق سے کہ لوگ تو مؤذن کی زبان سے ہی تکبیر کا لفظ سن کر کھڑے ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ بعد میں آتے اور جب تک صفیں سیدھی نہ ہو جاتیں اپنی جگہ (مصلی پر) کھڑے نہ ہوتے۔ دوسری حدیث جو ابونعیم و مسلم اور ابوداؤد تینوں نے مختلف الفاظ میں روایت کی ہیں، اس کا خلاصہ یہی ہے کہ لوگ پہلے سے ہی جماعت میں کھڑے رہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بعد میں تشریف لاتے۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی

کہتے ہیں تب تو حدیث ابو قتادہ اور حدیث ابو ھریرہ میں پھر تعارض ہو گیا کہ حدیث ابو قتادہ میں پہلے کھڑے رہنے سے منع کیا گیا اور ان حدیثوں میں پہلے ہی کھڑے رہنے کا ثبوت ہے، خلیل احمد صاحب کہتے ہیں: صحابہ کو پہلے سے کھڑے دیکھ کر ہی تو حضور نے منع فرمایا، اس لیے کھڑے رہنے والی بات پہلے کی ہے ممانعت کا حکم بعد کا ہے، اس طرح مولوی خلیل احمد کے بیان کا حاصل بھی یہی ہے کہ تکبیر کے وقت پہلے سے کھڑے ہونا مکروہ وممنوع ہے۔

اس کے بعد بذل المجہود میں اقامت کے کھڑے ہونے کے بارے میں ائمہ اسلام کے مذاہب کو امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح بخاری سے نقل کیا ہے:

(۱) امام مالک اور جمہور علمائے اسلام نے اس قیام کے لیے کوئی وقت متعین نہیں کیا البتہ عام خیال ہے کہ اقامت کے وقت کھڑے ہو جائیں۔

(۲) خادم رسول اللہ ﷺ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد قامت الصلوۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوتے تھے۔

(۳) حضرت سعید بن مسیب اور عمر ابن عبدالعزیز رحمہ اللہ اللہ اکبر کہنے کے وقت قیام واجب قرار دیتے تھے۔

(۴) حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قد قامت الصلاۃ قد قامت الصلاۃ کہنے سے پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ کہا ہے۔

(۵) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اقامت ختم ہو تو مصلی پر کھڑے ہوں۔

(۶) یہی امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ موذن قد قامت الصلاۃ کہے تو مقتدی کھڑے ہوں

(۷) یہی امام زفر کا بھی قول ہے۔

(۸) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہوں اور امام مسجد میں نہ ہو تو سب بالاتفاق کہتے ہیں جب تک کہ امام کو آتا نہ دیکھ لیں نہ کھڑے ہوں۔

(ملخصا بذل المجہود جلد اول صفحہ ۳۰۷)

تو مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے بھی دیوبندی ہوتے ہوئے قیام اقامت کے سلسلہ میں قبل وبعد کی سبھی روایتوں کو بیان کیا اور اس میں تضاد کو اس طرح رفع کیا کہ ممانعت کا حکم بعد کا ہے اور اس سلسلہ میں ائمہ مجتہدین اور صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مذاہب کا بیان کیا اور فی الجملہ اپنے حنفی ہونے کی لاج رکھی۔

مذکورہ بالا اشتہار کے بارے میں معلوم ہوا کہ غیر مقلدین اور دیو بندیوں نے مل کر شائع کیا ہے، غیر مقلد تو خیر بے امام کے ہیں مگر حنفی کہلانے والے دیو بندیون نے نہ جانے کیوں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بغاوت کی اور مذہب احناف پر عمل کرنے والوں کو چیلنج کیا۔

اب ہم شائع ہونے والے اس اشتہار کی حقیقت بھی واضح کرتے ہیں۔

(۱) مشتہرین نے ایک عربی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا اس کے بعد لکھا کہ جو حضرات بھی اس حدیث کو متروک العمل یا حوالہ غلط ثابت کر دیں تو ان حضرات کو ہزار روپے انعام دیا جائے گا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری عربی عبارت حدیث شریف ہے حالانکہ ان بلالا کان یرقب خروج النبی ﷺ فاول مایراہ یشرع الاقامۃ قبل ان یراہ غالب الناس ثم اذارأوہ قاموا فلا یقوم فی مکانہ حتی تعتدل صفوفھم یہ پوری خط کشیدہ عبارت حدیث نہیں بلکہ امام قرطبی کا قول ہے جو حضور ﷺ کے بہت بعد کے ایک عالم ہیں، حدیث تو مذکورہ عبارت کے بعد "ان الناس کانوا" سے ہے، تو اگر مشتہرین ایک امتی کے قول کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بنا کر مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو وہ رسول اللہ ﷺ کی ایک وعید سنیں

"من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار" (بخاری شریف: ۱/۳۸)

حضور ﷺ کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کرنے والا اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنائے۔

(۲) مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی کتاب بذل المجہود میں تین حدیثیں ذکر کیں:

حدیث ابو قتادہ جس میں امام کی عدم موجودگی میں اقامت بیٹھ کر سننے کا حکم دیا گیا ہے۔

حدیث جابر ابن سمرہ جس میں ہے کہ حضرت بلال حضور ﷺ کے برآمد ہونے سے پہلے تکبیر شروع نہیں کرتے تھے۔

حدیث ابو ھریرہ کہ حضور ﷺ برآمد نہ ہوتے اور اقامت ہوتی تو لوگ اللہ اکبر سنتے ہی کھڑے ہو جاتے۔

اگر مشتہرین میں کچھ بھی انصاف ہوتا تو ان تینوں حدیثوں کو ذکر کرتے اور سب پر کلام کرتے تو آپ ہی کھل جاتا کہ ہم جس بات کے مدعی ہیں وہ پہلے کا عمل ہے، حضور نے صحابہ کرام کو اس سے روک دیا تھا لیکن یہ نہ کر کے اسی ممنوع عمل والی روایت پیش کر کے چیلنج کر دیا کہ اس کو متروک العمل یا حوالہ غلط ثابت کرو ہم بھی ان لوگوں کو انھیں کے الفاظ میں چیلنج کرتے ہیں۔ آئیں انعام وصول کریں۔

"اذااقیمت الصلوۃ فلا تقوموا حتیٰ ترونی" اقامت کہی جائے تو جب تک مجھے آتا نہ دکھ لو

کھڑے نہ ہوا کرو۔

یہ حدیث شریف بخاری شریف جلداول صفحہ ۸۸اور ابوداؤد شریف جلداول صفحہ ۷ ۳۰ بذل المجہود میں ہے جو حضرات بھی اس حدیث کو پورے عرب وعجم میں متروک العمل یا حوالہ غلط ثابت کردیں گے ان حضرات کو دس ہزار روپئے نقد دیا جائے گا ثبوت دے کر اس پتہ سے دس ہزار روپیہ حاصل کریں،

پتہ: حافظ عبدالغفار ولد محمد حسین پیر جی قادری چشتی سہروردی نقشبندی، سانگانیر، جیپور راجستھان،

(۳) ان بھلے مانسوں کو یہ بھی نظر نہیں آیا کہ وہ لوگ جو پیش کررہے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ صحابہ کا عمل ہے اور ہم نے جو حدیث بخاری پیش کی ہے وہ قول رسول اللہ ﷺ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ خود حضور ﷺ کی قولی اور فعلی حدیثوں میں تعارض ہو تو قولی حدیث پر عمل ہوگا اور فعلی حدیث متروک ہوگی تو عمل صحابہ کے مقابل میں جب رسول اللہ ﷺ کی ممانعت ہے تو اس کا کیا پوچھنا؟ اسی طرح علماء کا ارشاد ہے کہ ایک روایت سے کسی بات کے کرنے کا حکم نکلے اور دوسری والی سے ممانعت تو ممانعت والی حدیث کو ترجیح ہوگی۔ یہاں بھی ہماری پیش کردہ حدیث سے ممانعت ہی ثابت ہورہی ہے تو اس کو چھوڑ کر اجازت والے اثر پر عمل کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

الحختصر تکبیر بیٹھ کر سننے اور حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح پر کھڑے ہونے میں اگر غیر مقلدین جھگڑا کررہے ہیں تو یہ ایسے لوگوں کا جھگڑا ہے جو پہلے ہی جماعت سے نکل گئے تو ان کا کیا اعتبار لیکن دیوبندی جو جھگڑتے ہیں تو وہ امام اعظم کے باغیوں کا جھگڑا ہے، امام اعظم کے ماننے والوں کو ان دونوں کے غوغا پر کان نہ دھرنا چاہئے اور اپنے علماء اور ائمہ کے ارشاد پر عمل کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ کا بیان فتاویٰ کی مشہور کتاب عالمگیری میں یوں ہے:

" اذا دخل الرجل عند الاقامة يكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا قال المؤذن قوله حي على الفلاح وان كان المؤذن غير الامام و كان القوم مع الامام في المسجد فانه يقوم القوم والامام اذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثه وهو الصحيح ۔ واما اذا كان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فكلما جاوز صفا قام ذلك الصف واذا دخل الامام في المسجد من قدامهم يقومون كمارؤا الامام وان كان المؤذن والامام واحد واقام فلايقومون مالم يفرغ من الاقامة"

(۱) مصلی اقامت ہوتے وقت مسجد میں داخل ہو تو کھڑے ہو کر انتظار مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے

اور جب موذن حی علی الفلاح پر پہونچ جائے تو کھڑا ہوجائے۔

(۲) امام کوئی اور ہو اور موذن کوئی اور، اور امام اور مقتدی دونوں مسجد میں ہوں تو دونوں اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الفلاح پر پہونچے، یہ ہمارے تینوں اماموں کا قول ہے اور یہی صحیح ہے

(۳) اور امام مسجد سے باہر ہو اور اقامت ہوتے وقت مسجد میں صف کے پیچھے سے آئے تو جس صف کے پاس سے امام گزرے وہ کھڑی ہوجائے

(۴) اور امام سامنے سے آئے تو سب مقتدی اس کو دیکھتے ہی کھڑے ہوجائیں۔

(۵) اور اگر امام خود ہی اقامت کہنے لگے تو مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب امام پوری اقامت کہہ لے۔ شرح وقایہ میں یہ لکھا ہے "ویقوم القوم والامام عند حی علی الصلاہ" امام اور مقتدی دونوں حی علی الصلاہ پر کھڑے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ

(۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

جمعہ میں امام اور مقتدی کا اقامت سے پہلے کھڑا ہونا ضروری ہے یا جس وقت کہ حی علی الفلاح کہے تب کھڑا ہونا چاہئے۔ بینوا توجروا المستفتی: عبدالعزیز

الجواب

کھڑے ہو کر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے۔ موذن حیّ علی الفلاح کہے تب کھڑے ہونا چاہئے۔ عالم گیری میں ہے: "اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما و لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح" واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۱۷؍رجب ۸۴ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

قرأت کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید عیدگاہ کا امام ہے عالم نہیں ہے، کالج میں بی اے کی ڈگری حاصل کیا ہے اردو اور بنگلہ کتاب کا مطالعہ کر کے تقریر کرتا ہے اور قرأت بھی صحیح نہیں ہے، الحمد کے بجائے الھمد اور الذی کے بجائے

الــجی پڑھتا ہے، یعنی حرف کی ادائیگی قطعا درست نہیں ہے تو بکر نے فتوی دیا کہ ایسے امام کے پیچھے نماز عید درست نہیں ہے، اس بات پر عوام میں انتشار پھیل گیا ہے اور بکر کو اپنے سماج سے الگ کر دیا ہے اور یہ بھی عہد لیا گیا ہے جو ان سے بولیں گے ان سے ۲۵ روپیہ بطور جرمانہ لیا جائے گا، اس کے مابین خالد اور عمر کو پوچھا گیا (دراں حالے کہ یہ دونوں عالم ہیں) کہ ان کے پیچھے نماز ہوئی ہے کہ نہیں تو ان دونوں نے برجستہ یہی جواب دیا اگر نہیں ہوئی تو ہم لوگ یونہی جاتے ہیں نماز پڑھنے کے لیے گویا کہ عمر اور خالد کے نزدیک ایسے امام کے پیچھے ہر ایک کی نماز جائز ہے۔ اب شرعا کیا حکم ہے بیان فرمائیں نیز یہ بھی بیان کریں کہ ایسی صورت میں خالد اور عمر پر شریعت کا کیا حکم ہے اور جن لوگوں نے بکر کو ناجائز کا فتوی دینے کی بنا پر سماج سے الگ کر دیا ہے ایسے سماج کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بالتفصیل بیان فرمائیں۔ فقط

المستفتی نورالحق رضوی مقام امانت پوسٹ پیار پور ضلع صاحب گنج بہار ۲۸/ اگست ۱۹۸۶ء

الجواب

زید کی جس قسم کی غلطیوں کا ذکر سوال میں ہے اگر اس کی درستگی اور تصحیح کی مسلسل کوشش نہیں کرتا تو خود اس کی نماز بھی نہیں ہوتی اس کے پیچھے دوسروں کی نماز کیا ہوگی۔

درمختار میں ہے:

"انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالامی فلایؤم الامثلہ و لاتصح صلاتہ اذا امکن الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جھدہ" (۲۸۳/۲)

جس کی حروف کی ادائیگی صحیح نہ ہو اور وہ ہمیشہ مسلسل درست کرنے کی رات دن کوشش کرتا رہتا ہو وہ معذور اور اپنے جیسے معذوروں کا امام بن سکتا ہے لیکن اس سے اچھا پڑھنے والا جماعت میں موجود ہو یا اس نے درستگی کی رات دن مسلسل کوشش نہ کی ہو تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی تو اس کے پیچھے دوسروں کی نماز کیا صحیح ہوگی، پس اگر صورت حال یہی ہو تو زید کی امامت مطلقا جائز ہونے کا جن لوگوں نے فتوی دیا حرام کے مرتکب ہوئے۔

حدیث شریف میں ہے: "من افتی بغیر علم فضل واضل"

(السنن الکبری: ۱۰/ ۱۱۶)

جس نے بے جانے پوچھے فتوی دیا وہ خود گمراہ ہوا دوسرے کو گمراہ کیا۔

اور جن لوگوں نے صحیح مسئلہ بتانے والوں کا بائیکاٹ کیا شدید ظلم اور زیادتی کے مرتکب ہوئے

واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم ۱۶/ محرام الحرام ۷ھ

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

امام زید قصداً ضاد معجمہ کو ظا پڑھتا ہے اور عوام جس طرح پڑھتے ہیں اس سے بوئے دال پیدا ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو شخص قصداً، ضاد معجمہ، کو ظا دا پڑھے اس کی نماز کا کیا حکم ہے اور اس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ اور زید داڑھی بھی کٹواتا ہے۔ مسلمانان گلاب گنج ضلع سلطان پور ۲ر جمادی الاول ۷۸

الجواب

ضاد کو قصداً، ظا، یا دال پڑھنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے: " اذا قرء الظاء مکان الضاد فقال القاضی محسن الاحسن ان یقال ان تعمد ذلك تبطل صلوتهٗ ۔ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

قرآن شریف کے اندر سورۂ کوثر میں ایک صاحب کـو ثـر کی جگہ کـل کـو ثـر پڑھتے ہیں حالانکہ وہاں پکی آیت موجود ہے۔ مسئلہ سے آگاہ کیجئے کہ یہ پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی نور محمد ضلع گورکھپور

الجواب

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ملانے میں معنی فاسد ہو جاتے ہیں تو ٹھہرنا ضروری ہے اور وقف کیا جائے گا اور اگر معنی فاسد نہیں ہوتے تو ملا کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، جو صورت سوال میں مذکور ہے وہاں ایسا ہی ہے اس لیے اگر کوئی شخص کوثر پڑھتا ہے اور ملاتا ہے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۴۔۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک امام صاحب جو کہ نماز میں "ض" کو "ظ" پڑھتے ہیں مثلاً مغضوب کی جگہ مغظوب، ولا الضالین کی جگہ ولا الظالین پڑھتے ہیں۔ منع کرنے پر نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ اگر غلط ہے تو فتویٰ مدلل دکھلاؤ۔ لہٰذا مفصل مرحمت فرمائیں۔

(۲) ایک امام صاحب ہیں جو عقائد میں دیوبندی ہیں اور دیوبند کے علماء کو مانتے ہیں مگر بظاہر

فاتحہ میلاد وغیرہ بھی پڑھتے ہیں ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے۔ نماز ہوگی یا نہیں۔ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

(۳) زید اپنی بیوی کو آج چار سال سے میکے میں چھوڑے ہوئے ہے، نان نفقہ کچھ بھی نہیں دیتا اور نہ اپنے پاس لا کر رکھتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، لڑکی کے والدین بہت غریب ہیں، اس لیے مقدمہ وغیرہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس سے چھٹکارہ پانے کے لیے یعنی فسخ نکاح کی کیا صورت ہوگی۔ بینوا توجروا

المستفتی احقر عبدالعزیز تیغی جھریا، یکم جولائی ۱۹۶۸ء

الجواب

جو شخص قصداً 'ض' کو 'ظ' پڑھے اس کی نماز باطل ہے اور اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ خزانۃ الاکمل میں ہے: "اذا قرأ مکان الظاء الضاد وأو مکان الضاد الظاء فقال القاضی المحسن الاحسن ان یقال ان تعمد ذلک تبطل صلوتہ عالما کان او جاھلاً"

(۲) جب ان کے عقیدے دیوبندیوں کے ہیں تو فاتحہ و میلاد کرنے سے سنی نہیں ہو سکتے۔ ان کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ عالمگیری میں ہے: "ان کان ھوی لا یکفر بہ صاحبہ تجوز الصلوۃ خلفہ مع الکراھۃ والا فلا" (۱/۱۰۷) ظاہر ہے کہ دیوبندی حضرات پر علمائے عرب وعجم نے کفر کا فتویٰ دیا ہے تو ان کے پیچھے نماز کیسی؟

(۳) شوہر سے طلاق کے علاوہ چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں۔ کچھ پیسے لے کر طلاق دے یا زبردستی طلاق کے الفاظ کہلائے جائیں، ہر طرح طلاق واقع ہو جائے گی۔ ہدایہ میں ہے: "طلاق المکرہ واقع" واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید غیبت چغلی وغیرہ کے علاوہ لوگوں میں پھوٹ بھی ڈالتا ہے اس کے باوجود نمازیں پڑھانے کا دعویٰ کرتا ہے، حتیٰ کہ قرأت بھی درست نہیں تو ان صورتوں میں زید کا کیا حکم ہے اس کے پیچھے نمازیں پڑھنی درست ہوں گی یا نہیں؟ مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کیجیے۔

المستفتی، ہمہ مسلمانان بہری پور ضلع جونپور یوپی انڈیا

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی اگر قرأت میں ایسی غلطی کرتا ہے جس سے نماز فاسد ہو جائے تب اس کی

امامت ہی باطل ہے اور اگر ایسی غلطی نہیں کرتا مگر ان گناہوں کا علی الاعلان مرتکب ہے جن کا ذکر سوال میں ہے تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، یعنی اس کو امام بنانا گناہ اور امام ہو تو بشرط استطاعت اس کو امامت سے علیحدہ کرنا ضروری ہے اور اس کے پیچھے جتنی نمازیں پڑھی گئیں سب کو دہرایا جائے۔

شامی میں ہے:" ومشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم "واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۳صفرالمظفر ۱۴۱۴ھ

(۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بارگاہ پروقار میں مؤدبانہ اپیل وگذارش ہے کہ ایک مسئلہ پیش نظر آپڑا ہے برائے کرم حکم شریعت کیا ہے؟ اس مسئلہ پر تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

زید مسلمان عاقل بالغ ہے، مرض اخراج ریاح وغیرہ سے محفوظ ہے لیکن حروف کی ادائیگی مع مخرج کے نہیں کر پاتا ہے اور اتنا علم بھی نہیں رکھتا جس سے فقہی کتابوں سے مسائل دینیہ نکال سکے، اب زید کے لیے کیا حکم شرعی ہے، کیا زید امامت کرسکتا ہے، کیا زید کی امامت جائز ہے اور زید اسٹیج رسول پر چڑھ کر تقریر کرسکتا ہے؟ برائے کرم حکم شرعی نافذ کریں عین نوازش ہوگی فقط والسلام

المستفتی ،ھمدم دیاپوری۔۱۹/۱۰/۹۳

الجواب

اگر حروف کی آدائیگی میں اتنی خامی ہو کہ معانی فاسد ہوجائیں تو ایسے شخص کے پیچھے کسی صحیح خواں کی نماز نہ ہوگی۔ جس کو ضرورت بھر مسائل معلوم نہ ہوں اس کو امام بنانا نہ چاہیے، اگر ایسا آدمی تمام ارکان کو صحیح ادا کرے گا تو اس نے جو پڑھائی ہوجائے گی ،مطلب یہ ہے کہ مسئلہ مذکورہ کی صلاحیت اور عدم صلاحیت نہیں دیکھی جائے گی ،صحت نماز کے لیے جمیع ارکان کی صحیح ادائیگی بالفعل ضروری ہے، جاہل کو وعظ کہنا حرام ہے۔فقط۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۹ جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ

(۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک مولوی صاحب نماز میں سورۂ قدر کی آیت تلاوت کرتے ہیں تو" من کل امر " میں امر پڑھ کر ٹھہر جاتے ہیں، آگے کی آیت نہیں پڑھکر دوبارہ من کل امر سلام ھی حتی مطلع الفجر پڑھ کر آیت کو ختم کرتے ہیں۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کہ کس طرح پڑھنا صحیح ہے

المستفتی ،محمد سلیم الدین قادری

الجواب

مولوی صاحب قرأت سے واقف نہیں ہیں جب مِنْ کُلِّ اَمْر پر وقف کردیا تو اعادہ کی ضرورت نہیں تھی کہ امر پر بھی وقف جائز ہے لیکن اس سے نماز میں خلل نہ ہوگا۔ نماز صحیح ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۶ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

(۱۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

امامت کون کرے اول حق کس کا ہے، پھر دوسرا حق کس کا ہے، پھر تیسرا حق کس کا ہے، زید قرآن اس طرح پڑھتا ہے "ح" کو "ہ" "ش کو "س" "غ کو" گاف" "ق کو" کاف" "ط کو" ت" اکثر ایسا ہی معاملہ عمرو کا ہے، عمرو قرآن اس طرح پڑھتا ہے زیر کی جگہ پیش، زبر کی جگہ زیر، پیش کی جگہ زیر، زبر کی جگہ ساکن، وغیرہ وغیرہ اور بغیر ٹھہراؤ کے ٹھہرتا ہے اور پھر جب قرأت شروع کرتا ہے تو پیچھے سے ایک حرف بھی نہیں لیتا اور ع کو "ء" اور غ کو "گ" "ش کو "س" "ط کو" ت" "ح کو "ہ" "ق کو" کاف" پڑھتا ہے۔

بکر قرآن اس طرح پڑھتا ہے "ج" کو "ج" "ح" کو "ح" "ش کو "ش" "ق کو "ق" "غ کو "غ" "ط کو "ط" اور زید عمرو کے بالمقابل بکر کو قرآن زیادہ یاد ہے اور مسائل بھی۔

زید اور بکر کے بمقابل عمرو کی نمازیں کم قضا ہوتی ہیں زید اور بکر کی نمازیں زیادہ قضا ہوتی رہتی ہیں۔۔۔تیمور لنگ شیعہ تھا یا سنی داڑھی کی مقدار کیا ہونی چاہئے؟

الجواب

امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جس کو نماز وطہارت کے مسائل سب سے زیادہ یاد ہوں۔ اگر سب اس میں برابر، تو جو سب سے اچھا اور صحیح قرآن شریف پڑھتا ہو، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جو سب سے بڑا متقی ہو، اسی طرح ترجیحات کی ایک لمبی فہرست ہے،

ھدایہ میں ہے: " اولی الناس بالامامة اعلمهم بالسنة فان تساووا فاقرأهم لكتاب الله وان تساووا فاورعهم الخ " (۱/۱۲۱) صورت مسئولہ میں زید اور عمرو جب قرآن شریف صحیح پڑھ ہی نہیں سکتے تو وہ امامت کے لائق ہیں ہی نہیں اول یا دوم کا کیا سوال رہ گئے تیسرے صاحب وہ اگر قصداً نماز قضا کردیا کرتے ہیں تو وہ بھی فاسق ہیں ان کی امامت بھی مکروہ اور ان کو امام بنانا گناہ۔ اور بلا قصد قضاء ہوگئی مثلاً سوتے رہ گئے کوئی جگانے والا نہیں رہا بھول گئے یاد ہی نہیں رہا، ان کی امامت جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

داڑھی حد شرع سے کم رکھنا حرام ہے۔ اس کی مسنون مقدار ایک مشت ہے۔

تیمور لنگ سنی تھا کہ شیعہ اس کا ہم کو علم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۹ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ

(۱۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین کہ

جمعہ کی نماز کے بعد الحمد کے بعد سورہ رحمٰن کی ایک آیت "خلق الانسان من صلصال کالفخار" پڑھا "فبای آلاء" کے بعد "رب المشرقین" نہیں پڑھ کر "مرج البحرین" پڑھ لیا بعد آیت ختم کے رب المشرقین پڑھا اور رکوع میں چلے گئے نماز ہوئی یا نہیں؟ ایک شخص نے کہا نماز نہیں ہوئی دہرا لیجئے امام ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور نہیں دہرایا۔

اگر نماز نہیں ہوئی اور دوبارہ نہیں پڑھایا ایسے امام کے لیے کیا فرماتے ہیں۔ فقط والسلام

محمد معراج احمد صدیقی محلہ تج بھیا احاطہ والی مسجد

الجواب

صورت مسئولہ میں "مرج البحرین" کے بعد اگر زید نے ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ. فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ۔ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ [الرحمٰن: ۱۶ تا ۲۱] یعنی ان دونوں ٹکڑوں کی ترتیب صحیح کر لی تو نماز صحیح ہوئی اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر "رب المشرقین الآیۃ" پڑھنے کے بعد "مرج البحرین الخ" نہ پڑھا بقیہ آیتوں کی ترتیب صحیح ادا کی تو قرآن کو خلاف ترتیب پڑھنے کے مجرم بھی ہوئے اور نماز بھی مکروہ ہوئی "غنیۃ المستملی" اور شامی میں ہے "ولو انتقل من آیۃ الی آیۃ وان کان بینھما آیات بلا ضرورۃ فان سھا ثم ترک یعود مراعاۃ لترتیب الآیات"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

(۱۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک عالم فارغ شدہ نماز کے اندر "لا یحض" کو صرف دال کے ساتھ پڑھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ ضاد مشابہ دال پڑھنا چاہئے یہ بھی تحریر فرمائیں کہ عام آدمی غیر قاری ضاد بالدال پڑھ سکتا ہے کہ نہیں اگر ضاد کی ادا پر قدرت نہیں رکھتا تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے تحریر فرمائیں۔

المستفتی علی نواز موضع بریڑا اڈا کھانہ بریڑا ضلع غازیپور

الجواب

قرآن عظیم میں قصداً ضاد کو ظا یا دال دونوں پڑھنا حرام وناجائز بلکہ مفسد نماز ہے، اور جو معذور

ہے یعنی ضاد کے ادا پر قادر نہیں ہے، اور وہ اس کو صحیح مخرج سے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور ادا نہیں کر پاتا وہ جس طرح ادا کرے گا ہو جائے گی، اور اپنے جیسے معذوروں کی امامت بھی کر سکتا ہے، اور صحیح پڑھنے والوں کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی۔ بہار شریعت فتاویٰ رضویہ جلد سوم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۱۳، ۱۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۱) مغرب کی نماز میں امام صاحب نے پہلی رکعت میں قرأت کی اور دوسری رکعت میں قرأت کرنا بھول گئے اور تیسری رکعت میں بھی قرأت نہیں کی اور نہ ہی نماز کی آخری رکعت میں سجدہ سہو کیا تو آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں فرمائیں کہ نماز ہوئی یا نہیں؟۔ کیا اس نماز کو صحیح کرنے کی کوئی ترکیب تھی؟۔

ویسے احتیاطاً سلام پھیرنے کے بعد لوگوں نے نماز کو دہرالیا، لیکن کسی کو صحیح مسئلہ کی جان کاری نہیں ہے آپ اس کو تفصیل سے تحریر فرمائیں۔

(۲) ایک شخص حضور علیہ السلام کی شان اقدس میں گندے الفاظ استعمال کرتا ہے اور کبھی کبھی مسجد میں نماز پڑھنے بھی آتا ہے تو ایسا شخص شریعت کی رو سے کیسا ہے اور عوام کو اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟۔

(۳) ایک شخص قرآن کا مذاق اڑاتا ہے اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۴) میں جہاں پر رہتا ہوں وہاں سب دیوبندی ہیں تو میں جمعہ کی نماز اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کیسے پڑھوں آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں ارشاد فرمائیں۔ اور پنجگانہ نماز کے لیے بھی کوئی راستہ بتائیں۔

(۵) یہاں کے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ مردوں کی روح کبھی بھی اس کے دروازے پر نہیں آتی ہے یہاں تک کہ شب برأت کے روز بھی نہیں آتی ہے اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس طرح سے آدمی جیل خانہ میں رہتا ہے تو اس کو گھر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے جب تک کہ اس کو رہا نہ کر دیا جائے۔ اسی طرح آدمی جب جنت یا جہنم میں ہے تو کیسے اس کی روح اس کے دروازے پر آسکتی ہے۔

المستفتی: فیضان احمد اعظمی کیراف حاجی ابراہیم سیٹھ تالاب پورہ پوسٹ باران کوٹہ

الجواب

(۱) اگر بالقصد قرأت چھوڑ دی نماز فاسد ہوگئی۔

عالمگیری میں ہے:

حتی لو لم یقرأ فی واحدۃ منہ او قرأ فی واحدۃ فقط فسدت صلوتہ۔ (۱/۹۰)

فرض کی کسی رکعت میں قرأت نہیں کی یا صرف ایک رکعت میں قرأت کی بقیہ میں نہیں تو نماز باطل ہوگئی، اور اگر دوسری رکعت میں قرأت بھول گیا تھا تو تیسری میں قرأت کر کے سجدہ سہو کرنا چاہئے تھا چونکہ ایسا نہیں کیا اسلیے نماز فاسد ہوگئی۔ لوگوں نے وہ نماز دہرائی انہیں یہی کرنا چاہئے تھا۔

(۲) حضور علیہ السلام کی شان میں گندے الفاظ استعمال کرنے والا مسلمان نہیں، چاہے زندگی بھر نماز پڑھتا رہے مسلمانوں کو ایسے شخص سے قطع تعلق کرنا چاہئے۔

حدیث شریف میں ہے: ایاکم وایاهم لایضلونکم ولایفتنونکم۔

ان سے اپنے کو دور رکھو اور ان کو اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں فتنہ میں نہ ڈالدیں۔

(۳) قرآن شریف کا مذاق اڑانے والا بھی کافر ہے۔

عالم گیری میں ہے: اذا انکر آیة من القرآن او تسخره بآیاته کفر۔ ملتقطا عالم گیری۔

جو شخص قرآن کا انکار کرے یا اس کی آیات کا مذاق اڑائے۔ اس کے ساتھ بھی وہی حکم ہے۔ جو نمبر ۲ میں گزرا۔

(۴) آس پاس میں کہیں سنی امام ہوں تو وہاں چلے جایا کیجئے ورنہ پنجگانہ اکیلے پڑھئے۔ اور عیدین اور جمعہ کے شرائط متحقق نہ ہونے کے وجہ سے آپ سے مطالبہ ہی نہیں ہے۔ البتہ جمعہ کی جگہ ظہر کی نماز آپ پر فرض ہے۔

(۵) مولوی صاحب کی دلیل بے حد ذلیل ہے۔ انہیں اپنی کہی ہوئی بات بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ کہتے ہیں کہ روحیں یا تو جنت میں ہیں۔ جس طرح آدمی جیل خانہ میں رہتا ہے تو کیا اس مولوی کے نزدیک جنتی بھی جیل خانہ میں رہتے ہیں۔

اب آپ حدیثیں سنیئے۔

(۱) حاکم نے مستدرک میں بسند صحیح حضور پرنور علیہ السلام سے روایت کیا:

ان الدنیا جنة الکافر وسجن المومن وان مثل المؤمن حین تخرج نفسه کمثل رجل کان فی السجن فاخرج منه فجعل یتقلب فی الارض ویتفسح فیها۔

بے شک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قیدخانہ ہے اور جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قیدخانہ میں تھا اور اب آزاد ہوگیا تو زمین پر گشت کرنے اور بافراغت چلنے لگا۔

یہ صحیح حدیث بتاتی ہے کہ مسلمان مرکر جاتا ہے تو زمین میں گشت کرتا ہے اور بافراغت سیر کرتا ہے اور آپ کے مولوی صاحب کو الٹا نظر آتا ہے۔

(۲) ترغیب میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما اذا کان یوم عید ویوم جمعۃ اویوم عاشوراء ولیلۃ نصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد مذکرنا ھل من احد یترحم علینا ۔(۲، ۱۵۳)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب عید یا جمعہ یا عاشوراء کا دن یا شب برأت ہوتی ہے۔ تو اموات کی روحیں اپنے گھروں کے دروازوں پر آ کھڑی ہوتی ہیں اور کہتی ہیں۔ ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے۔ ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے۔ ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔

زیادہ تفصیل اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''اتیان الارواح'' میں دیکھیں واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۱۸۔۱۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید تنہا نماز با آواز بلند پڑھتا ہے اور ان کا تنہا با آواز بلند پڑھنے میں جماعت کا ثواب ملتا ہے۔ ایسی حالت میں حکم شریعت سے مشرف فرمائیں کہ علاوہ نماز جماعت کے تنہا میں آہستہ جائز ہے یا با آواز بلند؟

(۲) یہاں ایک جگہ میلاد شریف میں ایک مولوی صاحب نے ذکر پیدائش آنحضرت ﷺ میں فرمایا کہ بغرض تعظیم کھڑا ہونا منع ہے۔ اور کسی حدیث و قرآن میں کس جگہ حکم تعظیم نہیں آیا نہ خلفائے راشدین نہ بزرگان دین نے بغرض تعظیم کھڑا ہونا بتایا۔ لہذا حکم شرع سے مشرف فرمائیں کہ کھڑا ہونا جائز ہے یا ناجائز۔ فقط احقر: شوکت حسین ضلع مراد آباد

الجواب

اس میں شبہ نہیں کہ منفرد کا جہری نماز آواز سے پڑھنا افضل ہے۔ درمختار میں ہے:

''و یخیر المنفرد فی الجھر و ھو افضل ان ادی''(۲/۲۲۲)

اس امر کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گذری کہ بلند آواز سے پڑھنے میں جماعت کا ثواب ملتا ہے۔ بلکہ حدیث شریف میں اس کا خلاف ہے: ''صلوۃ الجماعۃ سبع و عشرین درجۃ'' ممکن ہے اس شخص کو اس حدیث سے دھوکا ہوا ہو۔ ''من صلی علی ھیئۃ الجماعۃ صلت بصلاتہ صفوف من الملائکۃ''

(۳) قیام تعظیمی کے منکر کوئی دیوبندی مولوی معلوم ہوتے ہیں آپ ان مولوی صاحب کو نکال

دیجئے اور خود ذوق وشوق سے قیام کرتے رہئے اس مسئلہ کی پوری تفصیل کتاب ''انوار ساطعہ'' میں ملے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور ۵رذوالحجہ ۸۳ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور

(۲۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

زید کہتا ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے بلا پڑھے نماز نہیں ہوتی اس کا ثبوت حدیث سے ہونا چاہئے؟ حاجی عطاء اللہ مہراج گنج اعظم گڑھ

الجواب

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی مکروہ ہے۔ ہدایہ میں ہے: ''لا يقرء الموتم خلف الامام'' اور یہی صحیح حدیث سے ثابت ہے بلکہ قرآن عظیم سے ثابت ہے۔

قرآن عظیم میں ہے: ﴿وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

[الأعراف: ٢٠٤]

اور سنن نسائی میں ہے: ''اذا صليتم فاقيموا صفوفكم ثم ليئو مكم احدكم فاذا كبر فكبروا و اذا قرأ فانصتوا'' (۲/۱۹۷)

دوسری حدیث سنن دارقطنی میں ہے:

''انما الا مام ليوتم به فاذا كبر فكبروا و اذا قرأ فانصتوا'' (۱/۳۲۸)

ترمذی اپنی جامع میں حدیث نقل کرتے ہیں:

''من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصلّ الا ان يكون وراء الامام''

(جامع ترمذی: ۱۳۳)

آج کل جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے عام طور سے یا نادان لوگ ہیں یا جان بوجھ کر نادان بنتے ہیں''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲ر ربیع الثانی ۹۸ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

(۲۱-۲۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) مقتدی اس وقت شریک ہوا جب امام قرأت شروع کر چکا ہے اور مقتدی کی شرکت پہلی

رکعت میں ہوئی ہے تو مقتدی ثنا کب پڑھے گا۔

(۲) گھڑی چین کے ہمراہ پہننا جائز ہے کہ نہیں اگر نہیں تو اس کی وجہ کیا ہے اگر اس وجہ سے ناجائز ہے کہ دھات چاندی کے علاوہ ناجائز ہے تو گھڑی بھی کسی نہ کسی دھات کی بنی ہوتی ہے۔

الجواب

(۱) اس صورت میں مقتدی ثنا چھوڑ دیگا۔ غنیۃ میں ہے:

"و اذا ادرك الشارع فی الصلوۃ عند شروعه الامام و هو يجهر بالقرأة لا يا تی بالثنا بل يسمع و ينصت الاصح هو القول الاول انه لا ياتی به مطلقا"۔

(۲) جی ہاں گھڑی دھات کی ہی ہوتی ہے لیکن اس میں معذوری ہے کہ گھڑی سوائے دھات کے اور کسی چیز کی بنتی نہیں اگر لکڑی وغیرہ کی بن سکتی پھر شرعا وہی پہننے کا حکم ہوتا اور یوں بھی جو لوگ صرف آرائش اور زینت کی غرض سے استعمال کریں کوئی غرض صحیح نہ ہو تو ان کو منع کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۸ ربیع الثانی ۹۴ھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ

(۲۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

یہاں ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ کو ایک عالم کی جامع مسجد میں تقریر ہوئی لیکن ،ض، کے مخرج وتلفظ میں جھگڑا پڑ گیا۔ نئے امام صاحب کہتے ہیں ،ض: کا مخرج وتلفظ زبان کا کنارہ داڑھ کی جڑ سے مل کر ہے اور وہ ایسے ہی ادا کرتے ہیں یعنی مغضوب کی آواز مغظوب سنائی دیتی ہے، اور ولا الضالین کی آواز ولا الظالین جیسی سنائی دیتی ہے مگر ہم لوگ ہمارے آباء واجداد آج تک ضاد کو دواد پڑھتے آئے ہیں۔ نئے امام صاحب پڑھتے ہیں تو ظا سے ملتی جلتی کچھ آواز سنائی دیتی ہے۔ نئے امام صاحب ہماری طرح مغدوب اور ولا الدالین نہیں پڑھتے۔ ضاد کو اگر کسی حرف سے مشابہت ہے تو وہ ظاء سے ہے یا دال سے اور ضاد پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ فورا مطلع فرمائیں۔ ضاد کا مخرج کیسے ادا ہوتا ہے۔ فقط

حبیب خاں شمشیر خاں مقام شہادت گنج ضلع مغربی خاندیش

الجواب

ضاد کو چاہیے ظاء پڑھے یا دال قصدا اس طرح پڑھنے سے نماز باطل ہوجائے گی۔

خزانۃ الاکمل میں ہے: "اذا قرأ الظاء مكان الضاد فقال القاضی المحسن الا حسن ان يقال ان تعمد ذلك تبطل صلوته"

اس لیے سوال ہی غلط ہے کہ ضاد ظاء سے مشابہ ہے یا دال کے۔ وہ اپنے مخرج اور بعض صفات میں تمام حروف سے ممتاز ہے، اس لیے ضاد کو ضاد ہی پڑھنا چاہئے ہاں اگر آدمی مجبور ہے اور حتی الامکان کوشش کرتا ہے اور ضاد کو اس کے مخرج سے ادا ہی کرنا چاہتا ہے لیکن ادا نہیں کر پاتا تو اس مجبوری کی بنا پر اس کی نماز ہو جائے گی، اسی خزانہ میں ہے:

"و اما ان كان خطأ و اراد الصواب فجرى هذا على لسانه او لم يكن ممن يميز بين الحرفين فظن له اداه صحيحة كما هي فغلط جازت صلوته"

آپ کے نئے امام صاحب ضاد کا مخرج صحیح بتارہے ہیں مگر ادا کرنے میں ظا سے مشابہ ہوتا ہے تو آپ کے نئے امام صاحب دیوبندیوں میں سے معلوم ہوتے ہیں جو ضاد کو بالاصرار ظاء پڑھتے ہیں اس لیے آپ ان کے عقائد کے بارے میں چھان بین کرلیں اگر واقعی وہ دیوبندی ہیں تو ان کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور ۱۸ ربیع الاول ۸۷ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۴۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

قرآن کریم سورہ فرقان میں: ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ﴾ [الفرقان: ٦٣]

اور سورہ حشر میں: "البارى المصور" ہے،

ان دونوں جگہوں میں سانس ٹوٹ جانے یا خود وقف کر دینے سے جاہلون کو اعادہ کرکے پڑھیں تو جاهلون اور مصور دونوں کو زبر کے ساتھ حرکت دی جائے گی یا زیر کے ساتھ۔ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ زبر کے ساتھ حرکت دینا غلط ہے۔ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ زیر کے ساتھ حرکت دینا غلط ہے۔ قواعد کے پیش نظر زیر کے ساتھ حرکت دی جائے گی، اس کا قاعدہ ہے کہ "الساكن اذا حرك حرك بالكسر" برائے کرم مطلع فرمائیں کہ صحیح کیا ہے کس طرح پڑھنا چاہئے؟ بینوا توجروا

فقط جمیل احمد صدیقی

الجواب

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ " پر وقف اختیاری جائز نہیں۔ وقف اضطراری ہو سکتا ہے، یعنی سانس ختم ہونے لگے تو ٹھہر سکتے ہیں، لیکن اس صورت میں "الجاهلون" کو الجاهل پڑھنا صحیح نہیں۔ غلط اور قواعد سے ناواقفی ہے اور چونکہ وقف یہاں مجبوری ہوا تھا اس لیے اعادہ ضروری ہے۔ یہاں زیر وزبر کی بحث بے موقع ہے اور "الساكن اذا حرك حرك بالكسر" کا کوئی محل نہیں، جب اعادہ کیا جائے گا

توالجاهلون نون کے زبر کے ساتھ اور المصور را کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

(۲۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

بتاریخ ۱۵ر جنوری بروز جمعہ میں امام نے پہلی رکعت میں تیسرے پارے کی کوئی آیت پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۂ یوسف پڑھی، کیا اس طرح پڑھنے سے نماز ہوگی کہ نہیں؟ کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ نماز نہیں ہوگی ایسا پڑھنا غلط ہے۔ تیسرا پارہ پڑھنے کے بعد دوسرا پارہ پڑھنا چاہئے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔　　　المستفتی حاجی محمد سلطان۔ ہاٹا بازار

الجواب

صورت مسئولہ میں امام صاحب نے ٹھیک پڑھا اور نماز میں کوئی خلل نہیں ہوا، جن لوگوں نے اس کے خلاف کیا وہی غلطی پر ہیں، قرآن مجید میں جس ترتیب سے لکھا ہوا ہے اسی ترتیب سے پڑھنا واجب ہے۔ یعنی جو آیت پہلے وہ پہلے پڑھی جائے اور جو بعد میں ہے وہ بعد میں اس کے خلاف پڑھنا قصداً گناہ ہے۔

درمختار اور شامی میں ہے: "ویکره ان یقرأه منکوسا بان یقرأ فی الثانیة اعلیٰ مماقرأفی الاولی ان قرأ فی الاولی کافرون وفی الثانیه الم ترکیف ۔ترتیب السورة فی القرآن من واجب التلاوة وانما یجوز للصغار تسهیلا لضرورة التعلیم ۔(۲/ ۲۳۸) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ　　۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً)

اپنے رب سے گڑگڑا کر، خفیہ طور سے دعا مانگو

مسئلۂ آمین

کتاب وسنت کی روشنی میں

محدث سورتی حضرت مولانا وصی احمد صاحب پیلی بھیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ مضمون جس کی توضیح وتشریح کتاب میں ہے

اہل جہر کی دلیل نعیم مجمر کی وہ حدیث ہے جس میں تصریح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی تو جہر سے بسم اللہ پڑھی، آمین کہی، اور ہر انتقال پر تکبیر ادا کی، نماز پڑھ کر فرمایا کہ میں نے ایسی نماز پڑھی جو حضور ﷺ کی نماز کے مشابہ ہے، اس حدیث کو ابن خزیمہ، ابن حبان نے روایت کیا۔

شیخ محقق فرماتے ہیں: امام نسائی نے اس حدیث کو آمین بالجہر کے عنوان کے تحت نقل کیا، مگر اس حدیث سے آمین بالجہر کا ثبوت ظاہر نہیں، کیونکہ اصلاً یہ حدیث ایک صحابی کا عمل ہے، حضور تک مرفوع نہیں اور حضرت ابو ہریرہ کا اپنی نماز کو حضور ﷺ کی نماز کے مشابہ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ جمیع حرکات وسکنات میں مشابہ ہے، بلکہ تشبیہ عموماً بعض امور میں مشابہت کی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ یہاں تکبیر انتقالات ہے نیز یہ حدیث معلول ہے اور نعیم مجمر ابو ہریرہ کے شاگردوں میں بسم اللہ کے جہر میں منفرد ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیثیں بھی جہر کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حدیث وائل ابن حجر جس کو ابوداؤد وترمذی وغیرہ نے روایت کیا جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے آمین کے وقت آواز دراز کی۔

(۲) علی ابن صالح یا علاء ابن صالح اسدی کی حدیث جس کو ابوداؤد وترمذی نے روایت کر کے سکوت کیا، جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے آمین بلند آواز سے کہی۔

(۳) بشر ابن رافع کی حدیث جس کو ابوداؤد نے ان الفاظ میں روایت کیا حضور کے آمین کی آواز صف اول والوں نے سنا، اور ابن ماجہ کے الفاظ کہ مسجد گونج گئی۔

ان کا جواب: یہ روایت سفیان ثوری کی ہے، شعبہ نے اسی کو روایت کیا کہ پست آواز سے آمین کہی، اس لیے یہ حدیث قابل استدلال نہیں، اور بشر ابن رافع کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ بخاری ترمذی ونسائی نے بشر کی تضعیف کی ہے اور یہ مسجد چھپر کی تھی تو مسجد گونجی کیسے۔

اہل جہر ایک بات اور کہتے ہیں کہ جہر کی روایتوں کی تعداد زیادہ ہے، جیسے حضرت علی کی روایت اور ام حصین کی روایت جس میں ہے کہ میں نے آمین کی آواز عورتوں کی صف سے سنی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آمین بالسر کی حدیثیں بھی تو اسی طرح کثیر ہیں، چنانچہ حضرت عمر، حضرت علی اور جہر کے راوی سفیان ثوری، امام نخعی ان سب لوگوں کا مذہب بھی آمین بالسر ہے اور حضرت علی کی

حدیث جہر میں ابن لیلیٰ نام کے راوی غیر معتبر ہیں، اسی طرح ام حصین اور وائل ابن حجر کی حدیث میں تعارض ہے کہ انہوں نے عورتوں کی صف سے آواز سنی اور انہیں مردوں کی صف سے بھی سنائی نہ دی۔

الغرض احادیث جہر میں حضرت وائل کی حدیث نمبر ایک قابل سند ہوسکتی تھی، مگر اس میں بھی محفوظ روایت آواز کرنے کی ہے جس سے جہر کا ثبوت صریح نہیں، باقی روایتوں میں سریا جہر روایت بالمعنیٰ ہے اور راویوں کی اپنی اپنی تعبیر ہے، امام ابن ہمام فرماتے ہیں: حدیث (۱) قابل استدلال ہوتی تو امام بخاری خاموش نہیں رہتے وہ ضرور اس کو جہر کے ثبوت میں پیش کرتے، انہوں نے پیش نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی قابل سند نہیں۔

برخلاف اس کے حنفی مذہب کا ثبوت کئی دلیلوں سے ہوتا ہے۔

(۱) قرآن کریم ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً﴾ [الاعراف:۵۵] دعا آہستہ کرو! اور علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آمین دعا ہے۔ تو قرآن عظیم سے آمین کا آہستہ کہنا ثابت ہوا۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ پھر ان قرآنی آیتوں کو کیوں بالجہر پڑھا جاتا ہے جس کا مضمون دعا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ان آیتوں میں دو پہلو ہیں۔ آیت قرآن، اور دعا، اور آمین صرف دعا ہے تو آیتوں میں جہر بحیثیت تلاوت کے ہے، دعا کے لحاظ سے نہیں، المختصر قرآن عظیم سے آمین کا بالسر کہنا ثابت ہوا۔

دوسری دلیل وائل ابن حجر کی حدیث بروایت شعبہ ہے جس میں آمین بالسر کی تصریح ہے۔ اس حدیث پر آمین بالجہر والوں کے سات اعتراض ہیں اور ساتوں بے تکے، ان کی تفصیل کتاب میں ملاحظہ ہو۔

(۲۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مقام ستی چک کے باشندوں میں سے کچھ لوگ قرأت جہری میں ﴿وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ پر بلند آواز سے آمین کہنا جائز اور سنت رسول اللہ ﷺ بتاتے ہیں۔ اس پر عمرو نے کہا: یہ حکم پہلے کسی وجہ کے تحت تھا بعد میں منسوخ کردیا گیا، لیکن دیگر لوگ اپنی بات پر اڑے رہے۔ چونکہ وہاں کچھ اہل سنت و جماعت کے ماننے والے ہیں ان سب باتوں سے واقف نہیں لوگ انہیں گمراہ کررہے ہیں۔

المستفتی مولوی محمد حنیف مقام و پوسٹ ستی چک چھپرہ (بہار)

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تاریخ: عربی زبان میں کلمہ ''آمین'' کا استعمال نزول قرآن عظیم کے پہلے سے جاری وساری

ہے۔ البتہ اہل لغت اس باب میں مختلف ہیں کہ یہ سریانی یا عبرانی زبان کا لفظ ہے، یا عربی وفارسی زبان کا، پہلے قول والوں کا کہنا ہے کہ عربی زبان میں اس وزن پر کوئی کلمہ نہیں ہے۔ یہ لفظ ہابیل وقابیل کے وزن پر ہے اس لیے انہیں زبانوں سے یہ لفظ عربی میں استعمال ہونے لگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فارسی لفظ ''ہمیں'' کو عربی بنانے کی جدوجہد میں عربی زبان کا مجز بنا اور ''ہمیں'' سے ''آمین'' ہوگیا تو یہ لفظ فارسی الاصل اور عربی الوضع ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ عربی الاصل ہے۔ اس قول کی تشریح میں اہل زبان کے مختلف اقوال ہیں، یہ لفظ ''یا اللہ استجب دعائنا'' ہے (اے اللہ ہماری دعا قبول کر) اور بعض لغویوں نے اس کو اسم فعل قرار دیا ہے اور اس کے معنیٰ ''ایسا ہو'' یا ''یا اللہ ہماری طرف متوجہ ہو'' یا ''ہمیں ناامید نہ کر'' یہ ساری بحث عمدۃ القاری شرح بخاری جز سادس ص ۴۷/۴۸ میں ہے۔

قرآن، ذکر یا دعا: تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کلمہ ''آمین'' نہ قرآن کی کوئی آیت ہے نہ آیت کا جز، البتہ سورہ فاتحہ کے اختتام پر اس کا کہہ لینا سنت ہے۔ [۱]

ایک ضعیف روایت کی بنیاد پر اس لفظ کو اسمائے الٰہی میں شمار کیا ہے، لہٰذا ذکر بھی ہوسکتا ہے۔ [۲]

لیکن اس کی جو تعبیر کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے اس کے جو معنی مروی ہیں۔ [۳]

اور جو تشریح اہل لغت نے کی ہے اس کے لحاظ سے یہ کلمہ دعا ہے۔ [۴]

مذاہب علما: جیسا کہ ہم اوپر تحریر کر آئے ہیں سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر نماز میں بھی آمین کہنا سنت ہے، البتہ امام دار الہجرۃ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہری نماز میں امام کو آمین کہنے سے منع کرتے ہیں۔ [۵]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ''آمین بالجہر'' اور ''آمین بالسر'' دونوں مروی ہیں پہلے جہر کا قول کرتے تھے پھر سر کا قول فرمانے لگے۔ [۶]

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جہر کا قول مروی ہے۔ [۷]

اور امام اعظم اور ان کے دونوں شاگردوں سے ''آمین بالسر'' مروی ہے۔ [۸]

تاریخ تعامل: لگ بھگ گیارہ صدیوں سے پورے عالم اسلام کے سواد اعظم کا یہی حال رہا۔ اور بلانکیر عقائد میں یہ چاروں مذہب متفق رہے، اعمال میں اپنے اپنے مکتب فکر پر عمل درآمد کرتے رہے، ایک دوسرے کی تضلیل وتفسیق کے بجائے کامل رواداری سے عرصۂ دراز سے خاص حرم میں بھی یہ چاروں مصلے پہلو بہ پہلو قائم رہے۔

البتہ ساتویں صدی ہجری میں تقی الدین احمد ابن تیمیہ (۶۶۱/۷۲۸) نے اس اتور نوشنی میں

انقلاب پیدا کرنا چاہا اور اصول ہوں کہ فروع پورے اسلام میں جمہور علمائے اسلام کے خلاف اپنی رائے ظاہر کی، یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے قبر انور کی زیارت کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر معصیت اور حرام بتایا۔ انہوں نے ہی ائمۂ اربعہ کے اجماعی مسئلہ کے خلاف یہ رائے ظاہر کی کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار کی جائیں گی۔ آپ کی اسی قسم کی آراء سے پورا عالم اسلام اتھل پتھل ہو گیا۔

علمائے اسلام نے ان سے مناظرہ کرنے کے لیے حضرت شیخ سراج ہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بالاتفاق اپنا نمائندہ بنایا ''مسئلہ حمویہ'' میں مناظرہ ہوا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی حالت اس وقت پھدکنے والی چڑیا کی ہو گئی تھی، حد یہ کہ شیخ سراج ہندی کو کہنا پڑا۔

ما اراك يا ابن التيمية الا كالعصفور اذا اردتُ ان اخذك ترتد من غصنٍ الى غصنٍ اخر۔ ۹

اے ابن تیمیہ آپ کا کیا حال ہے؟ کہ آپ پھدکنے والی چڑیا بن گئے ہیں جب میں آپ کو پکڑنا چاہتا ہوں تو پھدک کر اس ڈال سے اس ڈال پر بھاگ جاتے ہیں۔

آخر اس مسئلہ میں شکست کی وجہ سے انہیں جیل بھی جانا پڑا۔ ۱۰

الغرض ابن تیمیہ کے اس ہنگامہ کے دبنے کے بعد حالات اعتدال پر آ گئے۔ تا آنکہ تیرہویں صدی ہجری کی تیسری دہائی میں محمد ابن عبدالوہاب نجدی نے جو ابن تیمیہ کی طرح اپنے آپ کو حنبلی کہتے تھے انہیں کے خیالات سے متاثر ہو کر اسلام کے خلاف خروج کیا جو عام مسلمانوں کو کافر و مشرک کہتے اور ان کی جان و مال کو مباح قرار دیتے تھے۔ ۱۱

پھر انہیں خیالات سے متاثر ہو کر مولوی محمد اسماعیل دہلوی ۱۱۹۳ھ/۱۲۴۶ھ نے ہندوستان میں یہ خیالات پھیلائے، ان کی تعلیم کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے کہ قرآن و حدیث کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں، اس لیے ہر آدمی کو قرآن و حدیث از خود سمجھنا چاہئے، اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔ ۱۲

جس کے نتیجے میں ایسے مولوی صاحبان نے بھی جنہیں علم دین میں کوئی مہارت نہ تھی، صرف عربی زبان کی سدھ بدھ کی بنیاد پر ائمۂ مجتہدین پر لعن طعن کرنا اور ہر شرعی مسئلہ میں اپنی رائے کو دخل دینا شروع کیا اور ہر طرف جنگ و جدال اور فتنہ و فساد بین المسلمین کی آگ بھڑکانی شروع کی۔

مجموعی طور پر عامۃ المسلمین نے ابن تیمیہ کی طرح ان لوگوں کو بھی رد کر دیا ہوتا لیکن سعودیہ عربیہ کی پڑوڈالر نے ان میں دم خم باقی رکھا ہے اور اب بھی یہ لوگ جگہ جگہ مسلمانوں میں اسی طرح فرعی باتوں اور اختلافی مسائل میں فساد پیدا کرتے رہتے ہیں۔

آج کل ''آمین بالجہر'' ''رفع یدین'' قرأت خلف الامام'' وغیرہ مسائل پر فتنہ انہیں لوگوں کا جگایا ہوا ہے۔ ائمہ کے مقلدین جو اصل متبع سنت ہیں وہ تو اب خاموش ہیں اور ان مسائل کو وہی اہمیت دیتے ہیں جن کے یہ مستحق ہیں۔

ہم نے اپنے اس رسالہ میں مسئلہ'' آمین'' میں طرفین کے دلائل اور ان کی تنقیدیں پیش کی ہیں جس سے ہر انصاف پسند پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مسئلہ آمین بالسر پر نکیر کرنے میں غیر مقلد حضرات کس درجہ ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ عام مسلمان جنہیں براہ راست قرآن وحدیث پر دسترس نہیں یا وہ عالم بھی جو درجۂ اجتہاد کو نہیں پہنچا ہے اس کے لیے یہی حکم ہے کہ اپنے امام کے قول کے موافق عمل کرے۔ عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ضلع مئو۔ ۲۷ر شعبان ۱۴۱۰ھ

جہر کے دلائل اور ان کی تنقید

دلائل کی مختلف نوعیں ہیں:

نوع اول: وہ حدیثیں جن سے'' آمین'' کہنے کی فضیلت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے لیکن بلند آواز سے کہی جائے یا پست آواز سے اس کی کوئی تصریح الفاظ حدیث میں نہیں۔ مگر جہری حضرات کھینچ تان کر اس سے جہر ثابت کرتے ہیں تو پست آواز سے کہنے والے کہتے ہیں، اس طرح تو یہی حدیثیں'' آمین بالسر'' کا بھی ثبوت اور دلیل ہیں وہ حدیثیں یہ ہیں۔

''(الف)عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا أمَّنَ الامام فامنوا فانه من وافق تامينه تامين الملئكة غفرله ما تقدم من ذنبه۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(ب)عن ابی هريرة رضی الله تعالى عنه ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين فانه من وافق قوله قول الملائكة غفرله ماتقدم من ذنبه۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے تو تم آمین کہو جس کا قول ملائکہ کے قول کے موافق ہوگا اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(ج) عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال: اذا قال احدكم امين قالت الملئكة فی السماء امين فوافقت احدهما الاخرىٰ غفرله ماتقدم من ذنبه ''ص ۱۳

انہیں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی زمین پر آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان پر آمین کہتے ہیں تو جس کی موافقت ان کے قول سے ہو جائے گی اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

ان حدیثوں کو دیکھ کر ہر اہل علم یہی فیصلہ کرے گا کہ یہ حدیث خبر واحد ہے جس کا مدار حضرت ابو ہریرہ صحابی رسول ﷺ پر ہے۔ یعنی حدیث دراصل ایک ہے۔ الفاظ کا جو اختلاف نظر آتا ہے یہ خود ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلوب بیان ہے کہ ایک ہی بات کو چند الفاظ میں ادا کیا اور تین پیرایۂ بیان اختیار کیا، کہنا تو صرف یہ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے ختم پر آمین کہنے کی یہ برکت ہے کہ قائل کے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں کیونکہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

اسی مضمون کو کبھی یوں بیان کیا کہ امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔ کبھی یوں بیان کیا کہ امام جب ﴿ولا الضالین﴾ کہے تو تم آمین کہو اور کبھی یوں کہا آمین ملائکہ کی موافقت کر و اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تینوں باتیں خود رسول اللہ ﷺ نے تین موقعہ پر کہی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے ان تینوں طریقوں میں آمین کہنے کا ثبوت تو ضرور ہے، لیکن بلند یا پست کا اس میں کوئی ثبوت نہیں۔

چنانچہ انصاف پسند محدثین نے اس حدیث کا صرف یہی مطلب سمجھا اور اپنی کتاب میں اس کو اسی عنوان سے ذکر کیا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو امام بخاری علیہ الرحمہ کے ہم پلہ ہیں۔ ان کی کتاب میں ان حدیثوں پر حسب ذیل سرخی قائم کی گئی ہے۔ بابُ التسميع والتحميد والتامين "سمع الله لمن حمده" "ربنالك الحمد" اور آمین کا بیان ہے۔

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے مسلک کی جنبہ داری میں تھوڑے کے درجہ پر فائز ہیں، انہوں نے حدیثوں پر حسب ذیل سرخیاں قائم کیں " باب جهر الامام بالتامين " امام کے آمین بالجہر کہنے کا بیان " بابُ تامين المأموم بالجهر " مقتدیوں کے آمین بالجہر کہنے کا بیان۔

آپ حیران ہوں گے کہ اس حدیث سے بھلا آمین بالجہر کا کہاں ثبوت ہو سکتا ہے اور امام بخاری نے کیسے یہ دعویٰ کیا تو جہری حضرات کی زبانی اس کی تقریر سنیے۔

امام کے جہر کی دلیل: پہلی روایت میں ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔ تو جب تک امام بلند آواز سے آمین نہ کہے گا۔ تو مقتدی کو کیسے پتہ چلے گا کہ امام نے آمین کہی۔ اس لیے امام کو آمین بالجہر کہنا ضروری ہوا۔ [۱۴]

مقتدی کے جہر کی دلیل: دوسری روایت میں ہے: "اذا قال الامام ولا الضالين فقولوا

آمیـــن" جب امام "ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو۔ حدیث شریف میں لفظ قول آیا ہے اور قول بلند آواز بولنے کو کہتے ہیں اس لیے مقتدیوں کو بھی بلند آواز سے آمین کہنا ثابت ہوا۔ ۱۵

ان دلیلوں پر مندرجہ ذیل تنقیدیں کی گئیں۔

تنقید: (الف) پہلی روایت سے جو استدلال کیا گیا ہے اس کو علمائے اصول فقہ کی اصطلاح میں استدلال باقتضاء النص کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم جس چیز کو قرآن کی جس آیت یا جس حدیث سے ثابت کرنا چاہتے ہیں خاص اس کا ذکر تو آیت یا حدیث میں نہیں لیکن قرآن یا حدیث کے معنی درست کرنے کے لیے اس لفظ کا اضافہ ضروری ہے جیسا کہ اہل جہر نے مقتدیوں کے اطلاع دینے اور سنانے کی غرض سے روایت میں لفظ جہر کا اضافہ کیا۔

ناقدین کا کہنا یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ ضرورۃً زائد لفظ اضافہ کیا جا سکتا ہے، لیکن آپ نے جو ضرورت بتائی وہ بالکل مصنوعی اور غیر حقیقی ہے، کیونکہ مسئلۂ آمین میں تو از خود نیز رسول اللہ ﷺ کے بتانے سے ہر مقتدی کو یہ معلوم ہے کہ امام "ولا الضالین" کے بعد آمین کہے گا۔ تو اب علاحدہ سے امام کو بتانے اور پکارنے کی کیا ضرورت، تو یہاں اس استدلال کا استعمال غلط اور بے موقع ہوا۔

(ب) دوسری والی روایت سے مقتدیوں کے آمین بالجہر پر استدلال کی حالت۔ پہلی والی حدیث کے استدلال سے بھی زیادہ واہی اور سقیم ہے۔ کیونکہ اس استدلال کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ لفظ قول کے معنیٰ صرف بلند آواز سے کہنے کے ہوں جب کہ یہ ایک بالکل بے بنیاد بات ہے۔ زبانِ عرب میں لفظ قول کا اطلاق جس طرح جہری بات پر ہوتا ہے اسی طرح سری بات کو بھی قول کہا جاتا ہے۔

قرآن عظیم میں ہے:

﴿وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾[الملك:۱۳] ۱۶

آہستہ آہستہ قول کر، چاہے بلند آواز سے بے شک وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "عن ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا صلی احدکم فلیقل التحیات للہ والصلوٰت" ۱۷۔

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو "التحیات للہ والصلوٰت" کا قول کرے۔

یہاں نماز میں "التحیات" پڑھنے کو لفظ قول سے تعبیر کیا جو باتفاق مادشما سرّی ہے اور آیت میں سر اور جہر دونوں کو قول سے تعبیر کیا گیا۔ ایسی صورت میں قول کو صرف جہر قرار دینا کس درجہ زیادتی اور تحکم ہے۔

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں: (ج) اگر احادیث مندرجہ بالا سے جہری حضرات اس

درجہ لوچ اور لچر استدلال کا حق رکھتے ہیں تو بسری حضرات کو بھی بجا طور پر ان حدیثوں سے استدلال کا حق پہنچتا ہے اور یہ حدیثیں ان کے مقصد پر معقول دلیلیں ہیں۔

چنانچہ حدیث (۲) کے الفاظ ہیں "اذا قال الامام ولاالضالین فقولوا امین" جب امام "ولاالضالین" کہے تو تم لوگ آمین کہو۔ ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام کی آمین آہستہ ہوگی ورنہ اسی کو رسول اللہ ﷺ مقتدیوں کے آمین کہنے کا قرینہ قرار دیتے۔ امام کی آمین کو قرینہ نہ بنا کر کلمہ "ولاالضالین" کو قرینہ بنایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام کی آمین بالسر ہوگی۔

(۷) اصول زبان و بیان کے لحاظ سے اس حدیث میں تقسیم کار فرمائی گئی ہے۔ امام کا کام صرف "ولاالضالین" کہنا ہے اور مقتدیوں کا کام صرف آمین۔

چنانچہ اسی حدیث کو سند بنا کر امام دارالہجرۃ امام مالک علیہ الرحمہ نے یہ قول فرمایا کہ امام آمین نہ کہے اور حدیث "اذاامن الامام" کا یہ جواب دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب امام آمین کہنے کی جگہ پر پہنچے۔ ۱۸

ایسی صورت حال میں آمین بالجہر کی وہ بنیاد ہی ختم ہوگئی جس پر یہ دیوار کھڑی کی گئی تھی اور حدیث مذکورہ بالا سے صرف مقتدیوں کا آمین کہنا ثابت ہوا۔ اور جیسا کہ "التحیات" وغیرہ ادعیۂ ماثورہ میں قول کے لفظ سے سراً پڑھنا مراد ہے۔ یہاں بھی آمین کا سراً کہنا ہی قرین قیاس ہے۔

جواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث "اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین" کو امام احمد، امام نسائی، اور دارمی نے بسند صحیح روایت کیا اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا۔ جس میں یہ الفاظ زائد ہیں "فان الامام یقولها" جب امام "ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو کیونکہ امام بھی آمین کہتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ امام کے آمین نہ کہنے والی بات صحیح نہیں اور اس پر جو بات متفرع کی گئی (یعنی مقتدیوں کی آمین بالسر) یہ بھی غلط ہے۔

جوابُ الجواب: حدیث شریف کے اس اضافہ نے جہاں اس امر پر روشنی ڈالی کہ امام بھی آمین کہے گا وہیں اس امر کو بھی بالکل واضح کر دیا کہ امام آمین پست آواز سے کہے گا۔ کیونکہ امام اگر جہر سے آمین کہتا تو رسول اللہ ﷺ کو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی، کہ امام بھی آمین کہتا ہے۔ یہ بات تو جبھی صحیح ہوگی کہ امام پست آواز سے کہے تو مقتدیوں کو غلط فہمی ہو کہ امام نے آمین کہی یا نہ کہی تو فرما دیا وہ بھی کہے گا۔

المختصر اگر حکم رسول میں آمین بالجہر مانا جائے تو حدیث کا یہ جملہ زائدہ جو صحیح روایتوں سے ثابت ہے بے معنی ہو جائے گا اور اس جملہ کو صحیح مانیں تو آمین کو آہستہ کہنا لازم آتا ہے۔ اس لیے اہل سر اس قول

میں حق بجانب ہیں کہ حدیث ابو ہریرہ سے آمین بالسر ثابت ہے۔

خلاصۂ کلام: یہ ہوا کہ احادیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر ثابت ہوتا ہے تو جہر اور سر دونوں اور اگر ثبوت نہیں ہوتا ہے تو کسی کا بھی نہیں۔ اس لیے ان احادیث کو صرف آمین بالجہر کی دلیل قرار دینا غلط ہے۔

نوع دوم: وہ حدیث جس کو امام بخاری اور مسلم نے تو نہیں روایت کیا لیکن ترمذی، ابو داؤد طیالسی، ابو یعلیٰ، طبرانی، دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا جس میں بالجہر اور بالسر دونوں کی تصریح ہے۔

وہ روایتیں جن میں جہر کا ذکر ہے:

"(۱) حدثنا بندار، یحییٰ ابن سعید و عبد الرحمن بن مھدی. سفیان، سلمه بن کهیل، حجر بن العنبس، وائل بن حجر قال سمعت النبی ﷺ قرأ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال امین ومدبها صوتها" ۱۹۔

بندار حضرت یحییٰ سے وہ اور عبد الرحمٰن سفیان ثوری سے وہ سلمہ بن کہیل وہ حجر ابن العنبس وہ وائل ابن حجر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے "ولا الضالین" کے بعد آمین کہا اور آواز دراز کیا۔

شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: حدیث میں آیا ہوا لفظ "مدبها صوتها" آمین بالجہر پر وضعاً دلالت نہیں کرتا کیونکہ مد کے معنی موضوع لہ جہر کے نہیں دراز کرنے کے ہیں۔ اور آواز کی دو قسمیں ہیں جہر اور سر یعنی اس لفظ کا لغوی ترجمہ ہوا" آواز دراز کی" اور جب سر بھی آواز ہی ہے تو دراز کرنا اس کی بھی صفت ہوگی۔ اور مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ حضور ﷺ نے آمین کو مد کے ساتھ ادا کیا، بالقصر نہیں پڑھا تو اس روایت سے بلند آواز کے ساتھ آمین کہنا ثابت نہ ہوا۔

اس کا جواب اور جواب الجواب ذکر کر کے ہم بحث کو طول دینا نہیں چاہتے اس لیے دوسری روایت کا ذکر کرتے ہیں جس میں رفع صوت اور جہر صوت کا ذکر ہے۔

(۲) "محمد ابن کثیر، سفیان ثوری، سلمه بن کهیل. حجر ابی العنبس. وائل بن حجر کان رسول الله ﷺ اذا قرأ ولا الضالین قال امین و رفع بها صوته" ۲۰۔

حضور ﷺ نے "ولا الضالین" پڑھ کر بلند آواز سے آمین کہا۔

(۳) مخلد بن خالد الشعری، ابن نمیر علی ابن صالح (اعلاء) سلمة ابن کهیل، حجر ابی العنبس، وابن حجر انه صلی خلف رسول الله ﷺ فجهر امین" ۲۱۔

میں نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے بلند آواز سے آمین کہی۔

(٤)"عن محمد بن سلمه ، سلمه ابن کهیل ، قالوا رفع صوته بأمين "٢٢۔
محمد بن سلمہ بن کہیل سے روایت کی آمین کے ساتھ آواز بلند کی۔

پست آواز سے آمین کی روایت: "شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر ابى العنبس عن علقمه ابن وائل عن ابيه ان النبى ﷺ قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين واخفى بها صوته ۔٢٣۔

(١)"وروى هذا الحديث" یہی شعبہ نے سلمہ بن کہیل انہوں نے حجر ابوالعنبس انہوں نے علقمہ بن وائل انہوں نے وائل سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" کے بعد پست آواز سے آمین کہی۔

(٢)يحيٰ بن محمد بن صاعد ، ابوالشعث. يزيد بن ذريع. شعبه .سلمه بن كهيل عن حجر أبى العنبس عن علقمه بن وائل، وائل قال صليت خلف رسول الله ﷺ فسمعته حين قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين واخفى بها صوته"٢٤۔
یحییٰ بن محمد ابوالاشعث سے وہ یزید بن ذریع سے وہ شعبہ سے وہ سلمہ بن کہیل سے وہ حجر ابو العنبس سے وہ علقمہ ابن وائل سے اور وائل کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے میں نے نماز پڑھی تو آپ نے ولا الضالین کہہ کر پست آواز میں آمین کہی۔

بادی النظر میں یہ چھ روایتیں ہیں لیکن اصل میں یہ ایک حدیث ہے جس کے راوی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جنہیں زندگی میں صرف دو بار تھوڑے تھوڑے دن کے لیے حضور ﷺ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت وائل کے بعد بھی تین درجہ تک ایک ہی ایک راوی ہیں۔ چوتھے درجہ پر حضرت سلمہ بن کہیل سے اس کو چار صاحبوں نے روایت کیا، حضرت سفیان ابن سعید ثوری، حضرت شعبہ ابن الحجاج بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علاء ابن صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ۔ جن میں دو اول الذکر تو امامانِ فنِ حدیث اور مقتدایان اسلام ہیں اور علاء بن صالح کے بارے میں آراء مختلف ہیں۔ یحییٰ ابن معین ثقہ کہتے ہیں، علی ابن المدینی کا فرمان ہے "روى احاديث مناكير" منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں۔۲۵

تقریب میں ہے: "صدوق له أوهام من السابعة" سچے تو ہیں مگر روایت کرنے میں وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔۲۶

میزان الاعتدال للذہبی میں ہے: "من عنق الشیعة" یہ تو شیعوں کے سردار تھے؟ ان تنقیدوں سے ان کی روایت کا حال ظاہر ہے۔

چوتھے آدمی محمد بن سلمہ ہیں جو بالاتفاق ضعیف، واہی ذاہب الحدیث ہیں۔ ۲۷

اس طرح دیکھا جائے تو اس روایت میں اصل اختلاف حضرت سفیان ثوری اور امام شعبہ میں ہے کہ اول الذکر جہر کے راوی ہیں اور آخر الذکر سر اور مخافت کی روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ہی بزرگ علم رجال حدیث میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں۔ پس انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ یا تو دونوں کی عظمت کا خیال کر کے دونوں ہی روایتوں کو صحیح کہا جاتا جیسا کہ بعض محدثین کا خیال ہے۔

"وقد قال بعض العلما ان الخبرين بالجهر بها وبالمخافة بها صحيحان وعمل لكل منهما جماعة من العلماء" ۲۸۔

بعض علما فرماتے ہیں: جہر اور سر دونوں روایتیں صحیح ہیں اور ہر ایک روایت پر علما کے ایک گروہ نے عمل کیا۔

یا ابن قطان کی طرح سے اختلاف شعبہ اور سفیان کی وجہ سے مضطرب قرار دے کر دونوں روایتوں کو مہجور و متروک قرار دیتے۔ امام زیلعی فرماتے ہیں:

" وقد بين في حديث وائل اضطراب من اربعة وجوه كلها يرجع الى اختلاف ثوری و شعبة في الاسناد والمتن ۔ والحديث الى الضعف اقرب منه الى الحسن" ۲۹۔

یحییٰ بن سعید قطان نے اس حدیث وائل میں چار طرح کا اضطراب بتایا سب کی بنیاد ثوری اور شعبہ کا اختلاف ہے، اسناد میں بھی اور متن میں بھی۔ یہ حدیث ''حسن'' سے زیادہ ''ضعیف'' کے قریب ہے۔

لیکن ہوا یہ کہ ہزار جتن کر کے حدیث شعبہ کو ضعیف اور حدیث ثوری کو قوی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ اہل سر کو سنت کا مخالف ثابت کیا جائے۔ تنقید اور اس کا جواب ہم ذکر کرتے ہیں جس سے کئی ایک عبرتناک حقیقتیں سامنے آئیں گی۔

تنقید: (۱) امام شعبہ نے ایک راوی کا نام غلط لیا۔ اصلی نام حجر ابن العنبس ہے اور حضرت شعبہ نے ان کو حجر ابو العنبس کہا حالانکہ حجر کی کنیت تو ابو السکن ہے۔ انہیں ابو العنبس کہہ کر بیٹے کو باپ بنا دیا۔ ۳۰

تنقید: (۲) حضرت شعبہ نے ابن العنبس اور وائل ابن حجر کے درمیان ان کے صاحبزادے علقمہ کا اضافہ کیا حالانکہ اصل حدیث سفیان کی روایت کے موافق ہے یعنی اصل حدیث براہ راست وائل

سے مروی ہے ان کے صاحبزادے کا واسطہ درمیان میں نہیں۔ ترمذی نے اپنی صحیح میں تو نہیں البتہ کتاب العلل میں امام بخاری کے حوالہ سے اتنا مزید فرمایا:

"سئلت محمد بن اسماعیل هل سمع علقمة عن ابیه فقال انه وُلد بعد موت ابیه بستة اشهر"۳۱۔

بخاری نے کہا کہ علقمہ اپنے باپ وائل کی موت سے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے اس لیے ان کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں۔

تنقید:(۳) امام شعبہ نے روایت لفظ "خفض بها" سے کی جب کہ اصل روایت "مدّبها صوته" ہے۔ ۳۲

جواب تنقید:(۱) ان تینوں اعتراضوں کے موجد امام بخاری اور ناقل اور مؤید امام ترمذی ہیں بلاشبہ یہ حضرات فنِ جرح وتعدیل کے بھی امام ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ اعتراض یا تو کسی وھم کی بنیاد پر ان سے سرزد ہوئے یا بے جا تعصب نے انہیں یہ کہنے پر مجبور کیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حجر کی کنیت حسب روایت امام بخاری ابوسکن بھی ہے اور ابوالعنبس بھی، وہ ایک عنبس کے باپ ہیں اور ایک عنبس کے لڑکے بھی۔ اس لیے جس نے ابن العنبس کہا اس نے بھی صحیح نام لیا کہ حجر کے باپ کا بھی نام عنبس تھا۔ اس لیے وہ ابن العنبس ہوئے اور جس نے ابوالعنبس کہا اس نے بھی صحیح کہا کہ وہ ایک عنبس کے باپ تھے اور کوئی ابوالسکن کہتا تو وہ بھی صحیح ہی کہتا۔ اس لیے امام شعبہ سے نام لینے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ امام عینی بحوالہ ابن حبان فرماتے ہیں:

"هو العنبس حجر ابن العنبس وجزم به ابن حبان فی الثقات فقال کنیته کاسم ابیه وقول محمد یکنی ابالسکن لا ینافی ان تکون کنیته ابو العنبس لانه لا مانع ان یکون لشخص واحد کنیتان"۳۳۔

یہ ابوالعنبس حجر ابن العنبس ہیں ابن حبان نے انہیں ثقات میں گنایا ہے اور کہا کہ ان کی کنیت ان کے باپ کے نام کی طرح ہے۔ اور امام بخاری کے ابوالسکن کنیت بتانے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک آدمی کی دو کنیت ہو۔

حضرت ابن حجر بھی تہذیب میں یہی باتیں فرماتے ہیں:

"حجر ابن العنبس ابو العنبس یقال له ابو السکن، وذکر ابن حبان فی الثقات فی التابعین ثم قال فی اتباع التابعین حجر ابن العنبس ابو العنبس"۳۴۔

حجر ابن العنبس ابو العنبس ہیں ان کی کنیت ابو السکن بھی ہے ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور ان کو تابعی یا تبع تابعی بتایا ہے۔

ان تصریحات کی روشنی مین ہم حیران ہیں کہ اتنے بڑے بڑے اماما ن فن کی اس غفلت کو ہم کس چیز سے تعبیر کریں جس چیز کے اتنے سارے ثبوت ہیں، اس کا اس صفائی سے انکار؟

ع خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے

اور اگر اس کے بعد بھی اصرار ہے کہ حجر ابو العنبس صحیح نہیں ابن العنبس ہی صحیح ہے اور شعبہ کی روایت میں یہ لفظ ہونے سے وہ روایت ہی قابل جرح ہے تو مندرجہ ذیل حدیث کے بارے میں کیا خیال ہے؟

"حدثنا محمد ابن کثیر اخبرنا السفیان الثوری عن سلمۃ بن کھیل عن حجر ابی العنبس الحضرمی عن وائل ابن حجر قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قرأ ولاالضالین قال امین ورفع بھا صوتہ" ۳۵۔

محمد ابن کثیر سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سلمہ ابن کہیل سے وہ حجر ابو العنبس حضرمی سے وہ وائل ابن حجر سے کہ رسول اللہ ﷺ "ولا الضالین" کہہ کر آمین بلند آواز سے کہتے۔

ہم نہایت ادب سے گزارش کریں گے کہ اگر شعبہ ابن العنبس کے بجائے ابو العنبس کہہ کر نا قابل اعتبار ہو گئے تو بروایتِ ابوداؤد حضرت ابو سفیان بھی تو اسی علت میں گرفتار ہوئے پھر ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

ع ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

جواب تنقید: (۲) اس سوال کے دو پہلو ہیں: حضرت علقمہ اپنے باپ وائل کے انتقال کے چھ مہینے بعد پیدا ہوئے، ان کی ملاقات اپنے باپ سے ثابت نہیں۔ لیکن یہ حیرتناک حقیقت ہے کہ یہ دونوں ہی باتیں بالکل بے اصل اور خلاف واقعہ ہیں۔ اس کی حقیقت خود امام ترمذی سے سنئے۔

"محمد بن یحییٰ ثنا محمد بن یوسف عن اسرائیل ثنا سماك بن حرب عن علقمة بن وائل الکندی عن وائل بن حجر عن ابیہ ان امرۃ۔(الحدیث) ۳۶۔

محمد بن یحییٰ محمد بن یوسف سے وہ اسرائیل سے ان سے سماک بن حرب نے وہ علقمہ وائل وہ وائل بن حجر وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ترمذی چونکہ علقمہ عن ابیہ پر اعتراض کر چکے تھے، اور یہاں اس کو سند میں پیش کیا تو صفائی

میں ارشاد فرماتے ہیں:

"علقمة بن وائل. ابن حجر سمع عن أبيه وهو اكبر من اخيه عبد الجبار بن وائل والجبار لم يسمع من ابيه لانه وُلد بعد ابيه لاشهر"۳۷۔

علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے باپ سے سنا ہے اور یہ اپنے بھائی عبد الجبار وائل سے بڑے ہیں جبار نے البتہ اپنے باپ سے نہیں سنا ہے۔ یہ اپنے والد کی وفات کے کئی مہینہ بعد پیدا ہوئے۔

اللہ اکبر! کس درجہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ جو راوی کتاب العلل میں قابل جرح اور متروک تھا اسی مصنف کی دوسری کتاب ترمذی میں وہ تنقید سے پاک وصاف ہو گیا۔ انصاف کا یہ دوہرا معیار نہایت درجہ افسوس ناک ہے۔ خیر یہ ثابت ہو گیا کہ علقمہ کی روایت اپنے والد سے صحیح ہے اور ان کی لقا ثابت ہے اور یہی ہم کو بتانا تھا کہ حضرت شعبہ کی روایت پر یہ دوسرا اعتراض بھی بالکل غلط اور بے معنی ہے اور ان کی روایت بے داغ ہے۔ حضرت امام عینی فرماتے ہیں:

"ان دخول علقمة في الوسط ليس بعيب لانه سمع من علقمة اولا بنزول ثم رواه عن وائل يعلو بيّنهٗ الكهجي في سنن الكبرى "۳۸۔

ابن العنبس اور وائل کے بیچ میں علقمہ کا آجانا کوئی عیب نہیں، ابن العنبس نے باپ بیٹا دونوں سے ہی روایت سنی کبھی بلا واسطہ روایت کی کبھی بواسطہ۔ کجی نے اپنی سنن کبریٰ میں اس کی توضیح کی ہے۔

جواب تنقید: (۳) تیسرا اعتراض کہ حضرت شعبہ نے "خفض بها صوته" غلط کہا ہے، اصل میں یہ لفظ "مدبها صوته" ہے اس کی تائید امام دار قطنی نے بھی کہہ کر کی ہے۔ "وهم فيه شعبة" امام شعبہ کو اس حدیث میں وہم ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ اس کی بنیاد کیا ہے، کیا وہی دو تنقیدیں جو اوپر مذکور ہوئیں؟ ان کی تو غلطی بالکل واضح ہو چکی ہے بلکہ اس کو تنقید کا نام دینا ہی شرمناک ہے اور اس بنیاد پر حضرت شعبہ پر وہم کا یہ الزام بھی بے حقیقت، ورنہ پھر یہ سوال ہو گا کہ آخر شعبہ ہی کیوں وہم میں مبتلا ہوئے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ سفیان ثوری کو ہی وہم ہو گیا ہو۔ امام عینی فرماتے ہیں:

"وقول الدار قطني وهم شعبة يدل على قلة اعتنائه لكونه غير معصوم موجود في السفيان فربما يكون هو وهم "۳۹۔

اور دار قطنی کا یہ کہنا کہ حضرت شعبہ کو وہم ہوا اور انہوں نے جہر کے بجائے پست کہہ دیا۔ یہ دار قطنی کے قلت تدبر پر دلالت کرتا ہے کیونکہ معصوم تو حضرت سفیان بھی نہیں تو یہ بھی ممکن ہے کہ سفیان ہی کو

وہم ہو گیا ہو اور پست کے بجائے جہر کہہ دیا۔

تنقید: (۴) جی چاہے اس کو مستقل تنقید قرار دیا جائے اور جی چاہے تو اس کو امام عینی کے اس بھرپور سوال کا جواب قرار دیا جائے کہ خاص شعبہ کے لیے وہم کی بات اس لیے کہی جا رہی ہے کہ علم حدیث میں ان کا رتبہ سفیان ثوری سے کم ہے۔ خود حضرت شعبہ کو اس کا اعتراف ہے۔ "ان سفیان احفظ منی" ۴ۂ

سفیان مجھ سے زیادہ یاد رکھتے ہیں۔ لہٰذا سفیان کی روایت کو شعبہ کی روایت پر ترجیح حاصل ہے۔

جواب تنقید: (۴) ہم تہذیب التہذیب سے ان دونوں بزرگوں کے حالات لکھتے ہیں جس سے ہر شخص یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کون کس سے عالی ہے۔

حضرت سفیان ثوری: حضرت سفیان ثوری بن سعید کوفی ۹۷ھ/۱۶۱ر کوفہ میں سکونت تھی بصرہ میں وفات ہوئی۔ ائمہ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں۔ علم، ورع اور زہد میں یکتائے روزگار تھے۔ حفظ، معرفت، ضبط و اتقان میں ممتاز تھے۔

تعدیل: شعبہ بن عیینہ، ابو عاصم ابن معین نے ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہا۔ ابن مبارک نے ایک ہزار شیوخ سے افضل بتایا، وکیع نے اپنے سے بڑا حافظ کہا۔ وہب حضرت سفیان کو امام مالک پر ترجیح دیتے تھے۔ یحییٰ بن سعید قطان نے ان کو شعبہ پر مقدم گردانا، یہی خیال ابوداؤد اور یحییٰ بن معین کا ہے۔ اسی کے قریب امام احمد کا قول ہے، ابو حاتم، ابوزرعہ اور یحییٰ بن معین نے انہیں شعبہ سے بڑا حافظ بتایا۔ یحییٰ بن سعید نے امام مالک سے بڑا مجتہد کہا۔

جرح: حضرت ابن معین کہتے ہیں ان کے مرسلات ہوا کے برابر ہوتے ہیں۔ حضرت صالح ابن محمد کہتے ہیں سفیان کی حدیثیں امام مالک کی حدیثوں سے زائد ہیں۔ لیکن امام مالک راویوں کی پرکھ کرتے تھے اور سفیان سبھی سے روایت کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ایک حدیث کی روایت میں سفیان ثوری تدلیس کر رہے تھے، مجھے دیکھا تو کہا آپ سے روایت کرتا ہوں۔

حضرت شعبہ: ابن الحجاج بصری ۸۲ھ/۱۶۰ر زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار تھے علم حدیث، شعر و نحو میں امام تھے۔ صدق، حفظ و اتقان اور نقد رجال میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ حضرت وکیع بن الجراح نے ان کے جنتی ہونے کی امید ظاہر کی۔ ابن معین نے ثقہ، مامون، ثبت اور حجۃ کہا

تعدیل: حضرت سفیان ثوری اور حاتم نے ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہا اور امام الائمہ بتایا اور اپنا استاذ مانا، امام احمد بن حنبل نے ان کو حضرت اعمش اور سفیان ثوری پر علم میں فضیلت دی اور فرمایا

ان کے زمانہ میں علم حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ حدیث ٹھیک الفاظ میں بیان کرنا ان کا حصہ تھا، علم رجال میں پوری ایک قوم پر بھاری تھے۔

زیاد بن سلمہ نے کہا حدیث شعبہ سے سیکھو اور ابن زید نے کہا روایت شعبہ کی کوئی مخالفت کرے مجھے پرواہ نہیں۔ حضرت امام شافعی نے شعبہ کی تعریف کی۔ یحییٰ بن سعید قطان نے صرف شعبہ کو اور ابن ادریس نے دونوں کو احسن الحدیث کہا۔ یحییٰ نے طویل حدیثوں کی یادداشت میں شعبہ کو سفیان پر ترجیح دی شعبہ کو سفیان سے بڑا عالم رجال کہا اور سفیان کو شعبہ سے بڑا فقیہ، ابوداؤد نے سفیان ہی نہیں تمام محدثین سے احسن الحدیث شعبہ کو کہا۔

جرح: یہ نام لینے میں غلطی کرتے ہیں لیکن اس سے نہ حدیث کی مقبولیت میں فرق آتا ہے نہ ان پر اس میں کوئی عیب (ابوداؤد) عجلی کہتے ہیں کہ نام کی غلطی بھی کبھی کبھار ہوتی ہے۔ دارقطنی نے بھی نام کی غلطی کی بات کہی اور کہا یہ اکثر غلطی کر جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے کہ دونوں ہم عصر بزرگ ہیں۔ فضائل میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون زائد ہے اور کون کم ہے۔ امام شعبہ کی تعریف میں صدق، حفظ، اتقان اور نقد رجال میں امتیازی شان کے مالک کہا گیا تو سفیان ثوری کو بھی حفظ، معرفت، ضبط واتقان میں ممتاز مانا گیا ہے۔ ان کو زہد و تقویٰ وورع میں یکتائے روزگار مانا گیا تو امام شعبہ کو بھی حضرت وکیع جیسے بزرگوں نے جنتی گردانا۔ چند ناقدین اگر سفیان ثوری کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں تو اسی درجہ کے لوگ بلکہ خود سفیان ثوری بھی حضرت شعبہ کو امیر المومنین فی الحدیث گردانتے ہیں۔

اگر کچھ لوگوں نے سفیان کو شعبہ پر ترجیح دی ہے تو کتنے اماموں نے صرف سفیان ثوری ہی پر نہیں اس زمانے کے تمام محدثین سے شعبہ کو افضل مانا ہے اور فرمایا کہ شعبہ کسی بات کی روایت کر دیں تو مجھے کسی کی بھی مخالفت کی پرواہ نہیں حضرت شعبہ کی یہ خوبی بلا اختلاف ہے کہ نقد رجال میں ان کا درجہ حضرت سفیان سے بڑھا ہوا ہے اور متن حدیث کو یہ سفیان سے بہتر روایت کرتے ہیں۔

حضرت سفیان پر تین جرحیں ہیں۔ (۱) مراسیل بالکل نا قابل اعتبار (۲) یہ ثقہ اور غیر ثقہ دونوں قسم کے راویوں سے روایت کرتے ہیں۔ (۳) یہ مدلس ہیں۔

اور حضرت شعبہ پر صرف ایک جرح ہے کہ ناموں کی صحت کا خیال نہیں کرتے۔ لیکن یہ بات قابل اعتراض نہیں اس پوری تفصیل کے بعد بھی اگر کوئی شخص ثوری کو شعبہ پر ترجیح دے وہ بھی اس حد تک کہ ان کے مقابلہ میں شعبہ کی روایت ترک کر دے تو ایسے شخص کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا

ہے۔ ع مجھ کو تو تو پسند ہے اپنی نظر کو کیا کہوں؟

لیکن اس کے لیے اتنی لمبی چوڑی بحث کی کیا ضرورت تھی سرے سے یہی کہہ دیتے ہمیں تو آمین بالجہر ہی پسند ہے۔

تنقید: جی چاہے اس کو بھی مستقل تنقید سمجھا جائے یا اوپر کی پیدا شدہ صورت حال کا جواب۔ سفیان و شعبہ میں کسی کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہو تو ہو لیکن یہ بات بالکل صاف ہے کہ سفیان کی روایت کو شعبہ پر ترجیح حاصل ہے اس لیے کہ سلمہ بن کہیل کے تین اور شاگرد حضرت سفیان کی تائید کرتے ہوئے۔ "جهر بها صوته" روایت کرتے ہیں (جب کہ حضرت شعبہ پست کی روایت میں منفرد ہیں) جن کا ذکر اوپر گزر چکا۔ ایک علاء بن صالح دوسرے علی بن صالح تیسرے محمد بن سلمہ۔

"لو سلم ان حديث شعبة سالم عن الاضطراب فلفظ اخفى بها صوته فيه شاذ فانه قد تفرد بهذا اللفظ شعبة خالف فيه ثلاث ثقات وضعيفا من الرواة جسلمة ابن كهيل وسفيان وعلى بن صالح وعلاء بن صالح محمد بن سلمة "۴۱۔

اگر روایت شعبہ کو اضطراب سے سالم مان لیا جائے تو لفظ "اخفى بها صوته" شاذ ہے کیونکہ اس لفظ میں یہ منفرد ہیں۔ اور ان کی مخالفت پر تین ثقہ اور ایک ضعیف راوی ہے۔ علی، علاء، محمد، سفیان۔

تنقید (۵) کا جواب: روایت شعبہ پر شاذ کا حکم لگانا غلط ہے۔ اصول حدیث جکی مشہور و متداول کتاب نزہۃ شرح نخبہ میں فرماتے ہیں:

الشاذ ما رواه المقبول مخالفا لما هو اولى منه هذا هو المعتمدفى تعريف الشاذ بحسب الاصطلاح ۔۴۲

شاذ کی معتبر اور مستند تعریف یہ ہے کہ کسی مقبول راوی نے اپنے سے زائد مقبول راوی کے مخالف روایت کی ہو۔

جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ حضرت شعبہ کی روایت کے مخالف جن جن حضرات نے روایت کی ان کے بارے میں یہ ثابت ہو کہ وہ لوگ روایت حدیث میں حضرت شعبہ سے بلند پایہ ہیں۔

جب کہ صورت حال یہ ہے کہ جن چار مخالف راویوں کا نام لیا گیا ہے ان میں سے ایک علی ابن صالح وہمی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سرے سے انہوں نے یہ حدیث روایت نہیں کی کہ غلطی سے ابوداؤد نے علاء بن صالح کی جگہ علی ابن صالح کہہ دیا۔

"العلاء ابن صالح التيمى الاسدى الكوفى وسماه ابو داؤد فى روايته على ابن

صالح وھو وھم"۴۳۔

علاء بن صالح تیمی اسدی کوفی ابوداؤد نے ان کا نام اپنی روایت میں علی بتایا یہ ان کا وہم ہے۔

تو صاحب مرعاۃ نے اس کو ایک مزید راوی بنادیا یہ ایک ایسی جرأت ہے جو شاذ ہی نہیں منکر بھی ہے کہ کوئی بھی اس باب میں ان کا ہم نوا نہیں۔

ایک راوی محمد بن سلمہ ہیں جو بالاتفاق ضعیف ہیں اور علاء بن صالح کا حال ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ وہ شیعوں کے سردار ہیں۔ یہ حضرات حضرت شعبہ سے اعلیٰ تر تو کیا ان کے برابر بھی نہیں ہو سکے۔ پھر ان کی مخالفت کی بنیاد پر امام شعبہ کی حدیث کو شاذ گرداننا کہاں کا انصاف ہے۔؟

لے دے کے حضرت امام سفیان ثوری رہ گئے۔ اس لیے گھوم پھر کر بات پھر اسی مرحلہ پر پہنچ جاتی ہے کہ شعبہ افضل ہیں یا ثوری اور اس پر گذشتہ اوراق میں کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اس وقت پوری حدیث" مدبھا "ہو یا" خفض بھا" مضطرب قرار پائے گی جیسا کہ ابن سعید کے حوالہ سے ہم ذکر کر آئے۔

آخری سہارا: یہ ساری بحثیں تو ہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اعاظم محدثین روایت شعبہ کے بجائے روایت ثوری (رحمہما اللہ) کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ان شخصیتوں کی رائے کو تقدم اور حدیث سفیان کو ترجیح ہوگی۔

" وقال البیھقی قد اجمع الحفاظ البخاری وغیرہ علی ان شعبۃ اخطأ فی ھذا الحدیث فقد روی من اوجہ فجھربھا"۴۴۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حفاظ مثلاً بخاری وغیرہ اس بات پر متفق ہیں کہ شعبہ نے اس حدیث کی روایت میں غلطی کی کئی وجھوں سے فجھر بھا مردی ہے۔

گذارش: سبحان اللہ! یہ کب سے الٹی گنگا بہنے لگی اور اجتہاد چھوڑ کے تقلید ہونے لگی اور علمائے حدیث کی رائے پر ایمان لایا جانے لگا۔ ساری بحث سامنے آگئی اور ان ائمہ ذی شان نے جو بے وجوہ ترجیح قائم کی تھیں ان کا سقم بلکہ صریح بطلان ظاہر ہو چکا۔ پھر اب ان کی رائے کی ترجیح کے لیے کیا رہ گیا اگر یہی تحقیق ہے تو اندھی تقلید کیا ہوگی جس کے خلاف پوری امت صف آرا ہے۔

المختصر: اس نوع دوم کی بحث کا خلاصہ بھی یہی نکلا کہ اگر حدیث ابن وائل سے تائید ہوتی ہے تو دونوں ہی فریق کی جیسا کہ بعض علما کے قول کے حوالہ سے اوپر ہم لکھ آئے ہیں اور اگر حدیث قابل استدلال نہیں تو دونوں فریق کے لیے جیسا کہ یحییٰ ابن سعید کے حوالہ سے ہم اوپر عبارت نقل کر آئے اس

لیے اصحاب جہر کو اس حدیث پر اترانے کا کوئی موقع نہیں۔

تنبیہ: حدیث ابن وائل سے استدلال میں اہل جہر کے لیے سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آمین بالجہر کے قائل نہ تھے وہ خود آمین بالسر کرتے تھے۔۴۵

اور قاعدہ یہ ہے کہ راوی کا عمل جب اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو تو یہ اس امر کی بڑی دلیل ہے کہ یہ حکم خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے۔

نوع سوم: وہ روایتیں جن میں آمین بالجہر کا بیان ہے، لیکن وہ حدیثیں ضعاف ہیں کہ اس کے راوی مجروح ہیں۔

"(۱) محمد بن اسماعیل فارسی، یحیٰ بن عثمان بن صالح، اسحاق بن ابراهیم عمر ابن حارث، عبد الله ابن سالم زبیدی، زهری ابو سلمه وسعید عن ابی هریرة کان النبی ﷺ اذا فرغ من قرأة أم القرآن رفع صوته وقال آمین"۴۶۔

حضور علیہ السلام سے ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آپ جب قرأت امّ القرآن سے فارغ ہوتے تو بجہر آمین کہتے۔

اس حدیث کی سند کو دار قطنی نے حسن کہا۔ حاکم نے صحیح علیٰ شرط الشیخین کہا اور امام بیہقی نے حسن صحیح کہا لیکن خود صاحب مرعاۃ کو اقرار ہے کہ اس حدیث میں اسحاق بن ابراہیم زبیدی ہیں ان کو نسائی نے غیر ثقہ بتایا اور ابو حاتم کہتے ہیں بڈھے ہیں گوار ہیں، لیکن لوگ اس سے حسد کرتے ہیں۔

یہ حاسد لوگ کون ہیں ایک نسائی کا نام مذکور ہوا۔ وہ فرماتے ہیں: "لیس بثقة" کہ ثقہ نہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں: "لیس بشیء" یہ کچھ نہیں ہیں۔ محدث حمص محمد ابن عون کہتے ہیں "یکذب" جھوٹے ہیں۔ (میزان الاعتدال)

"وروی الآجری عن ابی داؤد ان محمد بن عون قال ما اشك ان اسحاق ابن ابراهیم ابن زبریق یکذب"۴۷۔

آجری نے ابو داؤد سے روایت کیا کہ محمد بن عون کہتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم بن زبریق کے جھوٹے ہونے میں مجھے شبہ نہیں۔

ناظرین: اسی سے اندازہ لگائیں کہ کیا ایسے راوی صحیحین کے شرط پر صحیح اتر سکتے ہیں۔ یہی حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بشر بن رافع کی سند سے روایت کیا۔ نضر بن علی صفوان بن عیسی بشر بن رافع

،ابی عبداللہ عم ابی ہریرہ عن ابی ہریرہ۔

"قال کان رسول الله ﷺ اذا تلا غير المغضوب عليهم ولاالضالين قال امين حتىٰ يسمع من يليه مِنَ الصف الاول" ۔٤٨

حضور ﷺ جب "غير المغضوب عليهم ولاالضالين" پڑھتے تو آمین کہتے تو صف اول میں جو آپ کے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔

"محمد بن بشار. صفوان بن عيسىٰ، بشر بن رافع. أبي عبد الله عم ابي هريرة عن ابي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال ترك الناس التامين وكان رسول الله ﷺ اذا قال غير المغضوب عليهم ولاالضالين قال امين حتى يسمعهٗ اهل الصف الاول فيرتج بها المسجد" ٤٩۔

ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا حضور جب "غير المغضوب عليهم ولاالضالين" پر پہنچتے آمین کہتے یہاں تک کہ صف اول والے سن لیتے اور مسجد گونج جاتی۔

یہ روایتیں بھی نہ معنیٰ صحیح ہیں نہ لفظاً۔ معنیٰ کا حال یہ ہے کہ دونوں روایتوں کے راوی تقریباً ایک ہیں مگر ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ جو نسبۃً محتاط ہیں اور ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں۔ صف اول میں جو رسول اللہ کے قریب ہوتا وہ آپ کی آمین سن پاتا۔ جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ پوری صفِ اول نہیں سن پاتی تھی لیکن ابن ماجہ جو اس درجہ محتاط نہیں ہیں وہ ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں "پوری صف اول سنتی تھی حد یہ کہ مسجد گونج اٹھتی تھی" ان دونوں باتوں میں صاف تعارض موجود ہے۔ اس لیے یہ حدیث اپنے متن کے لحاظ سے مضطرب ہوئی۔ جو مردود اور نا قابل استدلال ہے۔ نخبۃ الفکر میں ہے۔

"من اقسام المردود المخالفة بابدله ولامرجح فهذا هو المضطرب"۔ ٥٠

احادیث مردودہ کی ایک قسم مضطرب بھی ہے جس میں راوی یا لفظ بدلے ہوئے ہوتے ہیں اور کسی کے لیے کوئی ترجیح نہیں ہوتی۔

روایت تنقید: راویوں کے اعتبار سے اس روایت کا حال یہ ہے کہ باتفاق جمہور محدثین بشر بن رافع ضعیف اور منکر الحدیث ہیں اور ابوعبداللہ مجہول ہیں۔ محمود بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "بشر ابن رافع الحارثي قد ضعفه البخاري والترمذي والنسائي و احمد وابن معين وقال سعيد بن قطان بشر بن رافع ابوالا سباط الحارثي ضعيف وهو يروى عن ابي عبد الله عم ابي هريرة وابو عبد الله هذا لايعرف حاله ولا يروى عنه غير بشر والحديث لا يصح

من اجلہ ۵۱ھ

بخاری، ترمذی، نسائی، احمد بن معین نے بشر ابن رافع کو ضعیف قرار دیا اور ابن قطان نے ان کو ضعیف اور ابوعبداللہ کو مجہول قرار دیا۔ بشر کے علاوہ کوئی ان سے روایت نہیں کرتا اور حدیث انہیں کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

استدراک: جی ہاں بشر پر کچھ لوگوں نے جرح کی ہے لیکن کچھ لوگوں نے توثیق بھی تو کی ہے

" بشر ابن رافع وثقہٗ ابن معین وابن عدی وضعّفہ غیرو احد وابو عبد اللہ مقبول"۵۲ھ

بشر ابن رافع کی ابن معین اور ابن عدی نے توثیق کی ہے اور کئی لوگوں نے ضعیف بھی کہا ہے اور ابوعبداللہ کو تقریب میں مقبول کہا ہے۔

جواب: جرح اور تنقید کے اس طوفان میں ان دو صاحبوں کی توثیق کا کیا وزن اس کا پتہ چلانے کے لیے ہم تہذیب سے ان دونوں راویوں کا حال تحریر کرتے ہیں بشر کے بارے میں ہے۔

دارمی: یحیٰی .حاتم. ابن اسماعیل نے انہیں ثقہ کہا میں نے تعجب ظاہر کیا تو بولے منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن احمد: اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:" **لیس بشیء ضعیف الحدیث**" ان کی کچھ حقیقت نہیں یہ ضعیف الحدیث ہیں۔

امام بخاری: روایت میں کوئی بھی ان کی موافقت نہیں کرتا۔

ترمذی ونسائی: منکر الحدیث ہیں ان کی ایک حدیث بھی مستقیم نہ پائی۔

حاکم: لیس بقوی عندھم" علمائے حدیث کے نزدیک قوی نہیں۔

دارقطنی ، ابن عبد البر: منکر الحدیث ہیں ابن عبد البر یہ بھی کہتے ہین کہ ان کی حدیث کا متروک ہونا متفق علیہ ہے۔ اس میں علما کی دو رائے نہیں۔

ابن کثیر: یہ طومار کے راوی ہیں۔

امام بخاری، ابن معین، ابن کثیر میں اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ اور ابوالاوسناط ایک ہی شخص ہیں یا دو فرد ہیں۔ اور برتقدیر ثانی ابن رافع ابوالاوساط سے زیادہ منکر ہیں۔

ابوعبداللہ: ان کا نام عبدالرحمٰن اور باپ کا نام حضاض یا ابن حضاض ہے (ابوحاتم)

ان کے باپ کا نام معلوم نہیں یہ ضعفاء کے کوئی بزرگ ہیں۔ (ابواحمد)

یہ عبدالرحمٰن ابن صامت ہیں اور ثقہ ہیں۔(ابن حبان)

صنعانی اور ہیں اور دوسی اور ہیں۔ ۵۳ (ابن عبدالبر)

اسی لیے ابن قطان نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کا پتہ ہی نہیں اس کے باوجود مستدلین کا یہ کہنا ہے کہ حدیث صحیح ہے اور راوی مقبول ہیں شاید اس لیے کہ یہ معاملہ آمین بالجہر کا ہے۔

اسحاق ابن راہویہ نے تخریج کی کہ ام حصین بیان کرتی ہیں۔

" انها صلت خلف رسول الله و عليه وسلم فلما قال امين فسمعته في صف النساء"

ام حصین نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے آمین کہی تو عورتوں کی صف سے انہوں نے آپ کی آواز سنی۔

اس حدیث کو مجمع زوائد میں نقل کر کے فرماتے ہیں: اس حدیث میں اسماعیل بن مسلم مکی ہیں جو ضعیف ہیں۔

استدراک: اسماعیل بن مسلم مکی مخزومی۔ اسماعیل بن مسلم بصری ثم مکی دو ہیں۔ ثانی الذکر صدوق ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ اس سند میں یہ دوسرے والے ہیں ۔ کیونکہ زیلعی اور عینی نے بھی یہ روایت ذکر کی مگر اس پر کچھ جرح نہیں کی تو ان کی خموشی دلیل صحت روایت ہے۔ ۵۴

گذارش: سبحان اللہ کس درجہ حیرت انگیز بات ہے کہ تین اماموں نے جرح نہیں کی چوتھے نے جرح کیا تو تین کی خاموشی سے چوتھے کی جرح کو بے اعتبار بنا دیا۔ یہ منطق بالکل خانہ ساز ہے اور اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ میں آتی کہ اس حدیث سے آمین بالجہر کا ثبوت ملتا ہے۔

صاحب مجمع الزوائد صاف صاف کہتے ہیں کہ اس سند میں ابو مسلم مکی ضعیف ہیں۔ ادھر بڑے اطمینان سے صرف اپنے گمان سے ان کی بات رد کر دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ اسماعیل بن مسلم بصری ہیں۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

ع محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

مزید: یہ روایت اپنی موجودہ صورت میں روایت ابوداؤد کی معارض ہے کہ اس میں صرف اس کے سننے کی تصریح ہے جو صف اول میں حضور ﷺ سے قریب ہوتا اور یہ حدیث بتاتی ہے کہ عورتوں کی صف سے میں نے سنا، تو ان دونوں میں صاف تعارض ہے وہ روایت مرد ابو ہریرہ کی اور یہ روایت عورت کی اس لیے بھی یہ روایت مرجوح اور ساقط ہے۔

حضرت مولا علی سے دوروایتیں حاکم نے بالفاظ" رفع صوتہ بآمین"١ ورابن ماجہ نے" سمعتہ قال امین" فرمایا۔اوران روایتوں کے بارے میں خود مستدلین کواعتراف ہے کہ اس میں عبد الرحمٰن ابن لیلیٰ آتے ہیں جو بالاتفاق ضعیف ہیں۔٥٥

جب کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب بھی اس حدیث کے خلاف ہے

الختصر: نوع ثالث میں کل تین حدیثیں ہیں۔ بروایت ابو ہریرہ، بروایت علی، بروایت ام حصین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔اوران کے کئی کئی سلسلے ہیں لیکن نگاہ اٹھا کے دیکھ لیجئے ان میں ایک سلسلۂ روایت بھی بے داغ نہیں۔سب پر تنقیدیں ہیں اور شدید تنقیدیں مگر ادعا کا یہ عالم ہے کہ کہا جاتا ہے۔

" قد ورد فی الجهر احادیث کثیرة اکثرها صحیحة"٥٦۔

آمین بالجہر میں کثیر حدیثیں مروی ہیں جن میں اکثر صحیح ہیں۔انا لله وانا الیه راجعون۔ اب دین میں بھی اس درجہ سیاسی پروپیگنڈہ شامل ہو گیا ہے، خدا کی پناہ۔" اکثرها صحیحة لا لابل کلها ضعاف"

نوع چہارم: (ا)محمدابن عبد الله بن الحکم ، شعیب بن اللیث ، لیث بن سعد ، خالد بن یزید ، سعید بن ابی هلال نعیم مجمر"

عمل صحابہ وتابعین:"صلیت وراء ابی هریرة فقرأ بسم الله الرحمن الرحیم ثم قرأ بام القرآن حتی بلغ"غیر المغضوب علیهم ولا الضالین" فقال الناس أمین ویقول کلما سجد الله اکبر واذا قام من الجلوس فی الاثنین قال الله اکبر واذا سلم قال والذی نفسی بیده انی لا شبهکم بصلاة رسول الله علیه وسلم"٥٧۔

نعیم مجمر کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابو ہریرہ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بسم الله الرحمن الرحیم پڑھ کرام القرآن پڑھا۔ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین پرآمین کہا سب لوگوں نے آمین کہی اور جب سجدہ کرتے اور رکعت کے بعد اٹھتے اللہ اکبر کہتے سلام پھیر کر کہا جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے نماز میں میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ کے مشابہ ہوں۔

دعویٰ یہ ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جہر فرماتے تھے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہر فرمایا اوران کے پیچھے صحابہ وتابعین نے آمین بالجہر کہا۔

" وثبت من هذا الحدیث الصحیح أنه صلی الله علیه تعالیٰ وسلم کان یجهر بالتامین وثبت منه أیضا أن الصحابة والتابعین کانوا یجهرون بالتّامین"٥٨۔

رسول اللہ ﷺ خود بھی آمین بالجہر فرماتے اور صحابہ وتابعین نے بھی آمین بالجہر کیا۔

تنقید: اس حدیث کومرفوع اور صحیح کہنا صحیح نہیں۔ امام زیلعی نے اس پر مندرجہ ذیل تنقیدیں کی ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آٹھ سوشاگردوں سے صرف اکیلے نعیم مجر نے ان الفاظ میں روایت کی ہے۔ لہٰذا وہ اس باب میں متفرد ہوئے۔

(۲) اگر یہ حدیث اس پایہ کی ہوتی تو امام مسلم وامام بخاری اس مسئلہ میں اتنے متشدد ہونے کے باوجود اس کو چھوڑ کر حضرت ابو ہریرہ کے دوسرے شاگردوں کی روایت نہ نقل کرتے۔ اور معرض بیان میں عدم ذکر ذکرِ عدم کے حکم میں ہوتا ہے۔ "وروینا عن الدار قطنی انه قال لم یصح عن النبی ﷺ فی الجهر شیٔ" (فتح القدیر جلد اول ص/ ۱۵۵)

(۳) اس حدیث کے اس ٹکڑے کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا کہ میری نماز رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہے۔ پوری حدیث کومرفوع قرار دینا زیادتی ہے۔ نہ تشبیہ کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جمیع کم وکیفِ مشبہ مشبہ بہ کے مثل ہو۔ نہ اس حدیث میں یہ ممکن کیونکہ اس حدیث میں چار چیزوں کا ذکر ہے۔

(ا) بسم اللہ پڑھنا (ب) سورۂ فاتحہ کی تلاوت (ج) آمین کہنا (د) تکبیرات انتقالات

اگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسم اللہ بالجہر پڑھی تو انہوں نے کم ازکم ایک بات میں ضرور رسول اللہ ﷺ کی مشابہت ترک کی۔ کیونکہ صحیحین کی حدیث میں انہیں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں الحمد سے قرأت شروع کرتے تھے۔ تو عین ممکن ہے کہ اس طرح آمین بالجہر میں بھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مشابہت ترک کی ہو اور مشابہت کا دعویٰ صرف دو باتوں تلاوت فاتحہ اور تکبیرات انتقال میں ہو۔

(۴) یہ حدیث آمین بالجہر کے باب میں صریح نہیں کیونکہ پوری حدیث میں ایک بھی لفظ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت ابو ہریرہ یا ان کے مقتدیوں نے آمین بالجہر کی ہو۔ صرف اس گمان پر کہ حضرت نعیم مجر نے سنا ہوگا تبھی تو روایت کی اور سنا ہوگا تو آمین بالجہر ہی رہی ہوگی۔ آمین بالجہر کا حکم لگانا صحیح نہیں کہ نہ سننے کے لیے جہر ضروری نہ بیان کرنے کے لیے سننا ضروری۔ آخر سبحانک اللهم اور تسبیحات رکوع وسجو بھی تو جہری نہیں مگر روایتوں میں یونہی ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کیا: وهذا غیر مستلزم للجهر لجواز سماع نعیم مع اخفاء ابی هریره (فتح القدیر ص ۱۵۵/ ج/۱)

پس حدیث اولاً مرفوع نہیں ایک صحابی کا عمل ہے تو جانب سر میں بھی بے شمار صحابہ کے اعمال موجود ہیں۔ ثانیاً یہ حدیث باب جہر میں نص نہیں تو اس سے جہر پر استدلال غلط۔ ثالثاً نعیم مجمر اس روایت میں منفرد ہیں۔

(۲) عبد الرزاق ابن جریج قال قلت لعطاء اکان ابن الزبیر یؤمّن علیٰ اثرام القرآن قال نعم یؤمّن ویؤمّن مَن ورائه حتی ان للمسجد للجة"۵۹۔

میں نے حضرت عطا سے پوچھا کہ عبداللہ بن زبیر آمین کہتے تھے؟ کہا ہاں! وہ بھی آمین کہتے تھے اور جوان کے پیچھے پڑھتے وہ بھی آمین کہتے حتی کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔

اثر نعیم مجمر اور اثر ابن زبیر سے یوں استدلال ہے۔ ان دونوں صحابی کے فعل پر جب کسی نے نکیر نہیں کیا اور سب موجودین نے ان کی اتباع کی تو یہ اجماع ہو گیا۔

"ان ابن زبیر أمّن بالجهر فی المسجد لم یُنکر علیه احدو کان اجماعاً منهم علی الجهر بالتامین "۶۰۔

ابن زبیر نے مسجد حرام میں آمین کہی اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا تو آمین بالجہر پر اجماع ہو گیا۔

جواب: آدمی اگر دوسرے کے طریقہ استدلال سے مطمئن نہ ہو تو خود اپنے دعویٰ کے اثبات میں اسے برتنا نہیں چاہیے۔ آپ جب مسئلۂ اجماع میں حنفیوں کے ہمنوا نہیں تو اس موقع پر اجماع کا دعویٰ بھی بے سود ہے۔ ثانیاً ایک کا قول اور بقیہ لوگوں کا سکوت اس وقت اجماع قرار دیا جاتا ہے جب سلف سے کوئی اختلاف مروی نہ ہو اور مسئلہ دائرہ میں تو وافر تعداد میں صحابہ اور تابعین کا خلاف مروی ہے۔ نوع سوم میں ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بحوالہ ابن ماجہ نقل کر آئے ہیں جس میں خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعتراف فرماتے ہیں:" ترك الناس التامین " لوگوں نے آمین چھوڑ دیا۔ اس اقرار کے باوجود حضرت ابو ہریرہ یا حضرت ابن زبیر کے فعل سے اجماع کیسے ثابت ہوگا؟ بلکہ اس روایت سے تو یہی تاثر ہوتا ہے کہ عام روش ترک جہر ہی تھی۔ ان حضرات کا فعل شخصی اور جزئی تھا۔ اس لیے اس کو اجماع کہنا تو دور کی بات ہے عمل جمہور کے خلاف کہنا چاہیے۔

ثالثاً: ایسے اجماع کی پوزیشن ان حدیثوں سے کوئی زائد مضبوط نہیں جو آپ نے ماسبق میں نقل کی ہیں لہذا یہاں لفظ اجماع کا استعمال برمحل نہیں۔

پوری بحث ایک نظر میں: یہاں تک آمین بالجہر والوں کے دلائل اور ان کی تنقیدات کا

بیان ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات نے چند احادیث اور عمل صحابہ سے استدلال کیا ہے۔ ابو ہریرہ کی حدیثیں وائل بن حجر، حضرت علی، ام حصین سے مروی ہیں۔ ان میں جو حدیثیں صحیح ہیں ان میں جہر کا صراحۃً کہیں ذکر نہیں اور جن حدیثوں میں صراحۃً جہر کا ذکر ہے وہ سب ضعیف ہیں بلکہ حدیثوں کا مدار ایسے لوگوں پر ہے جن میں کوئی طبقۂ سادسہ کا ہے، کوئی تاسعہ، کوئی عاشرہ کا۔

اور عمل صحابہ میں دونوں ہی قسم کی روایتیں موجود ہیں جس سے صاف روشن ہے کہ اہل جہر کے پاس مضبوط دلائل نہیں۔ البتہ دعویٰ نہایت بلند بانگ اور گرجدار ہے۔

سر کے دلائل تنقید اور جواب

نوع اول، قرآن سے استدلال: جمہور کا قول یہ ہے کہ آمین دعا ہے۔ جیسا کہ ہم شروع میں اس کا حوالہ تحریر کر آئے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أدعوا ربکم تضرعاً وَّخُفیۃ﴾ اپنے رب سے گڑگڑا کر خفیہ طور پر دعا مانگو۔ پس اس دعا آمین کو بھی خفیہ آواز میں ادا کرنا چاہیے۔

اس دلیل کا کبریٰ تو قرآن عظیم کی آیت ہے۔ جس کے ثبوت کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں اور صغریٰ یعنی آمین کا دعا ہونا۔

(ا) جمہور کا قول ہے: ۶۱

(ب) قرآن عظیم میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو خطاب ہوا۔ ﴿اجیبت دعوتکما﴾ آپ دونوں کی دعائیں مقبول ہوئیں اور روایتوں میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام صرف آمین آمین کہتے تھے، تو قرآن عظیم سے آمین کا دعا ہونا ثابت ہوا۔ ۶۲

(ج) امام بخاری نے حضرت عطاء سے نقل کیا کہ آمین دعا ہے۔ ۶۳

اور جب یہ دعا ہے تو بحکم قرآن پست اور آہستہ کہنا چاہیے، یہ کتاب اللہ سے استدلال ہے جو حدیث پر مقدم ہے اور جہری حضرات کا دامن اس سے خالی ہے۔

اعتراض: جہری حضرات نے اس پر دو اعتراض کیے۔

(ا) صغریٰ کا انکار یعنی ہم کو یہ تسلیم نہیں کہ آمین دعا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس دعا کا طابع یعنی خاتم قرار دیا ہے اور یوں بھی یہ اصل دعا نہیں ہے دعا کا تابع اور پیوند ہے اور جب دعا نہیں تو بحکم قرآن آہستہ کہنا بھی نہیں۔ ۶۴

جواب: ہر بات پر الٹا سیدھا کچھ نہ کچھ تو کہا ہی جا سکتا ہے، لیکن ایک عام آدمی بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ ''طا'' سے دعا کا طابع اور خاتم مانو یا ''ت'' سے دعا کا تابع اور پیوند نہ طابع اور خاتم ہونا دعا ہونے

کے منافی ہے، نہ تابع اور پیوند ہوتا۔ دونوں صورتوں میں یہ لفظ دعا ہی رہے گا۔

سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور "آمن الرسول" سے آخر سورت کو اصطلاح شرع میں خواتیم سورہ بقرہ کہا جاتا ہے۔ تو کیا رسول اللہ ﷺ خاتم ہونے کی وجہ سے رسولوں کے زمرے سے خارج ہو گئے، یا یہ آیتیں خاتم ہونے کی وجہ سے قرآن اور سورہ نہیں رہیں، ہمارے رسول ﷺ خاتم النبیین ہو کر بھی نبی رہے اور آیتیں خاتم بقرہ ہو کر بھی بقرہ کا جز رہیں تو آمین دعا کا خاتم اور تابع ہو کر بھی دعا ہی رہے گی اور بحکم قرآن آہستہ کہی جائے گی۔

(ب) کبریٰ کا انکار: معلوم ہوتا ہے کہ اس موقف کی کمزوری سے جہری حضرات خود واقف تھے اس لیے دوسری شق اختیار کی کہ دعا ہو تب بھی آہستہ نہ کہنا چاہئے آخر سورۂ الحمد شریف بھی تو دعا ہی ہے۔ اس کو تمام جہری نمازوں میں بالجہر ہی پڑھا جاتا ہے اسی طرح آمین کو بھی دعا ہونے کے باوجود بالجہر کہا جائے گا۔

جواب: الحمد شریف دعا ہونے کے ساتھ ساتھ کلام اللہ بھی ہے اور اس کو بالجہر پڑھنا خود قرآن سے ہی ثابت ہے، احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ الحمد شریف کو بالجہر کلام اللہ ہونے کی وجہ سے پڑھا جاتا ہے اور آمین نہ قرآن، نہ اس کا جز، خالص دعا، پس اس کو الحمد پر قیاس کر کے کیوں بالجہر پڑھا جائے اور قرآن کی حکم عدولی کی جائے۔

معذرت: اصل میں حکم قرآن اپنی جگہ برحق ہے لیکن ہم نے ان حدیثوں کی وجہ سے یہاں حکم قرآن کو مخصوص کر دیا ہے کہ ہماری ذکر کی ہوئی حدیثوں سے آمین بالجہر ثابت ہے لہٰذا آمین کا حکم سری دعاؤں سے علاحدہ ہوگا۔

جواب الجواب: اس معذرت سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔

(ا) قائلین جہر کے پاس کوئی آیت نہیں جسے "اہل سر" کی طرح یہ لوگ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کر سکیں۔

(ب) ان کا سارا سرمایہ وہی ضعیف حدیثیں ہیں جن کا تفصیلی بیان گذشتہ صفحات میں گزرا اور اس کے سہارے ان لوگوں نے اتنی بڑی جرأت کر ڈالی کہ قرآن کے عام حکم کو خاص کر ڈالا کیونکہ صاحب مرعاۃ کا آخری جواب یہی ہے۔

ولو سُلم ان آمين دعاء بالاصالة فنقول ان الجهر بالتامين مخصوص منه لاحاديث الجهر بالتامين "٦٥۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ آمین اصالۃً دعا ہے تو میں کہوں گا کہ آمین بالجہر کو قرآن کے حکم عام سے احادیث جہر کی وجہ سے خاص کرلیا گیا ہے۔

اسی سے یہ امر واضح ہوگیا کہ ''اہل سر'' کا دعویٰ قرآنی آیات کی ٹھوس چٹان پر قائم ہے جب کہ ''صاحبان جہر'' اپنے مدعا کے ثبوت میں احادیث ضعاف کا سہارا لیتے ہیں۔

نوع ثانی احادیث بخاری وغیرہ سے استدلال

گذشتہ صفحات میں ''ہم بھی منھ میں زبان رکھتے ہیں'' کے عنوان سے ہم یہ بتا آئے ہیں کہ حدیث ابی ہریرہ سے جس طرح جہری صاحبان استدلال کرتے ہیں۔ اسی طرح یہی روایت اصحاب سر کی بھی دلیل ہے اور حق یہ کہ ان کا استدلال قوی ہے۔ حدیث ابی ہریرہ بخاری شریف میں ان الفاظ میں بھی مروی ہے۔

''عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام "غير المغضوب عليهم ولاالضالين" فقولوا امين"۶۶۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام ﴿غير المغضوب عليهم ولاالضالين﴾ کہے تو تم لوگ آمین کہو۔

اس حدیث مبارک میں مقتدیوں کے آمین کہنے کو امام کے ''ولا الضالین'' کہنے پر معلق کیا گیا ہے اگر امام بھی آمین بالجہر کہتا تو قرین قیاس یہی ہے کہ آمین امام پر ہی مقتدیوں کے آمین کو معلق کیا جاتا جیسا کہ حدیث مبارک "انما جُعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا" امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو۔ میں امام کی تکبیر پر مقتدی کی تکبیر کو معلق کیا گیا "ولاالضالين" پر معلق کرنے کا مطلب یہی ہے کہ آمین بالجہر نہیں ہوگی "ولاالضالين" ہی بالجہر ہوگی۔۶۷

(۱)"اسماعيل بن مسعود ، يزيد بن زريع ، معمر ، زهرى ، سعيد ابن مسيب عن ابى هريرة قال : قال رسول الله اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا امين فان الملئكة تقول امين والامام يقول امين"۶۸۔

اس حدیث کو احمد، دارمی، اور ابن حبان نے روایت کیا سنداس کی صحیح ہے

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آمین اتنی زوردار ہو کہ مسجد گونج اٹھے تو رسول اللہ ﷺ کو یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ امام بھی آمین کہے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ فرشتوں کی طرح مقتدی کے لیے امام کی آمین بھی سماع سے بالاتر ہوگی اس لیے ''ولا الضالین'' کے لیے آمین کہنے کی جگہ بتا دی اور فرشتوں اور امام دونوں

کے بارے میں اطلاع دے دی کہ وہ بھی آمین کہیں گے۔

اس دلیل کی قوت: صاحب مرعاۃ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ دلیل صحیح ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"وهذا قد كان يجوز ان يستدل به لو لم يكن ذلك مذكوراً في حديث وائل ابن حجر الذي تقدم ذكرة واذا كان كذلك لم يكن فيما استدلوا به طائل"۶۹۔

یہ استدلال اس وقت صحیح ہوتا کہ وائل ابن حجر کی حدیث میں جہر کی تصریح نہ ہوتی اور جب اس کا ذکر ہے تو اب استدلال میں کوئی فائدہ نہیں۔

ہماری معروضات: اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ یہ استدلال درست تو ہے لیکن یہاں قابل قبول نہیں۔ کیونکہ اس حدیث سے "آمین بالسر" کا ثبوت ضمناً ہے اور حدیث وائل ابن حجر سے آمین بالجہر کا ثبوت صراحۃً ہے اور صریحی دلالت کی موجودگی میں ضمنی دلالت قابل قبول نہیں۔ لیکن گذشتہ ابحاث سے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ اگر حدیث وائل سے آمین بالجہر کا ثبوت صراحۃً ہے تو "آمین بالسر" کا ثبوت بھی صریحی ہے اس لیے بقول صاحب مرعات اب تو یہ دلیل قابل قبول بھی ہے۔

البتہ ہماری مزید گزارش یہ ہے کہ جہر کی تصریح میں حدیث وائل پر اعتماد ظاہر کر کے یہ اقرار کر لیا گیا کہ خود حدیث ابو ہریرہ میں جہر کی کوئی تصریح نہیں۔ یہ وہی بات ہے جس کو گذشتہ صفحات میں ہم نے ظاہر کیا ہے کہ خود حدیث ابو ہریرہ میں جہر یا سر کی کوئی تصریح نہیں اس لیے اس کو جہر کی دلیل بنا کر پیش کرنا صحیح نہیں۔

ثانیاً: معلوم ہوا کہ اصحاب جہر کی کل پونجی وہی حدیث وائل بن حجر ہے جس میں جہر کی طرح مخافت کی بھی تصریح ہے اور جو نفی اور اثبات کے درمیان جھول رہی ہے پس ایک ایسی حدیث پر اعتماد کر کے صحیح حدیث کے مقتضی کو رد کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

یہ امر ہر شخص پر خود ہی روشن ہے۔ ہم اگر کچھ کہیں تو شکایت ہوگی۔

ع ہم اگر شکر کریں گے تو شکایت ہوگی

المختصر: اصحاب سر کی دلیل اول بے مزاحمت ہے کہ ان کی بات آیات قرآنی سے ثابت ہے۔ جب کہ آمین بالجہر والوں کے پاس کوئی آیت نہیں جس سے وہ آمین بالجہر ثابت کریں اور اہل سر اصحاب جہر کی دلیل نوع اول میں مزاحم ہیں کہ حدیث ابی ہریرہ جس کو جہر کے ثبوت میں پیش کیا گیا تھا۔ "آمین بالسر" پر بھی دلالت کر رہی ہے جس کی مقبولیت مخالف کو مسلم ہے۔ البتہ اس کو قبول نہ کرنے کا وہ عذر بیان

کرتے ہیں جو در حقیقت عذر لنگ ہے تو نوع ثانی میں اصحاب سر کا پلہ ہی بھاری رہا۔

دلیل نوع ثالث حدیث وائل ابن حجر

شعبه ، سلمه بن كهيل ، حجر ابى العنبس ، علقمه بن وائل عن ابيه

"انه صلى مع النبى ﷺ فلما بلغ غير المغضوب عليهم ولاالضالين قال امين واخفى بها صوته ولفظ الحاكم وخفض بها صوته" ۷۰۔

حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ ''ولا الضالین'' پر پہنچے تو آپ نے خفی آواز میں آمین کہی۔ حاکم نے روایت کیا آمین بالسر کہی۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، ابو داؤد وطیالسی، ابویعلی، موصلی نے اپنے اپنے مسانید میں اور طبرانی نے معجم میں، دار قطنی نے سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔ امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے مگر مسلم و بخاری نے اس کو روایت نہیں کیا۔

اس حدیث کے سلسلہ میں ہمیں مزید کچھ کہنا نہیں اس سلسلہ میں طرفین کے تفصیلی بیان سے گزشتہ اوراق مزین ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث وائل ابن حجر اگر قابل استدلال ہے تو اہل جہر اور اہل سر دونوں کے لیے اور نا قابل استدلال ہے تو دونوں کے لیے اس طرح دلیل کی اس نوع میں دونوں گروہ مزاحم و مساوی ہیں

نوع رابع احادیث محتملہ

(۱) يزيد ، سعيد ، قتاده ، حسن ، شمرة بن جندب

"ان سمره بن جندب وعمران ابن حصين تذاكرا فحدث سمرة انه حفظ من رسول الله ﷺ سكتتين سكتة اذا كبرو سكته اذا فرع من قرأة غير المغضوب عليهم ولا الضالين فحفظ ذلك سمرة وانكر عمران فكتبا فى ذالك الى أبى بن كعب فكان فى كتابه أوفى رده اليهما ان سمرة قد حفظ" ۷۱۔

سمرہ بن جندب اور عمران بن حصین مذاکرۂ علمیہ کر رہے تھے۔ سمرہ نے کہا میں نے رسول اللہ علیہ السلام سے دو خاموشی یاد رکھی ایک اللہ اکبر کے بعد اور ایک ولا الضالین کے بعد، عمران نے ان کا انکار کیا تو ان دونوں نے حضرت ابی بن کعب کو خط لکھا انہوں نے خط میں یا جواب میں یہ تحریر کیا کہ سمرہ نے یاد رکھا۔

(۱) ابن المشى ، عبد الاعلى ، سعيد ، قتاده ، حسن ، سمره۔

"قال سكتتان حفظهما من رسول الله قال سعيد قلنا ما هاتان قال اذا دخل فى

الصلوٰۃ واذا فرغ من القرأۃ وقال بعد اذا قال غیر المغضوب علیھم ولاالضالین "۷۲۔

حضرت سمرہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو سکتے یاد رکھے۔ سعید کہتے ہیں کہ ہم نے قتادہ سے ان سکتوں کے بارے میں پوچھا وہ بولے ایک نماز میں داخل ہوتے وقت دوسرا قرأت سے فارغ ہوکر پھر کہا ولا الضالین سے فارغ ہوکر۔

حضرت قتادہ کی اس روایت سے یہ امر واضح ہوگیا کہ بعض روایتوں میں مطلقاً بعد القرأت کا جو لفظ آیا ہے اس میں بھی مراد سورۂ فاتحہ کی قرأت ہے۔

ان دونوں روایتوں میں پہلے سکتہ میں تو یہ بات بالاتفاق تسلیم ہے کہ دعا ثنا پڑھی جاتی ہے جو پست آواز سے ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا کبر سکت بین التکبیر والقرأۃ فقلت لہ ﷺ بابی انت وامی یا رسول اللہ اریتك سکوتك بین التکبیر والقرأۃ اخبر ما تقول قال اللّٰھم باعدالحدیث"۷۳۔

میں نے تکبیر اور قرأت کے درمیان تھوڑی دیر تک حضور ﷺ کو خموش دیکھا عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ آپ کا چپ رہنا کیسا ہے؟ فرمایا:" اللھم باعدالیٰ آخرہٖ " پڑھتا ہوں۔

دوسرا سکتہ ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ آمین کہنے کے لیے تھا، تو ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سراً آمین کہتے تھے۔

سوال و جواب: کہا جاتا ہے کہ سکتہ آمین کہنے کے لیے نہیں تھا بلکہ سانس برابر کرنے کے لیے تھا، اولاً تو اس پر یہ گذارش ہے کہ یہ دعویٰ بلا دلیل اور ظاہر کے خلاف ہے۔

ثانیاً: سانس برابر کرنے کے لیے تو رسول اللہ ﷺ ہر آیت پر وقفہ فرماتے تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"قالت کان رسول اللہ ﷺ تقطع قرأتہ یقول الحمد للّٰہ رب العالمین ثم یقف ثم یقول الرحمن الرحیم ثم یقف"۷۴۔

حضور ﷺ قرأت میں ہر آیت پر وقف کرتے، الحمد للّٰہ رب العالمین کہتے پھر خموش رہتے، الرحمن الرحیم کہتے پھر خموش رہتے۔

تو اگر یہ دونوں سکتے بھی دم برابر کرنے کے لیے تھے تو ان کی خصوصیت کیا تھی کہ حضرت سمرہ اور

عمران رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اس کے بارے میں اختلاف پڑا اور حضرت ابی بن کعب کو فیصلہ کرنا پڑا۔اس لیے ظاہر یہی ہے کہ یہ دونوں سکتے ان معروف سکتوں کے علاوہ تھے جن میں ایک ثنا کے لیے اور دوسرا آمین کے لیے تھا۔

تنقید مزید اور جواب: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آمین بالسر حضور سے ثابت نہیں، اس لیے وہ سکتہ آمین کا نہیں ہوسکتا۔تو گزارش ہے کہ اس حدیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ بجائے آمین بالجہر کے خموش رہتے۔

اور حدیثوں میں جس مقام پر آمین کا حکم ہے۔انہیں میں وہاں سکوت اور خموشی کا حکم ہے کیونکہ حدیث مبارک کا صریح ترجمہ یہی ہے کہ آپ ''ولا الضالین'' کے بعد خموش رہتے۔رہ گئی '' آمین بالسر'' کے ثبوت کی بات تو ہم نے طرفین کی پوری بات نقل کردی ہے۔جس سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ کیا ثابت ہے، اور کیا ثابت نہیں؟ کسی دوسرے کو لقمہ دینے کی ضرورت نہیں۔

(۳)''لا تبادروا الامام اذا كبر فكبروا واذا قال ولاالضالين فقولوا امين ''(مسلم من حديث ابی هريرة) ۷۵۔

امام پر سبقت نہ کرو جب امام تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

اس حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے مقتدیوں کو امام پر سبقت کرنے سے منع فرمایا اور جس چیز پر سبقت کی ممانعت کی اگر وہ جہری ہے تو حضور ﷺ نے خاص اسی کا ذکر کیا ہے۔مثلاً تکبیر میں فرمایا''كبر فكبروا''تکبیر امام جہری تھی تو خود اسی کا ذکر کیا اور اسی اصول پر اگر آمین بھی جہری ہوتی تو تکبیر کی طرح اس میں بھی حضور فرماتے:''اذا امن فامنوا''۔یہ نہ کہہ کر'' ولا الضالين '' پر محمول کرنا اس بات کا صریح قرینہ ہے کہ آمین بالجہر نہیں۔

اعتذار: چونکہ ایک دوسری حدیث میں آپ''اذا امن الامام فامنوا''فرما چکے ہیں اس لیے اس حدیث کے الفاظ''اذا قال الامام ولاالضالين کے معنی بھی''اذا قال الامام آمين '' مراد لیے جائیں گے۔۷۶ے

گزارش: یہ عذر ٹھیک مالکیوں کے قول کی طرح ہے جس کو انہوں نے اپنے استدلال کے سلسلہ میں کہا تھا کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ سے بروایت صحیح''اذا قال الامام ولاالضالين'' ثابت ہے۔اس لیے روایت''اذا امن الامام'' کی تاویل کی جائے اور اس کا مطلب ''اذا يبلغ الامام موضع التامين''

قرار دیا جائے۔

پس کیا وجہ فرق ہے کہ آپ کی تاویل تو مقبول اور مالکیہ کی تاویل نامقبول اور مردود قرار دی جائے۔

رہ گیا یہ کہنا کہ یہ روایت اصل اور مشہور ہے۔ یہ تحکم اور قول بلا دلیل ہے۔ جب روایت ایک ہے تو کسی ایک لفظ کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دینا زیادتی ہے۔

نوع خامس عمل صحابہ وتابعین:

(۱) عن ابی هريرة قال ترك الناس التامين "۷۷۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا۔

یہ حدیث اصحاب جہر کی تائید میں ان کی طرف سے دلیل نوع سوم میں ہم مکمل لکھ آئے ہیں یہاں اصحاب سر کی تائید حدیث کے اس ٹکڑے سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے عہد کے بارے میں یہ عمومی اعتراف کرتے ہیں کہ عام طور پر لوگوں نے آمین چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چھوڑنے والے بھی انہیں کی طرح صحابہ اور تابعین میں سے تھے پس اہل جہر اگر ایک ابو ہریرہ کے قول سے سند پکڑ سکتے ہیں تو اہل سر کو اسی عہد کے جمہور کے قول سے کیوں تقویت نہیں پہونچ سکتی؟

رہ گئی یہ بات کہ اس حدیث کے راوی اسحاق بن ابراہیم زبیدی مجروح مقدوح ہیں۔ تو گذارش ہے کہ اس سلسلہ میں تو فریقین برابر ہیں۔ اسحاق بن ابراہیم مجروح ہیں تو دونوں کے لیے اور معتبر ہیں تو دونوں کے لیے۔

(۲) سليمان ابن شعيب الكيساني. على ابن معبد، ابو بكر بن عياش، ابو سعيد، ابو وائل قال كان عمرو على لا يجهر ان بسم الله الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بالتامين "۷۸۔

حضرت عمر فاروق وحیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسم اللہ اعوذ باللہ اور آمین کو بالجہر نہیں کہتے تھے۔

یہ حدیث مبارک اس امر کا واضح بیان ہے کہ خلفائے راشدین میں دو امام برحق خلیفہ دوم و چہارم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مسلک آمین بالسر تھا۔

استدراک: اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں ابو سعید بقال راوی ضعیف ہیں۔

"الجواب ان هذا الاثر ضعيف جدا فان سنده سعيد بن موزبان البقال "۷۹۔

سعید بقال کی وجہ سے یہ اثر بہت ضعیف ہے۔

جواب: بے شک ابو سعید کو محدثین کا ایک گروہ ضعیف کہتا ہے لیکن دوسرا گروہ ان کی تحسین بھی

کرتا ہے اور اپنی جوامع میں ان سے حدیث نقل کرتا ہے۔ امام ترمذی نے اپنی صحیح جلد اول ص ۱۲۸ اور جلد دوم ص ۱۷۵ پر ان سے روایت کی اور فرمایا:

"هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه" ۸۰۔

یہ حدیث حسن ہے اور اس سلسلہ روایت سے غریب ہے۔

صاحب زوائد نے اپنی "مجمع" میں ان کی توثیق کی۔ ۸۱

خود امام ترمذی نے علل کبریٰ میں امام بخاری کا قول نقل کیا کہ وہ ابو سعید بقال کو مقارب الحدیث کہتے ہیں۔ ۸۲

اسی طرح ابن جریر طبری اور طبرانی سے بھی اس کی توثیق مروی ہے۔ خصوصاً اس حال میں کہ حضرت عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس کے خلاف کوئی عمل بھی مروی نہیں بلکہ تائید ہی ملتی ہے۔

"عن ابراهيم قال قال عمر اربع يخفيهن الامام ، التعوذ و بسم الله و امين واللهم ربنا لك الحمد" ۸۳۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چار چیزوں کے پست پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین اور ربنا لک الحمد۔

ایسی صورت میں حضرت بقال کی جرح کو بہانہ بنا کر ان کے اثر کو ترک کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔؟

علاوہ ازیں حدیث ابو ہریرہ بروایت ابن ماجہ، روایت علی وام حصین بھی ضعیف ہی ہیں اور ضعفا سے مروی ہیں۔ لیکن اصحاب جہر اپنے مذہب کی تائید میں بے دھڑک ایسی روایتیں پیش کر دیتے ہیں۔ آخر یہ دوہرا معیار انصاف کیوں اختیار کیا جاتا ہے۔؟

(۳) هيثم ، حصين ۔ مغيره عن ابراهيم النخعي

"قال يخفي الامام بسم الله الرحمن الرحيم والاستعاذة امين وربنا لك الحمد" ۸٤۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ امام بسم اللہ، اعوذ باللہ، آمین اور ربنا لک الحمد، کو اخفا کرے گا۔

محمد عن ابی حنيفة عن حماد عن ابراهيم

"اربع يخافت بهن الامام سبحانك اللهم وبحمدك والتعوذ من الشيطان الرجيم وبسم الله الرحمن الرحيم و امين" ۸۵۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے گا سبحانک اللہم، اعوذ باللہ، بسم اللہ اور آمین۔

"عن ابراھیم قال قال عمر اربع یخفض الامام التعوذ و بسم الله الرحمن الرحیم وامن واللّٰھم ربنا لك الحمد"۸۶۔

حضرت امام نخعی نے حضرت عمر سے روایت کی کہ امام چار چیزوں کو پوشیدہ کہے گا۔ اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین اور ربنا لک الحمد۔

یہ اثر مخالف کو بھی تسلیم ہے انکار اس بات سے ہے کہ یہ تابعی کا قول ہے جو احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں مقبول نہیں۔

اس پر گزارش یہ ہے کہ یہ احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان احادیث مرفوعہ کی تائید میں پیش کیا گیا ہے جن سے آمین کا اخفاء ثابت ہے اور اس امر کی توضیح ہے کہ صحابہ وتابعین کا عمل بھی اخفاء آمین میں رہا ہے۔

"ان عمرو علیاً یکونا ن لایجھران بآمین وقال الطبری وروی ذلك عن ابن مسعود وقال كنت مختارا اخفض الصوت بها اذ كان اكثر الصحابة والتابعین علی ذلك"۸۷۔

بے شک حضرت عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آمین بالجہر نہیں فرماتے تھے اور امام طبری نے ابن مسعود سے بھی یہی نقل کیا۔ خود ان کا مختار بھی آمین بالسر ہی ہے کہ اکثر صحابہ وتابعین کا یہی مسلک تھا۔

حضرت فاروق وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں تو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے تھا امام مجتہد امام طبری کے اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب بھی اخفا آمین ہی تھا بلکہ اکثر صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب بھی اخفا آمین ہی تھا۔ ان سب پر سنت کی مخالفت کا الزام لگانا بڑی جسارت ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔

نوع ششم دعویٰ نسخ: (۱) قال ابن مسعود وترك الناس الجهر بالتامین وما تركوه الا لعلمهم بالنسخ"۸۸۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کو چھوڑ دیا یہ چھوڑنا نسخ کی دلیل ہے۔ صحابہ علم نسخ کے بغیر رسول اللہ ﷺ سے ثابت عمل کو نہ چھوڑتے۔

(۲) عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال ترك الناس بالتامین۔۸۹۔

لوگوں نے آمین چھوڑ دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ اتنی آواز سے آمین کہتے کہ پہلی صف میں

سنائی دیتا۔

(۳) حضرت سفیان ابن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بالجہر مروی ہے وہ خود اپنی روایت کے خلاف عمل کرتے تھے اور ان کا مذہب اخفائے آمین ہی تھا۔۹۰

پہلی اور دوسری روایت میں صحابہ و تابعین کا علی العموم آمین بالجہر کو ترک کرنے کا بیان ہے اور پہلی روایت میں یہ استدلال بھی قائم کیا کہ عام صحابہ و تابعین پر یہ الزام قائم کرنا کہ انہوں نے حدیث رسول پر عمل ترک کر دیا۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ انہیں آمین بالجہر کے منسوخ ہونے کی اطلاع تھی اسی لیے انہوں نے جہر کی حدیث پر عمل ترک کر دیا۔

تیسری روایت میں اس امر کا بیان ہے کہ خود راوی حدیث حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب اور عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف تھا۔ اور راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ روایت ان کے نزدیک منسوخ ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں:

"نحن نحسن الظن به فلا يتوهم عليه انه يترك ما سمع من النبي ﷺ الا الىٰ مثله والاتسقط عدالتهٗ" ۹۱۔

ہم راوی کے ساتھ حسن ظن کریں اور اس پر یہ بدگمانی نہیں کریں گے کہ اس نے حضور ﷺ سے سنی ہوئی بات کو ترک کیا بلکہ یہ کہیں گے کہ اس نے اس لیے ترک کیا کہ اس کو معلوم ہو گیا کہ بعد میں خود حضور ﷺ نے اس سے ممانعت کر دی ہے۔

اس لیے ضروری ہوا کہ مسئلہ دائرہ میں یہی تسلیم کیا جائے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں بھی یہ بات آ گئی تھی کہ آمین بالجہر کا حکم منسوخ ہے۔ جبھی انہوں نے ترک جہر کو اپنا مذہب بنایا۔

جواب: اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ وائل بن حجر کی حدیث جس سے جہر ثابت ہے وہ مؤخر ہے کیونکہ دربار نبوت میں ان کی حاضری بالکل اخیر وقت میں ہوئی اس لیے نسخ کا دعویٰ غلط اور تحکم ہے۔

ہماری گزارش: اولاً یہ جواب اس وقت دیا جا سکتا ہے کہ مدعیانِ نسخ یہ تسلیم کرتے کہ جہر وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے اور وہ منسوخ ہے۔ لیکن ان کے نزدیک تو اس حدیث سے "سر" ثابت ہے اس لیے یہ حدیث تو خود ان کے دعویٰ نسخ کی موید ہوئی۔

ثانیاً: صحابہ و تابعین کا یہ عمل عام جس کا ذکر حضرت ابو ہریرہ و عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے

کیا ہے اور جس سے اصحاب "سر" نے نسخ کا استنباط کیا ہے وہ لازماً حضرت وائل بن حجر کی حدیث سے متاخر ہے۔

الختصر: اصحاب سر کا یہ کہنا ہے کہ آمین بالجہر کا مسئلہ ایک ایسا عامۃ الورود مسئلہ ہے کہ اگر واقعہ ہوتا تو دن میں تین بار ضرور دہرایا جاتا۔ جس کو روزانہ ہزار ہا افراد سنتے بلکہ حج وغیرہ مواقع پر لاکھوں افراد نے سنا ہوتا اور اس کی بے شمار روایتیں ہوتیں۔ لیکن جہر کی صرف دو ضعیف روایتیں مولا علی اور ام حصین رضوان اللہ علیہما کی اور ایک ضعیف روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اور حضرت وائل بن حجر کی ایک روایت جو جہر اور سر کے درمیان مضطرب ہے۔ ادھر صحابہ کے عمل کا یہ حال ہے کہ اکثریت ترک جہر کرتی ہے۔ حد یہ کہ جن لوگوں نے جہر کی روایتیں کیں ہیں ان کا عمل اور مذہب بھی اس کے خلاف آمین بالسر کا ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ آمین بالجہر تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ سنت ہے صحابہ کرام کی اکثریت نے سنت کے خلاف ترک جہر کیا نہ دین کے موافق ہے نہ دیانت کے سزاوار۔

اس لیے حقیقت امر یہی معلوم ہوتی ہے کہ آمین بالجہر کا حکم دراصل منسوخ ہو گیا ہے، جن لوگوں کو نسخ کی خبر پہنچی انہوں نے جہر ترک کر دیا اور جو بے خبر رہے کرتے رہے۔ اس طرح دونوں گروہ صحابہ کے عمل کی توجیہ بھی ہو جاتی ہے اور اصل مسئلہ کا حکم بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

پس اصحاب نسخ پر تحکم کا حکم لگانا خود تحکم اور زیادتی ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں اصحاب سر کے نزدیک آمین آہستہ کہنے کو ترجیح ہے اور وہ آمین بالجہر کو منع کرتے ہیں۔

اس لیے تمام مسلمانوں کو ہمارا نیک مشورہ یہی ہے کہ ورغلانیوالوں کے دھوکہ میں نہ آئیں بھلا جو مسئلہ خیر القرون میں طے نہ ہو سکا اور ائمہ مجتہدین جس میں متحد نہ ہو سکے آج چودہ سو سال کے بعد کون طے کر سکتا ہے اور قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہی صحیح ہے اور اس کے خلاف غلط ہے۔ مختلف فیہ مسائل میں تشدد سے احتراز ہی صحیح راستہ۔ تمام مسلمان ادھر ادھر کی باتیں چھوڑ کر اپنے امام کی پیروی کریں اور غیر مقلد کی لایعنی باتوں پر کان نہ دھریں کہ موجودہ دور میں یہی سلامتی کی راہ ہے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ [الفاتحۃ: ۷] آمین

---

۱ (عینی ص ۴۸ ر ج ۶ / بیضاوی ص ۱۱) ۲ (عینی ص ۴۷ ر ج ۶)

۳ (بیضاوی ص ۱۱) ۴ (بخاری شریف جلد اول ص ۱۵۷)

۵ (عینی جلد ۶ ص ۵۱) ۶ (عینی جلد ۶ ص ۵۱)
۷ (ایضاً) ۸ (ایضاً)
۹ (نظام تعلیم وتربیت) ۱۰ (ایضاً)
۱۱ (شامی جلد ۳ ص ۳۰۹) ۱۲ (تقویۃ الایمان ص ۹/۱۰ ملخصاً)
۱۳ (الاحادیث الثلثہ فی البخاری جلد اول ص ۱۵۷/۱۵۸)
۱۴ (مرعات جلد ۲۳ ص ۱۲۱ لعبیداللہ الرحمانی)
۱۵ (عینی جلد ۶ ص ۵۲) ۱۶ (قرآن عظیم)
۱۷ (بخاری شریف جلد اول ص ۱۱۵) ۱۸ (عینی جلد ۶ ص ۵۰)
۱۹ (ترمذی جلد اول ص ۳۴) ۲۰ (ابوداؤد و باب التابعین وراء الامام)
۲۱ (ایضاً) ۲۲ (دارقطنی ص ۲۳۲ جلد اول، دوم)
۲۳ (ترمذی جلد اول ص ۳۴) ۲۴ (دارقطنی ص ۳۲۴)
۲۵ تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۶۴) ۲۶ (تقریب ص ۶۳)
۲۷ (مرعات جلد ۳ ص ۱۵۴) ۲۸ (عینی جلد ۶ ص ۵۱)
۲۹ نصب الرایہ جلد اول ص ۳۶۹/۳۷۰) ۳۰ (ترمذی جلد اول ص ۴۳)
۳۱ زیلعی جلد اول ص ۳۷۰) ۳۲ (ترمذی جلد اول ص ۴۳)
۳۳ (عینی جلد اول ص ۵۱) ۳۴ (تہذیب التہذیب)
۳۵ (ابوداؤد ص ۱۰۰) ۳۶ (ترمذی باب القصص)
۳۷ ترمذی جلد اول ص ۷۵) ۳۸ (عینی جلد ۶ ص ۵۱)
۳۹ (عینی جلد ۶ ص ۵۱) ۴۰ (ذہبی)
۴۱ (مرعاۃ المفاتیح جلد اول ص ۱۵۴) ۴۲ (نزھۃ ص ۴۰)
۴۳ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۶۴) ۴۴ (مرعاۃ جلد ۳ ص ۱۵۴)
۴۵ (معارف السنن جلد دوم ص ۴۰۹) ۴۶ (دارقطنی جلد اول ص ۲۳۷)
۴۷ (میزان الاعتدال) ۴۸ (ابوداؤد جلد اول ص ۱۵۱،
۴۹ (ابن ماجہ جلد اول ص ۶۲) ۵۰ نخبۃ الفکر ص ۶۲/۶۳)
۵۱ (عینی جلد ۵ ص ۵۱) ۵۲ (مرعاۃ جلد ۳ ص ۱۵۲)

۵۳ (تہذیب التہذیب ص/۱)
۵۴ (مرعات, جلد۳/ص/۱۵۳)
۵۵ (مرعاۃ, جلد۳/ص/۱۵۳)
۵۶ (مرعاۃ, جلد۳/ص/۱۵۱)
۵۷ (نسائی جلداول, ص۱۴۳)
۵۸ (مرعاۃ جلد۳/ص۱۵۲)
۵۹ (بخاری جلداول, ص۱۵۵)
۶۰ (مرعات, جلد۳/ص۱۵۳)
۶۱ (عینی جلد۶/ص۴۸)
۶۲ (عینی جلد۶/ص۵۳)
۶۳ (بخاری جلداول/ص۱۰۷)
۶۴ (مرعاۃ جلد۳)
۶۵ (مرعاۃ, جلد۳/ص۱۵۶)
۶۶ (بخاری شریف جلداول, ص/۲۵۸)
۶۷ (مرعات سوم ص/۱۲۱)
۶۸ (نسائی جلداول, ص/۱۴۷)
۶۹ (مرعات جلدتین ص،۱۲۱)
۷۰ (عینی جلد۶/ص/۵۰)
۷۱ (ابوداؤد جلد۱/ص۱۲۵)
۷۲ (ابوداؤد جلد۱/ص۱۲۵)
۷۳ (ابوداؤد جلد۱/ص۱۲۹)
۷۴ (مشکوٰۃ ص۱۹۱)
۷۵ (مرعاۃ جلد۳/ص۱۵۴)
۷۶ (مرعات جلدتین ص/۱۵۶)
۷۷ (ابن ماجہ جلد۱/ص۶۲)
۷۸ (طحاوی جلد۱/ص۱۲۰)
۷۹ (مرعات جلد۳/ص۱۵۵)
۸۰ (ترمذی جلد۲, ص۲۷۵)
۸۱ (زوائد طبع ہند, ص۱۸۴)
۸۲ (نصب الرایہ جلد۴/ص۳۶۶)
۸۳ (ابن شیبہ جلد۱ص/۴۱۰)
۸۴ (ابن شیبہ, جلداول/ص۴۱۰)
۸۵ (کنز العمال جلد۴/ص۲۴۹)
۸۶ (جوہر النقی جلداول/ص۱۳۲)
۸۷ (جوہر النقی جلداول/ص۱۳۲)
۸۸ (عنایۃ المملل حوالہ فتح القدیر اول/ص۲۵۷)
۸۹ (ابن ماجہ جلد۱/ص۶۲)
۹۰ (معارف السنن جلد۲/ص۴۰۹)
۹۱ (معانی الآثار جلداول/ص۱۳)

رکوع کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

رکوع میں الصاق کعبین کی شرعی حیثیت کیا ہے، سنت ہے یا کچھ اور؟ مجدد اعظم امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۵۷/۵۸/۶۰ پر اس کی سنیت کا قول فرمایا۔ اور دو احادیث صحیحہ سے ثابت بھی فرمایا کہ اس تحقیق کے بعد مزید کسی انکار کی گنجائش نہیں۔ مزید برآں یہ فرمایا کہ بحالت رکوع الصاق کعبین پر ہر روز ۳۲ بار کا تجربہ شاہد ہے۔ نیز درمختار میں بصراحت مذکور ہے کہ الصاق کعبین مسنون ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال فقہا اس کی مسنونیت میں ہیں۔ مگر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فتاوی امجدیہ جلد اول ص ۷۹/۸۰ پر رقم طراز ہیں:

”درمختار میں رکوع کے اندر الصاق کعبین کو سنت تحریر کیا ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس کی سنت کا ماخذ کیا ہے۔ مجھے خیال ہے کہ بہار شریعت میں اس درمختار کے حوالے سے میں نے الصاق کعبین کو سنن میں شمار کیا تھا مگر اعلیٰ حضرت نے اسے نکال دیا۔ (فتاوی امجدیہ جلد اول ص ۷۹/۸۰)

الملفوظ میں مذکور ہے: عرض: درمختار و کبیری و صغیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ رکوع میں دونوں ٹخنوں کا ملانا سنت ہے۔ ارشاد: ”لم یثبت“ کہیں ثابت نہیں ہے۔ دس بارہ کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے اور سب کا منتہیٰ زاہدی ہے۔ (الملفوظ چہارم ۵۷)

فقیہ عصر شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی صاحب نے حاشیہ فتاوی امجدیہ میں الملفوظ کی ذکر کردہ عبارت نقل فرمائی اور کہا اس لیے معتبر اور معتمد یہی ہے جو الملفوظ میں ہے اور جو صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا۔ واللہ اعلم (فتاوی امجدیہ ص ۸ ج ۱)۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ الصاق کعبین کی شرعا کیا حقیقت ہے۔ اور اس سلسلہ میں قول مفتی بہ ومذہب محقق وراجح اور اسلم کیا ہے۔ اس کا ماخذ کون سی حدیث ہے۔ کیا اعلیٰ حضرت کی حدیثیں غیر مقبول و معتمد اور یا لائق تمسک وحجت نہیں کیا اس امر کی تمام حدیثوں کا منتہی صرف زاہدی ہی ہے اور یہ معتزلی ہے۔ نیز صحابہ کرام وتابعین عظام کا عمل اور فتوی اس کے متعلق کیا ہے۔ برتقدیر رجوع فقہائے کرام کی تصریحات کا کیا جواب ہوگا۔ امور مذکورہ کی تحقیق کامل اور تنقیح غامض فرمائیں۔ اور حوالے سے مزین فرمائیں۔ تاکہ عوام فتنہ سے محفوظ رہیں۔ اور تعارض ختم ہوجائے۔ اور سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اور تمام فقہائے کر [illegible]

نوٹ: جولوگ درمختار باب الصلوۃ اور فتاوی رضویہ کی عبارتوں پر عمل پیرا ہیں ان کا کیا حکم ہوگا؟

محمد عبدالشکور سوداگر

الجواب

اولاً حالت رکوع میں الصاق کعبین سنت اگر ہے تو عام نہیں ہے۔ صرف انہیں لوگوں کیلیے جو اس کو بہ آسانی کرسکیں۔ معذوروں کے لیے علامہ احمد طحطاوی اور ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہما نے اس کی تصریح فرمائی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں مزید تشریح فرمائی:

''ہاں جسے فربہی مفرط وغیرہ کوئی عذر ایسا ہو کہ سرے سے پیروں کے پنجوں کے بیچ چار انگل کا فصل نہ رکھ سکے بلکہ معتد بہ زیادت پر مجبور ہو۔ مثلاً بالشت بھر کا فاصلہ تو وہ بیشک کعبین نہ ملا سکے گا۔''

اقول: پاؤں کمزور ہو گئے ہوں تب دونوں پاؤں قریب رکھ کر کھڑے ہونے میں زحمت ہوتی ہو۔ اس لیے دونوں پاؤں کو ذرا فاصلہ پر رکھنا پڑتا ہے تاکہ بیلنس درست رہے اور آدمی گر نہ پڑے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ایسا شخص نہ اس سنت قیام یعنی فرجہ چہار انگشت پر قادر نہ ہم اس کے لیے الصاق کو مسنون کہیں۔ (فتاوی رضویہ حصہ سوم سنی دارالاشاعت لائل پور پاکستان ص ۷۸/۷۹)

ثانیاً: اس کے سنت ہونے کا پتہ نہ احادیث کریمہ سے چلتا ہے نہ قابل بھروسہ روایات فقہ سے۔ (یعنی ظاہر الروایہ متون سے)

اس امر کی صراحت مذکورہ بالا فتوی کے سوال میں مفتاح الصلوۃ کی اس عبارت سے کی گئی ہے۔ ''مجتبی کہ تصنیف امام زاہدی است از مسنونات رکوع الصاق کعبین با استقبال انگشتاں بسوئے قبلہ گفتہ است، لیکن در حدیث وکتب ظاہر الروایہ ظاہر نمی شود۔

ترجمہ: صرف امام زاہدی نے الصاق کعبین در رکوع با استقبال انگشتاں ذکر کیا۔ حدیث صحیح یا ظاہر الروایہ میں ثابت نہیں۔

اور امام احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی حصہ سوم ص ۸۳ میں یہی فرمایا جو مذکورہ بالا فتوی کے ۱۳ رسال بعد ۱۳۳۰ھ میں آپ نے دیا ہے۔

واقضى مايقال ان عامة كتب المذهب خالية عنه وانما انه للزاهدى والباقون انما اتبعوه و كما بنيت فى كتابى كفل الفقيه الفاهم ان الغرابة لا تندفع بكثرة الناقلين اذا لم يكن مرجعهم الا واحد لا سيما مثل الزاهدى (و فى كفل الفقيه) والقنية مشهورة بضعف الرواية و صرحوا انها اذا خالفت المشاهير لم تقبل بل قد نصوا انها اذاخالفت القوا عد لا

تقبل ما لم يعضدها نقل معتمد من غيرها (وفيما بعد)ولا القنية ليس كالظهيرية فانیٰ تغرب منه الغرابة ويااليته لم يكن الا غريبا فيكون كالشاذ و لكنه كالمنكر۔

(فتاوی رضویہ جلد ۷ ص ۱۴۱)

مذکورہ بالا عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت پر اعتراض یہ ہے کہ فقہ حنفی کی عام کتابیں اس سے خالی ہیں صرف امام زاہدی نے یہ بات کہی۔ اور بعد کے جن حنفی فقیہوں نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا انہیں سے نقل کیا ہے۔ اور ان کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ یہ ضعیف الروایۃ ہیں۔ تو ان کی جو روایت قواعد فقہیہ کے خلاف ہو یا عام کتب فقہیہ کے خلاف ہو منکر اور غیر مقبول ہے۔ اور جو ایسی نہیں وہ شاذ کے حکم میں ہے۔

اور آپ نے اپنے سوال میں جو یہ لکھا ہے کہ ''اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاوی میں اس کی سنیت کی تائید میں دو حدیثیں نقل کی ہیں۔'' تو آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ دونوں حدیثیں حالت رکوع میں الصاق کعبین کے بارے میں نہیں۔ بلکہ جماعت کے اندر حالت قیام میں ایک مقتدی کے صف سیدھی کرنے کے لیے اپنے پاؤں کی ابھری ہوئی ہڈی کا باہری رخ اپنے پاس والے دوسرے مقتدی کے پاؤں کی باہری ہڈی کے مقابل رکھنے کے بارے میں ہے، اسی کو دوسری روایت میں یوں بیان کیا کہ ''ایک مقتدی اپنا مونڈھا دوسرے مقتدی کے مونڈھے سے ملائے رکھے'' رکوع کی حالت کے بارے میں تو اوپر مفتاح الصلوۃ کی عبارت گذری کہ کسی صحیح حدیث اور فقہ حنفی کی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ اور اعلیٰ حضرت نے اپنے فتوی میں اس کے علاوہ جو کچھ لکھا ہے وہ صاحب مفتاح کے اس قول کے تردید میں ہے۔ کہ الصاق کعبین رکوع میں ممکن نہیں۔

البتہ پہلے فتوی سے یہ ظاہر نہیں کہ زاہدی کی یہ روایت غریب ہے یہ تو آپ کے ایک ایسے فتوی میں ہے جو آپ نے ۱۳ رسال بعد ۳۰ھ میں دیا۔ کچھ اور بعد میں آپ نے الملفوظ جلد چہارم میں یہ صراحت کی کہ یہ روایت ثابت نہیں اور دوسری کتابوں میں جو مسنون لکھا ہے تو انکا دار و مدار زاہدی پر ہے۔ اس لیے جو ان کی روایت کا حکم ہے وہی ان فقہا کی نقل کا ہے۔

الحاصل مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ رکوع میں الصاق کعبین کی روایت صرف زاہدی معتزلی نے کی ہے جو مرجوح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۱ رشعبان ۱۴۱۸ھ

سجدہ کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

زید باصلاحیت عالم باعمل سنی صحیح العقیدہ ہے اس کے دونوں پیر کا پنجہ اس طرح ہے دائیں پیر کا پنجہ بائیں طرف اور بائیں پیر کا پنجہ دائیں طرف ہے موصوف جب نماز ادا کرتے ہیں، تو سجدہ میں پیر کی انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگتا ہے لیکن انگلیوں کا رخ اتر اور دکھن ہوتا ہے، باقی سارے ارکان شریعت مطہرہ کے مطابق ادا کرتے ہیں موصوف اپنے گاؤں کی مسجد کے امام بھی ہیں۔ اس گاؤں میں علم وعمل میں سب سے اچھے ہیں بکر کہتا ہے کہ زید کے پیچھے کسی کی نماز نہیں ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں زید کے پیچھے لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟۔ شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو آگاہ فرمائیں اور حوالہ درج فرمادیں۔

المستفتی عبدالکریم نعیمی خادم مدرسہ عربیہ اہل سنت نور العلوم

پوسٹ انئی رامپور ضلع گونڈہ ۴ار جمادی الاخر ۱۴۰۶ھ

الجواب

سجدے میں پیر کی کم از کم ایک انگلی مضبوطی سے زمین پر جمانا فرض ہے۔

درمختار میں ہے: یفترض وضع اصابع القدم ولو واحد نحو القبلة ۔(۱۲۰/۲)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۲۶۴ میں فرماتے ہیں:

المقصود الاعتماد وقد بین هذا لقوله ليكون الاعتماد عليها وانما عبر عنه بالتوجيه نحو القبلة لان المصلى ان اراد فى سجوده الاعتماد على بطن اصبع قدمه لم يمكن ذالك الا بتوجهها نحو القبلة ۔

پس آپ نے جس امام کا ذکر کیا ہے ان کی چونکہ قدم کی انگلیوں کا پیٹ مضبوطی سے زمین پر جم جاتا ہے لیکن پنجے مڑے ہوئے ہونے سے انگلیوں کا سرا قبلہ سے منحرف ہو جاتا ہے۔ تو ان کی امامت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اصل فرض کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۵ رذوالقعدہ ۱۴۰۶ھ

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع خیر المسلمین اس مسئلہ میں

کہ زید نے امام کے پیچھے نماز پڑھی مگر جب امام سنت پڑھ رہا تھا تو دیکھا کہ سجدہ میں جاتے وقت امام کا دونوں پاؤں زمین سے الگ ہو جاتا ہے مگر جب تسبیح پڑھتا ہے تو لگا رہتا ہے ایسی صورت میں

نماز ہوگی کہ نہیں اگر نہ ہوئی تو اس سے پہلے جو نمازیں زید پڑھ چکا ہے اس کا دہرانا ضروری ہے کہ نہیں جواب مفصلاً تحریر فرمائیں۔ المستفتی، نظام الدین ابن محمد افضل محلہ کریم الدین پور گھوسی یوپی

الجواب

رسول اللہ ﷺ نے کثرت سوال اور قیل وقال سے منع فرمایا امام کو سنت پڑھتے دیکھ کر فرائض کا قیاس کیا پھر اس پر اتنی بڑی سوال کی عمارت کھڑی کردی کہ فرائض میں اس کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟ سجدہ میں جاتے وقت پاؤں کی انگلیاں زمین پر جمنا ضروری نہیں۔

بہار شریعت میں پاؤں کی تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگنا حالت سجدہ میں واجب بتایا گیا ہے، سجدہ میں جاتے وقت اگر پاؤں زمین سے اٹھے گا تو اس کا کوئی لحاظ نہیں نماز ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۲ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ

(۳) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

کوئی حالت نماز میں بالخصوص سجدہ کی حالت میں داہنے پیر کی انگلی وانگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو چاہے وہ زمین سے لگ کر ہٹے چاہے الگ ہوکر تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر امام کا ایسا ہوتا ہے تو نماز ان کے پیچھے ہوئی یا نہیں؟ مسٹر محمد امیر حسن اہراپور پنی یاپور ضلع سارن چھپرہ

الجواب

نماز میں سجدہ سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کسی ایک قدم کا آگے یا پیچھے سرکانا مکروہ ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے نماز ہوجائے گی۔

اور سجدے کے اندر ہر پیر کی کم از کم تین انگلیوں کا پیٹ زمین سے لگنا واجب ہے۔ جس میں انگوٹھا بھی شامل ہے (بہار شریعت بحوالہ فتاوی رضویہ) اگر تین بار 'سبحن ربی الاعلیٰ' کہنے کی مقدار تک تین میں سے کوئی اٹھی رہ گئی تو نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہوگی۔ وھوتعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۴ رجب ۱۴۱۸ھ

(۴-۵) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) اگر نماز کی حالت میں امام کا پاؤں اپنی جگہ سے تھوڑا سا کھسک گیا، یا سجدے کی حالت میں پاؤں کی انگلیاں کبھی اپنی جگہ سے دو تین انگل کھسک گئیں، یا پاؤں کی انگلیاں زمین سے اٹھکر پھر زمین میں لگ گئیں جب کہ امام ابھی سجدے ہی کی حالت میں ہے تو ایسی صورت میں نماز ہوگی کہ نہیں؟

(۲) زید ذاتی خلش کی بنا پر امام کے پیچھے جماعت سے نماز نہیں پڑھتا اور دوسرے لوگوں کو بھی

ورغلاتا ہے کہ اس امام کے پیچھے نماز مت پڑھو۔ جس کی وجہ سے کچھ لوگ جماعت سے محروم رہ جاتے ہیں اور وجہ پوچھنے پر زید کہتا ہے کہ ہمارا من نہیں بھرتا۔ ایسی حالت میں زید پر کیا حکم شرعی دیا جائے گا؟۔

المستفتی محمد یاسین سہیل۔ سکریٹری بڑی مسجد نمبر (۱) پی ایم بستی سیکنڈ لین شب پارہ ہوڑہ نمبر ۲

الجواب

(۱) پاؤں کی دس انگلیوں میں سے ایک کے پیٹ کا سجدے میں زمین پر لگنا فرض ہے۔ رہ گیا یہ کہ زمین پر ٹکی ہوئی انگلیاں تھوڑا ادھر ادھر کھسک گئیں یا ایک لمحہ کے لیے اٹھیں پھر جم گئیں۔ تو اسمیں نماز میں خلل نہ ہوگا، لیکن امام صاحب کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ پاؤں زمین سے نہ اٹھیں۔ کتابوں میں اسے خلاف اولیٰ لکھا ہے۔

(۲) عذر شرعی کے بغیر صرف ذاتی رنجش کی بناء پر جیسا کہ سوال میں درج ہے جماعت چھوڑنا سخت گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے: حضور ﷺ نے فرمایا جو لوگ شام کی نماز میں شریک نہیں ہوتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کا گھر آگ سے پھونک دوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

وتر کا بیان

(۱-۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ایک شخص نے تین رکعت وتر پڑھنے پر اعتراض کیا اور کہا کہ صرف ایک رکعت وتر نبی کریم سے ثابت ہے حضور ایک رکعت ہی پڑھا کرتے تھے جو لوگ تین رکعت پڑھتے ہیں وہ خود ساختہ طریقہ استعمال کرتے ہیں تو دوسرے نے جواب دیا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اصحاب کرام آسمان کے ستارے ہیں اور ان میں سے تم جن کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے، اسی پر اس شخص نے کہا کہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک میں تین رکعت پڑھنا ہے، اور یہ ابو حنیفہ کا طریقہ ہے، حضور کا نہیں اگر قرآن حکیم میں تین رکعت کا اشارہ ملتا تو حضور ہمیشہ تین رکعت ہی پڑھتے، ایک کبھی نہیں پڑھتے، پھر ہم پیغمبر ﷺ کے خلاف کام کیوں کریں، لہذا پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں۔

(۲) اور ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی اور وہ طلاق شدہ ابھی عدت ہی میں تھی کہ اس شخص نے طلاق شدہ عورت کی بہن سے نکاح کرلیا تو کیا اس شخص کو اپنی سالی سے جب کہ اس کی عورت عدت کی ابتدائی دور میں ہے نکاح کرنے سے نکاح ہوگا؟ اگر نہیں ہوا تو نکاح پڑھانے والے اور دونوں گواہوں پر

شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۳) اور ایک شخص کی بیوی ہندو شخص کے ساتھ فرار ہوگئی تلاشی کے ڈیڑھ ماہ بعد اس مسلم شخص کی بیوی کو ہندو کے ساتھ دوسری جگہوں میں پکڑا گیا اور اس عورت نے جو اپنے سابقہ شوہر کو دیکھا تو اپنے مسلم شوہر کیساتھ رہنے پر تیار ہوگئی اور شوہر بھی رکھنے کے لیے تیار ہوگیا اور اپنے گھر لے آیا مگر ساتھ ہی محلّہ کے لوگوں نے جو چند مسلمان تھے بیچ میں آکر دونوں کو الگ رکھے ہوئے ہیں اور مسئلہ دریافت کررہے ہیں، لوگوں سے عورت نے اپنا بیان دیا ہے کہ اس نے ہندو شخص سے ہندو عقیدہ کے مطابق یا کوئی شادی بیاہ یا قبول مذہب جیسا کوئی کام نہیں کیا ہے، بلکہ صرف اپنی خواہشات نفس کو بجھایا ہے لھذا شریعت مطہرہ کی روشنی میں تحریر فرمائیں؟

(۴) اور نعوذ باللہ ایک شخص اپنی لڑکی سے زنا کاری میں پکڑا گیا اور لڑکی نے بھی اقرار کیا کہ میرا باپ مجھ سے پہلے دو اور بہنوں کو بالکل خراب کر چکا ہے اگر میں نہیں کہوں گی تو شاید ھم سے چھوٹی والی کا بھی یہی حشر ہوگا لھذا شریعت مطہرہ کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

الجواب

(۱) ﴿لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ [آل عمران: ٦١] جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، یہ صریح جھوٹ ہے کہ صرف ایک رکعت وتر نبی ﷺ سے ثابت ہے، امام نسائی نے اپنی سنن میں اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ " قالت عائشة كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث لايسلم الافى آخرهن '

(ارواء الغليل: ۲/ ۱۵۰)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعت پڑھتے اور آخری رکعت میں سلام پھیرتے تھے ایسا ہی امام حاکم نے اپنی مستدرک میں بخاری اور مسلم کی شرط کے موافق روایت کیا، خود بخاری میں حضرت عائشہ کی حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

" كان رسول الله ﷺ لاتزيد فى رمضان ولا فى غيره على احد عشر ركعة، اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ،ثم يصلى اربعا فلا تسال عن حسنهن وطولهن، ثم يصلى ثلاثا ،قالت عائشة: فقلت: يا رسول الله! اتنام قبل ان توتر، فقال: ياعائشة! ان عينى تنامان ولا ينام قلبى "(بخارى شريف: ج اول)

رسول اللہ ﷺ رمضان اور اس کے علاوہ مہینوں میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے پہلے چار رکعت پڑھتے تو اس کے حسن اور طول سے مت پوچھو مطلب یہ کہ بڑی لمبی قرأت حسن ادا کے ساتھ

پڑھتے اور اس چار رکعت کے بعد پھر چار رکعت اسی طرح پڑھتے پھر تین رکعت پڑھتے ،اس پر میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ! آپ وتر پڑھے بغیر سو گئے تھے کیا یعنی یہ تین رکعت آپ نے وتر پڑھی آپ نے فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے،تو وتر پڑھے بغیر سو جاتا ہوں پھر وقت پر جگ جاتا ہوں۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آخر میں آپ نے تین رکعت وتر پڑھی،جس نے یہ کہا کہ تین رکعت وتر رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں،صریح جھوٹ بولا،اسی طرح صحابۂ کرام کا حوالہ دینے کے بعد یہ کہنا کہ تین رکعت وتر پڑھنا امام ابوحنیفہ کا طریقہ ہے،یعنی صحابہ کرام کا طریقہ نہیں،یہ بھی صاف جھوٹ ہے۔

بخاری شریف میں ہے: " وقال القاسم ورأينا الناس منذ ادركنا يوترون بثلاث "

امام قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا لوگوں کو تین رکعت وتر پڑھتے ہی دیکھا۔

یہ امام ابوحنیفہ کے پہلے مسلمانوں کا حال تھا۔حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہو گیا ہے کہ وتر تین رکعت ہی ہے اور سلام آخری رکعت پر پھیرنا ہے،اس کو صرف امام ابوحنیفہ کا مذہب بتانا صریح غلط ہے اور اس سلسلے میں سرے سے قرآن عظیم کا نام لینا ہی غلط ہے،اس میں تو وتر کا صریح بیان ہے نہ اس کی رکعتوں کا،یہ تو حدیث سے ثابت ہے،وہ شخص یا تو بہت بڑا جاہل ہے یا افترا پرواز ہے۔

(۲) یہ نکاح ناجائز ہوا،قرآن عظیم میں ہے:﴿وَأَن تَجْمَعُواْ بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾[النساء:۲۳]

اور ھدایہ میں ہے: " واذا طلق امرأته طلاقا بائنا او رجعيا لم يجز له ان يتزوج باختها حتى تنقضي عدتها " اپنی عورت کو طلاق دے دی تو اس کی بہن سے عدت باقی رہنے تک نکاح جائز نہیں،

(۳) صورت مسئولہ میں وہ شخص اپنی عورت کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں زنا کاری سے نکاح نہیں ٹوٹتا مگر شوہر کو عورت کو یوں آزاد نہیں چھوڑنا چاہئے کہ جہاں چاہے بھاگ جائے۔

(۴) اس شخص کی حقیقی سزا تو پروردگار دیگا مسلمان اس کا بالکل بائیکاٹ کر دیں اور ان لڑکیوں کو کسی اچھے مسلمان سے بیاہ دیں اور باپ سے علیحدہ کر دیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

(۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے وتر کی نماز پڑھائی تیسری رکعت میں دعائے قنوت بھول گئے رکوع میں چلے گئے مقتدیوں نے اللہ اکبر کہا جس سے زید نے لوٹ کر دعائے قنوت پڑھی اور مقتدیوں نے بھی پڑھی،پڑھ کر

رکوع کیا اور سجدہ کیا پھر سجدہ سہو کر لیا اکثر لوگ چلے گئے ہم تین آدمیوں نے پھر دہرایا آیا نماز فاسد ہوئی یا نہیں۔
محمد قدیر صاحب مسکھی

الجواب

صورت مسئولہ میں رکوع سے قیام کے لیے لوٹنا اسائت ہے، نماز فاسد نہ ہوگی نہ اس کے دہرانے کی ضرورت ہے۔

درمختار میں ہے: "ولو نسيه اى القنوت ثم تذكره في الركوع لا يقنت فيه لفوت محله ولا يعود الى القيام في الاصح لان فيه رفض الفرض للواجب فان عاد اليه وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلوته (ملخصا)(۲/۳۸۸)

شامی میں ہے: "لان فيه رفض الفرض للواجب"

خانیہ میں ہے: "وهو مبطل للصلوة على قول وموجب الاساءة على قول آخر والحق الثاني" واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور ۱۲رجب ۸۴ھ
الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

جماعت کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ
زید شہر کی جامع مسجد کا امام ہے، زید نے باہر سے آئے ہوئے ایک عالم دین سے نماز پڑھانے کی گذارش کی، حضرت نے قبول کر لیا، مگر حضرت مسجد میں اس وقت آئے جب انتظار شدید کے بعد امام صاحب نے خطبہ دس منٹ کی تاخیر سے پڑھا دیا۔ اس کے بعد امام صاحب اور مصلیان مسجد صف بصف کھڑے ہوگئے اس کے بعد بھی حضرت کا انتظار رہا اچانک حضرت مسجد میں تشریف لائے اور جمعہ کی نماز پڑھائی۔ امام مسجد کا جمعہ کے لیے کسی کا انتظار کرنا کیسا ہے؟
یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھے نماز پڑھانا ہے پھر بھی تاخیر کرنا کیسا ہے؟
خطبہ کوئی اور پڑھائے اور نماز کوئی اور پڑھائے بغیر کسی شرعی عذر کے ایسا کرنا کیسا ہے؟
سائلان: نوجوانان کمیٹی پالی

الجواب

آپ حضرات کی تسلی کے لیے میں فتاوی رضویہ جلد سوم باب الجماعۃ سے ایک مسئلہ نقل کر رہا ہوں:

امام کو کسی مقتدی مسجد کے لیے جو میر مدرسہ میر محلہ اور سید ہو، باوجود گذر جانے وقت معین کھڑی جماعت کے لیے انتظار کرنا کیسا ہے؟ امام کے نزدیک سب مقتدیوں کی عزت برابر ہونی چاہئے یا نہیں؟

الجواب: درست ہے جب کہ حاضرین پر گراں نہ ہو اور وقت میں وسعت ہو، جس کی دینی عزت زائد ہو اور ہر مسلمان کے نزدیک جائز ہے، اس کی وہ رعایت کی جائے گی جو دوسروں کی نہیں کی جائے گی، جب تک کوئی شرعی حرج لازم نہ آئے۔ (فتاوی رضویہ حصہ سوم ص ۳۹۶ مطبوعہ لائل پور)

باہر سے آئے عالم صاحب آپ سب کے مقتدیٰ اور رہبر تھے، تبھی آپ کے امام صاحب نے ان سے نماز جمعہ پڑھانے کی درخواست کی۔ دس منٹ کی تاخیر کوئی ایسی بڑی تاخیر نہیں تھی کہ آپ کی نوجوان پارٹی نے اس تاخیر کا شرعی حکم ضروری سمجھا۔ ایسا کئی بار خود عہد رسالت میں ہوا ہے۔ اقامت ہو جانے کے بعد بھی ایک مرد نے دیر تک رسول اللہ ﷺ سے بات کی پھر جماعت ہوئی۔

(بخاری شریف باب الاذان)

حضور ﷺ بنی عمرابن عوف میں مصالحت کرانے گئے اور جماعت کا وقت ہو گیا تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مؤذن نے کہا: آپ نماز پڑھا دیں تو آپ تیار ہو گئے۔ اس لیے تھوڑی تھوڑی باتوں پر قدغن نہیں ہونی چاہئے۔ اسی طرح غیر خطیب کے نماز پڑھا دینے کے بارے میں فتاوی رضویہ میں غیر مناسب لکھا ہے۔ الفاظ یہ ہیں: غیر خطیب کا نماز پڑھانا اولی نہیں"۔ (حوالہ مذکور بالا ص ۷۰۸)

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۸ محرم ۱۴۲۶ھ

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک بستی کی کل آبادی اکیس گھر ہے اور سب اہل سنت و جماعت ہیں اور ایک گھر اہل حدیث کا ہے۔ پورے گاؤں میں کل پچیس افراد مکلف ہیں پہلے گاؤں میں کل ایک مسجد اہل سنت و جماعت کی تھی موجودہ پیمائش میں وہ اہل حدیث کی ہو گئی۔ بستی میں سنی مسلمان بدھو میاں نے اپنی زمین میں ایک پختہ مسجد اپنے پیسہ سے بنوائی ہے۔ سنت جماعت کی طرف نسبتاً قدیم مسجد میں (اہل حدیث) کے مقتدیوں کی کثرت ہے۔ گاؤں کے ایک فرد نے کئی اداروں سے اس مسجد کے مسجد ضرار ہونے کا فتوی حاصل کیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ فتوی کا کیا حکم ہے؟ اور ہم لوگوں کو کس مسجد میں نماز ادا کرنا چاہئے؟۔

محمد سلیمان موضع کرت پور پوسٹ ضلع مظفر پور

الجواب

صورت مسئولہ میں جب کہ غیر مقلدین نے سنیوں کی قدیم مسجد پر قبضہ کر لیا تو وہ لوگ سنیوں کو

اپنی الگ جماعت قائم کرنے سے ضرور روکتے ہوں گے اور فتنہ وفساد پر آمادہ ہوتے ہونگے۔ تو سنیوں کا فساد سے بچنے اور اپنی نماز درست کرنے کے لیے قطعاً جائز درست ہے کہ وہ اپنی علیحدہ مسجد تعمیر کریں اس کو مسجد ضرار کہنا باطل اور لغو ہے۔

تفسیر احمدی شریف میں ہے:" لما فتح الله الا مصا رعلى عهد عمر رضى الله تعالىٰ عنه امر المسلمين ان يبنوا امسا جد وان لا يبنوا فى المدينة مسجدين يضار احد هما صاحبه" اس ادب سے ثابت ہوا کہ کسی مسجد کو ضرر پہونچانے کی نیت سے نئی مسجد بنانا منع ہے اور موجودہ صورت میں یا تو کسی پرانی مسجد میں غیر مقلدوں کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے، یا اپنی الگ جماعت قائم کریں۔ پہلی صورت کی اجازت سنیوں کا مذھب نہیں دیتا اور دوسری صورت میں غیر مقلدین آمادہ فساد ہوں گے اس لیے سنی ہر حال میں پہلی مسجد میں نماز پڑھنے سے معذور ہیں، اس لیے اپنی جماعت کے قیام اور اپنی نمازوں کی حفاظت کے لیے سنیوں کا الگ مسجد بنانا درست ہے اور جدید مسجد بھی تمام مساجد کی طرح خانہ خدا ہے اس کو مسجد ضرار کہنا زیادتی اور ظلم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی:

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۲-۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ہماری مسجد میں دو امام ہیں صدر ونائب صدر، صدر امام پیر سے جمعہ تک نماز پڑھاتے ہیں اور نائب امام سنیچر اور اتوار کو پڑھاتے ہیں تو اس دوران صدر امام گھر ہوتے ہوئے با جماعت نماز کے لیے نہیں آتے اور کبھی نہیں آتے ہیں تو از روئے شرع کیا حکم ہے اور ان دنوں علیل ہونے کا بہانہ کرتے ہیں تو ترک جماعت کے لیے کتنی بیماری عذر ہو سکتی ہے۔

(۲) شیئر کا حکم شرعی کیا ہے، یعنی کسی بھی کمپنی سے یہ شیئر شائع ہوتے ہیں اور اس میں بطور بیع شامل کیا جاتا ہے، کمپنی فائدہ میں ہو تو اس کے بعد حصہ ملتا ہے اور نقصان میں ہو تو اس کے بعد کی کمپنی کا یہ شیئر خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ یہاں حکومت عیسائی ہے۔

(۳) سائن (دستخط) کر کے یہاں سرکار اور حکومت سے پاؤنڈ لیے جاتے ہیں اسی میں حکومت کے آدمی سوال کرتے ہیں کہ تم لوگ کام پر ہو یا نہیں تو کام کرنے والے بھی وہاں خود کو بے کار ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح جھوٹ بول کر حکومت سے بھی لیتے ہیں اور کام کے ذریعہ بھی لیتے ہیں تو کیا عیسائی حکومت سے اس طرح کرنا جائز ہے اور کبھی کبھی وہ پوچھتے ہیں تو جو فارم دیا جاتا ہے اس میں لکھا ہوتا ہے جس پر لکھنا ہوتا ہے کہ ہمیں کام نہیں ملتا ہے حالانکہ کام پر ہوتے ہیں جو امام ایسا کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز

کا کیا حکم ہے

المستفتی ، زاہد BLACKBURN BAYWOODSTREEE35

LANCIS BBICNS U.K

الجواب

(۱) یہاں دو چیزیں ہیں ایک مسجد کی حاضری اور ایک نماز با جماعت مسجد کے پڑوسی کے لیے مسجد کی حاضری افضل ہے جس کی تاکید حدیث شریف میں بھی ہے مگر حاضری فرض یا واجب نہیں کہ آدمی مسجد میں حاضر نہ ہو تو گنہگار ہے۔

البتہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے کہ بلا عذر ایک بار کا چھوڑنے والا مستحق سزا ہے اور کئی بار ترک کرے تو فاسق ہے (بہار شریعت بحوالہ درمختار) ترک جماعت کے لیے ایسی بیماری عذر ہے کہ بیمار کو مسجد میں جانے میں مشقت ہی مشقت ہو۔

فاسق معلن کی اقتدا میں نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہے کہ پڑھ لیا تو دہرائیں اور ایسے آدمی کو امام بنانا شرعاً منع ہے۔ اور مقرر ہو گیا ہو تو بشرط استطاعت امامت سے علیحدہ کرنا ضروری ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ”ومشیٰ فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم“

پس صورت مسئولہ میں آپ کے امام صاحب مذکورہ بالا حد تک بیمار ہوں کہ مسجد کی حاضری ان کے لیے دشوار ہو، یا ڈیوٹی کے دنوں کے علاوہ گھر میں ہی جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں اور نائب امام میں کوئی عیب منافی امامت ہو تو ایسی صورت میں ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اور ان امور میں سے کوئی بات نہ ہو تو ان کی امامت کا حکم اوپر بیان ہو چکا کہ مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) اس سوال کی وجہ سے آپ کے سوال کے جواب میں دو سال کی تاخیر ہوئی جب آپ کا سوال آیا اس وقت یہ مسئلہ اشرفیہ مبارکپور کی مجلس شرعی میں زیر غور تھا مگر بحث وتمحیص کا سلسلہ اتنا طویل ہوا کہ دو سال سے زائد بیت گئے خلاصہ بحث مندرجہ ذیل ہے شیئر بازاری کے کاروبار میں سرمایہ کاری کے تین بنیادی طریقے ہیں (الف) مساواتی حصص (ب) ترجیحی حصص (د) سودی قرضہ جات۔ ان ذرائع سے حاصل شدہ سرمایہ سے کمپنی تجارت بھی جائز و ناجائز ہر طرح سے کرتی ہے۔ پھر اسی سے حاصل شدہ منافع کو کمپنی سال بسال لوٹاتی ہے یعنی شرکاء میں تقسیم کرتی ہے۔

مجلس شرعی کے شرکاء کا ایک گروپ اس کاروبار کو مطلقاً ناجائز و حرام کہتا ہے۔ دوسرا گروہ ترجیحی حصص اور سودی تمسکات (قرضہ جات) کے ذریعہ سرمایہ کاری کو بالکلیہ حرام کہتا ہے۔ صرف مساواتی

حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری کو جائز کہتا ہے، لیکن اس کے لیے بھی حیلہ کی شرطیں عائد کرتا ہے۔ مثلاً کسی قسم کی سودی رقم نہ لوں گا کمیٹی کو قرض دے تب بھی شرط لگائی جائے کہ میں اس پر سود نہ دوں گا وغیرہ وغیرہ اس کے بعد بھی کمیٹی کا ڈائرکٹران کو شرعاً گنہگار قرار دیتا ہے کہ موجودہ شیئر بازار میں حصہ داروں اور دیگر معاملہ داروں کے ساتھ وہ قسم قسم کی غیر شرعی حرکتوں کا مجرم ہوتا ہے۔

ادھر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گراں قدر فتاویٰ کی جلد ہفتم صفحہ ۱۱۱، وصفحہ ۱۱۵ پر دو ایسے فتوؤں کے جواب میں جن میں ایک میں تفصیل کے ساتھ ترجیحی حصص اور قرض تمسکات کا ذکر ہے۔ اور دوسرے میں اجمالاً کمپنیوں کے حصوں کی خریداری کے بارے میں سوال ہے دونوں کے جواب میں بلا کسی تفصیل کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔

مجلس شرعی کی بحثوں کا نتیجہ تو معلوم نہیں کب ظاہر ہوگا ایسی صورت میں اس سے پرہیز کرنے میں ہی ہمارے نزدیک سلامتی ہے کہ

بدریا در منافع بے شمار است　　اگر خواہی سلامت بر کنار است

(۳) یہ معاملہ شرعاً ناجائز وحرام ہے کہ غیر مسلم سے بھی اس کا مال دھوکہ دے کر لینا حرام ہے، ھدایہ میں ہے "لان مالهم مباح في دارهم فباى طريق اخذه اخذ مالا مباحاً اذا لم يكن غدراً" اور کام پر ہوتے ہوئے جھوٹ بولنا یا غلط دستخط کرنا بلا شبہ دھوکہ دہی اور غدر ہے ایسے اشخاص کی امامت بھی ناجائز و مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی　　۷ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

(۵-۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) زید وبکر عالم ہونے کے باوجود با جماعت نماز نہیں ادا کرتے ہیں حالانکہ مسجد اور مدرسہ ایک ہی جگہ ہے دیکھا جاتا ہے کہ بجائے مسجدوں میں نماز پڑھنے کے کمرہ ہی میں پڑھ لیتے ہیں حالانکہ کوئی عذر شرعی ان کے پاس نہیں ہے، اور جب کہا جاتا ہے کہ آپ ہی نماز پڑھائیے تو انکار کرتے ہیں، حضور پوچھنا یہ ہے کہ ایسے شخص کی اقتدا میں نماز درست ہے کہ نہیں اور ایسا شخص فاسق ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

(۲) زید عالم ہونے کے باوجود غیر محرم عورتوں سے دل لگی اور مذاق کرتا ہے اور مسلمانوں میں بذریعہ چغلی پھوٹ ڈالتا رہتا ہے، اور جعلی سرٹفکٹ سے نوکری کرتا ہے کیا ایسے آدمی کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، اور جعلی سرٹفکیٹ سے جو رزق حاصل ہوتا ہے حرام ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں

جواب عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتی، محمد ریاض الدین سکریٹری مدرسہ گلشن طیبہ منجر خورد پوسٹ آنجن وایابان کے باز ار ضلع گیا (بہار

الجواب

بر تقدیر صدق مستفتی، اگر واقعی عالم صاحب کے پاس جماعت چھوڑنے کا کوئی عذر شرعی نہیں اور وہ یونہی مسلسل جماعت چھوڑتے رہتے ہیں تو فاسق معلن ہیں، ان کی امامت ناجائز ہے اوران کے پیچھے نماز پڑھ لی تو دہرائیں۔

(۲) اس سوال کا بھی وہی جواب ہے کہ بر تقدیر صدق مستفتی ایسا عالم جس میں وہ عیوب ہوں فاسق ہے، مگر آج کل مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ جس عالم سے راضی رہے اس کی جائز وناجائز معاف، بلکہ ان امور میں خود بھی شریک رہے اور جب خفا ہو گئے توان کے خلاف فتویٰ پوچھنے لگے، خود ہزار برائیوں اور گناہوں میں مبتلا اور عالم سے دشمنی ہوگئی، اس میں کیڑے ڈالنے لگے، یہ حرکتیں بھی ویسے حرام اور غیر شرعی ہیں اوران پر بھی وہی فسق کا فتویٰ عائد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ علماء اور عوام دونوں کو ہدایت دے آمین واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

(۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہمارے یہاں ایک پیش امام صاحب ہیں ان کے روزانہ کا یہ معمول ہے کہ ایک دو وقت کی نماز میں آتے نہیں ہیں اور جماعت ہوجانے کے بعد نماز پڑھتے ہیں، جب کہ گاؤں میں ہی کام کرتے ہیں اور عید کے دن لوگ مذکورہ امام کو گھوڑے پر بیٹھا کر ڈھول تاشے بجا کر عیدگاہ لیجاتے ہیں کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں سوال کا جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی، عبدالرحیم اشرفی خادم مدرسہ احمدیہ قصبہ کپاس ضلع جنگور راجستھان

الجواب

بلا عذر ترک جماعت کرنے والا فاسق معلن ہے اور اس کی امامت مکروہ ہے۔

شامی میں ہے: "ومشیٔ فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم (۲/۲۰۰) گھوڑے پر بیٹھ کر عیدگاہ جانے میں کوئی حرج نہیں ڈھول تاشا بجانا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۴ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

(۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسجد میں جماعت سے نماز ہورہی ہے، اس وقت کوئی شخص تنہا نماز فرض الگ ہی مسجد میں پڑھتا

ہے، وہ جماعت میں شامل نہیں ہوتا ہے، عین جماعت کے وقت ادھر جماعت ہورہی ہے ادھر وہ شخص اکیلا فرض پڑھنے میں لگا ہے، یہاں ایک مولوی صاحب دیوبند کے فاضل ہیں، کبھی کبھی ایسا کرتے ہیں کہ جماعت میں ابھی دس منٹ باقی ہیں وہ پہلے ہی دو چار آدمیوں کو لے کر فرض نماز پڑھ لیتے ہیں اور مسجد میں جو امام صاحب مقرر ہیں وہ وقت مقرر پر ایک مقتدی کے ساتھ فرض نماز ادا کرتے ہیں، کیا ان مولوی صاحب دیوبندی کو حق حاصل ہے کہ مسجد کے امام صاحب کے ہوتے ہوئے دس منٹ پہلے ہی وقت مقررہ سے مقتدیوں کو لے کر جماعت سے نماز پڑھیں؟ نابالغ لڑکا تنہا ہو تو فرض نماز جماعت کے ساتھ صف میں شامل ہوسکتا ہے یا صف کے پیچھے پڑھے؟ حافظ مرتضی ضلع بلیا۔

الجواب

اگر جماعت صحیحہ شرعیہ ہورہی ہے تو الگ نماز پڑھنا سخت گناہ ہے۔ حدیث شریف میں اس کی سخت تاکید آئی ہے: "اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ" (سنن نسائی: ۲/۱۱۷)

بلکہ حکم یہ ہے کہ اگر نماز فرض شروع کی ہی تھی کہ امام نے جماعت سے نماز شروع کردی تو نیت توڑ کر نماز میں شریک ہوجائے۔

"شرع فیھا اداء منفرداً ثم اقیمت الصلوۃ یقطعھا قائما مسلمۃ واحدۃ و اقتدی بامامہ" [درمختار ص/۴۷۸۔۱]

اگر امام مقرر صالح امامت ہے تو یہ دیوبندی مولوی کی نماز نماز ہی نہیں تو اس کو امامت سے کیا علاقہ یہ سخت خطاکار ہے کہ ایک مقررہ جماعت کے حق میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔

درمختار میں ہے: "مقرر امام کو اس جماعت کا حق حاصل ہے۔

(۲) تنہا لڑکا صف میں کھڑا ہوسکتا ہے۔ تنویرالابصار میں ہے: "یصف الرجال ثم الصبیان ظاہرہ تعددھم فلو واحدا دخل فی الصف" (کتاب الصلاۃ: ۲/۲۶۵) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

(۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید حسب عادت آج بھی ٹیوشن پڑھانے گیا اور قریب محلہ ایک دیوبندی مسلک کی مسجد ہے جس میں امام بھی دیوبندی ہے، زید اس وقت مسجد میں داخل ہوا جس وقت جماعت شروع ہورہی تھی دریافت طلب امر یہ ہے کہ عندالشرع زید کی شرکت جماعت کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟ چونکہ زید

جماعت اہل سنت سے تعلق رکھنے والا ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی: محمد ناظم حسین اشرفی سہرلبہ، مقام و پوسٹ مہریواوا یا سلکرا باز ار سہرسہ (بہار)

الجواب

دیوبندی کے پیچھے نماز جائز نہیں، اس لیے سنی اس جماعت میں شریک نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۱۶ رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ

(۱۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسجد میں نماز کی پہلی صف کے بیچ والی صف میں کھمبے ہیں مقتدیوں کو کھمبے کے آزو باز و کھڑا ہونا پڑتا ہے یا سرے سے جگہ بدل کر پیچھے یعنی جہاں تیسری صف ہوتی تھی وہاں دوسری صف بنانے سے پہلی صف سے فاصلہ دور ہو جانے سے درمیان کیلیے مسئلہ بہار شریعت میں دو صفوں کے درمیان بیل گاڑی نہ جاس کے اتنا کم فاصلہ ہونا چاہئے تو زید کے جواب سے کھمبے کی وجہ سے گاڑی نہیں جاسکتی تو کیا صفیں کھمبوں کے باز و کرنے یا بیٹھ کر پیچھے کرنے کی کیا صورت ہے۔

الجواب

در میں صف لگانا مکروہ ہے البتہ مسجد میں تنگی ہو تو اور بات ہے اور جماعت کے لیے بیل گاڑی سے کم فاصلہ ہونے کی بات تب ہے کہ کوئی عذر ہو اور یہاں کھمبوں کا عذر ہے۔

(۱۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک عیدگاہ میں بلا عذر شرعی متعدد جماعت جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جائز ہے تو بعد میں پڑھنے والے کی نماز ہوئی یا نہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ محراب سے ذرا ہٹ کر امام کھڑے ہو جائیں تو نماز ہو جائے گی۔ شریعت کا اس میں کیا حکم ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

السائل محمد یوسف خان مدرسہ غوثیہ ایجوکیشن مقام جمنا کاری ضلع شہڈول ۷ رشوال المکرم ۱۴۱۹ھ

الجواب

مسئلہ یہ ہے کہ نماز عید کی متعدد جماعتیں جائز ہیں۔

درمختار جلد اول ص ۵۶۱ پر ہے: "تؤدی بمصر واحد بمواقع کثیرۃ اتفاقا"

مگر اس کی امامت کا مسئلہ دوسری نماز کی طرح نہیں ہے کہ ہر صالح انسان اس کی امامت کر سکتا ہے بلکہ نماز عیدین وجمعہ کی امامت یا تو خود بادشاہ کرے، یا اس کا نائب اور ماذون کرے، اور آج کل چونکہ اسلامی حکومتیں نہیں رہیں تو اس شہر کا سب سے بڑا عالم دین عالم اہل سنت کرے، یا اس کا ماذون

ومقرر کردہ امام کرے، اور اگر عالم بھی نہ ہو تو مسلمانان اہل سنت اتفاق سے کسی کو مقرر کریں اور یہ تقرر ضرورۃً ومجبوراً ہے۔

اگر ایسا مقرر ومتعین امام نماز عیدین وجمعہ کی امامت نہ کرے تو نماز ہوگی ہی نہیں اسی لیے امام اہل سنت مجدد اسلام حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی نے اپنے فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۸۲۴ میں ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:

ان تینوں جماعتوں میں جس کا امام متعین ومقرر تھا اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز ہوگئی باقیوں کی نہیں اور کسی کا امام ایسا نہ تھا تو کسی جماعت کی نماز نہ ہوئی اور آجکل عام طور سے ایک عیدگاہ کے لیے کئی کئی امام مقرر نہیں ہوتے ایک ہی امام متعین ہوتا ہے۔

پس سطور بالا کی روشنی میں آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ متعدد جماعتوں کے امام اگر شرعی طور پر مقرر اور متعین تھے تو تمام جماعتوں کی نماز ہوگئی۔ اور اگر آج کل کے دستور کے موافق مقررہ امام تو ایک ہی تھا۔ بغیر جماعت کے لوگوں نے وقتی طور پر کسی صالح امامت کو آگے بڑھا دیا اور نماز پڑھ لی تو ان کی نماز عید ادا ہی نہ ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے بلا ضرورت شرعی مقرر امام کی اقتداء ترک کی۔

اس صورت میں پہلے اور بعد میں پڑھنے کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ نہ ہی محراب سے ادھر ادھر کھسک کر پڑھنے سے نماز جائز ہوگی۔ جس نے یہ شگوفہ نکالا اس نے غلط مبحث کیا۔

یہ مسئلہ پنجوقتی نماز کے بارے میں ہے تو نماز عید پر اس مسئلہ کو جاری کرنا غلط ہے۔ وہ بھی ایسی مسجد کے بارے میں جو محلہ کے اندر ہو اور اس کا امام اور مؤذن مقرر ہو۔ اور مقررہ امام نے اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھ لی ہو۔ اور دوسرے لوگ آئے جو نماز با جماعت پڑھنا چاہتے ہیں تو پہلی جماعت کی جگہ سے ہٹ کر بغیر اذان کے جماعت پڑھ سکتے ہیں۔

درمختار میں ہے: "ویکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لا فی مسجد طریق او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن" (در مختار: ۲/ ۲۴۶)

اور شامی میں ہے: "اذا صلی فی مسجد المحلۃ بغیر اذان یباح اجماعا" (شامی: ۲/ ۲۴۶)

محلہ کی مسجد میں جس کا امام ومؤذن مقرر ہو دوبارہ اذان واقامت کے ساتھ جماعت مکروہ ہے۔ راہ اور بے امام ومؤذن والی مسجد میں یہ پابندی نہیں اور وہاں اگر بے اذان جدید پڑھیں اور مقام اولیٰ سے ہٹ کر پڑھیں تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

امامت کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید جسے قطرہ آنے کی بیماری ہے اور وہی اپنے محلّہ کا امام ہے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس کے لائق نہیں۔ نماز کی حالت میں بھی کبھی کبھی قطرہ آجاتا ہے آیا زید کی امامت از روئے شرع درست ہے۔

المستفتی محمد مرتضی سپاہ اعظم گڑھ

الجواب

جو نماز وضو کر کے بے قطرہ آئے پڑھادیں اس میں امامت صحیح ہوجائے گی اور جس میں قطرہ آجائے اس نماز کی امامت صحیح نہ ہوگی۔

مراقی الفلاح اور اس کے حاشیہ میں ہے:

"المعذور صلاته ضرورية فلا يصح اقتداء غيره به اى اذا توضا مع العذر او عذر عليه بعده اما لو توضأ وصلى خاليا عنه كان فى حكم الصحيح"

معذور کی (جیسے زید) کی نماز ضرورۃ جائز قرار دی گئی ہے، اس لیے کسی دوسرے کو اس کی اقتدا صحیح نہیں، مطلب یہ ہے کہ عذر کی حالت میں وضو کیا ہو، یا وضو کرنے کے بعد وہ عذر پیدا ہو گیا ہو اور اگر وضو کے بعد عذر پیدا ہوئے بغیر صاف ستھری نماز پڑھا لے گیا تو وہ تندرست کے حکم میں ہے اور امامت صحیح ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی دارالعلوم شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۸۶/۲/۲

(۹-۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) دیوبندی، تبلیغی، وہابی، جماعت اسلامی اور اہل حدیث کے اماموں کے پیچھے سنیوں کی نماز ہوسکتی ہے کہ نہیں، اور وہ امام ظاہر میں سنیوں جیسا کہتا ہے باطن میں دیوبندی ہے جو جماعت اسلامی کی کتابوں پر عمل کرتا ہے ان اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے حالانکہ وہ سنی ہے مگر مجبوری سے سب کو ہول ہوں کہتا ہے۔

(۲) اب گاؤں میں ماحول برابر جھگڑے فساد کا ہے لوگ سنی ہیں مگر علم نہیں امام سنی جیسا کہتا ہے اور دیوبندی ہے اس لیے فرض نماز مسجد میں اکیلے پڑھنے یا مجبوراً گھر میں پڑھنا کیسا ہے فرض نماز گھر میں ہوتی یا نہیں؟

(۳) ایک دیوبندی امام جمعہ کے دن ممبر پر کھڑے ہوکر یہ کہدے کہ جب فجر کی اذان

مؤذن الصلوۃ خیر من النوم کہے اور آدمی نماز کے لیے نہیں اٹھا تو شیطان کان میں پیشاب کر کے چلا جاتا ہے۔ تو اسی وقت امام کو روک دینا کیسا ہے؟

(۴) بیت المال کے روپیوں میں سے ماہانہ ایک آدمی کو ۱۵۰ روپیہ دینا اور ماہانہ ایک سوساٹھ (۱۶۰) روپیہ لے لینا اور اس طرح پیسہ بڑھانا اور ان پیسوں سے دیگ لا کر کرائے پر دینا کیسا ہے؟

(۵) ماہانہ چھٹی ڈال کر اس کے سود کے روپیوں سے مسجد کے کام میں لینا اور مسجد کا گنبد بنانا۔ ایسی مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۶) ایک مسلمان نے داڑھی چھوڑا ہے اس کو گورنمنٹ بس میں ڈرائیور کا کام مل رہا ہے اس لیے گورنمنٹ نے کہا تم داڑھی نکال دو اور فوٹو نکالو ورنہ آپ کو کام نہیں ملے گا۔

(۷) ایک مسلمان مرد عبدالغنی اور ہندو عورت چالیس برس تک ساتھ رہے اور ان کا ۲۵ برس کا لڑکا ہے جس کا نام عبدالبشیر ہے، چالیس برس کسی جماعت نے ان کا خیال نہیں کیا اب ہندو عورت جماعت سے کہتی ہے کہ میں مسلمان بننا چاہتی ہوں۔ اور ان کے ساتھ میرا نکاح کر دیا جائے اب ان کا نکاح کس طرح کرنا چاہیے۔ دیوبندی عالم کہتا ہے کہ عورت اور مرد کو تین مہینہ تیرہ دن عدت کرانا چاہیے یہ غلط ہے یا صحیح؟

(۸) سیدنا غوث اعظم کی گیارہویں شریف دھوم دھام سے کن لوگوں کو کرنا ہے اور قرض لے کر کرنا کیسا ہے؟

المستفتی احمد خاں مینگوا اینڈ کو کونٹ انجمن محلہ شریف بیر ۱۱۴۷۷۵ کڈور تعلق چک منگلور ڈرسنگ کرنا ٹک

الجواب

(۱) وہابی، دیوبندی، تبلیغی، جماعت اسلامی یہ تمام فرقے گمراہ و بددین ہیں جو امام ان بدعقیدہ لوگوں میں سے ہو یا ان کی گمراہی پر مطلع ہو کر بھی انہیں سچا پکا مسلمان سمجھتا ہو، ادنی درجہ اس کا یہ ہے کہ وہ خود بدعقیدہ و گمراہ ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز ناجائز ہے اور جان بوجھ کر ایسے آدمی کو امام بنانا گناہ ہے عالم گیری میں ہے: "وان کان هوی لایکفر به صاحبه تجوز الصلوة خلفه مع الکراهة والا فلا ـ (۱/۱۰۷)

جس کی گمراہی حد کفر کو پہونچی ہوا سکے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں اور جس کی گمراہی ایسی نہ ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ اور پڑھ لیا تو دہرائے۔

ایمان واعتقاد کے بارے میں مجبوری کی حد یہ ہے کہ جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو اس سے کم ہو تو مجبوری نہیں مداہنت ہے۔

ان اکرہ علی ذلک بحبس او بضرب او قید لم یحل ذلک الا ان یکرہ بما یخاف منہ علی نفسہ او عضو من اعضائہ۔

ایسے امام کے پیچھے بھی نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہے۔ وہابیوں، نجدیوں، تبلیغیوں، جماعت اسلامی اور اہل حدیث کے عقائد معلوم کرنے کے لیے "المصباح الجدید" دیوبندی مذہب، زلزلہ وغیرہ کتابیں مطالعہ کیا کریں۔

(۲) نماز اکیلے بھی ہو جاتی ہے اور گھر میں بھی۔ لیکن بلاضرورت گھر میں ہی پڑھنا اور مسجد میں نہ جانا منع ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لاصلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد ۔(السنن الکبری:۳/۷۵)

اسی طرح بلاضرورت جماعت چھوڑنا بھی گناہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

الجماعۃ من سنن الھدی لایتخلفھا الا المنافق۔(نصب الرایۃ:۲/۲۱)

لیکن اگر کوئی شرعی عذر ہو جیسے امام غلط ہو جیسا کہ سوال میں لکھا ہے تو اگر اپنی جماعت مسجد میں ممکن ہو تو وہیں علیحدہ جماعت سے پڑھیں اور اس میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو اکیلے ہی مسجد میں علیحدہ پڑھیں اور اس میں بھی فساد کا اندیشہ ہو تو گھر میں باجماعت یا تنہا، جیسا ممکن ہو پڑھ سکتے ہیں۔

(۳) حدیث میں اتنی تفصیل نہیں مگر یہ ہے کہ دن نکلنے کے وقت تک سونے والے کے کان میں شیطان پیشاب کرتا ہے، الفاظ یہ ہیں:

ذکر عند النبی ﷺ رجل فقیل مازال نائما حتی اصبح ماقام الی الصلوۃ قال ذلک رجل بال الشیطان فی اذنہ ۔(مشکاۃ: حدیث.۱۲۲۱)

اس لیے جو آدمی ممبر یا کہیں بھی یہ حدیث بیان کرے اس کو روکنا نہیں چاہئے باقی دیوبندی امام کو ممبر پر کھڑا کرنا ہی ناجائز ہے۔

(۴) یہ جوئے کا کاروبار ہے اور ایسا کرنا حرام ہے۔

قرآن شریف میں ہے: ﴿والخمر والمیسر﴾

جتنا پیسہ جن جن لوگوں سے زائد لیا ہے۔ اس کو واپس کریں یہی اس کے توبہ کا طریقہ ہے۔

(۵) سود کا پیسہ مسجد میں لگانا حرام ہے۔

ان اللہ لایقبل الا الطیب ۔

جن لوگوں نے ایسی حرکت کی سب سخت گنہگار ہوئے مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

(۶) روزی کے لیے حد شرع سے داڑھی کم کرنا جائز نہیں کسی دوسرے ذریعہ سے روزی تلاش کرے جس میں یہ حرام کاری نہ ہو اللہ و رسول کی خلاف ورزی میں کسی کی اطاعت نہیں کیجا سکتی۔

(۷) بر تقدیر صدق مستفتی مسمی عبد الغنی نے وہ گناہ کیا ہے کہ اگر اسلامی حکومت ہوتی اور وہ شادی شدہ ہوتا تو پتھر مار مار کر اسے ہلاک کر دیا جاتا۔ اور کنوارا ہوتا تو سو کوڑے مارے جارتے۔ اب آزادی ہے او رمسلمان دین و مذہب سے بیگانے، جب ہوس کی آگ بجھ جاتی ہے تو اللہ و رسول یاد آتے ہیں۔ موجودہ صورت میں سب سے پہلا حکم تو یہ ہے کہ وہ دونوں ایک دم علیحدہ ہو جائیں کوئی تعلق نہ رکھیں۔ عبد الغنی صدق دل سے توبہ کرے اور آئندہ کے لیے عزم کرے کہ ایسا گناہ نہ کروں گا۔ اور عورت اسلام لے آئے اس کے بعد دونوں کا نکاح ہو سکتا ہے عدت کی ضرورت نہیں حکم یہ ہے کہ۔ لا حرمۃ لماء الزانی۔

(۸) حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارھویں شریف کی فاتحہ نہ فرض ہے نہ واجب، نہ اس کی کوئی خاص مقدار ہے کہ اتنی ہی مقدار میں ہو یہ تو حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حسن اعتقاد ہے۔ جس آدمی سے جتنی ہو سکے اور جب ہو سکے۔ نہ اسکے لیے قرض لینا ضروری کہ پاس پیسہ نہ ہو تو قرض لے کر کرو۔ وہابی دیوبندی اس کو منع کرتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک یہ باعث ثواب اور مستحسن فعل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۲۸؍ جمادی الاخری ۱۴۰۶ھ

(۱۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

حضور والا آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ بھیج رہا ہوں امید ہے کہ آپ مسئلہ کا جواب ٹھیک اور پر امن طور پر دے دیں گے، ہمارے گاؤں میں تقریباً ۱۵۰ ایک سو پچاس مسلمانوں کی آبادی ہے جس میں کوئی عالم فاضل نہیں ہے ایک صاحب ہیں جو شروع سے نماز پڑھاتے تھے، لیکن قریب ایک سال سے فاتحہ، قیام، سلام اور بزرگان دین کو نہیں مانتے ہیں، اور اس معاملے میں ایک صاحب جوان کے بھتیجے لگتے ہیں وہ صاحب ان سے بحث کیے تو امام صاحب نے بلا جھجک کہہ دیا کہ ہمارے پیچھے آپ لوگوں کی نماز نہیں ہوگی اور فاسد ہو جائے گی، پھر وہ تین مہینہ تک نماز نہیں پڑھائے اور اس درمیان انہیں کے انتخاب کیے ہوئے امام نماز پڑھاتے تھے اور بذات خود ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے یہ سلسلہ تین مہینے تک چلتا رہا اس کے بعد گاؤں کے چند لوگ نے ان کو دوبارہ امامت کے لیے لائے تب سے دو فرقہ ہو گیا ایک نیاز، فاتحہ، اور قیام و سلام کرنے والے اور ایک نہیں ماننے والے، تبھی سے مسجد میں دو جماعت ہونے لگی ہم لوگوں کی جماعت میں زیادہ انپڑھ لوگ ہیں اس میں دو ہی لوگ امامت کے قابل ہیں ایک صاحب تو

امامت کرتے ہیں، لیکن ان کی معلومات کچھ محدود ہے ایک صاحب امامت کرنے سے گھبراتے ہیں، کیونکہ وہ نس بندی کرا چکے ہیں وہ نسبندی اس وقت کرائے تھے جب کہ امام بخاری صاحب کا اعلان تھا۔

آپ صرف اس مسئلہ میں یعنی کہ وہ امامت کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ جو نسبندی کرا چکے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ہم لوگ پہلے والے امام یعنی جو قیام سلام اور فاتحہ نہیں کرتے ان کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟ اگر پڑھیں تو کس شرط پر نماز پڑھیں آپ اس مسئلہ کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دیں۔ فقط والسلام

آپ کا مشکور اقبال احمد صفی اللہ انصاری، نصیر احمد انصاری، شرعی خاں، مقام نوارہ پوسٹ نگر ضلع بلیا۔ یوپی

الجواب

(۱) قیام وسلام وغیرہ مندوبات کے منکر آجکل وہابی دیوبندی ہیں جن کا ادنی درجہ یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے پڑھ لی تو دہرانا واجب اور ایسے شخص کو امام بنانا گناہ ہے۔

شامی میں ہے: "ومشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم"

(در مختار: ۲/۲۵۵)

(۲) نس بندی کرانا ضرور گناہ ہے۔ لیکن ایسا شخص اگر توبہ صادقہ کر لے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے جرم کی معافی چاہ لے تو اس کی امامت میں کوئی خلل نہیں جب کہ دوسرا کوئی امر امامت کے منافی نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے: التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۵/ ذوالقعدہ ۱۴۰۶ھ

(۱۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک عیدگاہ میں تقریباً تیرہ (۱۳) چودہ (۱۴) گاؤں کے لوگ عیدین کی نماز پڑھنے آتے ہیں جس میں ایک امام صاحب عیدین کی نماز بہت عرصہ تقریباً پچاس سال سے امامت کرتے چلے آرہے ہیں، اب کافی ضعیف ہو چکے ہیں مگر آسانی کے ساتھ نماز عیدین پڑھا سکتے ہیں، اب امام صاحب اپنی حیات میں اپنے پوتے کو نماز عیدین کی امامت سپرد کرنا چاہتے ہیں، ایک جماعت کثیر تعداد میں اس بات کو پسند نہیں کرتی ہے، اب علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ کیا امام صاحب جو قدیم زمانہ سے امامت کے عہدے پر فائز ہیں انہیں کو حق پہونچتا ہے کہ جس کو چاہیں امام منتخب کریں یا عوام کو اختیار ہے جس سے چاہیں امامت کی خدمت انجام لیں۔ لہذا حضور عالی سے پرخلوص استدعا ہے کہ اس مسئلہ کو تفصیل کے طریقہ سے قلمبند فرمائیں کہ ہم عوام کے درمیان اختلاف وانتشار کی صورت پیدا نہ ہو سکے۔

احقر محمد وصی اللہ بجلی کالونی کوڑی دام گورکھپور

الجواب

امامت کوئی جائیداد یا میراث نہیں ہے کہ باپ کے بعد بیٹا یا پوتا پائے جو شخص امامت کے لائق ہو اس کو مصلے سپرد کرنا چاہئے، امام صاحب کا پوتا اگر اہل ہو امامت کرسکتا ہے اور مسلمانوں کو بھی اس پر راضی ہو جانا چاہئے اور نااہل ہو تو امام صاحب لاکھ مقرر کریں وہ امام ہو نہیں سکتا۔ امام صاحب امامت سے استعفا دے دیں یا ان کا انتقال ہو جائے تو البتہ اہل محلہ کو اس کا حق پہونچتا ہے کہ وہ جس کو اپنے میں افضل دیکھیں اسی کو امام مقرر کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۸ جمادی الاولی ۱۴۰۷ھ

(۱۲) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

درگاہ گاؤں میں عفت اللہ صاحب میاں جی جو خاندانی جامع مسجد کے پیش امام ہیں یہ کچھ دعا تعویذ کر کے اپنی زندگی گزارتے ہیں ادھر چند برسوں سے ان کی سوسائٹی سوکھئے اور اوجھئے یعنی غیر مسلموں کے ساتھ مل کر اپنا ذریعہ معاش بنالیے ہیں نماز وجماعت کی پابندی بالکل ترک کردیئے ہیں بلکہ کبھی نماز پڑھانے آتے ہیں تو نماز بعد دیکھا جاتا ہے کہ غیر مسلم سوکھا لوگ مسجد سے نکلتے ہیں تو ان کو لے کر اس قسم کے کام کے لیے لے کر نکل جاتے ہیں۔ پیش امام کے رویئے پر گاؤں کے عوام الناس میں بے اعتمادی پائی جاتی ہے چونکہ بالکل جاہلوں کی آبادی ہے اور خاندانی میاں جی ہیں پورے گاؤں پر یہ خوف طاری رہتا ہے کہ اگر ان کی اس حرکت کا ذکر کردیا جائے میاں جی شاید ہماری نماز جنازہ وغیرہ نہ پڑھائیں کچھ لوگوں نے ہمت کر کے کبھی سمجھانے کی کوشش کی تو انہوں نے جواب یہی دیا کہ ہم ان لوگوں کو (یعنی سوکھا) اس لیے ساتھ رکھتے ہیں جناتوں میں کئی قوم ہوتی ہے جن میں ایک قوم خبیث کی ہوتی ہے۔ ان کو جب پکڑا جاتا ہے وہ خنزیر بنکر نابدان میں چھپ جاتے ہیں اس لیے وہاں سے پکڑنے کے لیے ان لوگوں کو بھی میں ساتھ لیے رہتا ہوں۔ اور اس طریقے سے ہم لوگ مل جل کر کام کرتے ہیں ایک ہریجن کے مقدمے میں عدالت میں شہادت دے کر کھانا وخرچ کے علاوہ ایک جوڑا جوتا بھی بخشش میں لیے یہ کہاں تک جائز ہے۔

ہمارے گاؤں میں ایک مسلمان آدمی کچی شراب کی دوکان کھول رکھا ہے جو مسجد سے پچاس گز کے فاصلہ پر واقع ہے، شراب بیچنے والے وہاں چند مسلمانوں کے کھانے کھلانے سے انکار کرنے پر عفت اللہ میاں جی نے مسجد میں اعلان کیا کہ میں اور میرے ساتھ جتنے ہمراہی ہیں شراب بیچنے والے اور پینے والے کے یہاں کھائیں گے اور کھلائیں گے۔ بلکہ کچھ جملہ بھی استعمال کیا گاؤں میں مسلمانوں میں آپسی

نااتفاقی اور کشیدگی بڑھ گئی۔

گاؤں والوں کی بے حد مجبوری ہے کہ مجبورا مصلحتا ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں چونکہ ہم لوگ بالکل جاہل وگنوار ہیں ایسی صورت میں ہماری نماز ہوئی یا نہیں؟ اس کے بارے میں مسئلہ بیان فرمائیں۔

عفت اللہ میاں جی دھنپال سوکھا کو لے کر ہفتوں ہفتوں تک روزی روٹی کے لیے نکل جایا کرتے ہیں۔

اور شراب بیچنے والے کا جس کا صرف ذریعہ معاش شراب ہی ہے اس کے وہاں کھلانا کھانا کیسا ہے یا کسی کے یہاں دعوت میں کھانا کیسا ہے؟ ان مسئلوں کو تحریر فرمائیں۔ فقط والسلام

محمد نصیرالدین موضع درگاہ شریف ضلع اعظم گڑھ

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی سوال میں ذکر کئے ہوئے امام کا کم سے کم شرعی حکم یہ ہے کہ وہ فاسق معلن ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"ومن اتی کاھنا فقد کفر بما انزل علی محمد ﷺ" (التاریخ الکبیر: ۳/۱۷)

ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ اور ایسے آدمی کا امام بنانا گناہ اور امام ہو گیا ہو تو بشرط استطاعت اس کو امامت سے علیحدہ کرنا واجب ہے۔

شامی میں ہے: "مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریمۃ" (در مختار: ۲/۲۵۵)

ایسے شخص سے جنازہ کی نماز پڑھوانا بھی جائز نہیں تو اس بات کا ڈر کیا کہ وہ نماز جنازہ نہیں پڑھائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۱۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید مولوی ہے اور امامت کرتا ہے۔ اور اس کے سارے لڑکے بھی مولانا ہیں اور زید کی بہو بالغ لڑکے کو ساتھ لے کر جنگل گئی۔ اور شام کو گھر آئی اور لوگوں نے جاتے دیکھا اور آتے دیکھا اب وہ لڑکی زید کے لڑکے کے ساتھ حالت نکاح میں ہے یا وہ طلاق کے لائق ہے؟ اس میں زنا کا ثبوت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اب گاؤں والے کہتے ہیں کہ زید امامت کرتا ہے اور اس کی بہو لڑکا لے کر جنگل جاتی ہے اس لیے زید امامت کے لائق نہیں۔

لہذا حضور والا سے گزارش ہے کہ شریعت کیا حکم دیتی ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔ المستفتی مولوی محمد نظام الدین مقام وپوسٹ چوبے ضلع ہزاری باغ بہار

الجواب

صرف اتنی بات سے اس عورت پر زنا کا ثبوت نہیں ہوتا۔

قرآن شریف میں ہے: ﴿لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ﴾[النور:۱۳]

زنا کے ثبوت کے لیے چار عینی گواہ کیوں نہیں لائے۔

جنہوں نے دونوں کو مصروف دیکھا ہو۔ نیز زانی عورت کو طلاق ضروری نہیں۔

شامی میں ہے: "لاتجب تطليق الفاجرة"

ہاں ایسی عورت کی تنبیہ اور ہدایت اور نگرانی بلکہ گھر میں روک رکھنا ضروری ہے۔ پھر بھی عورت کا اجنبی کے ساتھ یوں بے پردہ باہر رہنا حرام ہے۔ اس کے شوہر کو لازم ہے کہ وہ اپنی عورت کو اس حرکت سے باز رکھے ورنہ وہ بھی اس گناہ پر راضی ہونے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ رہ گیا زید اس کے اوپر شوہر جیسی ذمہ داری نہیں پھر بھی اس کو یہ ضروری ہے کہ اس کو روکے اور منع کرے۔ اور اس کی اس حرکت سے برأت ظاہر کرے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس کی امامت میں خلل نہیں۔ ورنہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو اس کے لڑکے کیلیے لکھا گیا۔ لیکن شریعت کا مسئلہ صرف امام صاحب اور ان کے گھر والوں کے لیے نہیں تمام مقتدی بلکہ اور پورے علاقہ کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی اپنی عورتوں کو بے پردہ گھومنے سے منع کریں۔ یہ نہیں کہ امام کے لیے فتویٰ پوچھیں اور اپنی عورتوں کو آزاد جنگل سے لکڑی کاٹنے کے لیے چھوڑے رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۸/ جمادی الاولیٰ ۹ ۱۴۰ھ

(۱۴۔۲۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ

(۱) کیا ایسے شخص کی اقتدا جائز ہے اور امامت کر سکتا ہے جو داڑھی تراشتا ہو اور سر میں اور داڑھی میں خضاب لگاتا ہو؟

(۲) ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر بغیر عینی شہادت کے کوئی الزام لگایا اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے اور ایسے کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں؟

(۳) امام کے لیے کن کن شرائط کا ہونا ضروری ہے اور وہ شرائط کیا ہیں تفصیل سے تحریر کریں۔

(۴) کیا بیاج لینے والے کے پیچھے نماز جائز ہے اور کیا نااہل کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے؟

(۵) کیا حکم ہے کہ ایک مسجد ہے، ایک وقت میں کئی حفاظ ہیں اور کئی قرا بھی ہیں اور کئی پرہیزگار بھی ہیں اور مقررہ امام سے قوم خلاف ہوگئی ہے کسی وجہ سے بغیر عینی شہادت کے، تو اس حالت میں امام کا چناؤ کس طریقہ سے کیا جائے گا؟ تفصیل سے تحریر کریں۔

(۶) ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے جس کی بیوی باہر پھرتی ہے؟

(۷) اگر کوئی مسلمان کسی بات پر قرآن اٹھاتا ہے تو دوسرے کو کیا کرنا چاہئے اس میں بھلائی امام ہی کی کیوں نہ ہو شریعت کیا کہتی ہے جو مسلمان قرآن کی قسم نہ مانے۔

المستفتی المتکلم قادری ایاز احمد چشتی

الجواب

(۱) سیاہ رنگ کا خضاب منع ہے دوسرے رنگ کا ہو تو منع نہیں داڑھی منڈانا حد شرع سے کم کرانا حرام ہے۔

درمختار میں ہے: "ویحرم قطعه والسنة فيه القبضة"

داڑھی منڈانے والا فاسق معلن ہے ایسے آدمی کو امام بنایا گیا ہے یا بن گیا تو بشرط استطاعت علیحدہ کرنا واجب۔

شامی میں ہے: "ومشیٰ فی شرح المنية علی ان كراهة تقديمه كراهة تحريمة"

ایسے کے پیچھے نماز پڑھنا منع اور پڑھ لی ہو تو لوٹائیں۔

اسی میں ہے: "وكل صلاة اديت مع كراهة تحريمة تجب اعادتها"

(در مختار: ۲/۱۳۰)

(۲) یہ سوال بہت مبہم ہے سوال سے ظاہر نہیں ہوتا کہ جس پر الزام لگا اس کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے یا جس نے الزام لگایا اس کے بارے میں سوال ہے، پھر جواب میں اس سے بھی فرق پڑے گا کہ الزام صحیح ہے یا غلط کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ الزام صحیح ہو لیکن اس کے ثبوت کے لیے آدمی کے پاس گواہ نہ ہوں۔

الغرض پہلے تو الزام کی نوعیت معلوم ہونا چاہئے کہ کسی ایسی بات کا الزام لگا ہے جس سے وہ شخص فاسق ہو جاتا ہو جس پر الزام لگایا گیا ہو یعنی اس کے خلاف گناہ کبیرہ کا الزام ہو۔ ایسا الزام اگر واقع میں صحیح ہو لیکن شہادت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ثبوت نہ ہو سکا تو اس کا فسق بالاعلان نہ ہوا۔ اس لیے اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی اور اگر الزام ہو اور یہ شخص اس قسم کی الزام تراشی میں مشہور نہ ہو تو یہ بھی فاسق معلن نہ ہوا اس کی اقتدا بھی جائز ہوگی۔

(۳) کتب فقہ میں چھ شرطیں ہیں۔ (۱) اسلام (۲) بلوغ (۳) عاقل (۴) مرد (۵) قرأت (۶) معذور نہ ہونا۔ مگر یہ بے حد مجمل ہے اور تفصیل بہت لمبی ہے۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۱۰ اور اس

کے بعد فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۲۸۵ رمیں تفصیل دیکھی جائے۔

(۴) سود لینا حرام ہے سود خور کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، نااہل کی آپ نے تشریح نہیں کی اس سے کیا مراد ہے اس لیے جواب سے معذور ہیں۔

(۵) یہاں بھی آپ نے گول مول بات کی جب تک خلاف ہونے کی وجہ نہیں ظاہر کی جائے گی صحیح حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

(۶) اگر عورت کو بے پردہ گھومنے پر منع کرتا ہے، لیکن وہ نہیں مانتی تو امام کا قصور نہیں اس کی امامت جائز ہے، اور اگر امام اس کے اس فعل سے راضی ہے یا یونہی خاموش ہے تو یہ بھی فاسق ہوا اور اس کی امامت مکروہ ہے۔

(۷) مسلم قسم کھاتا ہے اور اس کے خلاف کوئی شرعی ثبوت نہیں تو مسلمان کو اس کی قسم کا ضرور اعتبار کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۲ رذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ

(۲۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کو عالم سمجھ کر بعض لوگوں نے استفتاء کیا کہ دیوبندی کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں۔ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ کیوں نہیں ہوگی۔ بالکل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ وہ بھی خدا کا کلام پڑھتا ہے۔ نہ کہ اپنا۔

لہذا تمام لوگ دیوبندی کے پیچھے نماز پڑھنے لگے اور حقیقت یہ ہے کہ زید عالم بھی ہے۔ اور صوفی وقت بھی تو زید پر کیا حکم کیا جائے۔ اسکے حکم سے دیوبندیوں کے پیچھے پڑھے وقت کی نماز ہوگی کہ نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی منزل حسین شمس العلوم گھوسی

الجواب

زید صاحب نہ عالم ہیں نہ صوفی، عالم تو اس لیے نہیں کہ انہوں نے غلط مسئلہ بتایا۔ کیا غیر مسلم قرآن سے نماز پڑھا دے تو نماز ہو جائے گی؟ امامت کے لیے ایمان اور اسلام ضروری ہے۔

عالم گیری میں ہے:

"وان کان صاحب هوی لایکفر بها صاحبها یجوز الصلوة خلفه مع الکراهة والا فلا"

(عالم گیری: ۱/ ۱۰۷)

اور دیوبندیوں پر عرب وعجم کے علماء نے کفر کا فتوی دیا ہے۔ اس لیے ان کے پیچھے ہرگز نماز نہ ہوگی۔

جو شخص جان بوجھکر ان کے پیچھے نماز پڑھے یعنی ان کے کفریات پر مطلع ہوکر۔ وہ خود انہیں کی طرح ہوگیا۔ صوفی صاحب نے تو نماز کے جواز کا فتوی دیا ہے طریقت کا مسئلہ کچھ اور سخت ہے۔ جو شریعت کا مسئلہ نہ جانے وہ اللہ کا بھید کیسے جانے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۲۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید ایک جاہل آدمی ہے۔ وہ چند سورہ رٹ کر نماز پڑھاتا ہے اور نماز کے مسائل سے بھی واقف نہیں اس کے پیچھے ایک لڑکا تعلیم حاصل کررہا تھا۔ بعد فراغت وہ گھر آیا تو اس سے زید نے کہا کہ اب تک نماز میں پڑھاتا تھا اب امامت آپ کو سپرد کرتا ہوں اس کے بعد خالد (عالم) نماز پڑھانے لگا لیکن کچھ دنوں کے بعد ملازمت کی غرض سے باہر چلا گیا۔ جاتے وقت خالد نے زید سے کہا: میں باہر جارہا ہوں میری عدم موجودگی میں آپ نماز پڑھائیں۔ پھر جب واپس آؤنگا تو پڑھاؤں گا۔ چند ماہ بعد جب خالد گھر آیا اور نماز پڑھانا شروع کیا تو زید لوگوں سے کہنے لگا کہ خالد کے پیچھے نماز درست نہیں کہ وہ باہر رہتا ہے جب بھی گھر آئے گا مسافر رہے گا۔ اور مسافر کے پیچھے مقیم کی نماز درست نہیں۔

(۲) اس وقت زید نماز پڑھاتا ہے مگر اس کا تعلق دیوبندیوں سے زیادہ رہتا ہے اور اس مسجد میں دیوبندیوں کا آنا جانا بھی ہے، خطرہ یہ ہے کہ پورا گاؤں دیوبندی نہ ہوجائے اور خالد عالم کا کہنا ہے کہ نماز میں پڑھاؤں گا، کیوں کہ میری اور تمام مصلیان کی نماز ایسے جاہل اور بدعقیدہ کے پیچھے درست نہیں۔ بینوا توجروا

المستفتی مولوی عبدالحمید مقام محی الدین پور پوسٹ فتح پور تال گھوسی ضلع مئو

الجواب

بلاشبہ مسافر کے پیچھے مقیم کی نماز درست ہوتی ہے۔ زید نے غلط فتویٰ دیا اس کو توبہ کرنی چاہئے، اسی طرح خالد جب اسی گاؤں کا باشندہ ہے تو وہ جب بھی اپنے گاؤں آئے گا مقیم ہوجائے گا۔ زید کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مسافر رہے گا۔ بر تقدیر صدق مستفتی بدعقیدہ کی امامت ناجائز۔ اور اس کو امام بنانا گناہ۔ شامی میں ہے۔ "ومشی فی شرح المنیہ ان کراهة تقدیمه کراهة تحریمة"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۸/ صفر المظفر ۱۰ھ

(۲۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید سنی عالم ہے اس وجہ سے اپنے گاؤں کا مستقل امام بھی ہے لیکن کچھ دنوں سے سرکاری ملازمت اختیار کرلینے کے بعد نماز جمعہ دیوبندیوں کے پیچھے ادا کرتا ہے آیا اب اس کے پیچھے سنیوں کی نماز

ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی اصغر علی مدرس مدرسہ علیمیہ رضاء العلوم سنہ فتحپوری

الجواب

اگر دیوبندی کے کفر پر مطلع ہو کر انہیں مسلمان سمجھ کر ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو اس کی امامت درست نہیں اور اس کے پیچھے نماز باطل ہے اور اگر لاعلمی میں یا گناہ سمجھ کر پڑھتا ہے جیسے بعض لوگ تاڑی شراب پینے لگتے ہیں تو اس کی امامت مکروہ اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھ لی تو دھراؤ۔ عالم گیری میں ۱/۱۰۲ پر ہے:

وان كان صاحب هوى لايكفر بها صاحبهاتجوز الصلوة خلفه مع الكراهة والافلا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۵؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

(۲۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک آدمی شادی کیا تھا لیکن اس کی بیوی کچھ دن بعد ایک شخص کے ساتھ بھاگ گئی وہ اب تک طلاق نہیں دیا اور امامت کرتا ہے تو اس کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے مطلع کریں۔

الجواب

اگر زید عورت کے اس فعل پر راضی نہیں تو اس کا کوئی گناہ نہیں نہ اس فاحشہ عورت کو طلاق دینا اس پر ضروری ہے۔ شامی میں ہے: ولا يجب عليه تطليق الفاجرة

ایسے شخص کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم شمس العلوم گھوسی مئو ۵؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

(۲۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک خاندان کے تین چچیرے بھائی تھے۔ (۱) عمر (۲) بکر (۳) خالد

عمر اپنا وطن چھوڑ کر رنگون چلا گیا، عمر کی دو لڑکی شادی شدہ ایک کا نام ہندہ اور چھوٹی لڑکی کا نام خالدہ، عمر رنگون جاتے وقت اپنے بھائی کو اپنی جائداد یعنی کھیت وغیرہ کا مالک بنا دیا تھا اور بارہا خطوط بھی لکھتا تھا کہ میرے کھیت کے مالک تم ہی ہو۔ خالد بھی عمر کی لڑکی کو ہر تقریب کے موقع پر اپنے گھر بلا لیتے اور باعزت رخصت کرتے رہے۔ اب دوسرے خاندان کا شخص زید عمر کی بڑی لڑکی ہندہ کے گھر جا کر ہندہ کو لالچ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اب تمہارا کون ہے۔ تمہارے والد تو رنگون گئے اور وہیں بس بھی گئے۔ لہٰذا تم اپنے نام سے کھیت کرلو اور ہمارے نام سے لکھوا دو۔ اب تم ہمارے گھر آنا جانا، اس بات پر ہندہ نے

جواب دیا کہ میری ایک بہن خالدہ بھی تو ہے۔ زید نے کہا بڑی لڑکی کا نام ہی پہلے ہوتا ہے۔ ہندہ کے نام سے کھیت کرنے کے بعد زید اپنے نام سے ہندہ سے کھیت لکھوالیا قیمت طے ہوئی سترہ ہزارروپئے اور وہ بھی پانچ ماہ بعد دینے کے لیے زید نے ہندہ سے کہا۔ پھر ادھر جب خالد کو معلوم ہوا کہ میرا کھیت تو زید نے اپنے نام سے لکھوالیا ہے تو خالد خوب رویا یہاں تک کہ تین دن فاقہ بھی رہا۔ بعدہ خالدہ کو بلایا اور سارا قصہ بیان کیا خالدہ سنکر روتی ہوئی زید کے گھر گئی اوران سے کہا کہ کیسے ہمت ہوئی کھیت لکھوانے کی جب کہ میرے چچا خالد ہیں۔ زید نے جواب دیا کہ اب تم چلی جاؤ جو کرنا ہو کر ڈالو، خالدہ اب اپنے چچا خالد کے گھر آتی ہے بعدہ اپنے آدھے حصہ کے لیے مقدمہ کرتی ہے، پھراب چند ماہ بعد ہندہ بیچاری بھی روتی ہوئی اپنے چچا خالد کے پاس آتی ہے اوراپنے چچا سے غلطی کی معافی مانگتی ہے اور سارا قصہ چچا کو سناتی ہے اس وقت دونوں بہن ملکر مقدمہ لڑرہی ہیں زید مقدمہ لڑنے کے لیے ایک غیر مسلم راجپوت کو لگادیتا ہے یہ راجپوت دونوں لڑکیوں کو ڈراتا دھمکاتا رہتا ہے، کیا زید جو کہ داڑھی رکھا ہے میلاد و جلسہ میں نصیحت کرتا ہے اور امامت بھی کرتا ہے، ایسے شخص کے ساتھ بیٹھنا، اٹھنا سلام وکلام کرنا اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے اس قسم کے شخص کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی محمد صدیق پہنا۔ دیوریا

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی زید فاسق معلن ہے اس کو امام بنانا گناہ اور بنادیا تو ہٹانا واجب اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ شامی میں ہے: ومشی فی شرح المنیة علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم" واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۴ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

(۲۶۔۲۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) جامع مسجد کے امام کہتے ہیں کہ محرم منانا حرام ہے اور عوام کہتی ہے جائز ہے لہٰذا اس صورت میں امام کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں نیز اس کا قول صحیح ہے۔ فقط

(۲) نس بندی کرانے والا شخص امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

محمد عرفان الحق ساکن انوایاں بھتراء روڈ بلیا (یوپی)

الجواب

(۱) اگر امام صاحب کی مراد محرم منانے سے مروجہ تعزیہ داری ہے تو یہ بے شک حرام ہے اور امام

صاحب، صحیح کہتے ہیں، صرف اتنی بات پر ان کی امامت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اگر ان میں اس کے علاوہ اور کوئی ایسی خرابی نہ ہو جس سے ان کی امامت میں فرق پڑتا ہو۔

(۲) نس بندی کرنا ضرور نا جائز ہے لیکن اگر ایسا شخص توبہ کر لے تو اس کی امامت جائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے:" التائب من الذنب کمن لا ذنب له "(الترغیب: ٤/٩٧) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

(۲۸۔۲۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) زید جامع مسجد کا خطیب وامام ہے دوران خطابت متعدد مرتبہ کہہ چکا ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے گناہ ہوا اور ٹوکنے کے بعد بھی اپنی بات کو واپس نہیں لیا۔ سوال طلب امر یہ ہے کہ انبیاء ومرسلین سے بھی شرعاً گناہ کا صدور ہو سکتا ہے یا نہیں، اور انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات مقدس کے لیے لفظ گناہ کا استعمال اور اس کے قائل کے لیے کیا حکم ہے؟ مسلمان ومومن رہا یا خارج اسلام ہو گیا امام مذکور زید کی اقتدا میں نماز جائز ہے یا نہیں، اور جن نمازوں کی اقتداء امام مذکور زید کی کی گئی ہیں وہ درست ہوں گی یا واجب الاعادہ ہیں؟ صاف صاف حکم صادر فرمائیں۔

(۲) نیز امام مذکور زید اپنے آپ کو حافظ ہونے کا دعویدار ہے حالانکہ یہ امر گذشتہ رمضان المبارک میں مشاہدہ میں آچکا ہے کہ اچانک کوئی حافظ آیا اور بغرض ادائے گی نماز تراویح امام مذکورہ کی اقتداء کر لی، امام مذکور ایک سورہ تو بعید ایک آیت بھی صحیح طریقے سے نہیں پڑھ سکا۔ مختصر یہ ہے کہ قرآن مجید اسے صحیح طریقے پر یاد نہیں ہے، عوام الناس مقتدی جاہل ہیں اور حافظ مذکور نذرانہ کے لالچ میں لوگوں کو مکروفریب میں ڈالے ہوئے ہے، اس مکروفریب اور قرآن مجید صحیح یاد نہ ہونے کی بنیاد پر امام کے پیچھے ختم تراویح کی نماز جائز ہے یا نا جائز؟۔ بینوا توجروا

المستفتی عبدالسبحان خاں موضع اوسیا ضلع غازیپور یوپی

الجواب

(۱) بر تقدیر صدق مستفتی زید آدم علیہ السلام کی لغزش کو گناہ کہکر فاسق ہوا اور سمجھانے کے بعد بھی نہیں مانا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے۔ شامی میں ہے:" ومشی فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریمة" فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھ لی تو دہرائیں اور اس کو امام بنانا گناہ ہے انبیاء کی زلات کو گناہ کہنے والا گمراہ ہے۔

(۲) تراویح کی نماز میں صحیح خواں کی اقتداء کی جائے۔ غلط خواں بسا اوقات نماز فاسد کر دیگا۔

ایسوں کو امام بنانا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

(۴۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہماری ابوبکر چال اندھیری مارکیٹ کے پیچھے اندھیری ویسٹ میں واقع فاروقیہ مسجد میں کافی عرصہ سے جمعہ اور رمضان المبارک میں پنجوقتہ اور عیدین کی نمازیں لاؤڈ اسپیکر پر پڑھائی جاتی تھیں، اور بقیہ نمازیں بغیر لاؤڈ اسپیکر کے ادا کی جاتی ہیں۔ اختلاف شدید کے پیش نظر ابھی تک مائک بند نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن حسن اتفاق تقریباً تین مہینہ قبل مناظر اہل سنت حضرت علامہ الحاج محمد ادریس رضا خاں مدظلہ النورانی کی جمعہ میں آمد ہوئی۔ انہوں نے درمیان تقریر لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ بیان فرمایا اسی روز سے جمعہ کی نماز بھی بغیر لاؤڈ اسپیکر کے ادا کی جانے لگی۔

اب بہت سے لوگوں کا اعتراض ہے کہ مائک کیوں بند کیا گیا؟ ہم لوگ زمانے سے مائک سے نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں اور فلاں فلاں مسجد مثلاً زکریا مسجد، مینارہ مسجد، صابری مسجد وغیرہ میں لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھائی جاتی ہے۔ کیا وہاں کے امام عالم نہیں ہیں؟

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا لاؤڈ اسپیکر پر نماز ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز جو لوگ مائک کی تکبیرات انتقالیہ پر رکوع وسجود کرتے ہیں ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ نیز تراویح وعیدین وجمعہ کی نمازیں لاؤڈ اسپیکر سے پڑھانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور جن مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر سے نماز پڑھائی جاتی ہے کیا ان مسجدوں میں مائک استعمال کرنے کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر پر نماز جائز ہو جائے گی؟

وضاحت کے ساتھ ساتھ آسان لفظوں میں جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ نیز ملتجیانہ ومؤدبانہ گذارش ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے جواب دینے کی کوشش فرمائیں۔ فقط والسلام العبد: ماشاء اللہ نظامی منجانب: حاجی غلام نبی جنرل سکریٹری فاروقیہ مسجد

الجواب

بعون الملک الوہاب: مکرمی جناب حاجی غلام نبی صاحب سلام مسنون۔

میں آپ کو مسئلہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے بارے میں کوئی فتوی نہیں لکھتا مشورہ دیتا ہوں، لاؤڈ اسپیکر ایک نو ایجاد چیز ہے، فقہا، مجتہدین اور ائمہ ومشائخ متاخرین کے عہد میں اس کا وجود نہیں تھا۔ اس لیے فقہ کی متداول کتابوں میں اس کا کوئی جزئیہ مذکور نہیں۔ ایسی کوئی بھی چیز جب ظہور میں آتی ہے اس میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند سے پہلے اس کی حرمت کا فتوی شائع ہوا پھر اس کے جواز کا

فتویٰ شائع ہوا۔ اور پہلا حکم منسوخ ہوگیا۔ ہمارے علمائے حق اب تک اس مسئلہ پر متفق نہ ہو سکے۔ ہندوستان میں علمائے اہل سنت کی ایک مختصر جماعت اس کو جائز کہتی ہے اور بڑی جماعت ناجائز کہتی ہے۔

میرے استاد حضور حافظ ملت لکھا کرتے تھے، اس مسئلہ میں احتیاط یہی ہے کہ لاؤڈاسپیکر نماز میں نہ استعمال کیا جائے۔ وجہ یہ تھی کہ اگر بغیر لاؤڈاسپیکر کے نماز پڑھی جاتی ہے تو دونوں فریق اس کو جائز ہی کہیں گے کوئی ناجائز نہیں کہے گا۔ جب کہ ایک بڑا گروہ لاؤڈاسپیکر پر نماز پڑھنے کی صورت میں عدم جواز کا فتوی دے گا تو کام وہی کیا جائے کہ جس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہ ہو، مگر ہمارے عوام اس مسئلہ میں علماء سے زیادہ بے باک واقع ہوئے ہیں۔ لاؤڈاسپیکر نماز کے لیے کوئی ضروری نہیں مگر اس کے لیے ضد پر آگئے۔ اور بس چلا تو لاؤڈاسپیکر پر نماز نہ پڑھانے والے امام کو ہٹا کر دوسرے کو لائے خواہ وہ دیوبندی ہو یا دوسرے مذہب کا ہی کیوں نہ ہو۔ اور بس نہ چلا تو وہاں نماز پڑھنا ہی چھوڑ دی اور دوسری مسجد میں چلے گئے خواہ وہاں دیوبندی یا کوئی دوسرا بد مذہب ہی امام کیوں نہ ہو اور اس سلسلہ میں دنگا، فساد اور لڑائی جھگڑے سے بھی باز نہیں رہتے۔ میرا مشورہ فریقین کو یہ ہے کہ فتنہ فساد سے بچا جائے کہ الفتنة اشد من القتل۔ فقط والسلام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۳۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کی شادی ہوئی کچھ دنوں کے بعد دونوں میاں بیوی الگ الگ رہنے لگے۔ مثلا ایک چھپرہ میں دوسرا کلکتہ میں اور یہ تفریق دائمی طور پر بلا شبہ دونوں میں ہے۔ بعدہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا، اس پر عورت کا خرچ واجب ہوگا یا نہیں؟ اگر واجب ہوتا ہے تو عدم ادائیگی کی صورت میں اگر امامت کرے تو اس کی امامت درست ہوگی یا نہیں؟

عبدالمجید بڑگڑ بھر پور چھپرہ بہار

الجواب

نکاح صحیح کے بعد عورت کا نفقہ شوہر پر اس وقت واجب ہے جب عورت شوہر کے پاس رہے۔ یا شوہر کے پاس رہنے پر تیار ہو خود شوہر ہی اپنے پاس نہ لے جائے۔ اور عورت شوہر کے پاس جانے سے انکار کرے اور اس کا انکار ناحق نہ ہو تب بھی نفقہ پائے گی۔ رہا ناحق چلی گئی تو نفقہ نہیں پائے گی۔ سوال میں جس تفریق کا ذکر ہے پتہ نہیں اس میں زیادتی مرد کی ہے یا عورت کی، اگر عورت کی طرف سے ہو تو عورت مستحق نفقہ نہیں۔ یونہی چند مہینے کا نفقہ شوہر پر واجب تھا، اور عورت اس کے مکان سے بے اجازت چلی گئی تو یہ نفقہ بھی ساقط ہوگیا۔ عورت شوہر سے معقول وجہ کی بنا پر علیحدہ رہی اور شوہر سے اپنا نفقہ طلب نہ

کیا۔ اپنا گذارا کرتی رہی تو اب مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

الغرض وجوب نفقہ کا مسئلہ تفصیل طلب ہے اور طویل الذیل بھی، اس کو بنیاد بنا کر اس کی امامت کی صحت اور عدم صحت کا مسئلہ کھڑا کرنا درست نہیں۔ کیونکہ آپ کی یہ کوشش کسی کے خلاف انتقاماً ہو تو اس کے لیے آپ خود ہی ماخوذ ہوں گے۔ اور آپ خود امام ہوں اور احتیاطاً یہ مسئلہ پوچھ رہے ہیں تو یہ کہاں کی احتیاط ہے۔ کہ حق العباد ہڑپ رہے ہیں اور حق اللہ میں احتیاط کے طالب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۹ رشوال ۱۴۲۱ھ

(۳۲۔۳۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک شخص مدرسہ میں مدرس ہے۔ اور جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے۔ نماز پنجگانہ کا پابند نہیں ہے۔ دعا تعویذ کا کام کرتا ہے۔ غیر محرم عورتوں کی بھیڑ بھی رہتی ہے۔ بے پردگی سے باتیں کرتی ہیں۔ غیب کی باتیں بھی بتاتے ہیں۔ الو کی ہڈی وغیرہ بھی مریضوں سے طلب کرتے ہیں۔ مجبوری ظاہر کرنے پر کہتے ہیں کہ آپ خرچہ دے دیں ہم حاصل کرلیں گے۔ اس طرح پیسے حاصل کرتے ہیں۔

(۱) کیا ان کے پیچھے نماز جائز ہے؟

(۲) کیا یہ مندرجہ بالا باتیں جائز ہیں؟ نورالہدیٰ کلاتھ مرچنٹ عظیم باغ بلتھرا روڈ بلیا

الجواب

ترک نماز معصیت کبیرہ ہے۔ یوں ہی غیر محرم عورتوں سے ملنا اور ان سے بے پردہ بات کرنا، ایسا شخص اگر قصداً نماز ترک کرے تو فاسق ہے۔ اس کے پیچھے نماز پڑھی تو مکروہ تحریمی کہ دوبارہ پڑھو۔ ایسے شخص کو امام بنانا گناہ اور امام ہو گیا ہو تو بشرط استطاعت اس کو امامت سے علیحدہ کرنا واجب۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۸ رجمادی الاخری ۱۴۲۲ھ

(۳۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

امام صاحب نے جمعۃ الوداع کا خطبہ مائک سے پڑھا اور مکبرین کی تقرری بھی مائک کے ذریعہ بالاعلان کی۔ بعدہ مائک منبر کے اتر جانب رکھ دیا گیا اور کپڑا سے ڈھاک بھی دیا گیا۔ مگر موذن صاحب سے مائک اچھی طرح بند نہ ہو سکا جس کی وجہ سے نماز کے بعد معلوم ہوا کہ مائک امام صاحب کی آواز پکڑ رہا تھا۔ مکبرین کرام نے امام صاحب کی آواز پر اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ فقط والسلام

المستفتی: اراکین کمیٹی جامع مسجد رسولپور گورکھناتھ گورکھپور

الجواب

امام صاحب کی آواز کولاؤڈاسپیکر کے ذریعہ سن کراقتدا کرنے والے کی نماز کے صحیح ہونے اور صحیح نہ ہونے کے سلسلہ میں ہندوستان میں علماء اہل سنت کے درمیان اختلاف ہے۔بڑی تعداد ایسی اقتدا کو غلط اوراس طرح پڑھی جانے والی نماز کو ناجائز کہتی ہے۔اورکم تعداد میں علمائے کرام اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

آپ کے وہاں امام کی آواز پہونچانے کے مسنون طریقہ پر بھی عمل ہوا کہ مکبرین بھی مقرر کئے گئے۔اورانہوں نے امام کی تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقالات پہنچائیں بھی۔مگر مشین پوری بند نہ ہونے سے لاؤڈاسپیکر بھی جاری رہا۔اورامام کی آواز اس سے بھی نشر ہوتی رہی۔

ایسی صورت میں جن قلیل التعداد کے نزدیک لاؤڈاسپیکر کی آواز عین امام کی آواز ہے ان کے نزدیک تو سب مقتدیوں کی نماز ہوگئی۔اورجن کثیرالتعداد علماء کے نزدیک لاؤڈاسپیکر کی آواز (امام بولنے والے) کی آواز کے غیر ہے ان کے قول پر بھی امام اوراس کے آس پاس کے وہ لوگ جنہوں نے امام کی آواز سنی اوراس پر اقتدا کی ان کی نماز بھی ہوگئی اورجن لوگوں نے امام کی آواز نقل کرنے والے مبلغین کی آواز پر اقتدا کی ان کی نماز بھی صحیح ہوگئی۔البتہ جن لوگوں نے بالقصد لاؤڈاسپیکر کی آواز پر اقتدا کی ان کی نماز صحیح نہیں ہوئی۔وہ لوگ اس دن کی چاررکعت ظہر کی نیت سے قضا کریں۔اورآئندہ پوری احتیاط سے نماز کے وقت لاؤڈاسپیکر بندرکھا جائے۔تاکہ کسی قسم کی کوئی غلط فہمی نہ ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۵رشوال ۱۴۲۲ھ

(۳۵۔۳۸)**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱)وہ شافعی امام جوایک مشت سے کم داڑھی رکھ کر چین کی گھڑی پہن کر نماز پڑھاتا ہے۔توکیا ایسے امام کے پیچھے حنفیوں کی نماز جائز ہے یانہیں؟اور پڑھی ہوئی نماز کا کیا حکم ہے؟

(۲)جمعہ کے دن دوسرے خطبہ میں شافعی حضرات ہاتھ اٹھاکر دعا کرتے ہیں تو حنفیوں کو ہاتھ اٹھاکر دعا کرنا کیسا ہے؟جب کہ درمیان خطبہ درود پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔

(۳)یہاں پر اذان ثانی مسجد کے اندر ہوتی ہے۔کیا شافعی مسلک میں اس کے جواز کی کوئی صورت ہے؟

(۴)کسی آلہ کے ذریعہ مادہ منویہ کو حمل کے لیے کسی اجنبیہ کے رحم میں داخل کرنا جائز ہے کہ نہیں؟بینواتوجروا

المستفتی:مولوی عبدالرحمٰن قادری الثقافۃ السنیۃ الاسلامیۃ کالی کٹ کیرلا

الجواب

یہ امر تو جملہ اہل علم حضرات پر واضح ہے کہ مذاہب اربعہ مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی کا اختلاف اسلام کے ایسے بنیادی عقائد و اعمال میں نہیں۔ جن پر مغفرت اور نجات کا مدار ہو۔ بلکہ فرعی اور عملی مسائل میں ہے۔ جن کو چاروں مذہب کے علماء و مجتہدین نے اپنے طے شدہ اصول و قواعد کے موافق قرآن و حدیث سے استخراج کیا ہے۔ ان مسائل شرعیہ میں ہر امام اپنے اجتہاد کا پابند ہے اور اس کے مقلدین پر اس کے احکام، ارشادات واجتہاد کی پابندی ضروری ہے۔ اور ہر امام اور اس کے مقلدین اپنے احکام و مسائل کو حق و صواب سمجھیں، مگر دوسرے گروہ یا ان کے مسائل کو غلط اور ناصواب کہنے کا انہیں حق نہیں۔

مثلاً اعمال صالحہ میں نماز ایک بنیادی عبادت ہے اس کی صحت کے لیے طہارت شرط ہے اور نماز طہارت کے بغیر پڑھی جائے تو حنفی شافعی کسی کے یہاں صحیح نہیں۔ یہ مسئلہ فریقین کا اتفاقی مسئلہ ہے اور اس امر میں بھی دونوں کا اتفاق ہے کہ جو نجاستیں، پیشاب اور پاخانہ کے راستہ سے باہر آئیں ان سے طہارت ختم ہو جاتی ہے اور دوبارہ وضو واجب ہو جاتا ہے۔

لیکن جو نجاستیں ان دونوں راستوں کے علاوہ جسم سے خارج ہوں جیسے خون جو جسم سے بہا اس کے ناقض وضو ہونے میں حنفی شافعی اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اخراج خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نہیں۔

اس صورت میں حنفیوں اور شافعیوں کی جماعتیں الگ الگ ہوتیں تب بھی کوئی الجھن نہیں کہ دونوں اپنے اپنے اصولوں کے موافق نماز ادا کرتے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ شافعیوں کے پیچھے حنفیوں کی اقتدا یا حنفیوں کے پیچھے شافعیوں کی اقتدا کی اجازت ہے۔ پس اگر کسی حنفی نے کسی شافعی کی اقتدا کی جس نے خون کے خروج کے بعد وضو نہیں کیا تو شافعی کی نماز تو اس کے مذہب پر ہو گئی۔ مگر حنفی کی نماز اس کے مذہب پر ہو گی ہی نہیں۔ کہ اس کے مذہب پر امام بے وضو تھا۔

اس لیے ائمہ احناف نے مسئلہ اقتدائے مخالف میں قید لگائی کہ حنفی کو شافعی کی اقتدا کرنا اس وقت صحیح ہے کہ شافعی المذہب حنفی مذہب کی رعایت کرے۔ مثلاً خون نکلنے پر بھی اعادہ وضو کر لیا کرے۔

فتاوی رضویہ جلد سوم ص/۲۱۹، میں ہے: ”جس خاص نماز کا حال معلوم ہوا کہ امام نے کسی فرض یا شرط وضو یا نماز یا امامت میں مذہب حنفی کی رعایت نہیں کی اس صورت میں حنفی کی نماز اس کے پیچھے باطل“۔ و فی القنية اما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کا لشافعی ھو مالم یعلم منه ما یفسد الصلوة علی اعتقاد المقتدی وعلیه الاجماع انما الاختلاف فی الکراهية“۔

اور یہی مذہب علمائے شوافع کا بھی ہے، فقہ علی مذاہب الاربعۃ میں عبدالرحمٰن جزیری فرماتے ہیں

"من شروط الائمة ان تكون الصلوة الامام صحيحا على مذهب الماموم فلو صلى حنفي خلف شافعي فسأل منه الدم و لم يتوضأ اوصلى شافعي خلف حنفي مس المرأة فصلوة الماموم باطل"

فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۲۱۶، میں ہے: خاص نماز کا حال معلوم نہ ہو مگر اس کی حالت معلوم ہو کہ غالباً امور مذکورہ میں مذہب مقتدی کی رعایت نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اور صفحہ ۲۲۰، میں ہے "مخالف مذہب میں کوئی امر موجب کراہت تحریمی ہو مثلاً داڑھی حد شرع سے کم کرنا"۔ تو دونوں کے سوا کوئی تیسرا امام پیدا کریں۔ اسی میں شامی سے ہے:

"خالفهم العلامة الشيخ ابراهيم البيرى بناء على كراهة الاقتدا بهم لعدم مراعاتهم في الواجبات والسنن۔(كتاب الصلاة: اذا صلى الشافعي قبل الحنفي. ٢/ ٢٦٠)

مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے مکروہ تحریمی ہوگی۔ کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ اور پڑھ لیا تو اعادہ واجب۔ درمختار میں ہے:

"كل صلوة اديت مع الكراهة تجب اعادتها"۔

اور شامی میں ہے: "بل مشى فى شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريمة" (كتاب الصلاة: تكرار الجماعة. ٢/ ٢٥٥)

(۲) جس مخالف فی الفروع کی اقتدا صحیح ہو اس میں بھی اپنے مذہب کے خلاف کی اتباع صحیح نہیں۔ فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ ۷۷۱ میں ہے: جب وہ مخالف فی الفروع ایسے امور سے بری ہو اور اس کی اقتدا صحیح ہو، اس وقت بھی ایسی باتوں میں اس کی اتباع نہ کریں۔ جو اپنے مذہب میں یقیناً ناجائز اور نامشروع ہیں۔

شامی میں ہے:

تكون المتابعة غير جائز اذا كانت فى فعل بدعة او منسوخ او مالا تعلق له بالصلوة'

مجمع الانہر وغیرہ میں ہے: ماكان مشروعا يتابع و ماكان غير مشروع لا۔ (شامی: ٢/ ١٤٦)

(۳) اس مسئلہ کو حضرات شافعیہ سے دریافت کریں۔ مذہب احناف میں تو اذان مسجد کے اندر مطلقاً مکروہ و ممنوع ہے۔

(۴) یہ ناجائز و حرام ہے۔ یہ صورت جاہلیت کے استبضاع کے مثل ہے۔ جس کو حضور ﷺ نے

حرام قرار دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۶ر شوال ۱۴۲۲ھ

(۳۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

امام صاحب ڈیڑھ ماہ کی رخصت پر گھر گئے۔ کمیٹی نے ان سے کہا کہ معاوضہ میں آپ کسی صاحب کو یہاں مقرر نہ کریں۔ موذن صاحب امامت کرلیں گے۔ امام صاحب جب دورے سے واپس آئے تو کمیٹی نے ایک مولانا کا تقرر کرلیا تھا۔ لہٰذا ان کو ان کا نائب بنادیا۔ پھر نیابت سے علیحدہ کر کے رمضان میں تراویح کی اجازت دی۔ پھر اس سے بھی علیحدہ کردیا گیا۔ کمیٹی کا یہ فیصلہ امام صاحب کے لیے درست ہے کیا؟ اس طرح سے امام کو دھوکا دے کے کمیٹی والوں نے برطرف کیا ہے، کیا درست ہے؟ جو بھی شریعت کا حکم ہے کمیٹی کے اوپر جواب عنایت فرمائیں۔ کیا شریعت میں یہ حکم ہے کہ کمیٹی امام کو نائب امام بنائے یا نائب امام سے مدرس کے عہدہ پر فائز کرے۔ جو حکم ہو کمیٹی پر شریعت کا حکم عنایت فرمائیں۔

ایک عالم دین کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ اس مسجد میں امام ہے۔ اور چھٹی پر وطن گیا ہوا ہے امام کے آنے کے بعد بھی امام کے بغیر اجازت نماز پڑھائے کیا یہ امامت درست ہے؟ کیا یہ عالم کے لیے درست ہے؟ کہ امام کے ہوتے ہوئے عالم امامت کرنے لگے۔ اسلام میں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں جب کہ امام صاحب باقاعدہ چھٹی لے کر گئے اور وعدہ پر ٹھیک آگئے اور ان میں کوئی کوتاہی بھی ایسی نہ ہوئی کہ ان کی امامت صحیح نہ ہو تو بلا عذر ان کو امامت سے علیحدہ کرنا ضرور ظلم اور زیادتی ہوگی۔ جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔ اور نئے مولوی صاحب اس ظلم میں کمیٹی کے شریک ہیں۔

شامی حاشیہ درمختار میں ہے: ”لا یتعزل صاحب وظیفة بلا جنحة“

وقف کا کوئی ملازم بغیر قصور کے ملازمت سے علیحدہ نہیں کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۸ر ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ

(۴۰۔۴۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) فاسق معلن جس کی داڑھی حد شرع نہ ہو اس کی امامت صحیح ہے؟

(۲) جہاں سب کے سب فاسق معلن ہی ہوں تو ان میں سے کون امامت کرے گا؟

زید کہتا ہے کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس لیے جب جہاں کل کے کل فاسق معلن ہی ہوں تو ان میں سے کوئی ایک فاسق معلن امامت کرسکتا ہے۔ بادلیل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: قاری محمد یونس عزیزی مدرس مدرسہ ہذا

الجواب

(۱) داڑھی حد شرع سے کم رکھنے والے کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھ لی تو دوبارہ اس کا اعادہ کرے۔ فتاوی رضویہ اور شامی میں ہے: مشیٰ فی شرح المنیة علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم۔ فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا صاحب قبلہ نے فتاوی رضویہ حصہ سوم باب الامامۃ میں فرمایا کہ اگر اعلانیہ فسق و فجور کرتا ہو اور کوئی دوسرا امامت کے قابل نہ مل سکے تو تنہا پڑھیں۔ فان تقدیم الفاسق اثم و الصلوة خلفه مکروھة تحریما و الجماعة واجبة فھما فی درجة واحدة ودرالمفاسد اھم من جلب المصالح۔ ترک جماعت فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا ایک ہی درجہ کے گناہ ہیں۔ اور نقصان سے بچنا فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۹؍ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ

(۴۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید عالم اہل سنت ہے اور بکر دیوبندی ہے۔ بکر کہتا ہے کہ صلاۃ وسلام، ناچ گانے کی طرح ہے، میلاد شریف میں اینٹ پتھر چلانے کی باتیں کرتا ہے۔ اولیاء کرام کو گالیاں بھی دیتا ہے اور علمائے اہل سنت کو بھی گالیاں دیتا ہے۔ زید ایسے شخص کو اپنے گھر میں بلا کر کھلاتا پلاتا ہے۔ ایسے شخص کے گھر جا کر دعا تعویذ کرتا ہے اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، آنا جانا رکھتا ہے۔ زید مسلک اہل سنت کا دعویدار ہے اور عالم اور عاشق رسول بنتا ہے، چتروید ی بھی ہے اور بڑے بڑے پروگراموں میں جا کر اچھی اچھی باتیں لوگوں کو بتاتا ہے۔ فقط عشق رسول پر تقریریں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دیوبندیوں سے پرہیز کرو جب کہ خود پرہیز نہیں کرتا، نماز جمعہ کے علاوہ ایک وقت کی نماز ادا نہیں کرتا اور ادارہ اہل سنت کا استاذ حدیث بھی ہے۔ جب کہ گھر کے پڑوس میں نوری جامع مسجد موجود ہے جو اہل سنت ہی کی ہے اور ٹی وی بھی اپنے گھر میں لگا کر ہر طرح کا پروگرام بھی دیکھتا ہے جب کہ اذان ہوتی رہتی ہے اور ٹی، وی چلتی رہتی ہے، تاش بھی کھیلتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ ٹاکیز میں جا کر سنیما بھی دیکھتا ہے۔ عورت بے پردہ گھومتی ہے۔

ایسے عالم دین کے بارے میں قرآن وحدیث کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کیا وہ نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز جمعہ میں تقریر کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ریاض احمد ابن سراج احمد انصاری بڑی کھریا علی نگر مئو یوپی

الجواب

آپ نے زید پر جتنے الزام لگائے ہیں اگر وہ صحیح اور واقع کے مطابق ہیں اور زید ان گناہوں کو علی الاعلان کرتا ہے تو وہ فاسق معلن ہوا۔ کسی نماز کا اس کو امام بنانا گناہ اور اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی کہ پڑھ لیا تو اس نماز کو دہراؤ۔ اور اس کی تقریر سننا بھی منع، اور اگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آوے تو سب مسلمان ملکر اس کا بائیکاٹ بھی کر سکتے ہیں یہ حکم ہر قسم کے فاسقوں کا ہے۔

مگر یہ وہ کر سکتا ہے جو گناہوں سے پاک اور دین دار مسلمان ہو، جب کہ عام حال یہ ہے کہ کم ہی مسلمان ایسے نکلیں گے جو تمام عیوب سے پاک نکلیں، کوئی نہ کوئی دینی کمزوری عام طور پر مسلمانوں میں سرایت کر گئی ہے آپ کسی دوسرے کی کمزوری کے خلاف فتوی حاصل کریں گے تو وہ آپ کی کمزوریوں کے خلاف فتوی حاصل کرے گا، تو منشاء مستفتی کا غلطی کی اصلاح اور عوامی درستگی کے بجائے مقابل سے انتقام لینا اور دشمنی کا بدلہ لینا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں سوال و جواب کا کوئی حاصل نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۹؍ جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ

(۴۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

گلشن رضا مسجد دو منزلہ عمارت ہے مقتدیوں کی تعداد تقریباً سات سو (۷۰۰) ہے اکثر نماز جمعہ و عیدین اور رمضان المبارک میں بالخصوص نماز تراویح میں اور پانچوں وقت کی نماز میں مائک پر نماز نہ ہونے کی وجہ سے مقتدیوں کا آپس میں بہت بڑا اختلاف ہے کہ لوگ مائیک پر نماز نہ ہونے کی وجہ سے سخت ناراض ہیں کیونکہ امام کی آواز یا قرآن پاک کی آواز تراویح میں دو منزلہ عمارت تک نہیں پہونچتی ہے لوگ دلیل دیتے ہیں کہ بڑودہ کی اکثر مسجدوں میں مائیک پر نماز ہوتی ہے اور اس مسجد میں مائیک پر نماز نہ ہونے کی وجہ سے قرآن پاک کی آواز یا امام کی آواز مقتدیوں تک نہیں پہونچتی ہے اور چار مکبر باشرع وقت نماز پر بہت مشکل ہیں۔

ایسی صورت میں مقتدیوں کا روز بروز اختلاف بڑھتا جا رہا ہے، کافی پریشانی ہوتی ہے لہذا مائیک پر نماز ہونے کی اگر کوئی گنجائش ہو تو اس کا جواب شرعاً عنایت فرمائیں۔

المستفتی: سید حیدر حسین الطاف حسین، فرحت منزل نواب واڑہ راؤپورہ بڑودہ، گجرات

الجواب

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال اور اس کی آواز پر اقتدا کرنے کے بارے میں ہندوستان میں علمائے اہل سنت کے دو گروہ ہیں۔ بڑا طبقہ اس پر اقتدا ناجائز بتاتا ہے اور مختصر علما کی جماعت جائز کہتی

ہے، ہمارے نزدیک نماز میں لاؤڈ اسپیکر سے بچنا ہی بہتر ہے مگر اس کے لیے فتنہ وفساد اور جنگ وجدال کو ہم سخت برا سمجھتے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے: الفتنة اشد من القتل۔ مسلمان پر اس سلسلہ میں جنگ وجدال حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم　　عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی　مئو ۲/ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ

(۴۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید ایک حافظ قرآن ہے مگر باوجود حافظ قرآن ہونے کے قرآن پڑھتے ہیں تو اصطلاح قراء کے اعتبار سے مجہول پڑھتے ہیں، کہیں کہیں لحن خفی، اور کہیں کہیں لحن جلی لازم آتا ہے۔ اور زید نہ تو صحیح طرح سے وضو کرتا ہے اور نہ صحیح طرح سے نماز پڑھتا ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں زید کی امامت درست ہے؟ کیا امام ہونے کے لیے صرف حافظ ہونا یا عالم ہونا کافی ہے، چاہے قرأت درست ہو یا نہ ہو؟

المستفتی: انیس ریوڑی تالاب بنارس

الجواب

(۱) معروف، مجہول، لحن خفی، لحن جلی، یہ سب قاری حضرات کی اصطلاحیں ہیں جن کی رعایت وہ حضرات تلاوت قرآن کے وقت ملحوظ رکھتے ہیں اور اس سے قرآن پاک کی تلاوت میں حسن وخوبی اور زیب وزینت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ امر مستحسن ہے۔ لیکن نماز وامامت کی صحت کا دارومدار ان پر نہیں۔ صدر الشریعہ مولانا شاہ امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۰۵ میں فرماتے ہیں: ''اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے معنی بگڑ گئے تو نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں''۔ اس کے بعد آپ مختلف قسم کی غلطیوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں، مثلا:

(۱) اعراب یعنی زبر، زیر، پیش، تنوین، تشدید اور جزم کی غلطیوں کے بارے میں فرمایا:

ان کا حکم یہ ہے کہ اگر غلطی ایسی ہو جس سے معنی نہ بگڑے تو نماز باطل نہیں ورنہ باطل ہے۔ ان کی چند مثالیں آپ نے بیان کی ہیں۔

(۲) آیات قرآنی میں حروف اور کلمات کی کمی بیشی۔ اس کا حکم بھی وہی ہے کہ معنی فاسد ہوں تو نماز فاسد، اور معنی فاسد نہ ہوں تو نماز صحیح۔

(۳) اسی طرح حروف صحیح ادا کرے، اور کسی حرف کی جگہ کوئی اور حرف پڑھنے کا حکم بھی یہی تحریر فرمایا کہ ان صورتوں میں بھی نماز کی صحت وفساد کا مدار معنی کے صحت وفساد پر ہے۔

اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۲۱۱ پر فرمایا: اگر ایسی غلطی نہیں کرتا جس سے فساد معنی ہو تو خود اس کی نماز بھی صحیح اور اس کے پیچھے

سب کی تصحیح۔ پھر اگر حالت ایسی ہے کہ تجوید کے امور ضرور یہ واجبات شرعیہ ادا نہیں ہوئے، جن کا ترک گناہ ہے جیسے مد متصل بقدر ایک الف جب بھی اس کو امام نہ بنایا جائے کہ نماز اس کے پیچھے بشدت مکروہ ہوگی۔ اور اگر ضروریات سب ادا ہوتے ہیں صرف محسنات زائدہ مثل اظہار، اخفا، روم، اشمام، تفخیم، وترقیق وغیرہ میں فرق پڑتا ہے تو حرج نہیں۔ ہاں قواعد داں کی امامت اولی ہے۔

یہ تو نماز کے ایک رکن قرأت کی یک شمہ تفصیل ہے۔ جس سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کسی کے بارے میں صرف مبہم اصطلاحی الفاظ لکھ کر اس کی نماز یا امامت کے بارے میں صحیح حکم نہیں معلوم کیا جاسکتا جب تک کہ خاص اس مقام کی جہاں اس نے غلطی کی ہونشان دہی نہ کیجائے۔

اسی طرح وضو اور طہارت جو نماز کے لیے شرط ہے، جس کے مسائل کی تفصیل سے صفحات کتب بھرے پڑے ہیں۔ اس کے بارے میں گول مول لفظ وضو بھی صحیح نہیں کرتا یا نماز بھی صحیح نہیں پڑھتا، لکھ دینے سے حکم نہیں بتایا جاسکتا۔

(۴) امام ہونے کے لیے نہ اصطلاحی عالم ہونا ضروری نہ قاری نہ حافظ۔ صحت امامت کے لیے صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت ہونا، فسق و فجور و معصیت سے پاک ہونا، باعمل دین دار ہونا، نماز و متعلقات کے معتد بہ مسائل سے واقف ہونا، اور ایسی صلاحیت ہونا کہ بوقت ضرورت پیش آمد مسائل کو کتابوں سے نکال سکے۔ قرآن عظیم کو صحت کے ساتھ پڑھنے والا ہونا، اسی طرح کی شرائط اور بھی ہیں۔ امام مقرر کرتے وقت اگر شرائط پر پورے کئی آدمی ہوں تب عالم کو ترجیح ہوگی اگر عالم بھی کئی ہوں تو قاری کو ترجیح ہوگی اسی طرح اور ترجیحات کا بھی کتب فقہ میں ذکر ہے۔

اب جو صالح مسلمان امامت کے لیے مقرر ہو گیا تو یہی حق دار امامت ہے۔ دوسرا کوئی عالم حافظ یا قاری یا بزرگ آجائے نماز مقررہ امام ہی پڑھائے گا یا وہ جس کو اجازت دیدے۔ بے اجازت اگر کسی نے نماز پڑھا دی تو نماز تو خیر ہو جائے گی مگر مقررہ امام پر ظلم ہوگا۔ البتہ اگر کوئی آدمی جو مقرر امام سے افضل و بزرگ ہے، آجائے تو مقرر امام کو چاہئے کہ اسے ازخود آگے بڑھا دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۶ رشوال ۱۴۲۵ھ

(۴۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید جامع مسجد کے امام و خطیب ہیں اور مدرسہ کے مدرس بھی ہیں مگر شادی بیاہ کے موقع پر ان کے گھر کی عورتیں محلے کی عورتوں کے ساتھ گانا بجانا باواز بلند کرتی ہیں زید سے منع کیا گیا کہ شادی بیاہ کے موقع پر آپ جیسے لوگوں کا حال یہ ہے تو اوروں کا حال کیا ہوگا۔ منع کرنے پر باز نہیں آئے، گانا بجانا جاری

رہا۔ کیا زید امامت کے لائق ہے؟ بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔
مستفتی: غلام محمد رضوی نوشہرا جین پورا عظم گڑھ

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر زید راضی نہ ہو اور عورتوں کو منع کرتا ہے مگر وہ مانتی نہیں تو زید پر کوئی الزام نہیں۔ قرآن شریف میں ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾[الانعام: ۱۶۸] اور اگر وہ ان عورتوں کی اس حرکت پر راضی ہو اور انہیں منع نہ کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۴؍محرم ۱۴۲۶ھ

(۴۶۔۵۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) جو شخص پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہو وہ شخص حافظ و قاری بھی ہے اور جماعت میں پیش امامت کی جگہ پر رکھا گیا ہو اور وہ شخص مدرسہ میں پڑھاتے ہیں اور بشمول اور غریب بچوں کے لیے ادھر ادھر چندہ کرنے کے لیے نکل جاتے ہیں جماعت کے لوگوں نے پیش امام صاحب سے کہا کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھانے کے لیے یہاں رہیں، مگر پیش امام صاحب نے جواب دیا کہ بھائی صاحب میں مدرسے کا ملازم ہوں، جتنا وقت مجھے ملتا ہے میں مسجد میں آکے نماز پڑھا دیتا ہوں اس لیے ہم کو جہاں وقت ملتا ہے میں نماز پڑھ لیتا ہوں مسجد کی طرف سے ایک روپیہ بھی نہیں ملتا۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے جس کے تلفظ کی ادائے گی نہیں ہے اور وہ پانچوں وقت کی نماز پڑھاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(۳) مسجد میں اتنی آمد کا ذریعہ نہیں ہے کہ پیش امام پانچوں وقت کے لیے مقرر کر سکیں۔ اتنی آمدنی صرف ہے کہ مسجد کی لائٹ فیس اور موذن کی تنخواہ دے سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

(۴) کیا مسجد کے اندر شور شرابہ کرنا درست ہے کہ جس سے دوسرے شخص کو نماز پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہے اگر منع کیا جائے تو بولتے ہیں کہ مسئلہ کی بات کر سکتے ہیں۔ اگر کر سکتے ہیں تو کتنی آواز سے کر سکتے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

(۵) جماعت اور کمیٹی والوں نے حافظ صاحب کو نماز پڑھانے کے لیے رکھا، فی سبیل اللہ اس شرط کے ساتھ جب آپ کو وقت ملے تو نماز پڑھا دیا کریں۔ نو سال تک اسی طریقہ سے چلتا رہا کمیٹی

والوں کے ساتھ مجبوری اس بات کی ہے کہ مستقل پیش امام پانچوں وقت کے لیے اس لیے نہیں رکھ پاتے ہیں کہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ کم ہے، صرف اتنی آمد ہے کہ لائٹ کا خرچ اور مؤذن صاحب کے لیے آمد کا ذریعہ ہے، مؤذن کو پندرہ سال ہو گئے اسی طرح اذان دیتے ہوئے لیکن جماعت ہی میں سے ایک شخص نے اعتراض کیا آپ نماز نہیں پڑھا سکتے، آپ اگر پانچوں وقت پڑھائیں گے تو آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے ورنہ نہیں۔ اور جب مؤذن صاحب اذان کا وقت بدلتے ہیں تو ایک دن پہلے جماعت میں اعلان کر دیتے ہیں مثلاً پانچ بجے اذان ہوگی پانچ بیس پر جماعت ہوگی جیسے ہی وقت کے مطابق تکبیر دینے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ایک شخص کہتے ہیں تھوڑی دیر رک جائیں جب میں سنت پڑھ لوں گا تب تکبیر کہیں ایسا کہنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد یوسف بخاری ضلع کٹنی

الجواب

(۱) ایسا آدمی جو حافظ اور پنجوقتہ نماز کا پابند ہو اور فی سبیل اللہ نماز پڑھاتا ہو اگر دینی ضرورت کی وجہ سے کسی وقت مسجد میں نہ آتا ہو تو یہ بات اس کی امامت میں خلل نہیں ڈالتی اگر کوئی دوسری خرابی جو اس کی امامت میں خلل ڈالنے والی نہ ہو تو بلا شبہ اس کی امامت جائز ہے، پانچوں وقت کسی ایک مسجد میں امام کی حاضری ضروری نہیں۔

(۲) اگر ایسی غلطی ہو جس سے قرآن شریف کے معنی بگڑ جاتے ہوں تو خود اس کی نماز ہونا مشکل ہوگا، بھلا وہ امامت کے لائق کیا ہوگا؟ نماز میں قرآن شریف پڑھنا فرض ہے۔

(۳) جب مصلیوں میں اتنی سکت نہیں کہ امام کو تنخواہ دے سکیں تو ان کو موجودہ امام پر غیر حاضری کا اعتراض کرنا غلط ہے۔

(۴) مسجد میں کسی وقت بھی بلند آواز سے بات کرنا منع ہے دینی بات کی البتہ اجازت ہے۔ در مختار میں ہے: و رفع الصوت بالذکر الا للمتفقهة۔(۲/۳۷۶) لیکن اس میں طرفین کو ایک دوسرے کی رعایت کرنی چاہئے اتنی بلند آواز سے دینی بات بھی نہ کریں کہ نماز پڑھنے والوں کو تشویش ہو۔ اور نمازیوں کو بھی سوچنا چاہئے کہ دینی باتیں کرنے والوں پر بوجھ نہ ہوں جیسے آج کل وہابی مزاج کے لوگ عادت بنا لیتے ہیں کہ جب سنی مسجد میں سلام پڑھیں اور ہم مسجد میں نماز پڑھنے کے بہانے سے روکیں اور اس کی وجہ سے اکثر وہ فجر کی جماعت چھوڑ دیتے ہیں۔

(۵) اس سوال کا جواب دیا جا چکا کہ جب مصلی امام رکھنے سے معذور ہیں تو وقتی طور پر کسی صالح امام کو آگے بڑھا کر جماعت کر لیا کریں، اور زید کو امام رکھتے وقت یہ طے کر لیا گیا تھا کہ آپ جب مسجد میں

آئیں تو امامت کردیا کریں تو مصلیوں کا یہ اصرار غلط ہے کہ آپ پانچوں وقت مسجد میں رہیں۔

(۶) جب جماعت کا متعینہ وقت آگیا ہو تو مصلی کو بیچ صف میں کھڑے ہوکر سنت پڑھنا منع ہے حضور اقدس ﷺ نے ایسے ہی موقعہ پر فرمایا: أصلاتــان معــا جماعت کا مقرر وقت ہوگیا ہو تو آنے والا جماعت کو روکے نہیں خود جماعت میں شریک ہو اور سنت ختم جماعت کے بعد پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

(۵۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید حافظ قرآن ہے اور پیش امام بھی ہے۔ بکر کی بیوی سے اس کا کوئی پردہ نہیں تھا ان دونوں میں تعلقات اتنے بڑھ گئے کہ زید سوچنے لگا کہ بکر کا انتقال ہوجائے تو میں اس کی بیوی سے عقد کرلوں اور بکر کی جائداد بھی ہاتھ لگ جائے۔ زید کو گھٹیا ہوگیا اس نے بکر کی بیوی سے مالش کرایا کچھ لوگوں نے زید اور بکر کی بیوی کو ایک چارپائی پر بیٹھے بھی دیکھا اور لوگوں میں یہ خبر پھیلی کہ زید کا اور اس عورت کا ناجائز تعلق ہے۔ زید نے مسجد میں صفائی دی کہ میں اس عورت کو بہن سمجھتا ہوں۔ قضارا بکر کا انتقال ہوگیا اور زید نے اس کی بیوی سے شادی کرلی۔ تو ایسے مشکوک شخص کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟۔

محمد رفیق ۱۶۴ صدر بازار بنارس کینٹ۔

الجواب

اگر آپ کا بیان صحیح ہے کہ زید کی بیوی سے جو اس کی غیر محرم ہے بے پردہ ملتا رہا ہے بلکہ ایک چارپائی پر بھی وہ دونوں اٹھتے اور بیٹھتے رہے جس سے لوگوں کو شبہ ہوا تو زید نے بکر کی بیوی سے زنا نہ کیا ہو تب بھی جو افعال اس سے سرزد ہوئے اس کی بناء پر وہ فاسق معلن ہوگیا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہوگی۔ فتح القدیر میں ہے: "قال اصحابنا لا ینبغی ان یقتدی بالفاسق" (۱/۳۵۹)

شامی میں ہے: "ومشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم"

ہاں اگر وہ اپنے سابقہ گناہوں سے علی الاعلان توبہ کرے تو اسکے پیچھے بلا کراہت نماز جائز ہوگی البتہ بکر کی موت کے بعد اس عورت سے شادی کرنا ایک جائز کام ہے۔ اس کی بناء پر زید پر شرعی قباحت لازم نہیں آتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبدالمنان اعظمی ۲۳ ذوالحجہ ۷۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ — الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۵۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے عمرو، بکر، خالد کو جو قطعی وہابی ہیں اپنا دینی حکم وفیصلہ کن مختار ومجاز عدالت میں تحریری طور پر

مان لیا تو زید کی امامت میں ہم سینوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ دونوں پہلو کی دلیل بیان کریں۔ فقط

شوکت علی کلرک دسٹرک پور ضلع بستی ۲۱ رجون ۵۹ء

الجواب

آجکل کے وہابی کم از کم گمراہ ہیں ان کو برضاء ورغبت بلا کسی عذر شرعی مجبوری کے کوئی ایسی جگہ دینا جس میں ان کی تعظیم ہونا جائز اور گناہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام۔ (تفسیر قرطبی: ۱۳/۷)

جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو اس نے اسلام ڈھانے میں اس کی مدد کی۔ اسلیے زید فاسق ہوگیا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ فتح القدیر میں ہے: "قال اصحابنا لا ینبغی ان یقتدیٰ بالفاسق۔ فاسق کی اقتداء نہیں کرنے چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی ۲۲ رفروری ۱۹۶۹ء الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۵۳۔۵۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) کسی عالم کا وہ عمل جو ناجائز ہو اس کا ثبوت ہوتے ہوئے کیا اس عالم کی اقتداء کی جاسکتی ہے؟

(۲) مزارات کی توہین کرنا کسی عالم کے لیے جائز ہے اور وہ اس طرح کہ کبھی جائز قرار دے اور کبھی ناجائز؟

(۳) رسول خدا ﷺ کی ایک پوسٹ مین کی حیثیت بتائے اور عالم جلسہ میں حضور کا نام گرامی بلا لحاظ وادب لے؟

(۴) چہلم کے فاتحہ کا کھانہ ناجائز قرار دے اور دیگر قوم میں تیرہویں کا کھانہ کھاتا رہے؟

(۵) اگر ایسے عالم کے قیام سے قوم میں تفرقہ پیدا ہوگیا تو ایسے عالم کا قیام۔ جو نفاق پیدا کرنے کی صورت اختیار کر رہا ہو جائز ہے؟

(۶) میلاد شریف میں سلام کے لیے کھڑے ہونا کبھی جائز قرار دے کبھی ناجائز؟

(۷) فاتحہ کا تبرک ناجائز قرار دے کر پھینک دے اور کبھی خود کھائے؟۔

ننھے خاں پروپ رائٹر اٹریڈنگ کمپنی گونا۔

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی سوال میں جس امام کا ذکر ہے وہ تقیہ باز وہابی معلوم ہوتا ہے اور تیسرے نمبر کا

جوخیال ظاہر کیا گیا ہے اس کی گمراہی حد کفر تک پہونچی ہوئی ہے اس امام کا کم از کم حکم فاسق ومبتدع کا ہے اس کے پیچھے نماز ناجائز اور بشرط استطاعت امامت سے علیحدہ کرنا واجب ہے۔

شامی میں ہے: "اما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لا مردينه وبأن في تقديمه للامامة تعظيمه و قد وجب عليهم اهانته شرعا فهو كالمبتدع تكره امامته بكل حال بل مشى في شرح المنية ان كراهة تقديمه كراهة تحريم -(۲/۲۵۰)

فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ مذہبی امور کا اہتمام نہیں کرتا اور یہ کہ اس کو امام بنانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے اور مسلمانوں پر از روئے شرع فاسق کی توہین واجب ہے، پس فاسق کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو بدعتی کے ساتھ ہوگا کہ فاسق اور مبتدع کی امامت مطلقا مکروہ ہے اور منیہ کی شرح میں ہے کہ یہ کراہت کراہت تحریمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی ۲۲ رصفر ۹۷ ۱۳ھ الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۶۰-۶۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک عقیدت مند بریلی نے کسی دیوبندی کے پیچھے نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہوئی کہ نہیں۔؟

(۲) یہ کہ کسی عقیدہ دیوبند سے سلام کرنا یا اس کے سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) یہ کہ ان سے تعلقات نکاح ہو چکے ہوں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

محمد حنیف صدیقی مورخہ ۶۰/۳/۲۱ء عبدالرحیم

الجواب

(۱) اگر وہ دیوبندی اپنی گمراہی میں حد کفر کو پہنچ گیا ہو تو ضرور اس کے پیچھے کسی مسلمان کی نماز نہیں ہوسکتی۔ عالم گیری میں ہے: "حاصله ان كان هوى لا يكفر به صاحبه يجوز الصلوة خلفه مع كراهته و الا فلا" (۱/۱۰۷)

(۲ تا ۴) اور ایسے شخص سے تمام اسلامی معاملات خواہ معاشرتی یا مذہبی ناجائز ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: "اياكم واياهم لا يضلو نكم و لا يفتنونكم" واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی مبارکپور اعظم گڑھ

(۶۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید ایک مسجد کا پیش امام ہے لیکن شیعہ سے دوستی رکھتا ہے۔ اس سے ملتا جلتا ہے سلام علیک مصافحہ اور معانقہ بھی کرتا ہے اس کی تعریف بھی کرتا ہے کھانا وغیرہ بھی ساتھ بیٹھ کر کھاتا ہے امام صاحب کا

شیعہ سے دوستی رکھنا دیکھ کر لوگ بھی اس منصب کی جانب مخاطب ہوتے ہیں، وہ لوگ کہتے ہیں کہ پیش امام صاحب محبت رکھتے ہیں، ہم لوگوں کے رکھنے میں کیا حرج ہے۔ اب ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں۔ یا ایسا شخص امامت کرسکتا ہے کہ نہیں؟۔

سائل بشیر الدین قادری عفی عنہ ۱۲ر جولائی ۶۸ء

الجواب

ایسا امام جو بد مذہبوں سے میل جول رکھے فاسق معلن ہے، بالخصوص اس صورت میں کہ اس کے طرز عمل سے سنیوں پر نا گوار اثر پڑے اور مذہب کو نقصان پہنچے اس کو امام بنانا جائز نہیں اور اس کو بشرط استطاعت امامت سے علیحدہ کردینا ضروری ہے۔ شامی میں ہے:

"مشی فی شرح المنیة علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم" واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ،

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۶۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک عورت کا شوہر مرگیا مرجانے کے دوسال بعد اس عورت کو حمل ہوگیا حالت حمل میں دوسرے مرد سے نکاح ہوگیا اور اسی حمل سے ایک لڑکا پیدا ہوا وہ لڑکا ولد الزناء ہے یا نہیں؟ اگر ہو تو اس ولد الزناء کی رو سے اس کی امامت درست ہے کہ نہیں؟ از راہ کرم جواب مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی عبدالکریم ابو العلائی موضع وپوسٹ بریچھلی ضلع پورنیہ

الجواب

ولد الزناء کی امامت مکروہ ہے اور اگر جماعت میں صوم وصلوۃ مسائل نماز اس سے زیادہ جاننے والا اور اس سے افضل کوئی نہیں تو اسی کی امامت بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۱۰ر صفر ۸۷ھ

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

(۶۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بعد نماز جماعت امام صاحب کو رخ بدل کر دعا کرنا صحیح معتبر کتابوں سے حوالہ دیتے ہوئے جواب مرحمت فرمائیں۔ پنجوقتہ نماز فریضہ کے بعد ہر چہار طرف سے رخ بدل کر دعا کرنا کن کن صحابیوں سے روایت ہے، جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا وتوجروا۔

المستفتی حافظ محمد جمیل

الجواب

بعد نماز جماعت امام کے رخ بدلنے کے بارے میں مشکوٰۃ شریف میں حسب ذیل احادیث ہیں: "عن سمرة جندب قال کان رسول الله ﷺ اذا صلی اقبل الينا بوجه "

(مسند:٦/٧٦١)

رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ کر رخ ہماری طرف پھیر لیتے۔

عن انس قال کان رسول الله ﷺ ينحرف عن يمينه (مشکاة:٦٤٦)

رسول اللہ ﷺ داہنی طرف مڑتے تھے:"عن عبد الله ابن مسعود قال: لا يجعل احدكم للشيطان من صلوة يرى ان حقا عليه ان لا ينصرف الا عن يمينه لقد رأيت رسول الله ﷺ كثيرا ينصرف عن يساره "

(مشکاة:٦٤٦)

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ مقرر کرلے کہ اس بات کو ضروری سمجھے کہ نماز کے بعد رخ داہنی ہی جانب کو موڑنا چاہیے بسا اوقات میں نے رسول اللہ ﷺ کو بائیں طرف بھی مڑتے دیکھا ہے: عن الميسرة قال: كنا اذا صلينا خلف رسول الله احببنا ان نكون عن يمينه يقبل علينا بوجه قال فسمعته يقول رب قنا عذابك يوم تبعث او تجمع عبادك "

(الترغيب:١/٣٢٠)

حضرت میسرہ کہتے ہیں کہ ہم جب حضور ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو یہ زیادہ پسند کرتے تھے کہ آپ کی دائیں طرف ہوں کیونکہ نماز بعد آپ دائیں طرف مڑتے۔ حدیثیں اور بھی ہیں مگر طوالت کے خیال سے ہم نے اتنے ہی پر اکتفا کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ

الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۶۶-۶۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) غیر مقلدوں کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، ان کے مدرسہ کی امداد کرنا جائز ہے یا نہیں، ان سے شادی بیاہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اپنے بچوں کو علوم دین کے بجائے علوم دنیوی پڑھانے سے والدین کے سر سے تعلیم کا بوجھ اٹھ جائے گا یا نہیں؟ علوم کے معلمین مستحق ثواب ہیں یا نہیں؟

(۳) بارہ برس کی لڑکیوں کو بے پردہ عریاں لباس پہن کر کھیل کود کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جن والدین نے اس کی اجازت دے رکھی ہے، گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

(۴) جمعہ کے دن بعد اذان ثانی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

محمد عباس نجمی محلہ بانس کٹرہ پور تپور ضلع بیر وبھوم

الجواب

(۱) غیر مقلد گمراہوں کا ایک فرقہ ہے۔ ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہے یا فاسد۔ عالم گیری میں ہے: " ان کان هوی لایکفر به صاحبه تجوز الصلوه خلفه مع الكراهة والا فلا " (عالم گیری: ۲/۱۰۷)

اس لیے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے نہ ان کے مدرسوں کی مدد کرنی چاہیے۔ نہ ان سے رشتہ قائم کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے: " ایا کم وایاهم لایضلونكم ولا يفتنونكم "

(۲) ایک بہت مشہور حدیث ہے: "طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة "

اس کی شرح اشعۃ اللمعات میں ہے: "مراد علمیست کہ ضرورت وقت مسلمانان است" پس جس علم کا سیکھنا ضروری ہے، وہ نماز روزہ اور حج وزکوۃ اور اسی قسم کے دینی مسائل جن کی ضرورت ہر مسلمان کو پڑتی ہے اور اسی کی تعلیم کی ذمہ داری والدین پر ہے۔ دوسرے علوم پڑھانے پر یہ ذمہ داری ختم نہ ہوگی۔ ہاں دیگر زبانوں میں ہی سہی وہ دینی علم پڑھوائے جائیں تو والدین ذمہ داری سے سبکدوش ہوں گے۔

(۳) ناجائز ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَـا أَيُّهَـا الـنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ﴾[الاحزاب: ۲۲]

اے پیغمبر اپنی بیویوں، لڑکیوں اور عام مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈالیں۔

شامی میں ہے: " قد اعطو ها البالغة من حين بلوغ حد الشهوة اختلفوا فی حد الشهوة فقيل سبع وقيل تسع وسيا تی فی با ب الامامة الصحيحة عدم اعتبا ر ه لسن بل معتبران ان صلح للجماع بان تكون عبلة ضخمة "

اس سے معلوم ہوا کہ اگر گداز اور تندرست لڑکی اگر دس سال کی ہو تو اس کے لیے بھی پردہ کا حکم ہے اور ماں باپ بے پردگی سے منع نہ کریں تو ضرور مجرم ہیں۔

(۴) دعا نہ مانگنا چاہیے۔ درمختار میں ہے: " وينبغی ان لا يجيب بلسانه اتفاقا الاذان

بین یدی خطیب وعنه ﷺ اذا خرج الامام لا صلاۃ ولا کلام "(در مختار:۳/۳۱)

واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۷۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہمارے محلہ کے امام داڑھی منڈواتے ہیں ایک مرتبہ تبصرہ ہو رہا تھا کہ جو شخص داڑھی منڈواتا ہے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اس پر بعض مسلمان بحالت غیض وغضب پوچھنے لگے کہ اس کا ثبوت ہمیں قرآن وحدیث سے ملنا چاہئے۔

حج کے سب کتنے فرض ہیں۔ مستفتی عطاء اللہ مصر پور تیاپورہ ۵/ذوالحجہ ۷۸ھ

الجواب

علی الاعلان داڑھی منڈوانے والا فاسق معلن ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہوگی۔ فتح القدیر میں ہے:" قال اصحابنا ینبغی ان لا یقتدی بالفاسق " فاسق کی اقتدا نہیں کرنا چاہیے۔

حج کے فرائض تین ہیں: احرام باندھنا، وقوف بعرفہ، یعنی نویں ذی الحجہ کو آفتاب ڈھلنے سے دسویں کی صبح تک کسی وقت عرفات میں ٹھہرنا۔ اور طواف زیارت کا اکثر حصہ یعنی چار پھیرے۔

درمختار میں ہے:" والحج فرضه ثلاثة الاحرام والوقوف بعرفة فی آوانه و معظم طواف الزیارۃ" (درمختار:۳/۳۱۵) واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۷۱-۷۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید حافظ قرآن ہے اور ایک مسجد میں امام ہے، اپنے متولی اور خازن کے متعلق کورٹ میں یہ جھوٹا بیان دیا کہ متولی اور خازن دونوں نماز جمعہ اور پانچوں وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ رمضان کے روزے بھی رکھتے ہیں جب کہ یہ تمام اوصاف متولی اور خازن میں نہیں ہیں۔ دونوں صلوٰۃ وصوم کے پابند نہیں ہیں۔ زید نے یہ بھی کہا: دونوں بڑے متقی اور پرہیزگار ہیں۔ تو کیا جھوٹی گواہی دینا درست ہے یا نہیں؟ اور ایسے کے پیچھے نماز درست ہوگی۔

(۲) بکر ایک مولوی حافظ پیش امام ہے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک بار حضرت جبرائیل امین سرکار

اعظم ﷺ کی خدمت میں وحی لے کر تشریف لائے۔سرکار نے فرمایا یہ پیغامات تمہیں کون دیتا ہے۔تم نے کبھی دیکھا ہے؟ جبرائیل امین نے کہا ایک پردہ کے پیچھے سے مجھے سنائے جاتے ہیں کہ جبرائیل میرے حبیب سے ایسا کہو۔سرکار نے کہا کہ ابھی جا کر دیکھو۔آواز آنے پر پردہ کا کونہ اٹھا کر دیکھنا کہ یہ پیغام کون دے رہا ہے۔جبرائیل امین واپس عرش پر تشریف لے گئے۔پردہ کے پیچھے سے آواز آئی۔جبرائیل امین نے بحکم سرکار پردہ اٹھا کر دیکھا،نظر آیا کہ خود سرکار اعظم حبیب اکرم ﷺ کھڑے ہوئے سفید عمامہ باندھے جا رہے ہیں اور کہے جا رہے ہیں۔جبرائیل امین کو حیرت ہوئی کہ ابھی تو سرکار دوعالم ﷺ کو زمین پر چھوڑ کر آرہا ہوں پھر یہ بات کیا ہے۔کہ سرکار خود تشریف فرما ہیں اور پیغام دے رہے ہیں۔فوراً پلک جھپکتے ہی زمین پر تشریف لائے اور خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے کہ یہاں بھی اسی طرح کھڑے ہوئے سرکار عمامہ باندھ رہے ہیں جس طرح عرش اعظم پر پردے کے پیچھے دیکھا تھا۔

یہ واقعہ تمام سن کر ہم لوگوں نے یقین کرلیا،حسن اتفاق کہ دوسرے ہی دن عرفان شریعت کے مطالعہ کے وقت اسی واقعہ پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پڑھا،کہ ایسا واقعہ بیان کرنا اور اس پر یقین رکھنا کفر ہے۔جب چند معزز قابل دین دار آدمیوں کے روبرو حافظ صاحب مذکور کی توجہ اس حکم کی طرف دلائی اور توبہ کے لیے کہا تو جواباً حافظ صاحب نے فرمایا کہ میں نے جس کتاب میں پڑھا ہے جب تک اس میں دوبارہ نہ دیکھ لوں گا توبہ نہیں کروں گا۔ان سے کہا گیا واقعہ جو آپ نے بیان کیا وہی تو عرفان شریعت میں ہے۔اور اس واقعہ مذکورہ پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم ہے۔لہٰذا آپ کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کی پابندی کرنی چاہئے کہ آخر آپ بھی اسی سلسلہ میں بیعت ہیں۔مگر حافظ صاحب بضد رہے اور توبہ نہ کیا۔کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ حافظ عبدالحفیظ ٹین والے کھنک محلّہ جبل پور

الجواب

(۱) جھوٹ گناہ کبیرہ ہے:" لعنة الله على الكاذبين "اور گناہ کبیرہ کرنے والا فاسق ہے۔

بیضاوی شریف میں ہے:"والفاسق فی الشرع الخارج عن امر الله بارتكاب الكبيرة

اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے:" ومشی فی شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم " پس صورت مسئولہ میں برتقدیر صدق مستفتی امام صاحب مذکور اگر اپنے گناہ سے توبہ نہ کریں تو ان کی امامت مکروہ اور ان کو بشرط استطاعت امامت سے علیحدہ کرنا چاہئے۔

(۲) ان حافظ صاحب کا معاملہ نمبر ایک سے زیادہ سخت ہے۔اگر وہی ان کا اعتقاد ہے تو یقیناً کفر ہے۔اور ان کے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں۔عالم گیری میں ہے:" ان كان هوى لا يكفر به صاحبه

یجوز الصلوۃ خلفه مع الكراهة والا فلا" ان پر ضروری ہے کہ از سرنو توبہ کریں اور تجدید ایمان وتجدید نکاح کریں، اور اعتقاد نہ ہو تو بھی تجدید ایمان وتجدید نکاح کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۸ر جمادی الاخر ۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۷۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک حافظ صاحب (پیش امام صاحب) نے مسجد میں بقرعید کے روز منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ کے بعد قسم کھائی کہ اب میں یہاں نہیں رہوں گا اور نہ کبھی مسجد میں پڑھاؤں گا۔ چاہے جو بھی ہو اگر ایک ہاتھ میں ماہتاب دے کر بھی کوئی کہے رہنے کو تو میں کبھی نہیں رہوں گا، اور اس کے بعد وہ فوراً اپنے ملک چلے گئے پھر چار ماہ بعد آئے دھیرے دھیرے پھر اس مسجد میں رہنے سہنے لگے اور نماز پڑھانے کو تیار ہوئے تو اس پر آپس میں دو فرقے (گروہ) ہو گئے۔ ایک کہتا ہے کہ ان کے پیچھے نماز جائز نہیں جب کہ یہ قسم کھا چکے ہیں دوسرا یہ کہتا ہے کہ ان کے نہ رہنے سے ہم لوگ دوسرے کو نہیں رکھیں گے، چاہے یہ غلطی ہی کیوں نہ کرتے ہوں، چونکہ حافظ صاحب نے ایک غیر مسلم کی رقم مسجد میں لگا دی دوسرے ایک پیشہ ور عورت نے ایک سو روپیہ دیا تو اس روپیہ سے مسجد میں میلاد شریف کرایا کئی حضرات یہاں سود خور ہیں ان کے گھر کھانے پینے سے باز نہیں آتے اس لیے یہ سب اتنی بات بڑھ گئی اور ان کے پیچھے نماز سے لوگ اعتراض کرنے لگے۔ لہٰذا صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں۔

سائل قاسم علی میاں متولی مسجد ڈاکخانہ گھاٹی مرشد آباد بنگال

الجواب

اگر سود خور کی آمدنی کے دوسرے حلال ذرائع سودی کاروبار سے کم ہیں تو اس کے وہاں کھانا ضرور فسق ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز ضرور مکروہ تحریمی اور قابل اعادہ ہے اور اس کو امام بنانا گناہ ہوگا۔ لیکن اگر امام اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے اور اپنے فسق سے توبہ کرے اور خلاف شرع حرکات سے بچتا ہے تو اس کو امام بنایا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷
الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۷۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کہ زید ایک مسجد کا امام ہے وہ تین بھائی ہیں ان لوگوں کا ایک ہی مکان ہے اور ایک ہی آنگن

ہے جس آنگن میں عورتوں کے لیے کوئی پردہ نہیں ہے غسل یا پیشاب کرنے کے لیے نہ مردوں نے کوئی پردہ کا انتظام کیا ہے آنگن میں ایک دروازہ بھی ہے لیکن کواڑ نہیں ہے بالکل ہی کھلا ہے وہ لوگ مجبور بھی نہیں بلکہ خوشحال ہیں لیکن پردہ کا خیال عورتوں کے لیے نہیں کرتے ہیں زید مرید اور سلسلے کا خلیفہ بھی اور مسجد کا امام بھی ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ اور زید کے اوپر شرع کا کون قانون نافذ ہوگا۔ ازروئے شرع جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی، محمد اسحاق تبلیغی رسٹرا ہگلی

الجواب

سوال مبہم سا ہے، خالی از مکان نہیں اگر واقعہ ایسا ہے کہ صورت مسئولہ میں اجنبی مردوں کی نگاہیں مکان کی بے پردگی کی وجہ سے مکان میں رہنے والی عورتوں کے ان اعضاء پر پڑتی ہوں جن کے چھپانے کا حکم ہے اور گھر کے مرد اس صورت حال پر راضی ہوں تو وہ فاسق ہیں ان کی امامت مکروہ ان کے پیچھے نماز پڑھی تو لوٹائے ان کو بشرط استطاعت امامت سے علیحدہ کرنا ضروری ہے اور ان کو امام رکھنا گناہ جب تک توبہ نہ کریں اور اپنی اصلاح نہ کرلیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

(۷۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

اگر چہ امام سنی ہے اور دیو بندی کی نماز جنازہ پڑھائے اور اس کو جانکاری ہے کہ میت دیوبندی کی ہے اور اس نے نماز جنازہ پڑھا دیا کیا وہ امامت کے لائق ہے یا نہیں اور اس نے نہ کلمہ پڑھا نہ نکاح کیا اور نہ توبہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

المستفتی، محمد جلال الدین خاں کیر آف محمد فیروز خاں مقام چک پھول۔ پوسٹ بڑسری جاگیر ضلع بلیا

الجواب

دیوبندی کے کفر پر مطلع ہو کر اور اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز پڑھا دے تو ایسا شخص اسلام سے خارج ہو گیا اس پر توبہ اور تجدید ایمان ونکاح ضروری ہے اور اس کو کافر جان کر پڑھائی تب بھی سخت گنہگار ہوا۔ بغیر توبہ صادقہ کے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی توبہ کرے تو فبہا ورنہ اس کو امامت سے علیحدہ کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

(۷۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید جو کہ ایک مدرسہ کا صدر و مینیجر ہے کچھ مجبوریوں کے تحت اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گیا۔ کمیٹی

کے ممبران کے سمجھانے کے باوجود زید عہدہ لینے پر راضی نہ ہوا تب کمیٹی کے چودہ ممبران کے دستخط سے استعفیٰ منظور کرلیا گیا جس کو بکر جو مدرسہ کا صدر مدرس ہے اس نے اپنے قلم سے کارروائی رجسٹر پر درج کیا۔ بکر پر اعتبار کرتے ہوئے اراکین نے کارروائی رجسٹر بکر کے حوالے کردیا اور حفاظت کا عہد لیا لیکن بکر نے زید کے ساتھ مل کر کارروائی رجسٹر غائب کردیا، ہفتہ بعد پھر جب میٹنگ ہوئی تو بکر سے اراکین نے رجسٹر کارروائی طلب کیا تو اس نے کہہ دیا کارروائی رجسٹر زید مذکور لے گیا جس کی تحریر خود بکر مذکور نے اراکین کو دی اور تحریر میں یہ بھی بیان دیا کہ ۱۵/ اگست کی بیٹھک میں (جس میں استعفیٰ منظور کیا گیا تھا) کارروائی میں نے ہی تحریر کی پھر یکم اکتوبر کو بیسک شکچھا ادھیکاری کے یہاں زید کا استعفیٰ منظور ہوگیا تو زید مذکور نے ایک رٹ ہائی کورٹ میں داخل کیا جس میں زید نے اپنے استعفیٰ کا انکار کیا اور اس کی تصدیق میں بکر مذکور نے ہائی کورٹ میں یہ بیان دیا۔

”میں بحلف بیان کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ میں نے زید کے خلاف کوئی تحریری رپورٹ نہیں دی ہے اور میں بحلف قسم کھاتا ہوں کہ میرا بیان میرے ذاتی علم سے صحیح و سچ ہے کوئی بات چھپائی نہیں گئی ہے اللہ میری مدد کرے۔“

اب بکر مذکور کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے جب کہ اس نے امانت میں خیانت کی اور جھوٹا حلف لیا کیا ایسا شخص نماز کی امامت کسی مذہبی ادارہ کی صدارت وغیرہ جیسے اہم مناصب پر قائم رکھنے کے لائق ہے۔ تفصیلا بیان کریں نیز زید مذکور کے بارے میں بھی شرعی حکم بیان کریں معلوم ہو کہ زید نے اپنا استعفیٰ جامع مسجد میں مجمع عام میں بھی سنایا تھا۔ بینوا وتوجروا

المستفتی علی حسین ساکن گولہ بازار گورکھپور

الجواب

آج سے غالباً دو ماہ قبل اسی واقعہ سے متعلق ایک استفتا افضل حسین امین انور علی نے کیا تھا جو زید اور خالد فرضی ناموں سے تھا اور آج زید اور بکر کے نام سے یہ سوال علی حسین کے نام سے آیا ہے گذشتہ سوال میں یہ تشریح تھی کی دفتر کی کنجی زید کے پاس تھی اور اسی نے کارروائی رجسٹر کو نکال کرا پنے پاس رکھ لیا صدر مدرس نے دیگر ارکان کو اس کی اطلاع ایک ہفتہ بعد دی جب ان لوگوں نے پوچھا۔ صرف اس تاخیر کی بنیاد پر جن لوگوں نے صدر مدرس کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کا فتوی دیا ضرور غلط اور ناجائز کیا۔ یہی ہم نے پہلے استفتاء کے جواب میں لکھا جو حکم شرع ہے۔

موجودہ سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدر مدرس نے بعد میں الہ آباد ہائی کورٹ میں واقعہ کے

خلاف حلفیہ غلط بیان دیا اگر سائل کا بیان صحیح ہے۔ اور صدر مدرس کی طرح سائل بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہے تو صدر مدرس اب اپنی اس جھوٹی گواہی سے ضرور فاسق ہوگیا۔ اور جب تک اپنے اس گناہ سے توبہ صادقہ نہ کرلے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ

(۷۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک امام صاحب اور ایک دوسرے آدمی نے ایک دکان سے ایک ساتھ دس دس روپے کا سودا خریدا۔ امام صاحب نے دوکاندار کو دس کا نوٹ دیا اور دوسرے نے پچاس روپے کا دوکاندار نے غلطی سے چالیس روپیہ امام صاحب کو لوٹایا یہ لے کر وہاں سے فوراً چلے گئے دوسرے شخص نے چالیس روپیہ کا مطالبہ کیا دوکاندار نے غلطی محسوس کر کے اس کو بھی چالیس روپے دیئے تھے۔

ایک ہفتہ کے بعد امام صاحب سے دوکاندار نے چالیس کا مطالبہ کیا تو انھوں نے انکار کیا، اس پر وہ انہیں مارنے لگا تو انھوں نے اقرار کیا، امام صاحب غیبت اور چغلی بھی کرتے ہیں، حق بات کہنے سے گریز کرتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو لڑا دیتے ہیں، ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس امام کے بارے میں کیا حکم ہے۔ فقط المستفتی محمد حبیب عالم مقام دلانگی پوسٹ نگراں کلاں ضلع گریڈیہہ (بہار)

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی سوال میں جتنی باتیں امام کے متعلق بیان کی گئی ہیں اس میں کچھ فسق وگناہ ہیں ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور ایسے آدمی کو جان بوجھ کر امام بنانا گناہ اور بشرط استطاعت اسے امامت سے علیحدہ کرنا ضروری۔

شامی میں ہے: " ومشى في شرح المنيه على ان كراهة التقديمه كراهة تحريم "

پس صورت مسئولہ میں یا تو امام صاحب اپنے تمام گناہوں سے صدق دل سے توبہ کریں۔ اور آئندہ ایسے گناہوں سے پرہیز کا پختہ عہد کریں۔ اور اس پر ثابت قدم رہیں تو مسلمان بدستور ان کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اور توبہ نہ کریں یا توبہ کے بعد پھر گناہوں میں مبتلا ہوجائیں۔ تو ان کو امامت سے الگ کردیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۸ شوال المکرم ۱۴۱۲ھ

(۷۸۔۷۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) زید ایک مسجد کا امام ہے۔ جو کسی بھی وقت مقررہ پر نہ اذان دیتا ہے اور نہ جماعت ہوتی ہے۔ اسی پر اراکین مسجد نے زید سے کہا کہ آپ کیوں نہیں وقت پر اذان دیتے ہیں تو امام زید نے اور اس کے

لڑکے بکر نے یہ جملہ اپنی اپنی زبان سے کہا کہ بڑے بڑے نمازیوں کو دیکھا گیا ہے تو ایسی صورت میں زید امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) زید جو امام مسجد کہلاتا ہے اس کے گھر میں تاڑی رکھی رہتی ہے اور اس کا لڑکا بکر ہے وہ اس تاڑی کو پیتا بھی ہے۔ حالانکہ امام مسجد کو معلوم ہے کہ ہمارا لڑکا تاڑی لاکر گھر میں رکھتا ہے اور اس کو استعمال بھی کرتا ہے، اب اس صورت میں اس امام کی اقتداء کرنا درست ہے یا نہیں اور امام مسجد اگر توبہ کرے تو کس طریقے سے شریعت محمدیہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ فی الفور

المستفتی، اقبال احمد ماسٹر مدرسہ عربیہ بحر العلوم ناکیہ مسجد بر بیچ بازار ضلع دیوریا یوپی

الجواب

(۱) زید نے اور اس کے لڑے نے جملہ سخت کہا ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا لیکن اس بات سے اس کی امامت میں کوئی خلل نہیں۔ اگر اس میں اور کوئی خرابی منافی امامت نہیں تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔

(۲) زید اگر اپنے لڑکے کے اس فعل سے راضی نہیں اس کے کے خلاف نفرت اور بیزاری ظاہر کرتا ہے اور جیسا کہ آج کل اکثر ہوتا ہے کہ لڑکے سرکشی سے ایسی حرکتیں کرتے ہیں تو زید پر کوئی الزام نہیں اس کی امامت جائز ہے، ہاں زید لڑکے کے اس فعل سے راضی ہو تو وہ بھی اس گناہ میں شریک اور فاسق تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ زید علی الاعلان اپنے اس فعل پر نادم ہو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور آئندہ کے لیے عہد کرے کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ لڑے کو حتی المقدور اس حرام کاری سے باز رکھے اور اس سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کرے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۴ محرام الحرام ۱۴۱۵ھ

(۸۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

کسی مسجد میں جمعہ کی نماز تقریباً ایک سال سے ایک مولانا جن کی ڈگری منشی، مولوی، عالم اور فاضل ہے اور ساتھ ہی باشرع بھی ہیں پڑھا رہے ہیں اسی مسجد میں پنج وقتہ نماز کبھی کبھی کوئی حافظ، مولوی یا مقتدیوں میں سے کوئی پڑھاتا ہے اس بیچ ایک مولوی جس کو وہیں مدرسہ میں تعلیم کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اور جس کی ڈگری صرف مولوی کی ہے وہ مشرع بھی نہیں ہیں پنج وقتہ نماز پڑھانے لگے ہیں اب جمعہ کی نماز مولانا جو ایک سال سے پڑھا رہے ہیں ان کو ہٹا کر وہ مولوی صاحب پڑھا سکتے ہیں یا نہیں، اس کی وضاحت کریں اور اسی مدرسے میں ایک ہیڈ ماسٹر کی تقرری ہوئی ہے جو لیاقت میں منشی مولوی عالم اور

فاضل ہیں، اور ساتھ ہی باشرع بھی ہیں کیا ان کی موجودگی میں وہ مولوی جو پنج وقتہ نماز پڑھا رہا ہے، پڑھا سکتا ہے انہیں مولوی صاحب کی نماز پڑھانے کا فیصلہ کمیٹی نے کیا ہے لیکن اس بارے میں شرعی فیصلہ کیا ہے مفصل جواب کا منتظر ہوں۔

المستفتی، کمیٹی مدرسہ جامعہ العلوم دہری گھاٹ مئو

الجواب

جو شخص شرعی وضع قطع نہیں رکھتا مثلاً داڑھی حد شرع سے کم ہو ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھ لی تو دہراؤ۔

شامی میں ہے " کل صلاة اديت مع الكراهه تجب اعادتها "(درمختار: ۲/۱۳۰)

ایسے شخص کو امام بنانا ناجائز ہے۔ چاہے پنجوقتی نماز ہو چاہے جمعہ کی نماز، اور امام بن گیا تو اس کو امامت سے علیحدہ کرنا واجب ہے۔

اسی میں ہے " ومشى في شرح المنية على ان كراهة تقديمة كراهة تحريم "

اور دوسرے امام جمعہ جو باشرع ہیں اور علم اور فضل میں بھی زیادہ ہیں سال بھر سے امام جمعہ ہیں ان کو بلا کسی شرعی کوتاہی کے امامت جمعہ سے علیحدہ کرنا ظلم و ناجائز ہے۔

شامی میں ہے:" ولا ينعزل صاحب وظيفة بلا جنحة او عدم اهلية "(شامی: ۶/۴۰۵)

پس صورت مسئولہ میں دو باتیں بالکل واضح ہیں وہ غیر شرعی مولوی کسی نماز کا امام نہیں ہوسکتا اور مقررہ امام جمعہ کو بلا کسی شرعی قصور کے امامت سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲ ذی الحجہ / ۱۴۱۵ھ

(۸۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید اپنے گاؤں میں تقریباً ایک سال سے پنج وقتہ امامت کرتا ہے لیکن آیات قرآنی کو درست نہیں پڑھتا جا بجا غلطیاں کرتا ہے مثلاً "متصدعا من خشية الله" کو "من خسية الله" اور "لَرَاَيْتَه" کو "لَرتَه" پڑھتا ہے اور ایسے ہی "وعلى" کو "ولا" پڑھ دیتا ہے بار بار تنبیہ کرنے پر بھی صحیح نہیں کرتا کہتا ہے کہ زبان میں لکنت ہے کوشش کرتا ہوں باوجود کوشش تمام کے الفاظ صحیح ادا نہیں ہو پاتے، تو آیا شخص مذکور کے بارے میں حکم شرعی کیا ہوگا؟

اس کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ مفصل و مدلل جواب عنایت فرمائیں تا کہ لوگوں کو شرعی مسئلہ سے آگاہ کیا جائے۔ بینوا توجروا

المستفتی، محمد زاہد مقام ہیگا پور پوسٹ پلھی پور سلطان پور یوپی

الجواب

صورت مسئولہ میں زید اُمی معذور ہے وہ زندگی بھر تصحیح حروف کی کوشش کرتا رہا کسی طرح وہ صحیح ادا پر قادر نہ ہوا تو اس کی اور اس کے جیسے معذوروں کی نماز اس کے پیچھے ہو جائے گی وہ بھی اس صورت میں کہ جماعت میں کوئی صحیح خواں نہ ہو اور جماعت میں کوئی دوسرا صحیح قرآن شریف پڑھنے والا صالح امامت ہو تو سب پر لازم ہے کہ اس کی اقتداء کریں، ورنہ کسی کی نماز نہ ہوگی ان مسائل کی پوری تفصیل بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۱۸ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

(۸۲۔۸۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) نس بندی کرانے والا توبہ کرنے کے بعد قابل امامت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ فسق دائمی ہے لیکن توبہ کے بعد تو نماز کی امامت کی اقتدا جائز ہونی چاہئے اس سلسلہ میں کوئی جزیہ فقہیہ بیان ہونا چاہئے

(۲) ہینڈ پائپ میں کسی لڑکے نے پیشاب کر دیا اب اس کا پانی قابل استعمال ہے یا نہیں؟ بصورت دیگر اس کے پاک کرنے کی کوئی صورت تو نہیں۔

المستفتی، مولانا ظل الرحمان دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام ۳۰-۹-۱۹۹۵ء

الجواب

(۱) علی الاعلان ارتکاب گناہ سے آدمی فاسق ہوتا ہے، اور حدیث شریف میں ہے؟ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہے اور جب ہر گناہ سے توبہ ہے تو کون سا فسق ہے جو دائمی ہے؟ اس لیے توبہ کے بعد فسق تو ختم ہوگا، تو اب صورت مسئلہ یہ ہوئی کہ ایسا شخص جو بیوی سے جماع پر تو قادر ہے مگر اس کے اولاد نہیں ہوگی ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اعلیحضرت فرماتے ہیں جس میں کوئی ایسا جسمانی عیب ہو جس سے لوگوں کو نفرت ہو ان کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی کہ پڑھنی خلاف اولیٰ اور پڑھ لیں تو حرج نہیں۔ ہمارے خیال میں نس بندی جسمانی عیب بھی نہیں، اس لیے اور کوئی عیب نہ ہو تو نماز میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) ہینڈ پائپ میں مشین اور پائپ کے بیچ میں چمڑے کی ایک زبان لگی رہتی ہے جس سے اوپر کا پانی نیچے نہیں جاتا اگر مشین بالکل ٹھیک ہو کبھی پانی نہ چھوڑتی ہو تب تو مسئلہ بالکل آسان ہے مشین کھول دی جائے اور پائپ کا زبان والا حصہ اوپر سے دھو دیا جائے پھر مشین فٹ کر کے کام میں لایا جائے زبان کے نیچے کا حصہ ناپاک ہوا ہی نہ تھا اور اگر مشین خراب یعنی چمڑہ کی زبان اوپر کے پانی کو نیچے جانے سے

روک نہ سکتی ہو تو اس پائپ پر پمپنگ سٹ لگا کر اتنا پانی نکال دیا جائے جس سے یہ اطمینان ہو جائے کہ موجودہ پانی نکل گیا ہوگا فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۶ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ

(۸۴۔۸۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ

(۱) زید جامع مسجد کے ساتھ ساتھ عید و بقر عید کا بھی امام ہے موصوف خارج نماز چین والی گھڑی استعمال کرتے ہیں اور نماز کے وقت اتار لیتے ہیں خالد نے کہا کہ عدم جواز کا حکم مطلق ہے چاہے داخل نماز ہو یا خارج نماز اس پر زید کہتے ہیں کہ عدم جواز کا حکم مطلق نہیں، بلکہ خارج نماز استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) یہ کہ امام موصوف جمعہ، عید و بقر عید میں درمیان خطبہ خطبات علمی کے پورے اشعار کو بھی پڑھتے ہیں، منع کرنے پر کہتے ہیں کہ چونکہ لوگ عربی سے ناواقف ہیں اس لیے اردو میں بھی پڑھتے ہیں۔

(۳) یہ کہ زید کے علاوہ ایک تیسرا شخص ہے بکر جو حافظ قرآن ہے جب سے حافظ ہوئے ہمیشہ دیو بندیوں کے یہاں تراویح سناتے ہیں۔ اور انھیں کے یہاں عید و بقر عید کی نماز پڑھاتے ہیں، دیو بندیوں کے اجتماع میں بھی شریک ہوتے ہیں۔ اور کھلے عام ان کو کافر بھی نہیں کہتے۔ ہمیشہ سے دیو بندی سے تعلقات رہے ہیں اور آج بھی وہی حال ہے، جمعہ کی نماز کے لیے کبھی کبھی امام صاحب اپنی موجودگی میں بکر حافظ کو امامت کے لیے حکم دیتے ہیں اور امام صاحب بکر حافظ کے پیچھے نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔

ایسی صورت میں امام صاحب حافظ صاحب بکر کی اقتداء میں نماز ہوگی یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں فقط۔ المستفتی، عبدالحمید دار العلوم غوثیہ دانیال پور لال گوپال گنج الہ آباد یوپی

الجواب

(۱) صورت مسئولہ میں خالد کا قول صحیح اور زید صاحب کی بات غلط ہے۔ دھات کی چین پہننے کی ممانعت مطلق ہے، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنی تصنیف احکام شریعت میں فرماتے ہیں ”گھڑی کی زنجیر سونے چاندی کی مرد کو حرام اور دیگر دھاتوں کی ممنوع ہے۔ اور جو چیز ممنوع ہے اس کو پہن کر نماز اور امامت مکروہ تحریمی ہے“ جس کا صریح معنیٰ یہ ہے کہ اس کا پہننا مطلقاً ممنوع ہے اور اسی لیے اس کے ساتھ نماز اور امامت بھی مکروہ ہے۔

(۲) عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبانی میں پورا خطبہ پڑھنا یا اس کا کوئی حصہ پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے اور اس کے لیے عوام کی ناسمجھی کو جو دلیل بتایا گیا ہے غلط ہے، عوام تو قرآن اور

دعاؤں کو بھی نہیں جانتے وہ اس کے معانی سے ناواقف ہیں تو کیا نماز بھی اردو میں پڑھائی جائے گی ؟

(۳) برتقدیر صدق مستفتی بکر اگر دیوبندیوں کے کفر پر مطلع ہو کر انھیں کافر کہنے سے انکار کرتا ہے تو اس کا مسئلہ سخت ہے۔ کہ وہ خود بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس کو جان بوجھ کر امام بنانا اور اس کی اقتداء کرنا ناجائز وحرام ہے۔ زید کو نرمی سے سمجھا جائے کہ اپنی اس حرکت سے باز آئے اور اپنی اس کوتاہی کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ اگر وہ ایسا کر رہا ہے تو ٹھیک ورنہ بشرط استطاعت اس کو امامت سے علیحدہ کر دینا ضروری ہے اور مجبوری کی صورت میں اس کی اقتداء نہ کی جائے۔

اور اگر بکر لاعلمی میں دیوبندیوں سے خلاء ملاء رکھتا ہے جیسا کہ آج کی تبلیغی جماعت سنیوں کو ورغلا کر اپنے چلوں میں لے جاتی ہے۔ تو انکا حکم اتنا سخت نہیں ہوگا، ان کو نرمی سے سمجھانا ہوگا اور امام صاحب کو بھی کہ ایسے بداحتیاط امام کو مصلے پر آگے نہ کریں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ افراط وتفریط دونوں طرف سے نہ ہونا چاہئے نہ امام صاحب کو غلط مسئلوں پر ضد کرنا چاہئے اور سائلوں کو بھی امام صاحب کی مخالفت نہ کرنا چاہئے، دوسرے مسئلہ میں سنت متوارثہ کی مخالفت ہے مگر اس کی وجہ سے ان کی اقتدا منع نہ ہوگی۔

پہلی صورت میں انتہائی درجہ امام صاحب کے فسق کا ہے مگر جمعہ وعیدین میں ایسے امام کے پیچھے مجبوراً اقتداء کی اجازت ہے، تیسرے مسئلہ کی تفصیل تو لکھ چکے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲ ر رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

(۸۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید ایک عالم دین ہونے کے باوجود عمرو کی بیوی ہندہ سے زنا کا مرتکب ہوا، بعدہ زید صدق دل سے تائب ہو گیا تو ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے کہ نہیں؟ اور پھر زید بکر کی اقتداء میں نماز ادا کرتا ہے جس کا تلفظ صحیح نہیں ہے تو کیا زید کی نماز بکر کی اقتداء میں ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں بینوا توجروا

المستفتی، ڈاکٹر محمد احسان اعظمی جمال پور گھوسی مئو یوپی

الجواب

بلاشبہ اللہ تعالیٰ سچے دل کی توبہ قبول کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے "التائب من الذنب کمن لا ذنب له"

اگر اس میں امامت کے منافی کوئی اور بات نہ ہو تو اس کو امام بنایا جاسکتا ہے، ہاں اتنا دن انتظار کر لیا جائے کہ توبہ کا اثر اس کے اعمال وافعال سے ظاہر یعنی وہ صالح اور نیکوکار ہو جائے، صحیح خوان کی نماز

غلط خواں کے پیچھے نہیں ہوتی اور جماعت میں کوئی صحیح خواں امامت کا اہل ہو تو بکر کی اپنی نماز بھی نہ ہوگی فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۳ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

(۸۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید کو قطرے کی بیماری ہے، بار بار قطرہ آتا ہے اور وہ ایک مسجد کا امام بھی ہے، بکر کہتا ہے کہ تم امامت نہیں کر سکتے، زید کہتا ہے کہ کوئی حرج نہیں، بکر کہتا ہے عجب حال ہے آج کل کے دور کا، جس کو لفظ کی ادائیگی بھی ٹھیک سے نہ آتی ہو وہ بھی امام بن جاتا ہے، چھوٹی "س" اور بڑی "ش" کی بھی تمیز نہیں، وہ امامت کرتا ہے اور عوام کو بھی اس کا خیال نہیں رہتا ہے جو ملتا ہے اس کو رکھ لیا جاتا ہے۔ بہر حال حضور والا سے گذارش ہے کہ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی، محمد ناظم علی رضوی صدر مدرس گلشن جیت شہپورہ پوسٹ رضی اللہ پور گوپال گنج

الجواب

قطرہ کا اگر کوئی وقت نہیں ہے کہ کب آجائے یا آتا رہتا ہے تو زید واقعۃً معذور ہے اور وہ ایسے لوگوں کی امامت نہیں کر سکتے جن کو یہ عذر نہ ہو۔

ھدایہ میں ہے " لا یصلی الطاھر خلف من ھو فی معنی المستحاضۃ "

(ھدایہ: ۱/ ۱۲۶)

اور اگر اس حد تک بیماری نہ ہو بلکہ پیشاب کے بعد آتا ہے تو پیشاب کے بعد رک کر یا کسی ایک پہلو پر زور دے کر یا ٹہل کر یا کلوخ لے کر جس طرح بھی اطمینان ہو سکے پورا اطمینان کر لے کہ اب قطرہ نہیں آئے گا تو وضو کر کے امامت کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۱ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

(۸۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

زید جامع مسجد کا امام ہے پنج وقتہ نیز جمعہ وعیدین کا بھی امام ہے رمضان المبارک میں ایسے حافظ کو نماز تراویح پڑھانے کے لیے بلایا جس کی داڑھی چھوٹی چھوٹی یعنی ترشواتا تھا، وہ حافظ نماز تراویح پڑھانا شروع کیا خالد نے پنج وقتہ امام سے کہا کہ اس حافظ کے پیچھے تراویح کی نماز کیسے ہوگی جب کہ اس کی داڑھی ایک مشت نہیں ہے بلکہ بہت چھوٹی چھوٹی ہے، یہ حافظ داڑھی کٹواتا ہے اس کے پیچھے نماز تراویح کیسے جائز ہوگی، تو جواب میں امام جامع مسجد نے یہ کہا کہ تراویح کی نماز واجب یا فرض نہیں سنت ہی تو ہے داڑھی کتروانے والا پڑھائے یا داڑھی منڈوانے والا کوئی فرق نہیں پڑتا نماز تراویح ہو جائے گی،

امام جامع مسجد کی اس قول کی تائید کچھ اور لوگوں نے بھی کی امام جامع مسجد خود بھی تراویح میں اس حافظ کی اقتدا کرتے رہے، سوال یہ ہے کہ زید کا یہ کہنا شرع کے اعتبار سے کہاں تک درست ہے کیا نماز تراویح کی شریعت میں کوئی خاص اہمیت نہیں، فاسق یا غیر فاسق جو چاہے پڑھا سکتا ہے اگر زید کا یہ قول وفعل صحیح نہیں تو شرعاً اس پر کیا حکم اور خود اس کی امامت کیسی ہے اور اس کے پیچھے پنج وقتہ وجمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا کیسا ہے فقط۔ خاکسار شمس الدین صدیقی محلہ چوک وارڈ نمبر قصبہ سیراجہ ضلع وارانسی یوپی

الجواب

فرض نماز ہو یا واجب یا نفل یا تراویح سب کے امام کے لیے ضروری ہے کہ فاسق معلن نہ ہو اور فاسق معلن پڑھائیگا تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

درمختار میں ہے " ومشی فی شرح المنية ان كراهه تقديمه كراهة تحريمة "

اور داڑھی حد شرع سے کم رکھنا بلاشبہ فسق بالاعلان ہے۔

اسی میں ہے " السنة فيه القبضة ويحرم قطعها "(كتاب الحظر و الاباحة: ۹/۴۹۸)

امام صاحب نے ایسے فاسق کو امام رکھکر اوران کے پیچھے نماز پڑھ کر خود گناہ کا ارتکاب کیا اور غلط مسئلہ بتا کر اور مجرم وگنہگار ہوئے جب تک توبہ واستغفار نہ کریں ان کو امام نہ بنایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۷ ذوالقعدہ ۱۴۱۰ھ

(۹۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کا عقد کر دیا مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی کہ اب زید کی لڑکی جا کر غیر مسلم سے زنا کرائی اور اسی غیر مسلم سے حمل ٹھہر گیا۔ زید کسی بھی طریقہ سے وضع حمل کرا دیا اب ایسی صورت میں زید اور زید کے لڑکے کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں۔ بینواوتوجروا

المستفتی، اصغر علی فیضہ مقام چتونا پوسٹ نہیتی پور ضلع فیض آباد (یوپی)

الجواب

زید اور اس کا لڑکا اس حرامکاری میں اس لڑکی کے شریک رہے ہوں (جس کی توقع ایک باغیرت انسان سے بھی نہیں۔ چہ جائیکہ ایک مسلمان ایسا کرے۔

حدیث شریف میں " ظنوا المؤمنين خيرا " تو بے توبہ ان کے امامت مکروہ ہے۔ اور اگر ان کی رضامندی اس مین شامل نہ رہی ہو جیسا کہ قرین قیاس یہی ہے تو لڑکی کے گناہ کا ان پر کوئی وبال نہیں ﴿لا تزرو ازرة وزر اخرى﴾ [الانعام: ۱٦٤] اور ان کے پیچھے بلا کراہت نماز جائز ہوگی۔ ہاں اگر جان

پڑھنے کے بعد زید نے حمل ضائع کرایا تو گنہگار ہوا اور بے توبہ اس کی امامت مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۰ ذوالقعدہ ۱۴۱۰ھ

(۹۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع عظام مسئلۂ ذیل میں کہ

بکر ایک سنی صحیح العقیدہ عالم ہے لیکن یہ انصاری خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے زید اور اس کے محلے والے نیز شیخ حضرات بھی اس کے پیچھے عید کی نماز نہیں پڑھتے ہیں، اور برسوں سے ایک ایسے جاہل کھوسٹ بڈھے کی اقتدا کرتے ہوئے چلے آئے ہیں جو نہ کھڑے ہونے پر قدرت رکھتا ہے اور نہ رکوع وسجود ہی کو کما حقہ ادا کر پاتا ہے اور نہ ہی اس کی قرأت سمجھ میں آتی ہے، زید کا کہنا ہے کہ ان سب صورتوں میں لوگوں کی نماز ہو جائے گی، اس لیے کہ وہ ذات کے شیخ ہیں۔ اور بکر کے پیچھے نماز نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ انصاری ہے۔

جہد مسلسل اور کافی تنازع کے بعد زید اور اس کے محلے والوں نے نماز عید پڑھانے کے لیے بکر کی موجودگی میں ایک جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے کو اپنا امام منتخب کیا اور سبھوں نے اس جماعت اسلامی والے کے پیچھے بایں وجہ نماز عید ادا کی کہ وہ ذات کا شیخ ہے حالانکہ اس کی داڑھی حد شرع سے بہت کم ہے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی شریعت میں ایسا ہی ہے کہ انصاری، منصوری، دھوبی، نائی وغیرہم کو عالم ہونے کے باوجود ایک جاہل شیخ یا ایک جماعت اسلامی والے کو امامت کے لیے آگے بڑھایا جائے اور ان لوگوں کی اقتداء نہ کی جائے۔

جواب مرحمت فرماتے ہوئے یہ بھی لکھیں کہ جماعت اسلامی والے کے پیچھے جماعت اہل سنت کی نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور نہ ہوگی تو ان لوگوں پر شریعت کا کیا حکم عائد ہوتا ہے جنہوں نے اس کی اقتداء میں نماز عید ادا کی ہے اور ایک سنی صحیح العقیدہ عالم کی موجودگی میں ایک جماعت اسلامی کو جان بوجھ کر اپنا امام تسلیم کیا ہے بالتفصیل قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں فقط

المستفتی، پیر محمد مقام خواص پور (مالکانہ) ضلع سیوان (بہار)

الجواب

اسلام میں فضل وشرف کا دارومدار ذات اور برادری پر نہیں علم اور تقویٰ پر ہے۔

قرآن عظیم میں ہے ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات:۱۳]

بکر کے پیچھے جو لوگ اس کے صرف انصاری ہونے کی بنا پر نماز ناجائز بتاتے ہیں سخت جاہل اور

لاعلم ہیں اور انکا یہ حکم اللہ ورسول پر افتراء ہے۔

تنویرالابصار میں ہے :" الاحق بالامامة الاعلم باحکام الصلوۃ ثم الاحسن تلاوۃ ثم الاورع ثم الاسن ثم الاحسن خلقا ثم الاحسن وجھا ثم الاشرف نسبا ثم الانظف ثوبا " (۲/۲۵۲)

اس عبارت میں ترجیحات کا بیان ہے کہ سب سے پہلے علم کی ترجیح، جب دو آدمی علم میں برابر ہوں تو جو قرآن اچھا پڑھتا ہو، جب دونوں یکساں اچھا قرآن پڑھتے ہوں تو جو زیادہ پرہیز گار ہو، صورت مسئولہ میں جب شیخ صاحب جاہل ہیں تو پہلے ہی درجہ میں امامت سے گر گئے کہ بکر عالم ہے، نمبر دو پر بھی گر گئے کہ بقول سائل شیخ صاحب کے حروف کی ادا صحیح نہیں ہے، تو تیسرے اور چوتھے کا کیا اعتبار، مودودی کے پیچھے نماز پڑھنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کی امامت ناجائز اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اس کو امام بنانے والے گنہگار۔ شامی میں ہے " ومشی فی شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم " واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۰ ذی القعدہ ۱۴۱۰ھ

(۹۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل میں کہ

زید ذات کا پٹھان ہے اور وہ اپنی ذات پر فخر کرتے ہوئے دنیا میں بسنے والے چھوٹے طبقے کے لوگوں مثلاً انصاری، منصوری، دھوبی، نائی کو حقارت اور گری ہوئی نظروں سے دیکھا کرتا ہے۔

ایک مرتبہ زید کے گاؤں والوں نے الوداعی نماز جمعہ پڑھانے کے لیے ایک مولینا صاحب کو بلایا، مولینا صاحب ذات کے نائی ہیں اس پر اس نے کہا اگر واقعی ہم کو یہ معلوم ہوتا کہ مولینا نائی ہیں تو ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا، میں نے دھوکہ میں آکر نماز پڑھ لی ہے، مولینا صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی انہوں نے زید سے کہا کہ اسلام میں ذات پات پر امامت نہیں ہے، زید کے اس نظریے اور کردار پر شریعت کا کیا حکم عائد ہوتا ہے، بالتفصیل قرآن وحدیث کی روشنی مین جواب مرحمت فرمائیں۔ فقط

المستفتی، پیر محمد مقام وپوسٹ کواص پور (مالکانہ) سیوان (بہار)

الجواب

اگر اس جماعت میں اس نائی عالم سے افضل کوئی نہ تھا تو اس کی امامت بلا شبہ جائز بلکہ وہی امامت کے لیے متعین۔ تنویرالابصار میں ہے " وان هوا حق لا والكراهة عليهم "(۲/۲۰٤)

اگر جس نے نماز پڑھائی وہی قابل امامت تھا تو نماز میں کوئی کراہت نہیں جو اختلاف کرے

اسی پر وبال ہے۔

آدمی کے اعمال وعقائد ٹھیک نہ ہوں تو پٹھان ہونا کوئی قابل فخر بات نہیں اور نسب پر فخر ومباہات کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

" لینتهین اقوام یفتخرون بآباء هم الذین ماتوا .انما هم فحم من جهنم او لیکونن اهون علی الله من الجعل الذی یدهده الخراء بانفه ان الله قداذهب عنکم عتیة الجاهلیة وفخرها بالاباء انما هو مؤمن تقی و فاجر شقی. الناس کلهم بنو آدم وآدم خلق من تراب "

(جامع الترمذی:باب فضل الشام والیمن)

لوگ گزرے ہوئے آباو واجداد پر فخر چھوڑ دیں جز ایں نیست کہ وہ جہنم کے کوئلے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک گبریلے سے زیادہ تر ذلیل ہیں جو اپنی سونڈھ سے پاخانہ لڑھکاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے جاہلیت کا غرور اور باپوں پر فخر ختم کردیا اب تو پاک دامن مؤمن ہے یا بد بخت فاجر ہے،تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۱۰ھ

(۹۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

کہ زید منگتا فقیر قوم کا ایک فرد ہے پھر اس کے دو لڑکے حامد اور محمود ہیں پھر اس میں سے حامد عالم ہے اور خود کو سید کہلاتا ہے (یعنی آل رسول) اور زید کا چچازاد بھائی عمرو ہے مگر وہ اپنے کو منگتا قوم ہونے پر فخر کرتا ہے اور زید کے لڑکوں سے رشتہ ناتہ ترک کردیا،اس لیے کہ وہ (یعنی حامد اور محمود) اپنے کو سید کہتے ہیں بہر حال حامد اپنے محلے کی جامع مسجد کا امام ہے عوام اس کے پیچھے نماز ادا کرتی ہے لیکن بعض لوگ جن میں جاہل اور عالم شامل ہیں،ان کے پیچھے نماز جمعہ اور پنجگانہ ادا نہیں کرتے اور اسی گاؤں کی بیس سالہ مسجد میں نماز جمعہ قائم کر کے نماز پڑھتے ہیں،اس لیے کہ انکا گمان ہے کہ نسل تبدیل کرنے والے کے پیچھے نماز درست نہیں لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں اور اقوال فقہائے کرام وعلماء کے مطابق دوسری مسجد میں نماز ادا کرنا درست ہے یا نہیں نیز مصنوعی سید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں تسلی بخش فتویٰ مرحمت فرمائیں نوزش ہوگی۔فقط والسلام المستفتی،محمد سہیل احمد القادری گورکھپوری متعلم مدرسہ شمس العلوم گھوسی

الجواب

بر تقدیر صدق مستفتی غیر سید اپنے سید ہونے کا اعلان کر کے فاسق ہوا اور اس کی امامت مکروہ

ہوئی پنجوقتہ نماز چھوڑنے والے معذور ہیں اور جمعہ چونکہ فاسق کے پیچھے بھی ہو جاتا ہے، اس لیے اس میں الگ جماعت قائم نہیں کرنی چاہئے اس کے علاوہ نیا جمعہ قائم کرنا بھی ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی یکم ذوالحجہ شریف ۱۴۱۰ھ

(۹۴-۹۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید کسی جگہ امامت کرتا ہے اور اسی مسجد میں زید کا کمرہ بھی ہے زید کے کمرے میں ناجائز قسم کا اسلحہ رکھا ہوا تھا جس کو پولس نے برآمد کیا اور یہ زید غنڈے و غلط قسم کے لوگوں کو اپنے کمرے میں سلاتے اور پناہ دیتے تھے پولیس نے اسلحہ کو برآمد کرنے کے بعد زید کو بھی چالان کیا، اب وہ ضمانت پر چھوڑ اکر لائے گئے ہیں اب آپ کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کریں کہ زید کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟۔

(۲) بکر کسی جگہ پنجوقتہ امامت کرتا ہے لیکن خالد بکر کی اجازت کے بغیر جمعہ کو جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے اور بکر کو کسی صورت میں پڑھانے نہیں دیتا خالد کی امامت جائز ہے یا نہیں قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کریں۔

الجواب

(۱) غنڈوں سے خلاف شرع احکام کا صدور ثابت ہو اور اس میں امام صاحب کا ان کی تائید و مدد کرنا بھی ثابت ہو تو بغیر توبہ صادقہ کے ان کی امامت جائز نہیں۔ (۲) مقررہ امام کی حق تلفی اور ظلم ہے واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی یکم ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

(۹۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

زید کے گاؤں میں ایک مسجد ہے جس میں ایک سنی صحیح العقیدہ مسلمان امام مقرر ہے ایک روز امام موصوف نے ظہر کی نماز ختم کرنے کے بعد مقتدیوں سے ناگہاں کہا کہ آپ سب لوگ منافق ہیں مقتدی بھی سنی بریلوی ہیں، کسی مؤمن کو منافق کہنا کیا ہے؟ نیز ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہو سکتی ہے یا نہیں؟۔ المستفتی، عبد الرشید۔ ساکن گھانسی پورہ مئوناتھ بھنجن

الجواب

مسلمانوں کو منافق کہنا قابل تعزیر جرم ہے امام صاحب کو مقتدیوں سے معافی مانگنی چاہئے نماز ان کے پیچھے درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۰ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

(۹۷-۱۰۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین و محققین مسائل ذیل میں کہ

(۱) کہ زید چند ایام قبل جمعہ و عیدین و تمام دینی امور کا امام تھا، کسی وجہ سے عوام میں زید کے متعلق

تنفر پیدا ہو گیا اور عوام نے زید کو امامت سے برخاست کر دیا اور کسی دوسرے سے جمعہ کی نماز پڑھوائی تو زید اپنے پورے گھر والوں کے ساتھ اپنے حقیقی چچا کے پورے اہل وعیال کے ساتھ بغیر جمعہ کی نماز ادا کئے ہوئے مسجد سے باہر چلا گیا اور عوام میں یہ جھوٹی خبر پھیلا دی کہ مجھے مسجد سے زبردستی نکال دیا گیا اور زید یہ کہتا ہے کہ ہم پورے گھر والے اور چچا مع اہل وعیال جماعت سے علیحدہ رہیں گے اور مسجد کو تقسیم کر لیں گے، جتنا حصہ ہوگا اس کی مناسبت سے دیوار دے دیں گے یا کانٹا گاڑ دیں گے، مذکورہ بالا جتنی بھی باتیں بیان کی گئی ہیں زید کے لیے ایسا کہنا اور کرنا کیسا ہے اور زید کے لیے شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے وضاحت فرمائیں۔

(۲) زید سابق امام تھا جسے عوام نے امامت سے برخاست کر دیا تو رنج میں وہ عوام کے خلاف ورزی کرنا شروع کیا، دریں اثناء ایک روز زید کی ماں ہندہ نے مسجد کے مؤذن کو اذان دینے سے منع کر دیا دراں حالے کہ وہ مؤذن انور کی حقیقی بہن ہے جب کہ بھائی بہنوں کے درمیان اسی وجہ سے ایک سال سے طعام وقیام و آمد و رفت منقطع ہے۔ ہندہ کے ساتھ مؤذن کو اذان سے رکنے والے اور بھی دو شخص ہیں جنکا نام بکر اور عمرو ہے اور یہ دونوں سابق امام زید کے اپنے چچا کے ہی لڑکے ہیں زید کی ماں ہندہ نے تو صرف منع کیا، لیکن بکر اور عمرو نے مؤذن کو جارحانہ دھمکی بھی دیا کہ اگر آپ اذان دینگے تو آپ کے ہاتھ اور پیر توڑ کر رکھ دیا جائے گا، ایسی صورت میں ہندہ اور بکر اور عمرو کے لیے شریعت مقدسہ کیا حکم دیتی ہے تفصیل سے بیان فرمائیں۔

(۳) امامت کے عہدے سے معزول ہو جانا زید پر بہت گراں گذر رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں ہی امام رہتا اور زید کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ میرے علاوہ کوئی بھی امامت کے فرائض انجام دیگا اس امام کے پیچھے میں نماز نہیں ادا کرونگا خواہ وہ اپنی اس بستی کا ہو یا باہر کا ہو۔ زید اتنے ہی پر قطع کلام نہیں کرتا بلکہ موجودہ امام جو باہر کا عالم دین ہے اس کی عیب جوئی زبردستی کرنا چاہتا ہے، اس کے علاوہ جو امامت کے قابل بستی ہی کی شخصیت ہے اس کی عیب جوئی کرتا ہے اور عوام میں ذلیل وخوار کرنا چاہتا ہے، جب کہ زید کا یہ سب کرنا امامت کی ہوس ہے۔ اب زید کے اوپر شریعت کا کیا حکم نافذ ہوتا ہے تحریر فرمائیں۔

(۴) بکر اور عمرو یہ دو شخص ہیں ان دونوں میں آپسی نفاق ہے اور بکر قوم کا صدر بھی ہے جمعہ کے روز بعد نماز وصلوٰۃ وسلام مسجد میں پوری عوام آپسی مصافحہ وغیرہ کرتے ہیں تو اسی وقت عمرو نے بھی سبھوں سے مصافحہ کیا تو بکر (یعنی صدر) کو ناگوار معلوم ہوا اور عوام میں سے کسی کو بکر نے کہا کہ اس سے ملنا جلنا نہیں چاہئے یعنی مصافحہ نہیں کرنا چاہئے، یہ بات عمرو کو معلوم ہوئی تو اس نے کہا کہ مصافحہ سے روک رہا ہے

تو روکے مگر مسجد سے روکے گا تو ہم اسے آگ لگا دینگے لیکن بکر کا یہ دعویٰ ہے کہ عمرو نے مسجد میں آگ لگانے کو کہا ہے اور بکر ثبوت کے لیے کسی کافر کی شہادت پیش کرتا ہے، صحیح معلوم نہیں کہ مسجد کو آگ لگانے کے لیے کہا ہے یا مسجد سے روکنے والے کو آگ لگانے کے لیے کہا ہے مذکورہ بالا صورت میں عمرو کے لیے شریعت کیا حکم دیتی ہے اور بکر (صدر) کے لیے کیا حکم دیتی ہے۔ بینوا توجروا۔ فقط

المستفتی، محمد رفیق عالم مقام لوٹنگا تھانہ پاٹن پلاموں (بہار)

الجواب

سوال میں یہ مذکور نہیں کہ زید کو امامت سے کیوں علیحدہ کیا گیا اگر بلا کسی ایسے جرم کے امامت سے علیحدہ کیا گیا جو منافی امامت نہ تھا تو پوری قوم مجرم ہے۔ امام سے معافی مانگے اور اس کو امامت پر بحال کریں شامی میں ہے " لا ینعزل صاحب وظیفة بلا جنحة او عدم اهلیة"

(شامی:٦/٤٥٥)

بلا کسی جرم کے کسی کام سے معزول کرنا جائز نہیں اور اگر کسی ایسے عیب کی وجہ سے اس کو علیحدہ کیا جس کی وجہ سے وہ امامت کے لائق نہیں رہ گیا تھا تو جمعہ چھوڑ کر زید اور اس کے ساتھی گنہگار ہوئے۔

(۲) چند لوگوں نے مؤذن کو اذان دینے سے منع کیا انھوں نے بھی ناجائز و گناہ کیا مؤذن کو ان کی بات ہر گز نہیں ماننی چاہئے " لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق "(در منثور:۲/۱۷۷)

(۳) اس جملے "ہم اچھوت ہو گئے" کا مطلب طنز و تعریض ہے کہ اب ہمارا اور جماعت کا کوئی تعلق نہ رہا، یہ الفاظ ناگوار ہیں انھیں استعمال نہیں کرنا چاہئے تھا اور بس۔

(۴) کسی کی بلا سبب غیبت اور عیب جوئی حرام ہے۔

(۵) صرف دعویٰ یا کافر کی گواہی سے کسی مسلمان کے خلاف کوئی بات ثابت نہیں کی جاسکتی عمرو قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ میں نے مسجد کو آگ لگانے کے لیے نہیں کہا تھا تو اس کی بات مان لی جائے گی اور مسجد کے لیے کہنے کا اقرار کرے تو اس جملہ سے توبہ کرے صدر نے بھی مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ملنے سے منع کر کے گناہ کا کام کیا اپنی اس حرکت سے توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۸ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

(۱۰۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ

جو شخص نس بندی کرالے وہ امامت کرسکتا ہے کہ نہیں جب کہ تمام لوگوں میں وہ علم زیادہ رکھتا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جس نے نس بندی کرالیا اس کی نماز نہ ہوگی حضرت سے استدعا ہے کہ میرے

مسئلہ کا جواب دیں عین نوازش وکرم ہوگا اور یہ بھی بتائیں کہ نس بندی کرانے والے کا جنازہ ہوسکتا ہے کہ نہیں۔

المستفتی، حبیب علی بسنت پور گھوگھلی ضلع بہرائچ (یوپی)

الجواب

نس بندی کرانے والے کی خود نماز ہو جائے گی بلکہ پڑھنا فرض وضروری ہے، اور اگر اس نے صدق دل سے اس گناہ سے توبہ کرلی ہو تو امامت بھی کرسکتا ہے۔ وہ خود دوسروں کی نماز جنازہ میں شریک ہوگا اور خود اس کا جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے اگر لوگوں نے بغیر نماز پڑھے اسے دفن کردیا تو سب لوگ گنہگار ہوئے جن کو اطلاع ہوئی۔ وھو تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۴۱۱ھ

(۱۰۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل کلمات کی بابت کہ

چند لوگوں کا کہنا ہے کہ موجودہ زمانے کے علمائے کرام کی زبان میں تاثیر اور وہ قوت ہے ہی نہیں کہ عوام کے اوپر ان کی تقریر کا اثر ہو اور وہ عمل کریں۔ مزید یہ کہنا ہے کہ یہ لوگ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں اور یہ بھی بتائیں کہ وہ امام جو فلمی گانا سنتے ہیں ان کی امامت کی بابت کیا حکم ہے؟

المستفتی، عبدالمنان ضیائی خادم مدرسہ اسماعیلیہ سنگارہ

الجواب

یہ بات فی الجملہ صحیح ہے کہ تقریباً ہر زمانے میں علمائے سوء رہے ہیں جن کے قول وعمل میں تضاد رہا ہے، لیکن یہی جملہ طبقہ علماء کی تحقیر کے لیے اگر کوئی استعمال کرے تو اس کو رسول اللہ ﷺ نے منافق کا کام بتایا ہے اور فقہاء نے تحقیر علماء کو کفر لکھا ہے۔

ایسا امام جو علی الاعلان فحش اور مخرب اخلاق گانے ساز باجے کے ساتھ سنے فاسق معلن ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے، پڑھی تو دہراؤ، بشرط استطاعت (توبہ نہ کرے تو) اس کا امامت سے علاحدہ کرنا ضروری۔ وھو تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی یکم ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ

(۱۰۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کہ زید جو ایک عالم ہے اس نے بکر سے کہا کہ عمر کو ماردینے پر جنتی بات ہے اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ بات سن کر عمر کو غصہ آیا اس کے جواب میں عمر نے کہا کہ لاؤ بھالا اس کو ماردیں اس کے بعد عمر اور زید میں کافی کشیدگی کیوجہ سے عمر نے کہا کہ اگر زید مجھے قتل کرنے آیا تو اس کی داڑھی کاٹ لوں گا اسی بات کو

لے کر عوام کے سامنے علمائے کرام عمر اور اس کے چار حامیوں کو توبہ کروائے اور یہ لوگ توبہ کیے مگر زید پہ تہمت لگاتا ہے کہ عمر نے کہا ہے کہ عالم کی داڑھی میں سور باندھ دیں گے حالانکہ عمر اس کا انکار کرتا ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ توبہ کرانے کے بعد دفن کی ہوئی بات کو از سر نو ابھارنا، تاکہ عمر اور ان کے حامیوں کو ذلیل کیا جاسکے، کیا یہ ایک عالم کو زیب دیتا ہے کہ توبہ کے بعد بھی ان سے خاندانی بائیکاٹ کا خواہاں ہے۔اور آپسی میل ملاپ کو ختم کر کے مسلمان کی جماعت میں نفاق ڈالے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ تہمت لگانے والے نا اتفاقی پیدا کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے کہ نہیں۔ایسا امام جس کی وجہ سے گاؤں میں پارٹی بندی ہو جائے اور ڈر ہے کہ کبھی خون خرابہ بھی نہ ہو جائے تو ایسے ناگریز حالت میں اس امام کو منصب امامت پر فائز رکھنا درست ہے کہ نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی، محمد عین الحق مقام پوسٹ نرسنگ پور مظفر پور (بہار)

الجواب

توبہ کر لینے کے بعد آدمی گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔حدیث شریف میں " التائب من الذنب كمن لا ذنب له " توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہے۔ بر تقدیر صدق مستفتی اس کو مزید الزام لگانے والا مجرم ہے چاہے امام ہو یا مقتدی اس پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور جس پر غلط الزام لگایا اس سے معافی مانگے اگر ایسا کر لیتا ہے تو اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں جب کہ دوسرا کوئی منافی امامت کام اس سے صادر نہیں ہوا۔واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ

(۱۰۴-۱۰۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مخدوم پور مسجد کے حافظ امام صاحب پہلی جنوری ۱۹۹۰ء سے ایک لاٹری کا کھیل تین روپیہ کے حساب سے شروع کئے تھے۔ایک ماہ میں چار بار ڈرا ہوتا تھا جس میں ساڑھے چار ہزار کارڈ تھے اور ہر کھیل میں آٹھ ہزار روپے کی گاڑی نام نکلنے والے کو پرائز میں دی جاتی تھی، چند بار شور وغل ہونے پر دو ماہ میں آٹھ کھیل کھیل کر بند کر دیے اور چند کارڈ والے ممبر کے سامنے اپنی غلطی کا اقرار کر کے توبہ کئے لیکن اپنے مطلب کے مطابق اس لاٹری کے پیسہ سے ٹمپو اور ٹھیلا وغیرہ خرید کر اپنی کمائی کا راستہ شروع کر لیے جو آج کل بھی چل رہا ہے اور اس آمدنی کے خود مالک ہیں ہر ایک دن میں تقریباً پچاس روپیہ کی آمدنی ہوتی ہے۔

کسی بھی کارڈ والے کو ایک پیسہ واپس نہیں کئے اور مانگنے پر اپنے ساتھیوں سے پولیس کی دھمکی

دے کر زبان بند کر دیئے، اور وہی امام صاحب آج بھی مسجد میں امامت کرتے ہیں لہٰذا ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

چند لوگوں نے تو اس بات سے فوراً پرہیز کرنا شروع کر دیا تو امام صاحب نے ان کے خلاف اپنا فتویٰ لگا دیا کہ جو لوگ میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے میری غیر حاضری میں میری جگہ امامت نہیں کر سکتے، اور اس مسجد میں اذان نہیں دے سکتے۔ یہ سن کر وہ پرہیز گار لوگ مسجد جانا چھوڑ دیئے یہ کہاں تک صحیح ہے۔ اس جگہ علم کی اتنی کمی ہے کہ بات پوچھنے پر ان کے ساتھی جھگڑے پر تیار ہیں۔

مندرجہ ذیل تین سوالوں کے جواب دیں۔

(۱) ساڑھے چار ہزار کارڈ ممبر اس کے ساتھ پچاس آدمی ایجنٹ اور تماشہ بین۔ اتنے آدمیوں کے درمیان غلطی کرنا اور سو آدمی کے سامنے توبہ کرنا صحیح ہے یا غلط۔

(۲) لاٹری کا کھیل جوا ہے اس پیسہ سے ٹمپو لیا گیا جس سے پچاس روپے روزانہ آمدنی ہے ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح ہے یا نہیں۔

(۳) امام کے غلط فتووں پر صحیح آدمی مسجد سے الگ ہو گیا کہاں تک درست ہے۔

المستفتی، امیر زادہ خان مخدوم پور جمشید پور

الجواب

صورت مسئولہ میں صرف زبان سے توبہ کرنے کا نام توبہ نہیں ہے۔ جب تک جن جن لوگوں سے رقم وصولی ہے واپس نہ کر دیں امام صاحب کی توبہ نہیں ہوئی۔ اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور ان کی امامت ناجائز۔ اور بشرط استطاعت امامت سے ان کو علاحدہ کرنا بھی ضروری ہے۔ اسی میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۵ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

(۱۰۸-۱۱۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) کہ اگر کوئی شخص با جماعت نماز پڑھ رہا ہو اور تین رکعت پوری کر چکا ہو اور چوتھی رکعت میں حالت قیام میں ریح خارج ہو گئی، اب وضو کے لیے نکلا اور جب تک وضو کیا جماعت ختم ہو گئی لہٰذا اس حالت میں مقتدی کیا کرے گا پھر سے نماز پڑھیگا یا صرف چھوٹی ہوئی ایک رکعت ہی پوری کرے گا اور اگر امام سے یہی واقعہ رونما ہو تو امام کیا کرے گا وضاحت فرمائی جائے۔

(۲) اور ایک شخص کے پاس ناجائز روپیہ ہے وہ چاہتا ہے کہ اس روپیہ کو کام یعنی تجارت میں

لائے اور اپنے ہی دست وبازو سے کام کرے اور اسے جو فائدہ حاصل ہو وہ اپنے کام میں لگائے مثلاً تجارت میں جو رقم ہے اس روپیہ کو وہ چھوئے بھی نہیں صرف منافع سے اپنا روزی روٹی چلائے کیا ایسی صورت میں اس کے لیے یہ فائدہ جائز ہو جائے گا بینوا وتوجروا۔

(۳) اور آتش بازی پٹاخہ کی تجارت کرنا کیسا ہے۔

(۴) اور ایک شخص کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں بالخصوص حالت حاضرہ میں اگر کوئی بھی شخص معظم کے پاس روپیہ ہو وہ روپیہ اگرچہ حرام کام سے حاصل کیا گیا ہو اور ابھی وہ شخص کے پاس موجود ہے تو اس کے صرف کرنے کے لیے کوئی دوسری تیسری جگہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے لائسنس کرا کر ہتھیار خرید لینا چاہئے تاکہ مسلمانوں کی عزت وآبرو کی حفاظت ہو سکے کیونکہ فی الوقت جائز وناجائز کا زمانہ نہیں رہ گیا ہے۔ لہٰذا برائے کرم میری رہنمائی فرمائی جائے۔ بینوا وتوجروا

(۵) اور سوکھی ہوئی مچھلی کا کھانا کیسا ہے جس کو عرف عام میں لوگ سکھا مچھلی کہا کرتے ہیں اس کے تجارت کرنے والے مچھلی کو چھوٹی ہو یا بڑی سوکھا کر رکھ دیتے ہیں اور سال چھ ماہ تک بکری کرتے ہیں اور لوگ اس کو خرید کر کھاتے ہیں بالخصوص بنگالی لوگ زیادہ کھایا کرتے ہیں۔ اس بات پر زید اور عمر میں تلخ کلامی ہوئی زید نے کہا کہ یہ حرام ہے عمر نے کہا کہ زمانہ دراز سے لوگ اس کو کھاتے آرہے ہیں اگر یہ حرام ہوتا تو لوگ اسے حرام سمجھ کر نہیں کھاتے اور ساتھ ہی جھنگا مچھلی سوکھی ہوئی مچھلی کا کیا حکم ہے جب کہ تازہ جھنگا سے بھی بچنے کا حکم ہے۔

(۶) اور ۹۲ لکھنا ۷۸۶ کے نیچے یا داہنے طرف کیسا ہے اور کیوں یہ عدد لکھی جاتی ہے اور کب سے لکھی جاتی ہے پوری وضاحت فرمائی جائے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ ایک شخص اپنی دوکان پر ایک تھوڑے بہت علم رکھنے والے مولوی کی کو بلایا اور دعاء خیر کروا کے لڈو تقسیم کیا، اس کے بعد اس نے کھاتہ جناب مولوی کے حوالے کیا اور کہا کہ اس میں بسم اللہ شریف لکھ دیجئے، میری خواہش ہے کہ کھاتہ سے متعلق آج پہلی تاریخ ہے اس لیے میں آپ سے بھی رائے لینا چاہتا ہوں کہ کیا لکھا جائے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے بسم اللہ لکھ دیا جائے، اس پر اس نے اصرار کیا کہ نہیں اور کچھ بتایئے جو برکت ہو مولوی صاحب نے کہا کچھ لوگ جو ہم سے کئی مرتبہ لکھائے ہیں وہ اسم ذات اور اسم صفات کے چند کلمات ہیں، اس پر ان سے دکاندار نے کہا کہ یہ کیا ہوتا ہے اسم ذات اسم صفات؟ تو مولوی صاحب نے کہا کہ بہتر رہے گا کہ بسم اللہ ہی لکھ دیا جائے، یہی لکھ کر بتایئے، اس پر مولوی صاحب نے لکھ کر بتایا مگر ساتھ ہی ۹۲ کا عدد غفلت ہی میں رف کاغذ پر ہی لکھا اور جب کھاتہ پر لکھنے لگے تو ۷۸۶ کے بعد نیچے انھوں نے ۹۲ کا عدد لکھدیا اس پر

دوکاندار نے کافی غم وغصہ ظاہر کیا اور کہا یہ فرقہ پرستی کا لفظ آپ نے کیوں لکھ دیا، ہماری دوکان میں سب لوگ آتے ہیں دیکھیں گے تو کیا کہیں گے اور ایک ہی سانس میں کئی دفعہ کہتا رہا اس پر دوکاندار کے بھائی نے کہا کہ مولوی صاحب اس کو پھول بنا دیجئے تو کافی غصے کی حالت میں مولوی صاحب نے کہا کہ ہم نے لکھ دیا ہماری قلم میں یہ طاقت نہیں کہ محمد ﷺ کے عدد کو کاٹ دیں اور جب آپ کو ہم پر یقین نہیں تو پھر کیوں آپ نے ہمارے سامنے کھاتہ پیش کیا اور یہ آج کی بات نہیں ہے ہم کو آپ لوگ ۱۵-۱۶ سال سے جانتے ہیں کہ ہم کیسے آدمی ہیں اور آپ کے گھرانے میں کتنا عزت رکھتا ہوں اس پر دوکاندار نے کہا کہ کم ازکم ہم سے پوچھا تو ہوتا آپ نے کہا کہ میں نے لکھ کر بتا دیا اپنے کھاتہ کو سمجھا دیا پھر اس میں پوچھنے کی کون سی بات رہی اس پر وہ بہت لایعنی باتیں کرنا شروع کر دیا اور شجرہ وغیرہ کی بھی بات چیت شروع کر دیا کہ آپ لوگوں کو شجرہ ملا ہے اس میں دیوبندیوں کو سلام کہنا منع ہے ان کی محفل میں بیٹھنا منع ہے ہم یہ فرقہ پرستی والی بات کو قطعی برداشت نہیں کر سکتے تو مولوی صاحب نے کہا کہ آپ نے پڑھا ہے شجرہ اس نے کہا نہیں مولوی صاحب نے کہا آپ جانتے ہیں کہ دیوبندی کہتے کس کو ہیں اس پر اس نے کہا دیوبندی دیوبند کے عالم لوگ جو ہیں ان کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو دیوبند کے تمام پڑھنے والوں کو یا پڑھے ہوئے کو کہتے ہیں اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ یہ بالکل غلط آپ کو معلوم بھی نہیں ہے کہ دیوبندی کہتے کس کو ہیں آپ علم کے کورے ہیں لہٰذا میں نہیں کاٹ سکوں گا کسی قیمت پر یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا کہ میں حضرت رسول اکرم ﷺ کے ۹۲ کو قلم زد کروں۔ کافی تلخ کلامی ہوئی اور ٹھنڈے دل سے مولوی صاحب نے بعد کو بتایا بھی صلح نامہ جب کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لکھا گیا تو کافروں نے اعتراض کیا کہ ہم آپ کو جب محمد رسول اللہ ﷺ مان لیتے تو آپ سے ہماری لڑائی کیسی اور صلح نامہ کیسا اس لیے آپ محمد رسول اللہ ﷺ کاٹ کر محمد ابن عبداللہ لکھ دیجئے۔ آپ نے فرمایا اے علی محمد رسول اللہ کی جگہ محمد ابن عبداللہ لکھ دو میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد ابن عبداللہ بھی ہوں اس پر حضرت علی نے فرمایا کہ یا رسول اللہ محمد رسول اللہ مجھ سے نہیں کٹ سکتا لہٰذا حضور نے خود اپنے دست مبارک سے محمد ابن عبداللہ لکھا اس لیے ہمارا محمد ﷺ کے عدد کو کاٹنا گویا سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف کرنے کے برابر ہے ان تمام باتوں کے سننے کے باوجود وہ کاٹنے کے متعلق باتیں کرتا ہے اور فرقہ پرستی بھی بکتا ہے۔ لہٰذا شریعت مطہرہ کے روشنی میں مکمل وضاحت فرمائی جائے عین کرم ہوگا حضور کے عدد مبارکہ کو فرقہ پرستی کہنے والوں کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے اور مسلمانوں کو اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔

المستفتی، ایوب احمد دیوا پاکھری روڈ آسام

الجواب

(۱) از سرنو دوبارہ بھی پوری نماز پڑھ سکتا ہے اور یہ افضل ہے اور صرف وہی ایک رکعت بھی پڑھ سکتا ہے مگر اس کے لیے اتنی شرطیں ہیں کہ ان کی رعایت ہر آدمی کے بس میں نہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ پھر سے پڑھے، ایسی صورت میں امام کے لیے یہ حکم ہے مقتدیوں میں سے کسی صالح امام کو ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ مقرر کرے اور خود وضو کرنے چلا جائے اور یہ شخص جو قائم مقام ہو بقیہ نماز پوری کرے۔

(۲) جو مال رشوت یا چوری سے حاصل کیا اس پر فرض ہے کہ جس جس سے لیا ان کو واپس کرے، وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے، پتہ نہ چلے تو فقیروں کو تصدق کرے، خرید وفروخت کے کسی کام میں اس کا لگانا قطعی حرام ہے، بغیر صورت مذکورہ کے کوئی طریقہ اس کے وبال سے سبک دوشی کا نہیں ہے (فتاویٰ رضویہ) یہ فعل حرام ہونے کے باوجود اگر کسی نے اس سے کوئی چیز خریدی اس کی دو صورت ہیں وہ مال خبیث جس سے خریدا از قسم روپیہ پیسہ تھا یا از قسم اشیاء جیسے برتن کپڑا یا دیگر اسباب وغیرہ ثانی الذکر کے بدلے حاصل کیا تو وہ سب اس کے لیے حرام وناجائز ہوا اور اول الذکر کے بدلہ خریدا ہو یعنی نقد روپیہ اسی کو دکھا کر عقد کیا اور خریدنے کے بعد اسی کو دام میں ادا نہ کیا ہو تو وہ خریدی ہوئی شی اس کے لیے جائز ہے۔ (۳) ناجائز ہے۔

(۴) حفاظت کے خیال سے حرام کاروبار حلال نہیں ہوگا وہ شخص غلط کہتا ہے۔

(۵) فتاویٰ رضویہ کی تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ مچھلی اس درجہ بدبودار ہو کہ پکنے کے بعد بھی اس کی بدبو نہ جائے اور کھانے والے کا منہ بدبو کرنے لگے تو منع ہے ورنہ کوئی ممانعت نہیں اس کا کھانا حلال ہے۔ جھینگے کے بارے میں بھی اختلاف علماء ہے اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا خان نے کراہت کو ہی ترجیح دی ہے۔

(۶) ۷۸۶ کے نیچے ۹۲ لکھنے کا رواج ضرور ہے (اس کے افتتاح کی تاریخ بتانا مشکل ہے) مگر شرعاً کوئی حرج نہیں، جب اسلام کے بنیادی کلمے میں اللہ کے اسم مبارک کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا نام مبارک ہے تو بسم اللہ شریف کے بعد اسم رسالت لکھنا کیوں منع ہوگا، اس کو فرقہ پرستی سے تعبیر کرنا یا اس وجہ سے ہو کہ وہ شخص خود گمراہ ہو کہ اس کو نام محمد ﷺ سے چڑ ہوتی ہے یا وہ شخص غافل ہے اور کسی نے اس کو ورغلا دیا ہو۔ مولوی صاحب نے از خود نام محمد نہیں کاٹا ٹھیک کیا لیکن اب معاملہ آگے نہ بڑھائیں کہ یہ ایک مباح فعل ہے جس کا کرنا ضروری ہے نہ نا کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۲ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

(۱۱۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مولانا جعفر صادق اودری کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کی امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں اور مدرسہ حنفیہ غوثیہ بجرڈیہہ کے مدرس بھی ہیں کچھ روز قبل مدرسہ ضیاء العلوم اودری کے فرضی صدر مدرس بن کر جعل سازی سے دھوکہ دے کر گورنمنٹ سے چند مہینے کی تنخواہ وصول کرلی ہے جب کہ مدرسہ میں ایک دن بھی تعلیم نہیں دی ہے۔ حافظ جمال احمد کا اعتراض ہے کہ امام صاحب نے گورنمنٹ کو دھوکہ دیا ہے اور بغیر کام کے معاوضہ لیا ہے، لہٰذا امام صاحب امامت کے لائق نہیں، جمال احمد کے اعتراض پر مولٰینا جعفر صادق نے مصلیوں کے سامنے امامت سے زبانی استعفاء پیش کیا۔ مصلیوں نے نائب امام مولٰینا مصلح الدین صاحب کو امامت کے لیے کہا امام ممبر پر بیٹھ گئے اذان ثانی بھی ہوئی لیکن مولٰینا جعفر صادق کے چند متعلقین نے بزور طاقت مولٰینا جعفر کو ممبر پر بیٹھایا جس کی وجہ سے نائب امام منبر سے مجبوراً اتر گئے اب مولٰینا جعفر کے امامت کرنے کی وجہ سے ایک تہائی مصلی مسجد سے نکل گئے اور باقی لوگوں نے نماز کا اعادہ کیا، اب یہ امور دریافت طلب ہیں:

(۱) مولٰینا جعفر صادق امامت کے لائق ہیں یا نہیں؟ نہیں تو شرعاً کیا حکم ہے؟۔

(۲) ثانیاً حافظ جمال احمد صاحب کا اعتراض درست ہے یا نہیں۔ نہیں تو شرعاً کیا حکم ہے؟۔

(۳) ثالثاً نائب امام کو منبر سے اتارنا درست ہے کہ نہیں، نہیں تو اتارنے والوں پر کیا حکم عائد ہوتا ہے؟۔

المستفتی، ارکان انجمن تحفظ ملت رضا لائبریری اودری مئو

الجواب

صورت مسئولہ میں برتقدیر صدق مستفتی، امام صاحب پر جو الزام قائم کیا گیا ہے ضرور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب فاسق ہے، اور اس صورت میں جب کہ اس کا اعلان عام ہو چکا ہے مناسب تو یہ تھا کہ امام صاحب بالاعلان اپنے گناہ سے توبہ کر لیتے۔ اور جس سے وہ رقم ناجائز طور پر حاصل کی ہے اس کو واپس کر دیتے اور یہ ممکن نہ ہو تو مسلمان غرباء ومساکین پر اسے صرف کرتے بایں طور کہ ان کو اس کا مالک بنا دیتے اور اس عمل کے بعد تمام مسلمان ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے۔

حدیث شریف میں ہے " التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ "۔

مگر صورت مسئولہ میں جب کہ امام صاحب کو بغیر توبہ کے ہی امامت پر اصرار ہے تو ان کی امامت مکروہ تحریمی اور ان کو امام بنانا گناہ ہے۔

شامی میں ہے " ومشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم "

یہ حکم تو امام صاحب اور ان کے حامیوں کے لیے ہے۔ دوسرے لوگ جوان کو امامت سے الگ کرنے کی طاقت نہ رکھیں وہ پنج وقتہ بھی امام صاحب کے پیچھے نہ پڑھیں، جمعہ کی نماز اگر دوسری جگہ اسی آبادی میں ہوتی ہو اور امام صالح ہو تو وہاں جا کر پڑھیں، اور اگر ایسا نہ ہو تو بدرجہ مجبوری اسی امام کے پیچھے پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۹ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ

(۱۱۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہم سنی صحیح العقیدہ ہیں ہمارے محلہ میں سنیوں کی ایک مسجد ہے جس میں تقریباً پینتیس سال سے ایک شخص مسمیٰ حافظ شہاب الدین احمد نماز پنجگانہ وجمعہ کی امامت کر رہے ہیں، حافظ شہاب الدین احمد صاحب سنی صحیح العقیدہ مسلک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے پابند ہیں اور کسی طرح کی کوئی شرعی خرابی ان میں نہیں ہے، مگر پیدائشی بائیں پیر سے ایسے لنگڑے ہیں کہ جوتا بھی پہنتے ہیں سائیکل بھی چلاتے ہیں بغیر کسی سواری کے چلتے پھرتے بھی ہیں، ہر نماز آسانی کے ساتھ کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں اور پڑھاتے ہیں نماز کے ضروری مسائل سے اچھی طرح باخبر ہیں قرآن شریف کی تلاوت بھی صحیح ڈھنگ سے کرتے ہیں اس مسجد میں اپنی امامت کی لمبی مدت میں مسجد کی تعمیر اور اس کی آبادی اور مسجد کو دیوبندیوں تبلیغیوں اور وہابیوں کی دخل اندازی سے بچانے میں لائق تحسین خدمت انجام دی ہے، پیر میں معمولی سی خرابی کے علاوہ ان کی ایک آنکھ بھی بیکار ہے مگر ایک آنکھ سے بخوبی سب کام انجام دیتے ہیں، یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر حافظ صاحب موصوف مسلسل پینتیس سال سے اس مسجد کی دیکھ بھال نہ کرتے ہوتے اور امامت کے فریضہ کو پابندی کے ساتھ انجام نہ دیتے رہتے تو تبلیغیوں کے نرغے سے اب تک یہ مسجد محفوظ نہ رہتی ، یہ بھی واضح رہے کہ حافظ صاحب موصوف تقریباً تیس سال سے نماز جمعہ کے بعد پابندی کے ساتھ بصورت قیام سب مقتدیوں کے ساتھ بارگاہ رسول اکرم ﷺ میں نذرانہ صلوۃ وسلام پیش کرتے ہیں، یہ بھی واضح رہے کہ اس مسجد کے مقتدیوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو فریضہ امامت صحیح طور سے انجام دے سکے، یہ بھی واضح رہے کہ جب سے حافظ صاحب موصوف اس مسجد میں امامت کر رہے ہیں ایسا بارہا اتفاق ہوا کہ سیوان ومضافات سیوان کے متعدد سنی علمائے کرام نے حافظ موصوف کے پیر اور ایک آنکھ مذکورہ بالا خرابی کو جانتے ہوئے حافظ صاحب موصوف کی اقتدا میں اسی مسجد میں فرض نماز پڑھی اور حافظ صاحب موصوف نے ان سے اصرار بھی کیا کہ آپ نماز پڑھائیے مگر انھوں نے نماز نہیں پڑھائی اور حافظ موصوف کے پیچھے نماز پڑھی۔

ان حقائق وحالات کی روشنی میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ حافظ موصوف کی امامت از روئے

شریعت جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر خدانخواستہ ان کی اقتدا میں عام مسلمان کی نماز جائز نہیں ہے تو ۳۰-۳۵ سال کی لمبی مدت میں جتنے مسلمانوں نے جتنی نمازیں ان کی اقتدا میں پڑھیں ان میں سے اس وقت سبھی زندہ نہیں ہیں کچھ انتقال بھی کر چکے ہیں ان کی نمازوں کا کیا حال ہے۔

اور اگر حافظ صاحب موصوف کی امامت از روئے شریعت جائز و درست ہے تو جو لوگ ان کی امامت کو ناجائز کہتے ہیں ان کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے۔ بینوا و توجروا

المستفتی، نسیم احمد تکیہ مرچائی شاہ تیل ہٹ روڈ سیوان ڈاکخانہ و ضلع سیوان

الجواب

صورت مسئولہ میں حافظ صاحب موصوف کی امامت جائز ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

عالمگیری میں ہے: "ولو کان بقدم الامام اعوجاج وقام علی بعضها یجوز" (۱/۱۰۸)

بالخصوص جب کہ وہی مقررہ امام اور جماعت میں سب سے افضل ہیں یونہی ایک آنکھ سے معذور ہونا بھی عذر نہیں ہے جب کہ دوسری آنکھ سے کل کام ہوتا ہے، حضور ﷺ نے ایک نابینا صحابی حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد نبوی میں امامت کے لیے مقرر فرمایا جب کہ آپ کسی سفر کے لیے کہیں باہر گئے تھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۱۱۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

ایک حافظ قرآن صاحب رمضان المبارک میں ایک مسجد میں پنجوقتہ نماز تراویح پڑھاتے ہیں اور بعد نماز مصلے کا ایک گوشہ موڑ دیتے ہیں اور اعتراض کے باوجود ایسا کرتے رہتے ہیں اور جب متولی نے کہا تو موڑنا چھوڑ دیا اور یہ حکمت بیان کی کہ میں اس لیے موڑ دیتا ہوں تا کہ شیطان نماز نہ پڑھے ایسی صورت میں ان کی اقتدا میں نماز ہوئی یا نہیں مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی، محمد انعام اللہ بیلتھرا روڈ بلیا (یوپی)

الجواب

مصلے کا کونہ موڑنا نہ گناہ ہے اور نہ ناجائز۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: ابن ابی الدنیا نے حدیث روایت کی: جہاں کوئی بچھونا بچھا ہو جس پر کوئی سوتا نہ ہو اس پر شیطان سوتا ہے۔

اس حدیث سے اس کی اصل نکل سکتی ہے اور پورا پلیٹ دینا چاہئے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۹۶)

ہاں خاص یہ بات کہ شیطان اس پر نماز پڑھنے لگتا ہے، روایتوں سے ثابت نہیں، بہار شریعت میں ہے نماز پڑھنے کے بعد مصلی لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں یہ اچھی بات ہے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے مگر بعض لوگ جائے نماز کا صرف کونہ الٹ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسا نہ کرنے سے اس پر شیطان نماز پڑھنے لگے گا یہ بے اصل ہے۔(بہار شریعت حصہ شانزدہم صفحہ۱۰۴)

دیکھئے مکمل لپیٹ دینے کو دونوں کتابوں میں افضل اور بہتر لکھا ہے، تو نہ لپیٹنا بھی ناجائز و حرام نہ ہوا چہ جائیکہ کونہ لپیٹنا ایسے امام میں کوئی اور بات منافی امامت نہیں تو صرف اتنی بات پر اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں، ہاں اس کو بتا دیا جائے کہ مصلے پر شیطان کے نماز پڑھنے کی بات تم نے غلط کہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

(۱۱۷۔۱۲۳)**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) امامت کی نیت کیسی ہوگی مقتدی کیلیے؟۔

(۲) جھوٹھا مسئلہ بیان کرنے کی سزا کیا ہے؟۔

(۳) نمازی کو مسجد سے اور نماز جماعت سے روکنا جھوٹے مسئلہ کی آڑ میں کیسا ہے؟۔

(۴) عداوت میں اغلام بازی کی تہمت لگوانا کیسا ہے؟۔

(۵) جھوٹ بدل کر دوسرے کو ہٹ دھرمی سے جھٹلا کر فتنہ برپا کرنے اور کرانے کی عداوت لینا کیسا ہے؟:

(۶) ایسے امام کے پیچھے جو نمازیں پڑھی گئیں یا پڑھی جائینگی ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔

(۷) ایسے عالم کو ماں بہن کی گالی دینے سے کیا کفر ثابت ہوتا ہے۔ ان تمام سوالات کے جوابات نمبروار عنایت فرما کر ہم پر عین کرم فرما کر مہربانی کریں۔

المستفتی، عبدالمصطفےٰ رضوی عرف استطار حسین، پرائمری اسکول کوٹ دوار روڈ کھاری رام نگر نینی تال

الجواب

مقتدی کی نماز کی صحت کے لیے امام کا اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں، بہار شریعت میں ہے اگر امام نے یہ قصد کیا کہ میں فلاں کا امام نہیں اور اس نے اس کی اقتدا کی نماز ہوگئی۔

(عالمگیری جلد اول صفحہ ۶۶)

بر تقدیر صدق مستفتی ایسا شخص جو علی الاعلان یہ جرائم کرے اس کی امامت مکروہ تحریمی اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازیں دہرائیں اور بشرط استطاعت اسے امامت سے الگ کریں۔

شامی میں ہے: " ومشیٰ فی شرح المنیة علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم "
ہاں وہ اپنے ان جرائم سے توبہ کرے تو اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔
حدیث شریف میں ہے۔" التائب من الذنب کمن لا ذنب له "
کسی دنیوی معاملہ میں عالم یا غیر عالم کو ماں کی گالی دینا قابل تعزیر ظلم ہے اور تعذیر اور سزا دینا حاکم اسلام کا منصب ہے ہاں علم کی وجہ سے گالی دے تو اس کو علماء نے کفر لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ

(۱۲۴) **مسئله** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ
مسجد بی این آر کے پیش امام حافظ محمد اسرافیل اور پورک لین کے رئیس احمد (جس کا کواٹر پورک لین میں ہے جس کے بیوی بچے بھی کواٹر میں موجود ہیں) میں ناجائز تعلق ہو گیا ہے۔ ایسا کہ سالہا سال سے رئیس احمد رات میں بیوی بچوں کو چھوڑ کر مسجد میں امام صاحب کے کمرہ میں انہیں کی بغل میں سوتا ہے اور بیوی کی طرح ان کی مالش خدمت کرتا ہے۔
لاکھ سمجھاؤ کہ تمہارے رہنے کا ٹھکانا موجود ہے پھر تم کیوں ہر دم امام کے ساتھ لگے رہتے ہو۔ لوگوں میں یہ بدگمانی پھیلی لیکن دونوں میں کوئی اپنی حرکت سے باز نہیں آیا جس کے نتیجے میں رئیس پر چالیس ہزار روپے قرض ہو گئے جس کو وطن کا کھیت بیچ کر ادا کیا اور اس کے بعد بھی چالیس ہزار روپیہ قرض ہو گیا ہے۔
حالانکہ رئیس گودی میں کام کرتا ہے جس میں کافی منافع ہے۔ سمجھاؤ تو کہتا ہے ہم کو امام صاحب سے محبت ہو گئی ہے۔ ایسی حالت میں امام صاحب کی امامت جائز ہے یا نہیں؟۔
المستفتی نصر الدین سکریٹری مسجد

الجواب

سوال میں جتنی باتیں مذکور ہیں سب قیاس اور اندازہ سے ہیں شریعت میں ایسی باتوں پر حکم نہیں لگتا۔ اس کے لیے شرعی گواہوں کی ضرورت ہے جنہوں نے ان دونوں کو غلط حالت میں دیکھا ہو۔
صرف ایک بات قابل لحاظ ہے۔ رئیس کا امام صاحب کے ساتھ ان کے کواٹر میں سونا اور رہنا۔
حدیث شریف میں ہے:"اتقوا مواضع التهم "(اتحاف السادة المتقين:۷/۲۸۳)
تہمت کی جگہوں سے بچو۔
امام صاحب کو چاہئے کہ رئیس کو علیحدہ کر دیں۔ اگر وہ نہیں مانتے تو مسجد کمیٹی کے ذمہ دار امام

صاحب کو مجبور کریں کہ وہ رئیس سے علیحدگی اختیار کریں تا کہ چہ میگوئیاں ختم ہوں اس پر بھی وہ نہ مانیں تو ان کو یعنی امام صاحب کو ہی امامت سے الگ کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۳ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

(۱۲۵-۱۲۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) حافظ عثمان صاحب ایک رمضان سے ۲۸ / رمضان تک تراویح پڑھاتے رہے جماعت نے حافظ صاحب کو عید کی نماز پڑھانے کے لیے روک لیا تو مولانا اطہر صاحب نے چار آدمیوں کو بھیجا کہ حافظ عثمان عید کی نماز نہیں پڑھا سکتے وہ مسافر ہیں مقامی امام ہونا چاہیے۔

(۲) تاج محمد نے اپنی بیوی کو طلاق دیا اس معاملہ کو مفتی محمد نعمان صاحب کے سامنے پیش کیا گیا، انہوں نے طلاق مغلظہ کا حکم دیا یہ قاضیانہ فیصلہ تھا، لیکن مولانا اطہر نے بغیر حلالہ کے نکاح پڑھا دیا پھر مفتی عبد الحلیم صاحب ناگپوری و مفتی نعمان صاحب وغیرہ کو راگھوگڑھ بلایا گیا، مفتی عبد الحلیم صاحب نے مفتی نعمان صاحب کے فیصلہ کو حق بتایا لیکن مولانا اطہر صاحب نے اس دونوں حضرات کو رد کیا اور تاج محمد سے تعلقات رکھے رہا ایسے شخص کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے۔

(۳) محمد عثمان کے اوپر جھوٹی حرام کاری کا الزام لگا کر ان کی توہین کی گئی، اس مسئلہ کو لے کر مولانا اطہر صاحب نے جماعت چھوڑی اور مولانا اقبال کے پیچھے نماز پڑھنے سے اعتراض کیا اور اسی مسئلہ کو لے کر محمد منصور نے عبد العزیز سے کہا کہ آپ تو محمد عثمان کا ساتھ دیتے ہیں جب کہ وہ حرام کاری کرتا ہے تو عبد العزیز صاحب نے جواب دیا کہ آپ علم میں مجھ سے زیادہ ہیں آپ چلیں میں بہار شریعت دیتا ہوں اس کو دیکھ لیجیے اور جہاں ہم لوگ غلطی پر ہوں سمجھا دیجیے گا تو محمد منصور نے جواب دیا کہ مجھے ابھی کتاب دیکھنے کا وقت نہیں اور اسی مسئلہ کو لے کر وہ نماز پڑھنے سے انکار کیا اور جماعت میں انتشار پیدا کیا اس طرح سے بے بنیاد مسئلہ کو لے کر جماعت چھوڑنا کیسا ہے اور ایسے شخص کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ انہیں مسئلوں کو لے کر عبد العزیز صاحب نے مولانا اطہر کو کہا کہ وہ عالم نہیں شیطان ہے تو عبد العزیز صاحب کے اوپر شریعت کا کیا حکم ہے؟۔

(۴) محمد رفیق (ہلوا) نے اپنی بیوی کو طلاق دیا اور تمام لوگوں کے سامنے یہ کہا کہ میری بیوی میرے والد سے تعلقات رکھتی ہے اس عورت نے باہر جا کر حلالہ کرایا پھر آ کر اپنے اسی گھر میں رہنے لگی اور شوہر اول باہر جا کر کام کرنے لگا چھ ماہ کے بعد آیا اس کے بعد مولانا اقبال (شہر قاضی) کے پاس گیا کہ میرا نکاح پڑھا دو جواب ملا کہ تم نے اپنے والد کے اوپر زنا کا الزام لگایا ہے اس لیے جب تک کسی مفتی کا

فتوی یا اس کا فیصلہ نہیں آجاتا میں نکاح نہیں پڑھا سکتا کچھ دن رک جاؤ اسی طرح سے دو اور واقعات میں شہر قاضی نے انکار کیا لیکن مولانا اطہر نے ان کا نکاح پڑھا دیا اور پانچ ماہ میں بچہ پیدا ہو گیا، تو یہ نطفہ کس کا قرار دیا جائے اور قاضی کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے۔

(۵) محمد نعیم (ماسٹر) کی شادی ہوئی ہاتھوں میں کنگن باندھے ہوئے مفتی عبدالعزیز صاحب نے کہا کہ کنگن توڑ دو عبدالحمید صاحب نے جواب دیا کہ باندھے رہو شریعت ہر جگہ نہیں مانی جاتی۔

المستفتی عبدالعزیز راگھوگڑھ

الجواب

(۱) اگر وہاں پہلے سے کوئی امام نماز عید کے لیے مقرر تھا تو صحیح یہی ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر تراویح پڑھانے والے کی عید کی امامت جائز نہیں ہوگی۔

فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۸۲۷ پر ہے:

نماز عید مثل نماز جمعہ ہے نماز پنجگانہ کی طرح نہیں، جس میں ہر شخص صالح امامت امامت کر سکتا ہے عیدین اور جمعہ کے لیے شرط ہے کہ امام خود سلطان اسلام ہو یا اس کا نائب ہو یا اس کا ماذون ہو اور نہ ہو تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے امامت جمعہ وعیدین کے لیے مقرر کیا ہو ظاہر ہے کہ ایک مسجد میں ایک نماز کے لیے دو امام نہیں ہوتے تو جو ان میں امام مقررہ نہیں ہے، اس کی اور اس کے پیچھے والوں کی نماز نہیں ہوئی تو صورت مسئولہ میں عید کے لیے مقرر امام کے علاوہ کوئی شخص نماز پڑھائے تو نماز نہ ہوئی تو مولوی صاحب کا بیان کیا ہوا مسئلہ فی الجملہ صحیح ہے۔

(۲) اس مسئلہ میں بھی ہندوستان کے مرکزی دارالعلوم اہل سنت الجامعۃ الاشرفیہ کے مفتی صاحب کا فتوی یہی ہے کہ صورت مسئولہ میں تاج محمد کی عورت پر طلاق واقع نہ ہوئی، مولوی نعمان صاحب کے فتوی کی نقل جو ہمارے پاس آئی ہے اس میں طلاق مغلظہ کا حکم نہیں ہے، انہوں نے اگر مگر کر کے لکھا ہے کہ پھر اگر تاج محمد نے تین طلاق دی ہے تو طلاق مغلظہ واقع ہوگی، اس عبارت کا مطلب صاف یہ ہے کہ مفتی نعمان صاحب کے نزدیک تاج محمد کا تین طلاق دینا ثابت نہیں۔

الغرض ان دونوں مسئلوں میں مولوی اطہر صاحب کے خلاف مسمی عبدالعزیز کا الزام غلط ہے، بقیہ مسائل کی تحقیق نہ ہو سکی کیونکہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ مفتی عبدالحلیم صاحب نے مولوی نعمان کے مسئلہ کو صحیح بتایا ہے اور مولوی اطہر کا بیان ہے کہ دونوں مسئلہ کا فیصلہ (تاج محمد و محمد شعبان) کرانے کے لیے عبدالعزیز صاحب اور ان کے ساتھیوں نے مفتی عبدالحلیم صاحب کو بلوایا تھا تو انہوں نے دونوں مسئلوں کو

ختم کر دیا اور مفتی نعمان نے اپنے فتوی سے رجوع کر لیا۔

ایسی صورت میں عبدالعزیز کا مولوی اطہر کو شیطان کہنا وہ بھی کسی ذاتی رنج کی بنیاد بنا کر نہیں دینی علم اور مسئلہ شرعی کو بنیاد بنا کر ضرور عالم دین کی توہین ہوئی، اور اس صورت میں مسمی عبدالعزیز کو نہ صرف یہ کہ مولوی اطہر سے معافی مانگنی چاہئے بلکہ توبہ استغفار اور تجدید اسلام اور تجدید نکاح بھی کرنا چاہئے بالفرض اطہر صاحب نے کم علمی کی وجہ سے مسئلہ کو غلط ہی بتایا تھا تو ایک عالم دین کی ایسی توہین وتذلیل نہیں چاہئے۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب فتاوی رضویہ حوالہ مذکورہ بالا میں لکھتے ہیں:

مسئلہ شرعیہ کی بنا پر بات ہے مگر عوام کو سنی عالم متقی پر کسی لغزش کے سبب ملامت کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

فتاوی رضویہ ششم ص ۱۸۲ میں ہے:

توہین عالم دین بوجہ علم دین بلاشبہ کفر ہے۔ ورنہ اشد کبیرہ ہونے میں شبہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۶ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

(۱۳۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید ایک مسجد کا امام ہے۔ اس کی بیوی برقعہ پوش ہو کر ایسے انگریزی اسکول میں برائے تعلیم وتعلم جاتی ہے جہاں صرف لڑکیاں ہی پڑھتی ہیں۔ کیا مذکورہ امام کی امامت صحیح ہے۔

الجواب

صورت مسؤلہ میں زید کی امامت صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ — الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور

(۱۳۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

نابینا امام کے پیچھے نماز درست ہے کہ نہیں؟ جب کہ حافظ قرآن بھی ہے۔ کچھ لوگوں کا اختلاف ہے کہ نابینا کے پیچھے نماز درست نہیں ہوگی۔ لہذا عرض خدمت ہے کہ از روئے شرع بحوالہ جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: وکیل احمد خاں موضع فتح پور محمد آباد غازی پور

الجواب

اندھے کی امامت میں خفیف کراہت ہے۔ وہ بھی اس وقت جب کہ جماعت میں اس سے زیادہ

افضل لوگ موجود ہوں اور اگر پوری جماعت میں ورع وعلم وتقوی وغیرہ میں وہی افضل ہو تو اس کی امامت میں کوئی کراہت نہیں۔ درمختار میں ہے: "و یکره تنزیها امامة اعمی الا ان یکون اعلم القوم"

درمختار: ۲/۲۰۰)　　واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲ ربیع الثانی ۹۸ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور　　الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

(۱۳۲۔۱۳۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) حافظ قرآن شریف مدرسہ نظام الدین اولیا کے پڑھے ہوئے ہیں صرف قرآن شریف۔ اور کہتے ہیں میرا خیال حنفی ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) چار سال کی عمر میں ایک آنکھ چیچک سے بالکل خراب ہے دوسری میں بارہ آنے روشنی ہے۔ دیکھ کر معمولی اردو وغیرہ پڑھ لیتے ہیں۔ آیا ایسی صورت میں ان کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ لوگوں کو شکایت ہے کہ وہاں اس کو ل نہیں انہوں نے مسجد ہی میں پڑھائی کی ہے۔ منشی سید محمد صدر اعظم

الجواب

دلوں کا حال اللہ جانتا ہے۔ احکام شریعت ظاہر پر ہیں۔ سوال میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے ایسی صورت میں وہ امام بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں سے احتیاط ہوسکے تو بہتر ہے کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ شروع شروع بالکل سنی بنے رہتے ہیں، لیکن جب اپنے کو مضبوط کر لیتے ہیں تو اپنے دل کی چھپی ہوئی گندگی ظاہر کر دیتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۲ رشعبان ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۱۳۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

موضع میں چند سال سے ایک مولوی صاحب مسجد اور مدرسہ کا کام انجام دیتے ہیں اور خوب اچھی طرح کام انجام دیتے تھے۔ مگر ہم لوگوں کی بدقسمتی ہے چار پانچ ماہ سے یہاں کے مسلمانوں میں پارٹی بندی ہوگئی اور مخالف پارٹی کے لوگوں نے ایک نئے امام صاحب کو لاکر زبردستی مسجد میں امام بنا دیا ہے۔ جو اس کے قبل جوٹ میل میں کام کرتے تھے اور ضعیف ہیں۔ اور اس کے علاوہ ان کی ایک آنکھ کسی بیماری سے خراب ہوگئی ہے۔ ایک آنکھ سلامت ہے الفاظ بھی امام سابق کے جیسے نہیں ہیں۔ دو امام ہونے کی وجہ سے یہاں پر کئی دفعہ فساد ہونے سے بچ گیا اور ابھی پچتا رہا ہے جب تک کے لیے ہم لوگوں نے یہ انتظام کیا ہے۔

کہ ایک امام جمعہ کی نماز پڑھادیں۔اور دوسرے امام دوسرے جمعہ کو پڑھاویں۔
خاص کر عید کے موقع پر فساد ہو جانے کا امکان تھا تو ہم لوگوں نے ایک تیسرے شخص کو چن کر امام بنایا مگر اس طرح کب تک چلے گا۔آپ مہربانی کر کے شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں کہ امامت کا حق دار کون امام ہے اور ایک مسجد میں دو اماموں کا رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک آنکھ والے کے پیچھے نماز جائز ہے کہ نہیں، عقیدہ میں کوئی فرق نہیں ہے سب سنی مسلمان ہیں۔آپ برائے مہربانی جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔فقط والسلام آپ کا عبدالعزیز بستوی مدرسہ و مسجد بہروی چھپرہ

الجواب

اگر امام سابق شرائط امامت کا جامع ہو تو امامت کا حق دار وہی ہے۔دوسرے کو امامت کا حق نہیں پہونچتا۔

در مختار میں ہے:"امام المسجد الراتب اولی بالامامة من غیره"

(در مختار:۲/۲۵٤)

اور اس کو خواہ مخواہ الگ بھی نہیں کیا جا سکتا۔شامی میں ہے:

"لا یصح عزل صاحب وظیفة بلا جنحة او عدم اهلیة"(کتاب الوقف:٦/٤٠٤)

واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۷/ذوالحجہ ۸۴ھ

الجواب صحیح:عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح:عبدالرؤف غفرلہ

(۱۳۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

محمد سکندر حافظ قرآن عمر ۲۲ سال ہے غیر شادی شدہ صوم وصلوۃ کا پابند ہے۔اب تک کسی نے اسے غیر شرعی فعل کرتے نہ دیکھا ہے اور نہ سنا ہے۔قرآن کریم بالکل صحیح پڑھتا ہے جس کی تصدیق کئی حافظ کر چکے ہیں۔گذشتہ کئی سال سے تراویح سناتا آرہا ہے لیکن چند لوگ اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ہیں، صرف اس لیے کہ وہ حجام ہے، یہ صحیح ہے کہ ذات حجام سے ہے لیکن بذات خود اس پیشہ سے متعلق نہیں۔بلکہ اس نے حجامت بنانا سیکھا ہی نہیں ہاں ان کے والد ضرور پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور صرف لوگوں کے بال تراشتے ہیں۔کیا مندرجہ بالا صورت حال میں محمد سکندر کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ برائے کرم فتوی صادر فرمائیں۔فقط محمد انور حجام معرفت عبداللطیف ٹی اسٹال لوگو کالونی مشرقی پاکستان

الجواب

صورت مسئولہ میں محمد سکندر کے پیچھے نماز جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اگر مقتدیوں میں اور کوئی اس سے زیادہ صحیح خواں، مسائل سے واقف اور متقی نہیں ہے تب تو اسی کی امامت افضل ہے۔

اختیار میں ہے: "ان کان الاعرابی افضل من الحضری و العبد من الحر و ولد الزنا من ولد الرشد فالحکم بالضد"

اگر محمد سکندر کے علاوہ کوئی اور شخص بھی مذکورہ بالا صفات کا حامل ہے اور محمد سکندر کی وجہ سے جماعت میں کمی واقع ہوتی ہے تو بہتر ہے کہ اس دوسرے شخص کو امام بنائیں۔ محمد سکندر کے پیچھے نماز بلاشبہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

(۱۳۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کو مسجد میں امامت کرنے کے لیے امام بنانے کا لوگوں کا خیال ہے ساتھ ہی زید کے گلے میں بہت بڑا گھیگھا ہے۔ اور روزانہ عصر و مغرب کی نمازیں قضا ہوتی ہیں کیونکہ زید کا پیشہ تجارت ہے۔ اس لیے باہر چلے جاتے ہیں اور شام کے وقت حاضر مسجد ہوتے ہیں۔ اور زید موجودہ حال میں امامت کرتے ہیں۔ از راہ کرم لوگوں کو اس بات سے مطلع کیا جائے کہ ہم مقتدیوں کی نماز ایسے امام کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟ العارض: حاجی رحیم بخش مقام مہراج گنج بازار پوسٹ آفس جوت پارہ ضلع بہرائچ شریف

الجواب

گھیگھا کے ہوتے ہوئے امامت میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن نمازیں قضا کرنا ضرور اثر انداز ہوگا۔ نماز قصداً ترک کرنا فسق ہے۔ درمختار میں ہے:

"و تارکھا عمدا مجانة فاسق یحبس حتی یصلی' اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

"ومشی فی شرح المنیة علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم" ہاں اگر نماز ترک سے توبہ کر لے تو اسے امام بنایا جا سکتا ہے جب کہ کوئی اور خرابی نہ ہو جس سے امامت میں خلل پڑے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۵/شعبان ۱۳۸۲ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ

(۱۳۷۔۱۳۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید کا کہنا ہے کہ لقمہ مقتدی کا امام کو فرض نماز میں درست نہیں سنت نماز جیسے تراویح میں درست ہے۔

(۲) ہمارے یہاں فرض نماز جماعت سے بعد پیش امام صاحب دعاء بلند آواز سے مانگتے ہیں اور مقتدی آمین کہتے ہیں، زید کا کہنا ہے کہ دعاء سری طریقہ پر مانگی جائے۔

(۳) ہم اپنی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ سے قبولیت کے خیال سے حضور ﷺ کے وسیلہ سے طلب کرتے ہیں ایسا کرنا کیسا ہے۔ جواب کا طالب ہوں۔

خاکسار ضمیر الحسن خاں موضع مروٹیا ڈاکخانہ روضہ درگاہ ضلع گورکھپور ۶ ستمبر ۱۹۸۶ء

الجواب

(۱) اپنی نماز کی اصلاح کے لیے امام کو لقمہ دینا بعض صورتوں میں واجب ہے اور بعض صورتوں میں جائز اور امام کو لقمہ دینے کے لیے کسی نماز کی کوئی خصوصیت نہیں فرض ہو یا واجب سنت ہو یا نفل۔ ہر جماعت میں لقمہ دیا جاسکتا ہے جس نے یہ کہا کہ صرف تراویح میں لقمہ دیا جاسکتا ہے مسئلہ غلط بتایا۔

حدیث شریف میں ہے: "من السنة ان تفتح علی الامام"

دوسری حدیث شریف میں ہے: "امرنا النبی ﷺ ان نرد علی الامام"

(سنن ابی داؤد: ۱/۲۶۳)

ان حدیثوں میں فرض یا واجب یا تراویح کی تخصیص نہیں ہے اس لیے ہر با جماعت نماز میں مقتدی امام کی غلطی پر لقمہ دے سکتا ہے۔

(۲) حنفیوں کے نزدیک پست آواز میں دعاء مانگنا افضل ہے لیکن بلند آواز کے ساتھ دعاء مانگنا بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں۔

(۳) اللہ کے نیک بندوں کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا جائز ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک نابینا کو یہ دعاء بتائی جس میں:

"اللھم انی اتوجہ الیك بنبیك محمدا"

اے اللہ میں تیری طرف تیرے رسول کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں۔

شامی میں ہے: "وقد عد من الآداب الدعاء التوسل"

وسیلہ کو دعا کے آداب میں شمار کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۱۴۰-۱۴۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) رتسڑا جامع مسجد میں امام صاحب آئے اور نماز پڑھانے لگے تو نماز کے ارکان صحیح ادا نہیں کرتے تھے، یعنی سجدے میں پیر کی انگلیاں پیچھے کی جانب موڑ دیتے تھے، جس کی وجہ سے انگلیوں کے پیٹ کے بجائے پشت لگتی تھی، امام صاحب سے کہنے کے باوجود ویسے ہی کرتے رہے۔

(۲) امام صاحب بلاوجہ بات بات میں جھوٹ بولتے ہیں، مثلاً ان کی چادر پر شیر کی تصویر تھی کسی نے کہا اس کو اوڑھ کر نماز مکروہ تحریمی ہوگی تو امام صاحب نے کہا کہ اس کو بہت دھوتا ہوں لیکن چھوٹ نہیں رہا ہے اور آپ جانتے ہیں یہ چادر شیر شاہ سوری کے زمانے کی ہے اس کو دلی سے منگوایا ہوں یا دلی سے آئی ہے، امام صاحب کی چپل گم ہوگئی تو کہنے لگے کہ جاپانی تھا اس کو ابھی دس برس پہنتے اس پر منع بھی کیا گیا مؤذن نے کہا کہ مذاق میں بھی جھوٹ بولنا جھوٹ ہے ایسا نہ کہا کریں اس کے باوجود بھی نہیں مانتے مؤذن صاحب ضعیف آدمی ہیں کبھی نیند آگئی یا وقت نہ معلوم ہوا اذان نہ کہے تو امام صاحب نے نہ خود اذان کہی اور نہ کسی مقتدی سے کہتے جب مصلیان جماعت کے وقت پر حاضر ہوتے تو امام صاحب نے کہا کہ الگ الگ نماز پڑھ لیجئے اذان نہیں ہوئی ہے اس لیے جماعت نہیں ہوگی استنجا کر کے امام صاحب قرآن خوانی میں گئے اور وضو نہیں کیے، پارہ ہاتھ میں لے کر پڑھے، بغیر وضو کئے اور فاتحہ بھی کیا جب کہا گیا کہ بے وضو نہیں پڑھنا چاہئے، یعنی ہاتھ میں لے کر تو امام صاحب نے کہا کہ بغیر وضو جائز ہے اور باوضو بہتر ہے، انہیں وجوہات کی بنا پر کچھ لوگ امام کی اقتدا سے احتراز کرتے ہیں اور کچھ لوگ مجبوراً اقتدا کرتے ہیں اور کچھ لوگ بخوشی اقتدا کرتے ہیں، تمام باتوں کا ازروئے شرع جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: سابق متولی جامع مسجد رتسڑا ابلیا

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی سوال میں امام صاحب جامع مسجد رتسڑا کے خلاف جو الزام قائم کئے گئے۔ اگر فی الواقع ان میں وہ عیوب ہوں تو ان کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھ لی تو دہرائے ان کو امام بنانا گناہ اور بشرط استطاعت امامت سے علیحدہ کرنا ضروری ہے۔

شامی میں ہے: "ومشی فی شرح المنیہ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم" واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۳۰ رمحرام الحرام ۱۴۰۹ھ

(۱۴۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

قصبہ رتسڑا میں امام کے پیچھے چند آدمی تعداد (۷) نماز نہیں ادا کرتے ہیں، ہر نماز کے بعد وہ الگ نماز ادا کرتے ہیں محمد اسلام صاحب، جو آج کل مدرسہ گھوسی شمس العلوم میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان لوگوں کے سربراہ ہیں، مولانا ہٹاؤ کی تحریک گاؤں میں خفیہ طور پر کئی مہینہ پہلے سے چلا رہے تھے جس کی خبر میرے کانوں میں پہنچی، چند روز قبل محمد اسلام صاحب اپنے ایک ساتھی جو تحریک میں شامل ہیں ان کے ساتھ تین گاؤں کے نوجوان لڑکوں کے ساتھ مولانا کے متعلق بات کر رہے تھے، وہاں اتفاق سے میں بھی پہنچ گیا سوال کیا کس مسئلہ پر بات ہو رہی ہے، موجود لوگوں نے کہا کہ امام صاحب پر ان لوگوں کو اعتراض ہے اسلام صاحب سے پوچھنے پر کہ مولانا صاحب میں کیا کمی ہے اور کس وجہ سے ان کے پیچھے کچھ مقتدیوں کی نماز نہیں ہو رہی ہے، اسلام صاحب نے جواب دیا ڈاکٹر صاحب مولانا میں کوئی کمی نہیں ہے رتسڑا جیسے قصبہ میں اونچے عالم چاہئے میں نے ان سے کہا کہ یہ تو آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی لیکن سوال یہ ہے کہ اونچا عالم کے لیے زیادہ پیسہ کی ضرورت ہے اور مسجد کی آمدنی اتنی کم ہے کہ موجودہ امام کی تنخواہ دے کر اخرجات کو پورا کرنا ہی مشکل ہے لہذا آپ لوگ مسجد کے بارے میں سوچیں کہ کیسے آمدنی بڑھے اس کے بارے میں غور کیجئے یا ہنگامی چندہ کریں آپ لوگوں کے ساتھ میں بھی شریک ہوں گا اور زیادہ سے زیادہ چندہ وصول کر کے اونچا عالم لایا جائے تو پھر امام کو ہٹایا جائے گا سب لوگ متفق ہو کر کہے کہ اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے بات طے ہو جانے کے بعد دونوں آدمی چلے گئے اور آپس میں میٹنگ کر کے ہر محلہ سے دو دو آدمی کا انتخاب کر کے مسجد میں میٹنگ بلائے جس میں کچھ لوگ آئے اور کچھ لوگ نہیں آئے بہر حال کوئی بات طے نہیں ہو پائی کل مورخہ ۱۳ر اگست کو صبح ۷ بجے کچھ لوگ اسی پر بات کر رہے تھے کہ اسلام صاحب راستے سے گزرے ان کو بلا کر چند سوال کیا جس کا جواب موجودہ لوگوں کے سامنے دیئے وہ کہاں تک صحیح ہے اور کہاں تک غلط ہے اس کا جواب آپ حضرات دیں۔

سوال: اسلام صاحب یہ بتایئے کہ موجودہ امام کے پیچھے کچھ لوگوں کی نماز نہیں ہو رہی ہے کہاں تک درست ہے۔

جواب: اسلام صاحب! جو لوگ امام سے قابل ہیں ان کی نماز امام کے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

سوال: میں مانتا ہوں کہ آپ امام سے قابل ہیں، کیونکہ آپ گھوسی کے مدرسہ شمس العلوم میں تعلیم پا رہے ہیں لیکن چند لوگ جو امام کے پیچھے نہیں پڑھتے ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جب کہ میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کی تعلیم درجہ پنجم تک ہے اس پر انہوں نے جواب دیا کہ امام کے قابل عبدالغفور

خاں اور حکیم سائیکل والے ہیں عبدالغفور خاں سے ہی نماز پڑھوایئے۔

لہذا میں نے ان سے کہا کہ عبدالغفور خاں کو بلوایئے اور امام صاحب اور عبدالغفور خاں میں امتحان ہو جائے، اگر عبدالغفور خاں امامت کے قابل ہوں گے تو ان کو امام رکھ لیا جائے گا۔ اس کے لیے دس بجے دن کا وقت دیا گیا اور دس بجکر دس منٹ پر جو لوگ سوال وجواب کے دوران موقع پر موجود تھے مسجد میں حاضر ہوئے، لیکن اسلام صاحب جن کی دوکان مسجد کے قریب ہی ہے نہیں آئے۔ ایک آدمی سے خبر کرنے پر کہ لوگ موجود ہیں چلیے جواب دیئے کہ دوکان چھوڑ کر کیسے جائیں۔ آج سے ایک ماہ قبل اسلام صاحب مسجد میں جمعہ کے روز امام صاحب سے اجازت لے کر تقریر کیے جو تقریر میں انہوں نے کہا تھا کہ امام صاحب ہم سے قابل اور بزرگ ہیں جب کہ یہ گھوسی کے عظیم ادارہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اور تسلیم کر رہے ہیں کہ امام سے زیادہ قابل ہیں۔ پھر انہوں نے آج کیسے کہدیا کہ عبدالغفور خاں جیسا آدمی امام صاحب سے زیادہ قابل ہے اور اگر کہے تو اس کو ثابت کیوں نہ کیا۔

سوال۔ اسلام صاحب جو لوگ امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ رہے ہیں۔ اور بعد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اس سے آنے والی نسل یا جو نوجوان نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان پر کیا اثر پڑے گا۔ اور اسلامی نقطۂ نظر سے کہاں تک صحیح ہے۔

جواب۔ اس کا جواب میں نہیں دے سکتا (اسلام صاحب) اب میرا سوال آپ حضرات سے ہے کہ کئی مہینوں سے اسلام صاحب امام ہٹاؤ تحریک خفیہ طور پر چلا رہے تھے۔

امام کی کمی کو کمیٹی کے سامنے کیوں نہ رکھا بغیر کمیٹی کو اطلاع کیے گاؤں میں دوسرے لوگوں سے گھوم گھوم کر قوم میں اتفاق پیدا کرنا ہے۔ یا نا اتفاق۔ آپ کے مشورہ سے قریب آٹھ سال سے مسجد اور مدرسہ کا نظام جو میں سنبھالا ہوں اس میں گاؤں کے چند لوگ دشواریاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔ آٹھ سال میں چار امام لائے جا چکے۔ جن کو میں نے اپنی طرف سے نہیں ہٹایا بلکہ کچھ لوگوں کی آوازوں نے ان مولانا صاحب کو مجبور کر دیا ہٹنے کے لیے۔ جیسے ایک امام پر کچھ لوگوں نے آواز اٹھائی کہ ان کو روزانہ احتلام ہوتا ہے۔ یہ بات ان کے کانوں تک پہونچی اور وہ چھوڑ کر چلے گئے۔ ایک امام پر آواز اٹھی کہ رتسڑا کا کھانا ہی ایسا ہے کہ امام کی چوری ہوتی ہے۔

اس پر وہ امام چھوڑ کر چلے گئے کچھ لوگ امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور طرح طرح کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ تو امام کو ہٹاتا رہوں گا اور رکھتا رہوں۔ جب کہ اس گاؤں کا دستور بن چکا ہے انہیں سب باتوں کو لے کر یہ بھی کہتا ہوں کہ جس کو میرا نظام صحیح نہیں معلوم ہوتا وہ میرے عہدہ کو سنبھالیں۔ اس

پر کوئی تیار نہیں ہوتا۔ مہربانی فرما کر کوئی اچھا مشورہ دیں۔ عین کرم ہوگا۔ المستفتی رضاء المصطفیٰ

الجواب

میرے پاس رتسڑا سے ہی اس امام کے متعلق ایک سوال آیا ہے جس میں امام صاحب پر سجدے میں پاؤں کی انگلیوں کا پیٹ زمین پر نہ لگنے، جھوٹ بولنے، مسئلہ غلط بتانے کا اور بے وضو قرآن شریف چھونے کا الزام ہے، اگر یہ صحیح تو مولوی اسلام صاحب کیا جو جانکار مسلمان سنے گا کہے گا کہ امام صاحب مذکورہ فاسق و جاہل ہیں اور ان کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھی تو دہرائیں اور بشرط استطاعت ان کو علیحدہ کرنا ضروری ہے۔

درمختار میں ہے: "یکرہ تقلید الفاسق "(کتاب الصلاۃ:۲/۱ ۲۴)

فاسق کی امامت مکروہ ہے۔

شامی میں ہے: "ومشی فی شرح المنیۃعلی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریمہ"

فاسق کو امام بنانا گناہ مکروہ تحریمی قریب بہ حرام ہے۔

ان کو امامت سے علیحدہ کیا جائے اور اگر پہلے ائمہ بھی ان عیوب کیوجہ سے علیحدہ کئے گئے تو ٹھیک ہی ہوا۔

حدیث شریف میں ہے: "من رأی منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ"

(سنن نسائی: کتاب الایمان.۱۵)

جو برا کام دیکھے ہاتھ سے درست کر سکتا ہو تو درست کرے اور اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے برا کہے۔

اگر وہ سوال صحیح نہ ہو اور امام صاحب میں علمی یا عملی غلطی نہ ہو کہ جس سے ان کی امامت میں خلل پڑے۔ تو جماعت چھوڑنے والے غلطی پر ہیں۔ اور سنت مؤکدہ کے تارک ہیں۔

درمختار میں ہے: "الجماعۃ سنۃ مؤکدۃ "(درمختار:۲/۲۴۴)

جماعت سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے۔

رہ گیا یہ سوال کہ جب وہ جماعت سے نہیں پڑھتے تو انہیں مسجد میں آنے سے روکا جائے تو اگر وہ سنی صحیح العقیدہ ہیں اور مسجد میں آکر خموشی سے نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں، کوئی فتنہ و فساد نہیں مچاتے تو ان کو مسجد سے روکنے کا کسی کو حق نہیں۔

قرآن شریف میں ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾[التوبۃ:۱۸]

سچے مسلمان کا حق ہی یہ ہے کہ مسجد کو آباد کرے۔

اور یہ بات کہ نوجوان نسل پر اس کا برا اثر پڑے گا۔ ہماری سمجھ سے اس کا اثر تارکین جماعت کے خلاف ہی ہوگا۔ کہ یہ لوگ کتنے بدنصیب ہیں۔ کہ مسجد میں آکر جماعت چھوڑتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۱۴۳۔۱۴۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۱) ایک شخص جو گورنمنٹ ڈیپارٹمنٹ میں نوکری کرتا ہے۔ اور اس جگہ قریب مسجد نہ ہونے کی وجہ سے امامت کے فرائض بھی انجام دیتا ہے، اسی شخص نے نماز کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا۔ اور اسی نے لوگوں کے دلوں میں مسجد بنانے کا جذبہ پیدا کیا خدا کے فضل سے خوبصورت مسجد بنی۔ اور مسجد کے احاطہ میں چند کمرے بھی تعمیر کئے گئے تاکہ بعد میں مسجد چلانے کے کام آسکیں کچھ لوگ اب کہتے ہیں چونکہ گورنمنٹ کی نوکری کرتے ہیں۔ اس میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے، جہاز میں نوکری کرتے ہیں، ہوسکتا ہے تیل وغیرہ کی آمدنی کرتے ہوں، اب عالم دین بتائیں کہ پندرہ سولہ برس سے وہ امامت کررہے ہیں، مسجد میں اذان صفائی اور امامت کے لیے بے لوث خدمت میں ہیں، اب جب کہ چند روم آمدنی کا ذریعہ بن گئے تو ایک مختصر گروہ کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوگی اور اس کو کوئی سند بھی نہیں ہے۔ لہذا ایک سند یافتہ امام رکھا جائے۔ اور اکثریت کا کہنا ہے کہ جب ہم لوگ ان کی امامت میں اتنے دن نماز پڑھے ہیں تو انہیں کے پیچھے پڑھیں گے۔ جب یہ یہاں سے چلے جائیں گے تو دوسرا امام رکھا جائے گا۔ اب علمائے کرام اس کے متعلق شرعی فیصلہ فرمائیں کہ بغیر سند یافتہ امام گورنمنٹ میں نوکری کرنے والا اس کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں۔ وہ امامت کرسکتے ہیں یا نہیں۔

(۲) ہمارے سماج میں مسجد وغیرہ کا چندہ نہ دینے پر پابندی لگادی جاتی ہے۔ اور اس سے رشتہ ناطہ توڑلیا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے مسجد کا چندہ نہ دے کر مسجد سے ناطہ توڑلیا ہے۔ سماج کی طرف سے اس پابندی میں اس کے یہاں سارا کام بند کردیا جاتا ہے۔ لہذا شریعت میں اس طرح کی پابندی درست ہے یا نہیں۔

(۳) ایک عالم اپنی تقریر کے دوران فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کافر تھے۔ ان کا نام ابوطالب تھا۔ مرتے دم تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور نہ کلمہ پڑھا ابوطالب نام رکھنا بہتر نہیں۔ ذرا بتائیں حقیقت معنوں میں اس طرح کا نام بہتر نہیں کسی کا نام ابوطالب نہیں رکھنا چاہیے۔

(۴) مسلمانوں کی اکثریت متفقہ رائے سے کوئی فیصلہ طے کرے اور تمامی لوگ اس پر کئی مہینوں

تک عمل کرتے رہے۔ اور بعد میں چند لوگ ایک گروپ بناکر اس کی مخالفت شروع کریں ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ ہماری رہنمائی فرمائیں۔ المستفتی آپ کا خادم محمود الحسین اشرفی

الجواب

(۱) امام کے لیے نہ تو سند یافتہ عالم ہونا ضروری ہے۔ نہ گورنمنٹ کی ملازمت مطلقاً اس کے منافی، امامت کے لیے امام کا سب سے پہلے سنی صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہے۔ قرآن عظیم صحیح پڑھنا ضروری ہے۔ اتنے مسائل جاننا ضروری ہے جس سے نماز صحیح طریقہ پر ادا کرسکے اور علی الاعلان گناہ نہ کرتا ہو یعنی فاسق معلن نہ ہو۔

پس سوال میں جس شخص کے بارے میں ذکر ہے۔ اگر ان شرطوں پر پورا اترتا ہے۔ تو اس کی امامت صحیح ہے۔ اور اعتراض کرنے والے غلطی پر ہیں۔ اور اگر ان شرطوں سے کوئی شرط نہ پائی جاتی ہو۔ تو اس کی امامت صحیح نہیں چاہے گورنمنٹ کا ملازم نہ ہو۔ ہمارے نزدیک گورنمنٹ کے ملازم کے لیے جھوٹ بولنا ضروری نہیں۔ ملازم ہو یا غیر ملازم جو علی الاعلان جھوٹ بولے گا۔ فاسق معلن ہوگا۔ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اس کو امام بنانا ناجائز ہوگا۔

(۲) مسجد میں چندہ دینا ایک مستحب فعل ہے۔ جو چندہ دے گا اس کو ثواب ملے گا۔ اور جو چندہ نہ دے گا ثواب سے محروم رہے گا۔ شریعت نے ایسے شخص کی کوئی سزا یا جرمانہ مقرر نہیں کیا۔ تو ہم کیسے اس کو ایسی سزا دے سکتے ہیں جس کا ذکر سوال میں ہے۔ بلکہ ایسا بائیکاٹ کرنا شرعاً ظلم اور ناجائز ہے۔

(۳) عالم صاحب نے ابوطالب کے بارے میں جو بیان کیا وہ تو صحیح بخاری شریف میں ہے۔ حضور ﷺ نے ابوطالب کے انتقال کے وقت ان سے کہا اے چچا آپ کلمہ پڑھ لیجئے میں اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کے لیے اس کی گواہی دوں گا۔ وہیں ابوجہل وغیرہ تھے وہ کہنے لگے اے ابوطالب کیا آپ اپنے باپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جائیں گے۔ حضور نے پھر کلمہ کے لیے کہا۔ ابوجہل نے پھر اپنی بات دہرائی یہاں تک کہ ابوطالب نے اخیر میں کہا میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور کلمہ نہیں پڑھا۔ لیکن اس کو بلا ضرورت بیان نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ سچی بات کہنے سے بھی بسا اوقات آدمی کو تکلیف پہونچتی ہے۔ اسی طرح ابوطالب نام رکھنے میں بھی حرج نہیں کہ اس لفظ کے معنی میں کوئی خرابی نہیں ویسے حدیث میں عبداللہ عبدالرحمٰن محمد وغیرہ نام رکھنے کی فضیلت آئی ہے۔

(۴) شریعت میں عملدرآمد کی بنیاد پر صحیح وغلط کا دارومدار نہیں۔ اگر فیصلہ غلط ہو تو سالوں عملدرآمد کے بعد بھی حکم یہی ہوگا۔ کہ اس کو چھوڑا جائے۔ اور صحیح راستہ پر آیا جائے۔ اور اگر فیصلہ صحیح ہو اور ایک دن

بھی اس پر عمل نہ ہوا مگر حکم یہی ہوگا کہ اس پر عملدرآمد کیا جائے اور اس کی مخالفت کرنے والے غلطی پر ہوں گے، واللہ تعالیٰ عالم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو۲۲؍شوال ۱۲ھ

(۱۴۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کسی نے سنت قبلیہ پڑھے بغیر ظہر کی امامت کی اور نماز پڑھا دی تو نماز فرض ادا ہوئی یا نہیں۔

الجواب

اگر اتنا وقت باقی ہے کہ سنت پڑھ لینے کے بعد فرض ادا کرلے گا۔ تو سنتوں کے پڑھنے کے بعد نماز پڑھائے۔ فجر کی سنت کی تاکید بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ قریب بوجوب ہے۔ بلکہ بعض فقہاء اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ اگر سنت فجر بغیر پڑھے ہوئے امامت کرے تو اس کا ترک لازم آئے گا۔ کہ اب اس کی قضا بھی نہیں اور بلاشبہ بے عذر سنت فجر کا ترک اسائت ہے۔ اور ظہر کی سنتیں اگر چہ بعد فرض پڑھ لے گا۔ مگر بلا عذر اس کو اس کی جگہ سے ہٹانا بھی برا ہے کہ سنت قبلیہ میں اصل سنت یہی ہے کہ وہ فرض سے قبل پڑھی جائے جماعت قائم ہوچکنے کے بعد مقتدی کا جماعت میں مشغول ہونا اور سنت کا مؤخر کرنا عذر شرعی کی وجہ سے ہے۔ مگر بلاوجہ امام کا مؤخر کرنا سنت کے خلاف ہے۔

اسی سے آپ کے سوال کا جواب بھی ہوگیا۔ نماز تو ہوجائے گی مگر امام نے برا کیا۔ اور اگر مؤخر کرنے کی عادت کرلی ہے اور بار بار یہی کرتا ہے۔ تو گنہگار بھی ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: قول الامام الاجل فخر الاسلام ان تارك السنة المؤكدة يستوجب الاساءة اى بنفس الترك و كراهة اى تحريمية اى عند الاعتياد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو۱۳؍محرام الحرام ۱۴۱۳ھ

(۱۴۸۔۱۵۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ مسائل میں کہ

(۱) اگر امام مرتد ہے اور مقتدیوں میں ہر جماعت کے لوگ ہیں اس میں بدرجہ مجبوری کسی اہل سنت وجماعت کو جماعت میں شامل ہونا پڑے جیسا کہ حج کے موقع پر یا اور کہیں ان کی جماعت میں پھنس گیا تو اہل سنت وجماعت کا فرد اپنی نماز کی نیت کرکے پڑھے اور ان کے ساتھ قیام ورکوع وسجود میں شامل رہے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

اگر ہوگی تو اس کی شکل کیا ہوگی کہ اہل سنت نے امام سے پہلے اپنی قرأت ختم کرلی تو خاموش کھڑا رہے اور کچھ پڑھتا رہے۔

(۲) آج کل لوگ شادی بیاہ کے موقعہ پر نکاح کی پڑھائی لیے بغیر نکاح نہیں پڑھاتے اور پگڑی

کی بندھائی لیے بغیر پگڑی نہیں باندھتے کیا نکاح کی پڑھائی اور پگڑی بندھائی لینا جائز ہے۔

(۳) جن لوگوں کے یہاں حرام کمائی ہے ان کے بچوں کو دینی یا دنیوی تعلیم دے کر تنخواہ لینا اور اسی تنخواہ میں کھانا بھی کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) کچھ لوگوں نے ایک جماعت خانہ زکوۃ کے روپیہ سے بنوایا ہے جو شادی بیاہ یا اور کوئی میٹنگ وغیرہ کرنے کے لیے بھاڑے پر دیتے ہیں اس جماعت خانہ میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ قریب میں کوئی مسجد نہیں ہے۔

(۵) ایک شخص نے ایک مدرس کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے ناظرہ وغیرہ کے لیے ماہواری تنخواہ پر رکھا۔ ان بچوں میں ایک یا کئی جوان لڑکیاں ہیں مدرس نے یہ سمجھ کر کہ قرآن کی تعلیم دینے میں کچھ حرج نہیں ہے پڑھانا شروع کیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ جوان لڑکی کو پڑھانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اس نے یہ طے کیا کہ نہیں پڑھائے گا۔

اتفاق سے ایک مہینہ پورے ہونے کے بعد بہار شریعت میں اچانک اس کے سامنے یہ مسئلہ لکھا ہوا ملا کہ غیر محرم کو اندھا آدمی بھی نہیں پڑھا سکتا کیونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہے تو اس نے پڑھانا بند کر دیا۔ لڑکی کے والد نے کہا پڑھانے کیوں نہیں آتے تو اس نے مسئلہ کو ظاہر کیا۔ اس پر اس شخص نے غصہ کا اظہار کیا اور سلام وکلام بند کر دیا۔ کیا اس شخص کا ایمان باقی ہے؟ اگر نہیں ہے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے۔

(۶) حربی کے بینک میں روپیہ جمع کر کے جو سود ملتا ہے وہ سود ان کے بینک سے قرضہ لے کر سود دینا جائز ہے یا نہیں؟۔

المستفتی محمد اسرائیل اشرفی، مدرس انجمن میمن جماعت خانہ پوسٹ شہادہ ضلع دھولیہ مہاراشٹر

الجواب

(۱) سوال میں جس چیز کو مجبوری سے تعبیر کیا گیا ہے ہمارے نزدیک مجبوری نہیں بلکہ مداہنت ہے، کیونکہ آج کل ہندوستان میں عام حالت یہ ہے کہ کوئی جماعت ہو رہی ہو اور بیچ میں سے نیت توڑ کے نکل جائے تو اس کا کوئی کچھ بگاڑتا نہیں تو جماعت شروع سے قبل یہ اطلاع ہونے پر کہ امام مرتد ہے۔ صورتا ہی جماعت میں شریک رہنے کی کیا مجبوری ہے کون جماعت سے علیحدہ ہونے پر فتنہ وفساد کرے گا۔ علیحدہ ہونے والے کو اذیت دے گا؟ کہ سائل نے ایسی شرکت کو مجبوری سے تعبیر کیا ہے ہاں یہ بات ہو سکتی ہے کہ اس جماعت میں کچھ لوگ بدمذہب یا مرتد ہیں، جو اس کے ملنے والے ہیں وہ اس علیحدگی سے برا مان

جائیں گے تو ان کی خاطر سے شرکت کرنا اور حکم خدا ورسول کے خلاف کرنا مجبوری نہیں مداہنت ہے جو شرعاً ممنوع ہے اور مکہ شریف میں تو انسانوں کی اس بھیڑ میں کون کس کو دیکھتا ہے کہ کیا کر رہا ہے بس اتنی احتیاط کیجائے کہ جب ان کی جماعت ہو رہی ہو اس وقت وہاں جایا نہ جائے اور اگر وہاں پہلے سے موجود ہو تو نماز شروع ہونے سے پہلے ہی اٹھ آیا جائے۔

(۲) پگڑی باندھنے اور نکاح پڑھانے کی اجرت کے طور پر اگر کوئی رقم پہلے سے طے ہوئی تو اس کو دینا ضروری ہے ورنہ عام طور سے یہ چیزیں انعام اور ہدیہ بطور مسرت کی سوغات کے دی جاتی ہیں اس میں جبر حرام اور بخوشی جو دے دیں لینا جائز ہے۔

(۳) اگر یہ معلوم ہو کہ تنخواہ اور کھانے کی رقم بعینہ حرام کی کمائی ہے تو لینا ناجائز اور یہ معلوم نہ ہو یا اس کے پاس دونوں قسم کی آمدنی ہو اور حلال وحرام آمدنی کو باہم ملا دیا ہو۔ یا یہ معلوم ہو کہ اس کی بیشتر آمدنی جائز ہے تو لینا جائز ہے۔

(۴) ایسے مکان میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۵) ایک پرہیز گار مسلمان سے قطع تعلق حرام ہے مگر اس سے ایمان میں خلل نہیں پڑتا ہے۔

(۶) حربی کی ایسی رقم کو سود سمجھ کر لینا جائز نہیں ہے اور ایک مباح رقم سمجھ کر جسے وہ اپنی خوشی سے دیتا ہے لینا جائز ہے، جب آدمی کھانے پینے اور روزی سے بے حد تنگ ہو تو فاقہ سے بچنے کے لیے ضرورت بھر سودی قرضہ لیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۵) نوٹ: سائل نے بہار شریعت کے حوالہ سے اندھے کے تعلیم نہ دینے کا جو مسئلہ لکھا ہے وہ اس میں نہیں ہے شاید اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، بے شک عورت کی آواز بھی عورت ہے مگر ضرورۃ وہ اجنبی مرد کی آواز سن بھی سکتی ہے اور اس کو اپنی آواز سنا بھی سکتی ہے اور قرآن کی تعلیم ایک دینی ضرورت ہے، قرآن پڑھانے والی عورت نہ ہو تو مرد سے تعلیم حاصل کر سکتی ہے، اسی طرح اندھے سے بھی پردہ ہے لیکن تعلیم کے لیے بے پردگی کیا ضروری ہے عورت برقعہ کے اندر ہو اور اس کا جسم چھپا ہو اور ایسا انتظام ہو کہ استاذ سے کسی فتنہ کا ڈر نہ ہو تو قرآن سیکھنے میں یا دینی مسائل جاننے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

(۱۵۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بکر جو کہ مومن انصاری برادری سے تعلق رکھتے ہیں کافی دنوں سے گاؤں میں تعلیم اور امامت کا کام انجام دیتے آ رہے ہیں اور ان کا ایک شاگرد زید ہے جو کہ خان برادری سے تعلق رکھتا ہے اس کا کہنا

ہے کہ جولاہے کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اور زید اپنے قول کی تائید میں کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ یا کسی رسالہ میں لکھا ہے۔ کیا زید کی بات صحیح ہے، مدلل لکھئے! کیا حقیقت میں اعلیٰ حضرت نے ایسا لکھا ہے یا ان کے اوپر افتراء ہے، اگر افتراء ہے تو پھر شریعت کی جانب سے زید کے لیے کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب تحریر فرما کر تشفی دل مرحمت فرمائیں کافی مشکور وممنون ہوں گا۔ واضح ہو کہ استاد اور شاگرد کے مابین اس سے قبل ہی سے سیاسی کشمکش جاری ہے۔

المستفتی: محمد کمال الدین قادری مقام گیا جعفر نگر مہوتری نیپال

الجواب

نہ شریعت میں اس مسئلہ کی کوئی اصل ہے نہ اعلیٰ حضرت نے کہیں ایسا لکھا ہے۔ زید نے اعلیٰ حضرت پر افترا کیا ہے۔ اعلیٰحضرت نے تو فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۲۱۶ پر یہ لکھا کہ امامت میں بعد اس کے کہ وہ شخص جامع شرائط سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق مجاہر ہوں، قرآن صحیح پڑھتے حروف مخارج سے بقدر تمایز ادا کرتے ہوں، سب سے مقدم وہ ہے کہ نماز وطہارت کے مسائل کا علم زیادہ رکھتا ہو، پھر اگر اس علم میں دونوں برابر ہوں تو جس کی قرأت اچھی ہو، پھر جو زیادہ پرہیزگار ہو، شبہات سے زیادہ بچتا ہو، پھر جو عمر میں بڑا ہو، پھر جو خوش خلق ہو، پھر جو تہجد کا زیادہ پابند ہو، یہاں تک شرف نسب کے لحاظ نہیں، جب ان سب باتوں میں برابر ہوں تو اب شرافت نسب سے ترجیح ہے۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امامت نماز کی کچھ شرطیں ایسی ہیں کہ ان کے بغیر امامت صحیح ہی نہیں، چاہے کوئی اعلیٰ خاندان کا ہو چاہے ادنی خاندان کا ہو، ان شرطوں پر اعلیٰ خاندان والا پورا نہ اترے تو وہ امام نہیں ہوسکتا، اور ادنی خاندان والا پورا اتر جائے تو وہ امام بن سکے گا، اور اس کا الٹا بھی ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر کہیں امام مقرر کرنا ہو اور دو آدمی ایسے ہوں کہ دونوں کے پیچھے نماز صحیح ہو تو اب بہتر یہ ہے کہ ان دونوں میں اس کو امام بنایا جائے جو افضل ہو۔ افضل ہونے کا فیصلہ ان چیزوں سے ہوگا جس کا بیان اعلیٰ حضرت نے بلفظ "تہجد کا زیادہ پابند ہو" تک بیان کیا ہے۔ یعنی ان دونوں میں ان چھ باتوں میں سے درجہ بدرجہ کوئی ایک ان دونوں میں سے کسی ایک میں زیادہ پائی جائیں تو جس میں زیادہ ہوں وہی امام بنائے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ چاہے کسی برادری سے ہو۔ اسکا مطلب نہ یہ ہے کہ کم والے کی امامت جائز نہیں، نہ یہ ہے کہ کم درجہ والا پہلے مقررہ امام ہو تو اس کو ہٹا کر زیادہ درجہ والے کو امام رکھا جائے، بلکہ یہ ہے کہ امام رکھتے وقت یہ خیال کیا جائے کیونکہ تمام اہل فقہ نے بلکہ خود اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا:

اگر امام ایسا نہ ہو جس کے باعث اسے امام بنانا شرعاً ممنوع ہے تو اس مسجد کی امامت اسی کا حق

ہوتی ہے، اس کے ہوتے دوسرے کو اگر چہ اس سے زیادہ علم و فضل رکھتا ہو اس کی اجازت کے بغیر امام بنانا شرعاً ناپسند ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر امام میں کوئی خرابی ہو جس سے اس کی امامت ناجائز ہے تو کسی برادری کا ہو امام نہیں بنایا جائے گا۔ اور کوئی ایسی خرابی نہ ہو بلکہ امامت کے شرائط پائے جائیں تو کسی برادری کا ہو امام ہوسکتا ہے۔ اگر امام کسی نیچی برادری کا رکھدیا ہے جو صالح امامت ہے تو کوئی عالم و فاضل اور اونچی برادری کا ہی آدمی کیوں نہ آجائے جو ہر طرح امامت کا اہل ہی نہیں لائق و فائق مگر حق اس مقررہ امام کے امامت کرنے کا ہوگا، ہاں اگر امام مقرر کرتے وقت دو آدمی صالح امامت مل رہے ہوں تو ان میں جو ہر حیثیت سے افضل ہو اس کو امام مقرر کیا جائے، اور اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کی وجہ سے جماعت میں نفرت پیدا ہو مسجد میں نمازی کم ہو جائیں تو ایسے شخص کو امام نہ رکھا جائے۔ برادری کی بنیاد پر تقلیل جماعت ہو تب بھی اور دوسری وجہیں ہوں تب بھی، چنانچہ آپ آپ فتاوی رضویہ ص ۲۱۷ میں فرماتے ہیں: ہاں اگر ذلیل اس درجہ کا ہے کہ اس کی جماعت سے تمام لوگوں کو نفرت ہو اور جماعت میں خلل پڑتا ہے تو اس کی امامت نہ چاہیے، پورے مسئلہ میں نہ کہیں جولاہے کا نام ہے، نہ یہ حکم ہے کہ ان کے پیچھے نماز ناجائز ہے، زید کا یہ قول مولانا احمد رضا خاں صاحب اور شریعت دونوں پر افتراء ہے، مسلمانوں کو ایسے مفتریوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے: "ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم"

کہیں تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

(۱۵۵۔۱۶۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ضروری تحریر یہ ہے کہ اہل سنت کا ماننے والا ہوں اور اس وقت جہاں میں ہوں سبھی لوگ دیوبندی خیال کے ہیں اور یہاں پر جتنی مسجدیں ہیں سب مسجد میں امام وغیرہ سبھی دیوبندی ہیں تو ان سب باتوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔

(۱) ہماری نماز دیوبندی امام کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟۔

(۲) یہاں پر اہل سنت کی کوئی مسجد نہیں تو میری جمعہ کی نماز ہوگی کہ نہیں؟

(۳) اگر دیوبندی کا کوئی حافظ رمضان کے مہینہ میں تراویح کی نماز پڑھاتا ہے تو اس کے پیچھے ہماری نماز تراویح ہوگی کہ نہیں اور میں پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟۔

(۴) میں پانچوں وقت کی نماز کہاں پڑھوں، گھر پر پڑھوں یا مسجد میں؟ ان لوگوں کی جماعت

کے ساتھ میری نماز ہوگی کہ نہیں؟۔

(۵) جمعہ کی نماز کے لیے میں کیا کروں کیا ظہر کی نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں اور جمعہ کے دن نماز کہاں پڑھوں مسجد میں جاکر دو رکعت جمعہ کے نماز کے بعد پھر کیا ظہر کی نماز پڑھوں یا کیسے کروں میں تو یہاں آکر چکر میں پھنس گیا ہوں۔

(۶) عید الفطر کی نماز کے لیے کیا کروں۔

(۷) اگر مسجد میں اکیلے نماز پڑھتا ہوں تو یہاں کے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ اکیلے نماز کیوں پڑھتے ہیں جماعت سے پڑھیے ان سب باتوں کا جواب میرے لیے جلد سے جلد دیجئے کیونکہ رمضان قریب آگیا ہے۔ المستفتی: محمد حسین محلہ عرافیاں شاہ گنج جونپور

الجواب

دیوبندیوں پر عرب وعجم کے علماء نے کفر کا فتوی دیا ہے اور کفر کرنے والے کے پیچھے اہل سنت وجماعت کی نماز نہیں ہوگی۔

عالم گیری میں ہے: وان کان صاحب هوى لايكفر به تجوز الصلوة خلفه مع الكراهة والا فلا۔ آپ کوئی نماز بھی ان کے پیچھے نہیں پڑھ سکتے ہیں، نہ پنج وقتہ نہ تراویح نہ جمعہ نہ عید۔

پنج وقتہ نماز کا اگر مسجد میں موقع ملے تو مسجد میں ہی ان سے علیحدہ اکیلے پڑھ لیجئے۔ اور مسجد میں فتنہ فساد کا ڈر ہو تو گھر میں ہی ایک پاک جگہ نماز کے لیے منتخب کر لیجئے۔ اور وہیں پانچوں وقت پڑھ لیجئے آپ کو مسجد کا ہی ثواب ملے گا۔ جمعہ اگر آس پاس میں سنی امام کے پیچھے ملنے کی توقع ہو تو وہیں جاکر پڑھ لیجئے ورنہ اس دن اپنے گھر میں ہی ظہر کی نماز پڑھیے نماز عید بھی اگر کہیں سنی امام کے پیچھے ملے تو سبحان اللہ ورنہ آپ سے معاف ہے۔ جیسے دیہات والوں پر جمعہ وعید نہیں تراویح بھی آپ ان کے پیچھے نہیں پڑھ سکتے۔ تنہا پڑھیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۲؍شوال ۱۴۱۳ھ

(۱۶۲۔۱۶۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ایک عالم دین جو باقاعدہ دار العلوم سے سند یافتہ ہو، دار العلوم میں عالمانہ کتابیں پڑھاتا ہو اس پر موریس میلے میں جہاں کشتی جس میں تین چار ڈھول بج رہے ہوں وہاں عام لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہو یہاں تک کہ نماز عصر جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی، بعد میں واللہ تعالیٰ اعلم۔ ایسے عالم کو نماز پڑھانے اور وعظ وتقریر کی دعوت دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اسکے اوپر توبہ لازم ہے یا نہیں؟ اور توبہ ظاہر میں کرے یا باطن

میں کرے؟ تفصیل سے شرع کی روشنی میں بتائیں۔

(۲) ایک امام صاحب جو حلال حرام کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام میں ڈھول باجہ حرام ہیں۔ پیر کی درگاہ کا صندل جس میں ڈھول شہنائی اور عورتیں بھی ساتھ ہیں اور یہ امام صاحب مولود اور نعتیں اسی کے ساتھ پڑھتے ہیں، یہ صندل پورے گاؤں میں پھرایا گیا اور اخیر تک شامل رہا ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، توبہ کرے تو ظاہر میں یا باطن میں؟ تفصیل سے شریعت کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔ المستفتی: فقیر عثمان غنی رضوی عفی عنہ مدرسہ گلزار طیبہ، طیبہ مسجد گام گڑھ، سیر قصیل مانڈوی کچھ

الجواب

آپ کے دونوں سوالوں میں ایسے افعال کا ذکر ہے جس کو علی الاعلان کرنے والے فاسق معلن ہیں۔ جو کشتی کے مقابلوں میں بلا جھجک لڑنے والے پہلوانوں کی کھلی ہوئی رانیں دیکھیں۔ اس کے لیے جماعت کی نماز ترک کریں ڈھول یا ریڈیو وغیرہ آلات لہو ولعب سنیں جو ایسے جلوس میں شرکت کریں جس میں عورتیں ہوں۔ جہاں ڈھول شہنائی اور لہو ولعب کے آلات اور باجے گاجے ہوں۔

جتنے بڑے مجمع میں انہوں نے یہ حرکتیں کی ہیں۔ ایسے ہی مجمع میں علی الاعلان صدق دل سے توبہ کریں تو ان کی امامت جائز ہوگی۔ ورنہ ان کی امامت ناجائز۔ اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھی تو نماز لوٹاؤ۔ ان کو امام رکھنا گناہ اور امام ہوں تو بشرط استطاعت انہیں امامت سے علیحدہ کرو۔

شامی میں ہے: "ومشی فی شرح المنیة علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریمة"

ان سے تقریر بھی نہ کرانی چاہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۱ر رجب المرجب ۱۴۱۹ھ

(۱۶۴۔۱۷۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک امام صاحب ہیں جو شرابی شکاری لوگوں کا مارا ہوا شکار کھاتے ہیں۔ جب ان کو بتایا گیا کہ ایسا کھانا آپ کے لیے جائز نہیں۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اللہ معاف کرے گا۔

(۲) امام صاحب اپنے کو سنی کہتے ہیں، اور دوران تقریر مجمع کے سامنے کہتے ہیں کہ آج کل سلسلہ کی نئی نئی شکلیں نکل گئی ہیں جیسے قادریہ چشتیہ، اشرفیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، یہ سب سلسلے بیماریاں ہیں۔

(۳) امام صاحب کے پاس غیر مذہبی عورتیں جودم کروانے آتی ہیں ان کو مسجد کی حد میں بلا کر اندر بٹھا کر نبض وغیرہ دیکھتے ہیں جب کہ امام صاحب نہ حکیم ہیں نہ وید۔

(۴) نماز پڑھاتے وقت امام صاحب اپنے سیدھے پاؤں کی ساری انگلیاں اونچی کر لیتے ہیں

۔اور سجدے کی حالت میں دونوں کہنیاں دونوں رانوں پر رکھکر پسلیوں سے چپکا لیتے ہیں۔امام صاحب کو یہ بتانے کے بعد بھی کہ اس طرح نہیں کرنا چاہئے اس پر عمل نہیں کرتے۔

(۵) ایک میت کو دکھن طرف سر اور اتر طرف پیر رکھوا کر دفن کرنے کو کہا۔لوگوں نے منع کیا تو یہ سب چلتا ہے، چاہے اتر سر رکھو یا دکھن سب جائز ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟۔

(۶) مسجد کے حجرہ میں بیٹھ کر دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا بیڑی سگریٹ پینا اس طرح کے دھواں مسجد میں آتا ہے۔اس کا کیا حکم ہے؟

(۷) امام صاحب تقریر میں غیر حدیث کو حدیث اور حدیث کو غیر حدیث کہکر بیان کرتے ہیں کبھی آیت قرآن کو حدیث کہتے ہیں اور عربی عبارت پڑھتے ہیں، اپنی طرف سے کچھ گھٹاتے بڑھاتے ہیں۔

(۸) امام صاحب کوئی وقت ہو اور کسی کا بھی گھر ہو بے اجازت اور آواز کے گھر میں گھس جاتے ہیں، میاں بیوی ساتھ بیٹھے ہوں وہاں بھی پہونچ جاتے ہیں۔ان کو بتایا گیا تو کہتے ہیں سب چلتا ہے، اور اس سے ٹی وی چالو کرنے کو کہا اور فلم دیکھنے کی خواہش کی ٹیوشن پڑھاتے ہیں۔تو سبق پڑھا کر خود ہی چالو کر دیتے ہیں اور بے ہودہ پروگرام دیکھتے رہتے ہیں۔

(۹) امام صاحب قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکتے ہیں۔کیا ایسے امام کی اقتداء جائز ہے۔

المستفتی اسلام خاں نیر نیوکورٹ بالی اسٹیشن پلان سڑک پالی بالی راجستھان

الجواب

(۱) بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جس حلال جانور کو مسلمان نے ذبح کیا۔خواہ وہ شرابی ہی کیوں نہ ہو وہ جانور ذبح ہو گیا اور شرعاً اس کو کھانا ہر مسلمان کو جائز ہے۔

(۲) مشہور و معروف طریقت کے سلسلوں کو بیماری کہنا قابل تعزیر جرم ہے۔کہ قاضی اسلام ہوتا تو سزا یا تنبیہ جو مناسب سمجھتا دیتا۔اور اگر بیماری سے امام صاحب کی مراد گمراہی ہے کہ ان سلسلوں کو امام صاحب گمراہی سمجھتے ہیں تو خود گمراہ ہیں۔

(۳) جو علاج کا طریقہ نہ جانتا ہو اس کو علاج کرنا جائز نہیں۔اور اجنبی عورت کو بلا ضرورت شرعیہ دیکھنا اور چھونا حرام ہے۔

(۴) سجدہ کی حالت میں عورتوں کی طرح سمٹنا مکروہ ہے۔اور کہنیوں کو ران اور پیٹ سے الگ ہونا چاہئے۔

(۵) اس طرح میت کو قبر میں الٹا لٹانا سنت کے خلاف ہے۔ بلکہ کئی طرح سے سنت کی مخالفت ہے اور اس طرح خلاف سنت لٹانے کو جائز کہنا گناہ ہے۔

(۶) اس طرح بیڑی اور سگریٹ پینا کہ دھواں اور بدبو مسجد میں جائے حرام ہے۔

(۷) آپ نے جو کچھ بیان کیا اگر وہ سچ ہے تو امام جاہل اور ہٹ دھرم ہیں۔

(۸) بے اجازت کسی کے گھر میں جانا شرعاً سخت منع ہے۔ اور ناچ گانا اور فحش مناظر کا دیکھنا ٹی وی اور ویڈیو میں ہی کیوں نہ ہو سب ناجائز اور حرام ہے۔

المختصر آپ اگر اپنے بیان میں سچے ہیں۔ اور ٹھیک ٹھیک وہی بیان کیا ہے جو واقعہ ہے۔ اپنی طرف سے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا ہے تو مذکورہ امام صاحب حرام سے لے کر کراہت اور سوء ادبی میں مبتلا ہیں۔ بلکہ مسائل شریعت پر نہایت جری اور بے باک ہیں بلکہ ناجائز کو جائز اور مکروہ کو حلال کرنے والے ہیں ان کا ہلکا سے ہلکا حکم یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ جو پڑھی دوبارہ لوٹاؤ۔ ان کو امام بنانا گناہ اور بشرط استطاعت ان کو امامت سے علیحدہ کرنا ضروری۔

شامی میں ہے:

"ومشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریمہ"

تو اگر وہ توبہ صادقہ کریں اور اپنی ان حرکتوں سے باز آئیں تو ان کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے، اور اپنی اصلاح اور توبہ نہ کریں تو ان کو امامت سے علیحدہ کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۴ رشوال المکرم ۱۴۱۹ھ

(۱۷۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی شادی ہندہ سے ہوئی اور دونوں میں کسی بات کی وجہ سے نا اتفاقی واقع ہوگئی اور زید نے ہندہ کو تین طلاق دے دیا یہ کہکر کہ جا میں نے تم کو طلاق سنت دیا آیا زید کی اقتداء درست ہے کہ نہیں اور اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں۔

مسئلہ بالا میں اگر کوئی بھی عدم جواز کی صورت ہو تو اسے ضرور تفصیلا بیان فرمائیں۔

آپ کا علی اصغر مقام بسہیں ضلع چھپرہ

الجواب

اسلام میں بلاضرورت طلاق دینا ضرور ناپسند ہے۔ مگر معصیت اور گناہ نہیں۔ بلکہ اس کو علماء کے ایک گروہ نے مطلقاً مباح قرار دیا ہے۔ اور ضرورت سے دیا تو بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ومباح مثلاً

عورت بے نمازی ہو تو طلاق دینا جائز بلکہ مستحسن ہے۔ فتاوی رضویہ جلد پنجم ص ۴۰۵

پس صورت مسئولہ میں اگر زید میں کوئی اور عیب منافی امامت نہ پایا جائے تو اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو، ۶ر جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ

(۱۷۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۱) زید کہتا ہے کہ امام کے پورے قدم کا نماز میں محراب کے باہر ہونا ضروری ہے۔ اگر صرف امام کی ایڑی محراب سے باہر رہتی ہے تو نماز مکروہ ہوگی۔ ثبوت کے طور پر یہ فتاویٰ فیض الرسول کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتا ہے۔

امام کو بلا ضرورت محراب میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں محراب کے اندر ہوں مکروہ ہے ہاں اگر پاؤں باہر اور سجدہ محراب کے اندر ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ فیض الرسول ص ۲۳۸)

اور بکر کا کہنا ہے کہ اگر پوری ایڑی یا اکثر قدم محراب سے باہر ہے تو نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔ اور یوں استدلال کرتا ہے کہ اگر مقتدی کے قدم کا گٹا امام کے گٹے کے برابر یا پیچھے ہے گو کہ مقتدی کے دراز قدم ہونے سے مقتدی کے قدم کا اگلا حصہ امام کے قدم سے آگے ہے مقتدی کا امام کے پیچھے ہونا مان لیا جائے گا۔

لہٰذا مندرجہ بالا تفصیل کے بعد دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام کے پورے قدم کا محراب میں ہونا ضروری ہے یا صرف ایڑی یا نصف قدم سے زائد باہر ہے تو امام کا محراب سے باہر ہونا قرار دیا جائے گا۔

(۲) ممبر کا کتنا حصہ محراب کے باہر ہونا ضروری ہے؟ اگر ممبر کا بعض حصہ محراب کے باہر ہو اور بقیہ اندر یا مکمل ممبر محراب کے اندر ہو تو خطبہ میں کراہت تو نہیں ہوگی؟۔ نیز یہ واضح کریں کہ محراب مسجد کے بقیہ حصہ سے کتنا اونچا بنایا جا سکتا ہے۔ اگر ۴ر انگل سے زائد اونچا ہو تو اس پر نماز پڑھانے والے کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں۔

دونوں سوالوں کے جواب کتب معتبرہ کے حوالوں سے تحریر فرمائیں۔

المستفتی محمد تسیم خیرآباد ۲۰۰۰/۹/۶

الجواب

حالت امامت میں امام کا بلا ضرورت مسجد کی محراب میں اکیلا کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے یعنی شرعاً ناپسندیدہ فعل ہے۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۷۳ میں ہے:

امام کو تنہا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اگر وہ باہر کھڑا ہو اور سجدہ محراب میں کیا یا وہ تنہا نہ ہو اس کے ساتھ کچھ مقتدی بھی محراب میں ہوں تو حرج نہیں یوں ہی اگر مقتدیوں پر مسجد تنگ ہو تو بھی امام کا تنہا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں۔

حضرت صدر الشریعہ نے حوالہ درمختار اور عالمگیری کا دیا ہے ہم ان دونوں کی عبارت نقل کرتے ہیں:

"یکرہ قیام الامام فی المحراب وحدہ (وھو الطاق) ولایکرہ سجودہ فیہ اذا کان قائما خارج المحراب ھکذا فی التبیین۔ واذا ضاق المسجد بمن خلف الامام فلاباس بان یقوم فی المحراب کذافی الفتاویٰ البرھانیۃ"۔ (ہندیہ اول ص ۱۰۸)

"وقیام الامام فی المحراب لاسجود فیہ وقدماہ خارجہ لان العبرۃ للقدم ۔ ولھذا تشترط طھارۃ مکانہ وکذا لو حلف لایدخل الدار یحنث بوضع القدمین وان کان باقی بدنہ خارجھا۔ والصید ان کان رجلاہ فی الحرم وراسہ خارجہ فھو فی الحرم ۔

(شامی جلد اول ص ۲۲۴)

فقہ کی اور فتاوی کی بہت سی کتابوں میں یہ عبارت مذکورہ دونوں طریقوں سے مروی ہے یعنی۔

"لایکرہ سجودہ فیہ اذاکان قائما خارج المسجد او سجودہ فیہ قدماہ خارجہ"

پہلی عبارت میں صرف امام کے خارج محراب ہونے کا ذکر ہے اور قدم کی تصریح نہیں۔ اور دوسری میں صرف قدم کا ذکر ہے اور اس کا سبب بھی مذکور ہے کہ اس قسم کے بہت سے احکام خروج ودخول کے باب میں جسم کے اور اعضاء کا اعتبار نہیں قدم کا ہی اعتبار ہوا قدم خارج محراب ہو تو امامت صحیح ہوگی۔ جیسے یہ مسئلہ کہ نماز کے لیے زمین کا پاک ہونا ضروری ہے۔ تو شرط صرف قدم کے نیچے کی زمین کا پاک ہونا ہے ۔ ہاتھ گھٹنا یا سر رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا ضروری نہیں۔ کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کے گھر میں نہیں جاؤنگا۔ تو اس گھر میں دونوں قدم رکھدینے سے قسم ٹوٹ جائے گی کہ اعتبار قدم کا ہے۔ تو گھر میں صرف دونوں قدم رکھدینے سے گھر میں داخل مانا جائے گا۔ اسی طرح حرم کے جانور کا شکار حرام ہے۔ شکاری کے دو قدم حرم میں اور بقیہ جسم حل میں ہو تو وہ شکار موضع حرم میں مانا جائے گا۔

شیخ شبلی کے حاشیہ شرح کنز میں ہے:

"والمعتبر ھو القدم کمافی کثیر من الاحکام الا تری طھارۃ موضع القدم شرط الخ" (جلد اول ص ۱۵۶)

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اصل مسئلہ میں صرف مطلق امام خارج محراب یا داخل محراب ہونے کا ذکر ہے قدم کا ذکر نہیں، لیکن اس مطلق کو صرف قدم کے خروج ودخول میں منحصر کرنے کے لیے مشائخ نے مختلف ابواب فقہ کے ایسے مسائل سے شہادت پیش کی جہاں خروج ودخول میں صرف قدم کا اعتبار ہے، مثلاً ایک مسئلہ ابواب نماز کا ہے دوسرا مسئلہ باب قسم سے متعلق ہے اور تیسرا مسئلہ حج کے باب الصید کا ہے ان مسائل مختلفہ میں قدم ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ تو باب الصلوۃ میں بھی امام کے خارج محراب اور داخل محراب ہونے میں اس کے قدم کے ہی دخول وخروج کا اعتبار ہوگا۔

عربی میں قدم کا اطلاق پاؤں کی انگلیوں کے سرے سے ایڑی کے سرے تک ہوتا ہے۔

منجد میں ہے:

"والقدم فی القیاس مابین طرف الابہام وطرف العقب"۔ (ص ۶۱۴)

اور فقہ میں اس کی اور جامع تعریف کی گئی۔

"القدم مایطأعلیه الانسان من الرسغ الی مادونه و حاشیة طحطاوی علی مراقی الفلاح" (ص ۷۱)

اس تعریف میں پاؤں کی لسبان کے ساتھ ساتھ پیر کے ٹخنوں تک حصہ بھی شامل ہے۔

پس جن روایتوں میں قدم کے خارج محراب کرنے کا ذکر آیا وہاں فقہ کے مشہور ومعروف قاعدے للاکثر حکم الکل کے مطابق بکر کا اکثر قدم مراد لینا غلط قرار دے کر اس مجوشہ جزیئے کو بکر کے خلاف قرار دینا درست نہیں کہ ان دونوں جزئیوں میں باہم تعارض نہیں۔

بکر صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح بہت سے احکام شرع میں جسم اور ذات بول کر آدمی کا قدم مراد لیا گیا اسی طرح کئی ایک مسائل شرع میں قدم بول کر اس کا اکثر حصہ مراد لیا گیا۔

تو مسئلہ قیام امام فی المحراب میں بھی خروج قدم سے خروج اکثر قدم مراد لے کر نماز کی عدم کراہت کا کیوں نہ حکم دیا جائے مسئلہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۷۱ میں ہے:

(۱) ونزع الخف لوكان النزع بخروج اكثر القدم الى ساق الخف فى الصحيح لمفارقة محل المسح مكانه وللاكثر حكم الكل۔

موزے کا اتارنا بھی مسح علی الخفین کو توڑ دیتا ہے یعنی اگر قدم کا اکثر حصہ موزہ کی پنڈلی تک پہونچ گیا تو مسح ٹوٹ گیا کیونکہ مسح کا محل الگ ہو گیا کیونکہ پاؤں کا اکثر حصہ اپنی جگہ سے کھسک کر موزہ کی پنڈلی

میں آگیا تو گویا پورا قدم موزہ سے نکل گیا کہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہے۔

(۲) جماعت میں صف کے سیدھی کرنے اور اکیلے مقتدی کے امام کے دائیں اور اس کے برابر کھڑے ہونے میں اعتبار ایڑی والے حصہ کا ہے۔ انگلی کے طرف والے حصہ کا نہیں۔

حدیث شریف میں ہے: "سووا صفوفكم وحاذوا بين المناكب"

(الكامل لابن عدی:۳/۱۱۹۹)

دوسری حدیث میں ہے:"حاذوا بالمناكب"(مسند امام احمد:۲/۹۸)

گردن اور بازو سے صفیں سیدھی کرو۔

امام احمد رضا خاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

تسویہ صفوف میں گردن کندھے اور ٹخنے آپس میں مقابل رہیں اور خط مستقیم پر ہوں۔

(ٹخنہ وہ ہڈی ہے جو ایڑی کے اوپر پاؤں کے دونوں طرف ابھری رہتی ہے) یوں ہی امام کے علاوہ ایک آدمی ہو تو اس کو اپنے پیر کا وہ حصہ جس کو پاؤں کا گٹا کہا جاتا ہے، یعنی وہی ٹخنہ والا حصہ امام کے پاؤں کے ٹخنہ والے حصہ کے برابر رکھے اگر ذرا بھی بڑھ گیا تو مقتدی کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

(تسہیل فتاویٰ رضویہ ج سوم ص ۳۹۷)

ان مسائل سے معلوم ہوا کہ صف سیدھی کرنے اور مقتدی کے امام کے برابر کھڑے ہونے میں اعتبار ایڑی والے حصہ کا ہے۔ پاؤں کے پنجوں اور انگلیوں کی برابری کا نہیں کیونکہ صف میں ایک بڑے قدم والے کے پہلو میں ایک چھوٹے قدم والا انسان اور بڑے قدم والے امام کے پہلو میں ایک چھوٹا قدم والا مقتدی کھڑا ہو اور دونوں فریق نے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو ایک سیدھ میں رکھ کر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوئے تو پہلی صورت میں صف ٹیڑھی ہوگی۔ کیونکہ ایک شخص کا پیر چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کے پاؤں کا گٹا دوسرے کے پاؤں کے گٹے سے آگے ہو جائے گا۔ اور دوسری صورت میں مقتدی کے پاؤں کا گٹا امام کے گٹے کے آگے ہو جائے گا اور اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ اور سب کی ایڑیاں اور پاؤں کا گٹا ایک سیدھ میں ہو تو پاؤں چاہے کتنے ہی چھوٹے بڑے ہوں انگلیوں کے آگے پیچھے ہونے سے کچھ اثر نہ پڑے گا تو معلوم ہوا کہ پاؤں کے معاملہ میں اعتبار ایڑی والے حصہ کا ہی ہے۔

امام عینی فرماتے ہیں:"والمعتبر هو القدم كما في اقتداء الطويل كما ذكرنا"

اور اعتبار قدم کا ہی ہے جیسا کہ ہم لمبے آدمی کی اقتداء کے مسئلہ میں بتا آئے۔ اس حوالہ سے یہ معلوم ہوا کہ خروج عن الحراب والے مسئلہ کو اقتداء طویل والے مسئلہ پر ہی علماء نے قیاس کیا ہے۔ اور

مسئلہ اقتدا میں، اور تسویہ صف میں ایڑی والے حصہ کو خاص اہمیت دی ہے تو ایڑی کی طرف سے اگر امام کا قدم نصف زائد محراب سے باہر ہو جائے تو کراہت ختم ہو جائے گی۔

(۳) امام کا مقتدی سے اوپر کھڑا ہونا مکروہ ہے اس کی مقدار میں کئی روایتیں ہیں۔

صدرالشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تین چار انگل کی بلندی کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔

(فتاویٰ امجدیہ جلداول ص ۱۹۶)

(۴) خطبہ کے وقت امام کا منبر پر ہونا مسنون ہے۔ (شامی جلداول ص ۵۵۲)

اسی میں بحرالرائق کے حوالہ سے ہے: "ومن السنة ان يخطب عليه اقتداء به ﷺ"

رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں منبر پر خطبہ دینا سنت ہے۔

وہیں قہستانی کے حوالہ سے لکھا ہے: "وان يكون على يسار المحراب"

اور صدرالشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۹۷) پر تحریر فرمایا۔

اور بہتر یہ ہے کہ منبر محراب سے بائیں ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ منبر کا محراب سے بائیں جانب ہونا نہ فرض ہے نہ واجب نہ خطبہ کی شرط ہے نہ رکن نہ مسنون بلکہ افضل اور بہتر ہے۔

تو اگر اس جگہ کے علاوہ تھوڑا ادھر ادھر ہو جائے تو شرعاً کوئی جرم نہیں اس کی تائید تاریخ سے اس طرح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی بہت دنوں تک شاہان اسلام نمازوں کی امامت خود ہی کرتے تھے اور نماز میں دوست اور دشمن سبھی شریک ہوتے تھے اس لیے ان کی زندگیاں ہر دم خطرہ میں رہتی تھیں۔ اس لیے اپنی حفاظت کے خیال سے انہوں نے محراب اور دیوار قبلہ کو شامل کر کے اور کبھی اس میں مسجد کا کچھ حصہ بھی ملا کر گھیر دیتے تھے جس کو مقصورہ کہتے تھے۔ اور اس میں کسی اجنبی کو داخل نہیں ہونے دیتے تھے اور امام کی حفاظت کے خیال سے منبر کو بھی مقصورہ میں بنا دیتے تھے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا منبر آپ کی محراب سے بائیں طرف تقریباً دس گز کے فاصلہ پر رکھا گیا تھا۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: "ان المقصورة في زمانهم اسم بيت في داخل الجدار القبلة عن المسجد كانما يصلي الامراء فيه الجمعة ويمنعون الناس من دخولها خوفا من العدو فالصف الاول ماعلى الامام من داخلها اذ مايلي المقصورة من خارجها مثل مقصورة الدمشق يكون الصف الاول مايلي الامام من داخلها ومايتصل بها من طرفيها من خارجها ۔ولا ينقطع الصف بها كما لا ينقطع بالمنبر الذي هو داخلها ۔ (شامی جلداول ص ۳۸۳)

قرون اولیٰ میں مقصورہ نام کا ایک کمرہ مسجد کی دیوار میں جو قبلہ کی طرف ہو محراب سمیت بنا دیا

جاتا جس میں دشمنوں کے ڈر سے جماعت کے وقت امام نماز پڑھتے اور اجنبیوں کو اس میں داخلہ کی اجازت نہ تھی ترتیب یہ ہوئی کہ اس کے اندر امام کھڑا ہوتا اور اس کے پیچھے صف اور مقصورہ سے باہر دوسری صف لگتی اس صورت میں کچھ ائمہ نے مقصورہ کی اندر والی صف کو صف اول کہا اور کچھ لوگوں نے باہر والی صف کو صف اول کہا۔

علامہ شامی کہتے ہیں کہ مقصورہ کی ایک صورت یہ ہوئی کہ محراب منبر اور کچھ حصہ مسجد کا لے کر گھیر دیا جاتا۔ امام اور خواص اس کے اندر رہتے اور سب لوگ باہر رہتے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: اس صورت میں تو صف اول وہی ہوگی جو مقصورہ کے اندر ہے اور مقصورہ کے باہر کی وہ صف جو دیوار قبلہ سے لگ کر دائیں بائیں مسجد کے آخری کناروں تک چلی ہے اس پر کسی نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے صف اول ہوگی مقصورہ کی دیواروں نے تو اس کو قطع کر دیا ہے آپ نے جواب دیا منبر بھی تو مقصورہ کے اندر ہی رہتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں: منبر کے بیچ میں آنے سے صف نہیں کٹتی اسی طرح مقصورہ کی دیوار سے صف منقطع نہیں ہوگی۔ اس حوالہ سے یہ ثابت ہوا کہ منبر جو عہد رسالت میں محراب سے تقریبا دس گز بائیں طرف تھا اس کو اتنی دوری کے بجائے خاص محراب میں کر دیا گیا تب مسجد کے حصہ میں تھا اب محراب کے حصہ میں کر دیا گیا۔ حدیثوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منبر کی پشت قبلہ کی دیوار سے تقریبا ہاتھ بھر دور تھی، لیکن آج دنیا کے سارے مسلمان اس کو دیوار قبلہ سے بالکل لگا کر بناتے ہیں۔ یا دیوار قبلہ کے اندر بناتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا منبر تین زینوں کا تھا اور فقہاء تصریح فرماتے ہیں ضرورت کے موافق زینہ بڑھایا اور منبر کو اونچا کیا جاسکتا ہے۔ حضور ﷺ کا منبر جھاؤ کی لکڑی کا تھا اور آج سنگ مرمر کا بنایا جاتا ہے۔

الغرض اس تیرہ سو سال کی مدت میں منبر کی اصل سے لے کر اس کی صورت وضع قطع اور رکھنے کے انداز اور طریقوں میں بڑا تغیر ہوگیا ہے۔ فقہائے کرام ان سے بہت ساری چیزوں کا ذکر کرتے ہیں اس کے جواز کا حکم دیتے ہیں اور بعد کے علماء بلانکیر اس کو اپنی کتابوں میں تحریر کرتے ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ یہ امور خطبے کے بنیادی عنصر نہیں۔ استحباب کا درجہ رکھتے ہیں تو علمائے اسلام نے بھی اس میں توسع رکھا ہے۔ اب کسی کا یہ سوال اٹھانا کہ اگر ایک زینہ مسجد کے اندر نہ ہوا تو ناجائز ہوگا غلط۔ اور شریعت کے خلاف خواہ مخواہ زیادتی اور تشدد ہے۔ ہم نے فقہ کی بہت ساری کتابوں کو تلاش کیا ہم کو یہ مسئلہ کہیں نہیں ملا اور محراب کے اندر اور باہر کھڑے ہونے کے مسئلہ پر اس کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور نادانی ہے۔ امامت میں چار انگل بھی امام کا مقتدی سے بلند ہونا مکروہ ہے۔ خطبہ کے لیے بلندی پر کھڑے ہوکر خطبہ

ویناسنت۔ ببیں تفاوت از کجااست تا بکجا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۶؍ جمادی الاخرہ ۱۴۲۱ھ

(۱۷۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

آج سے پانچ سال پہلے نماز عید یا جمعہ لاؤڈ اسپیکر سے نہیں پڑھتے تھے اور آج کل دونوں نمازیں لاؤڈ اسپیکر پر پڑھارہے ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا فتویٰ لوگوں کے پاس ہے اس میں انھوں نے منع فرمایا کہ نماز نہیں ہوتی، آجکل ہمارے سنی علماء میں الگ الگ انجمن احمد رضا، اشرفی، نعیمی، رفاعی، ہماری جماعت سے ہی یہ فتویٰ جواز کا دیا جارہا ہے آپس میں ہم لوگوں کے خیالات بدل گئے ہیں، مہربانی فرماکر سرور دوجہاں ﷺ کی حدیث مبارک سے جواب عنایت فرمائیں کہ نماز ہوجاتی ہے یا نہیں۔

المستفتی، محمد حسین پالی

الجواب

لاؤڈ اسپیکر ایک جدید مشین ہے اس کا صریح حکم نہ قرآن عظیم میں ہے، نہ حدیث مبارک میں نہ ایک صدی کے فقہائے کرام کی کتابوں میں۔

جب یہ مسئلہ درپیش ہوا تو دیوبندیوں نے بھی لاؤڈ اسپیکر پر نماز ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا لیکن بعد میں ان لوگوں نے اپنی بات بدل دی۔ ہماری جماعت اہل سنت میں منع کرنے والے علماء پہلے زیادہ تھے اور آج بھی زیادہ ہی ہیں، یہاں ناجائز کہنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور پاکستان کے علمائے اہل سنت کچھ زیادہ آزاد خیال ہیں اس لیے وہاں منع کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔

ادھر عوام میں بطور فیشن مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر لگانے اور خاص طور سے اسے نماز میں استعمال کرنے کا شوق زیادہ ہے ورنہ اس کی وجہ سے نماز میں کوئی خوبی آجائے یا قبولیت بڑھ جائے ایسا نہیں ہے ۱۴سو سال تک کتنے صحابہ تابعین اولیاء صالحین علمائے کاملین بے لاؤڈ اسپیکر نماز پڑھتے رہے اور ان کی نمازیں مقبول بارگاہ الٰہی ہوتی رہیں۔ اور ان کو درجات ملتے رہے اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ اگر آج بھی بے لاؤڈ اسپیکر نمازیں پڑھی جاتی ہیں تو اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی، عوام کو اس میں بے حد غلو ہے۔ اور منع کرنے پر لڑائی شروع ہوجاتی ہے۔ اور اب تو یہ حال ہے کہ پاس پاس کی دو مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر پر نماز شروع ہوئی ہمارا امام ابھی قرأت کررہا ہے اور پاس والے امام نے رکوع کے لیے اللہ اکبر کہا تو یہاں کے بہت سے مقتدی رکوع میں چلے گئے اللہ تعالیٰ رحم فرمائے دوسری طرف منع کرنے والوں کو بھی اتنی شدت نہ برتنی چاہئے کہ فتنہ وفساد ہوجائے اور اب تو ایسا نظر آتا ہے کہ ہر طرف عوام کا ہی بول بالا ہے۔ کم ہی

مسجدیں اس سے خالی ہونگی۔ ہم خود اس مسئلہ میں تحقیق کے اس مقام میں نہیں کہ کوئی حکم لگائیں۔ ہمیں امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی ایسے فتویٰ کا علم نہیں جس میں انھوں نے نماز کے لاؤڈ اسپیکر پر جائز یا ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہو آپ کے پاس ایسا کوئی فتویٰ ہو تو اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی روانہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۸ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ

(۱۷۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

عرض یہ ہے کہ ہمارے یہاں بھی شہر بالاگھاٹ میں کم وبیش مسلمانوں کی تعداد چھ ہزار سے لے کر آٹھ ہزار تک ہے اور پورے شہر میں صرف ایک ہی مسجد اور اس کے علاوہ دوسری کوئی مسجد نہیں ہے اور ماشاء اللہ مسجد بھی کافی بڑی اور وسیع ہے عیدین جمعہ اور نماز تراویح میں بڑی جماعت ہوتی ہے کثیر تعداد کی وجہ سے امام کی قرأت کی آواز بھی نمازیوں تک نہیں پہونچ پاتی ہے جس کی وجہ سے خاص طور پر نماز تراویح کے اندر بھی نمازیوں تک قرآن مقدس پڑھنے کی آواز نہ پہنچنے کی وجہ سے لوگ اکتاتے اور گھبراتے ہیں اور بہت سے نمازیوں کو نیند کا غلبہ بھی آنے لگتا ہے اور خیالات بھی بٹتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے خشوع وخضوع بھی جاتا رہتا ہے اور یہ ساری خرابی قرآن شریف کے پڑھنے کی آواز نہ ملنے کی وجہ سے ہے جب کہ ہر نمازی یہ شوق اور آرزو لے کر آتا ہے کہ قرآن سنے کیا اس مجبوری کو دیکھتے ہوئے سبھی نمازیوں تک مائک کے ذریعے قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں جب کہ نمازیوں کی ننانوے فیصد کی تعداد یہی چاہتی ہے کہ نماز میں قرآن شریف پڑھنے کی آواز مائک کے ذریعے سبھی نمازیوں تک پہنچائی جائے اس سلسلے میں لوگ قاضی شہر کانپور حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع صاحب قبلہ کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ مائک پر ہی نماز پڑھاتے ہیں اور ان کے علاوہ بھی حضرت مولانا مفتی افضل صاحب علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا مفتی عبدالحفیظ صاحب مفتی آگرہ علیہ الرحمۃ، فقیہ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد نور اللہ صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب قبلہ، حضرت مولانا مفتی سید محمد مدنی میاں صاحب کچھوچھوی قبلہ، یہ وہ بڑی شخصیتیں ہیں جن کے فتوے جائز کے ہی ہیں اور ان کا قول ہمارے لیے قابل توجہ اور قابل عمل بھی ہے، پھر بھی ہم حضرت کی بارگاہ عالیہ میں عرض کرتے ہیں کہ ہمیں حکم سے بہت جلد نوازیں شدید انتظار ہے۔

المستفتی محمد جمال غنی صدر مدرس اسلامیہ بالاگھاٹ ایم پی

الجواب

لاؤڈ اسپیکر پر نماز کی اقتدا کا مسئلہ ابتدا سے ہی علمائے اہل سنت میں مختلف فیہ رہا ہے، دلائل

میں نے دونوں طرف کے کچھ نہ کچھ ضرور پڑھے ہیں لیکن مجھے کسی ایک جانب پر اطمینان نہیں ہے جب کہ حال یہ ہے کہ نماز میں مقتدی کو امام کی قرأت کی آواز سننا ضروری نہیں بغیر قرأت سنے ہی نماز ہو جائے گی اور لاؤڈ اسپیکر پر اقتدا کرنے میں علمائے اہل سنت کے ایک بڑے طبقہ کے نزدیک نماز نہیں ہوگی تو احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۹ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

(۱۷۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

ہمارے قصبہ میں عیدین کی نمازوں میں مصلیوں کا بہت زیادہ اژدہام ہوتا ہے جس میں امام کی آواز مصلیوں تک پہنچنے میں بہت دشواری ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں لاؤڈ اسپیکر لگا کر نماز پڑھ لی جائے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ فقط برائے کرم جواب سے ضرور مطلع کریں تا کہ آئندہ عید کے موقع پر اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔

المستفتی: نظام الدین ڈاکخانہ جلالپور فیض آباد

الجواب

لاؤڈ اسپیکر پر نماز کی اقتدا جائز ہونے کا مدار اس بات پر ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے جو آواز سنی جاتی ہے وہ آواز امام کی آواز ہے یا نہیں اگر امام کی آواز ہو تو نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کے بارے میں سائنس والوں کے مختلف بیانات نظر سے گذرے کہیں بعینہ بولنے والے کی آواز بتایا اور کہیں دوسری اس لیے نماز کو خطرہ میں ڈالنے سے اچھا یہی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نماز میں نہ کیا جائے۔ درآں حالے کہ امام کی قرأت مقتدیوں کو سننا ضروری نہیں، ہاں تکبیرات انتقالات کے سنانے کا مسنون طریقہ مکبرین کا ہے وہی برتا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۱۵ / رمضان ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

امامت فاسق کا بیان

(۱۷۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) داڑھی منڈے کے پیچھے داڑھی والوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲) زید نے تقریر میں کہا کہ جس کے گھر کی عورتیں نمازی نہیں اس کے گھر کا کھانا درست نہیں، لیکن خود ہی زید ایسے لوگوں کے گھر کا کھانا کھاتا ہے، تو اس پر شرع کی جانب سے کیا حکم لگے گا؟

الجواب

داڑھی منڈانے والا فاسق معلن ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھ لی تو دہرائیں اور ایسے آدمی کو امام بنانا گناہ ہے شامی میں ہے " ومشیٰ فی الشرح المنیة علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم "

(۲) زید نے تقریر میں جو بات کہی زجراً اور توبیخاً کہی ہوگی کہ لوگ ڈریں اور نماز پڑھنے لگیں اور اگر کوئی مقتدائے دینی ہو جس کے کھانا چھوڑ دینے سے لوگوں پر اثر پڑے اور لوگ نماز پڑھنے لگیں تو ایسا کرسکتا ہے۔ اور اس کا یہ فعل باعث اجر و ثواب ہوگا۔ ویسے ایسے لوگوں سے کھان پان میل جول رکھنے کے بارے میں علماء کی دونوں قسم کی رائیں ہیں۔ بعض لوگ منع کرتے ہیں اور بعض اس خیال سے کہ چھوڑ دیا جائے تو بالکل بے تعلق ہو جائیں گے۔ اور اصلاح کی کوئی سبیل نہ رہ جائے گی تعلقات جاری رکھنے کے حق میں ہیں اور قول فیصل یہ ہے کہ جو آدمی اس بات سے ڈرتا ہو کہ ان کی بری صحبت مجھ میں اثر نہ کر جائے وہ پرہیز کرے اور جو راسخ العمل پہونچا ہوا مصلح ہو اور اس کی اچھی صحبت کا اثر دوسرے قبول کرتے ہوں وہ ایسے لوگوں سے تعلق رکھ سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۶؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

(۱۷۹-۱۸۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۱) زید جمعہ وعیدین کی امامت کرتا ہے، ایک روز جمعہ کے بعد جب کسی بات پر عوام سے کڑوی گفتگو ہونے لگی تو درمیان گفتگو زید نے عوام سے کہا کہ جماعت کے تمام حاضرین میرے قدموں میں سر جھکاتے ہیں، اس نے کہا اگر خدا کے سامنے سر جھکاتے ہو تو بتاؤ کہ خدا کہاں ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ زید کا یہ کلمات بولنا اس کے تکبر کا اظہار کرنا ہے اور خدا کے وجود سے انکار ثابت ہوتا ہے اور زید خود کو ہی گویا خدا تصور کرتا ہے مندرجہ بالا زید کے کلمات کیسے ہیں کیا زید کے یہ کلمات اپنی زبان سے بولنا درست ہے؟ اور عوام کا جو خیال ہے کیا وہ درست ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں شریعت مطہرہ کے مدلل احکام تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

(۲) سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل کے ناموں میں اختلاف ہے کہیں شمر لعین اور کہیں سنان ابن انس، اور کہیں خولی ابن یزید کا ذکر آتا ہے مختلف علماء اسی وجہ سے مختلف ناموں کا ذکر فرماتے ہیں تو عوام میں لااطمینانی پیدا ہوتی ہے، تو یہ تحریر فرمائیں کہ بزرگ علمائے کرام کا کس نام پر اتفاق ہے

(۳) سوال (۱) کا جواب اگر کفر یا کلمہ حرام میں ہو تو زید کے ساتھ یہاں کے عوام کس طرح پیش

آئیں؟اور زید کو کیا کرنا ہوگا؟

(۴) بکر ایک انگلش شراب کی دکان میں ملازمت کرتا ہے اور کافی پیسے کماتا ہے مگر مسجد و مدرسہ میں چندہ دینے کے لیے کسی ایسے آدمی سے پیسہ لیتا ہے جس کی تجارت جائز ہے اور پھر اس قرض کی ادائیگی اپنی اسی کمائی سے کرتا ہے جو اسے شراب کی دکان سے حاصل ہوتی ہے، تو کیا بکر کے چندے کی رقم حلال ہوگئی اور اگر حلال نہیں ہوئی تو جو رقوم بکر کی جانب سے کسی مسجد یا مدرسہ میں لگائی گئیں اس مسجد کی پاکیزگی میں کچھ فرق آیا کہ نہیں جب کہ خصوصاً مسجد میں بالکلیہ حلال اور پاکیزہ رقوم ہی لگ سکتی ہیں حتی کہ زکوۃ وفطرات وصدقات کی رقم بھی لگانا جائز نہیں۔مندرجہ بالا صورتوں میں از روئے شرع مدلل و مفصل وضاحت فرمائیں کہ مسجد کی پاکیزہ ہونے میں کوئی کمی رہی یا نہیں؟ اگر رہی تو جو مسجد پختہ پائے تکمیل کو پہنچ چکی ہے اس کا کیا کیا جائے اور اس میں نماز پڑھی جاسکتی ہے کہ نہیں؟ برائے کرم بالتفصیل تحریر فرمائیں؟

بینوا وتوجروا المستفتی، حقیر محمد ریاض الدین احسانی مدرس مدرسہ حمیدیہ محمدیہ لوٹنگا پاٹن پلاموں (بہار)

الجواب

(۱) زید کا جملہ مذکورہ کفر بھی ہوسکتا ہے۔ اور متکبرانہ جملہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ زید پر اس جملے سے توبہ ضروری ہے اور وہ توبہ نہیں کرتا ہے تو اس کو امامت سے علیحدہ کردیں تکبر حرام ہے اور علی الاعلان اس کا مرتکب فاسق معلن ہے اور فاسق کی امامت ناجائز ہے۔

شامی میں ہے" ومشیٰ فی شرح المنیة علی ان کراھه تقدیمه کراھة تحریمه "

(۲) تاریخ اور شہادت ناموں کی مختلف کتابوں میں قاتلان حسین میں مختلف ناموں کا ذکر آتا ہے اور کسی نام پر علماء کا اتفاق بھی نہیں ہے کہ یہ سب روایتیں تاریخ کی ہیں، ان میں سے کوئی احادیث احاد کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتی۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم فی الدین میں فرماتے ہیں " فان قیل ھل یجوز اللعن علیٰ یزید لانه قاتل الحسین او آمره .قلنا: ھذا لم یثبت اصلاً فلا یجوز انه قتل او امر به ما لم یثبت نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیا وقتل ابو لو لو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فان ذلك ثبت متواتراً " اگر کوئی پوچھے کہ کیا یزید پر لعنت جائز ہے اس لیے کہ وہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہے یا اس کا حکم دینے والا ہے تو میں کہونگا کہ یہ بالکل ثابت نہیں کہ یزید نے انہیں قتل کیا یا اس کا حکم دیا تو بے ثبوت کہنا جائز نہیں، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابن ملجم نے حضرت علی اور ابولولو نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا، کہ یہ بات تواتر سے ثابت ہے۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتل کے بارے میں کوئی ایسا ثبوت نہیں ہے۔

رہ گئی عوام کی لااطمینانی تو یہ بے جا ہے، ایک پوری فوج ایک آدمی کو چاروں طرف سے گھیر کر قتل کر رہی ہے اس میں جس نے جس کو جس پر وار کرتے ہوئے دیکھا یا اس میں پیش پیش نظر آیا اس کو کہہ دیا کہ فلاں نے قتل کیا، جنگ مغلوبہ میں ایسا ہی ہوتا ہے یہ حادثہ کے بعد علماء کے اتفاق کرنے کی بات ہی نہیں ہے۔

(۴) بکر نے جو قرض لے کر مسجد یا مدرسہ کو چندہ دیا وہ حلال ہے اور اس کو مسجد یا مدرسہ میں لگانا جائز ہے۔ بکر نے اپنی حرام کمائی سے جو قرض ادا کیا گناہ کیا لیکن اس گناہ سے قرض والے کا پاک روپیہ ناپاک نہ ہوگا، قرض خواہ کو معلوم ہو کہ یہ روپیہ حرام کمائی کا ہے تو اس کو قرض میں وصول بھی نہ کرنا چاہئے جان بوجھ کر لیا تو اس نے بھی گناہ کیا لیکن اس سے قرض لینے اور اس قرض کی رقم کو چندہ دینے کی نیکی پر کچھ اثر نہیں پڑیگا، جرم کی سزا الگ اور نیکی کا بدلہ الگ۔ فقط واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی　　۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

(۱۸۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کہ دیوبندی، جماعت اسلامی، غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اگر کسی نے ان کے پیچھے نماز پنجگانہ یا نماز جنازہ پڑھا تو اس پر شرعاً کیا حکم عائد ہوگا۔ بینوا توجروا

المستفتی، کریم الدین پور گھوسی ۲۳ جنوری ۱۹۹۲ء

الجواب

دیوبندیوں پر علمائے عرب وعجم نے کفر کا فتویٰ عائد کیا ہے اور جماعت اسلامی اور غیر مقلدین کھلے ہوئے گمراہ ہیں، اصولی حکم یہ ہے کہ مرتد کے پیچھے نماز باطل بلکہ اس کے کفر پر مطلع ہو کر اسے مسلمان سمجھ کر اس کی اقتداء کی تو خود بھی دائرہ اسلام سے خارج ہوگئے، اور گمراہوں کی اقتدا مکروہ تحریمی کہ جو نماز ان کے پیچھے پڑھی اس کا دہرانا ضروری ہے، ان کو امام بنانا گناہ اور بشرط استطاعت ان کو امامت سے علیحدہ کرنا واجب۔ عالمگیری میں ہے " وان کان هوی لا یکفر صاحبها تجوز الصلاة خلفه مع الكراهة والافلا " (۱/۱۰۷)

اور شامی میں ہے "ومشیٰ فی شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم " واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی　　۲۸ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

(۱۸۴-۱۸۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلوں میں کہ

(۱) دیوبندیوں کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں، ویسے کئی لوگوں کے منہ سے ہم نے سنا ہے اور اگر نہیں ہوگی تو کیوں نہیں ہوگی یعنی کون سے ان کے افعال ہیں جن کی بنا پر ان کے پیچھے نماز نہیں ہوگی اور کیا ان کو کافر بھی کہا جاسکتا ہے۔

(۲) قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کو ہمیشہ کیلیے جہنم کا ٹھکانہ ہے (پارہ پانچ سورہ نساء آیت ۹۰-۹۱) اور مولینا لوگ تقریروں میں فرمایا کرتے ہیں کہ جس کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان رہے گا اس کو کبھی نہ کبھی جنت میں داخل ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کو ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے، اس وقت کوئی آدمی مثال کے طور پر فوج میں ہو، کسی ایسے ملک سے جنگ ہو جہاں کے فوجی بھی مسلمان ہوں تو وہاں اگر ان کو مسلمان سمجھ کر چھوڑا جائے تو اپنے ملک سے غداری ہوگی اور اگر ان کو مارا جائے تو قرآن کی باتوں کا خوف ہے، ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔

(۳) زید اپنی عورت سے محبت کیا اور کوئی دوا ایسی بھی استعمال کردیا ہے کہ حمل نہ ٹھہرے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے ان سب سوالوں کا جواب صرف قرآن وحدیث کی روشنی میں بہت جلد دینے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی، محمد شہاب الدین ولد نثار الحق مقام گانگے بیر پوسٹ مدھوبن مئو یوپی

الجواب

(۱) دیوبندیوں پر علمائے حرمین طیبین نے کفر کا فتویٰ دیا ہے، کیونکہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی توہین کرتے ہیں یا توہین کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں، اور ایسے لوگوں کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں بلکہ ان کے کفر پر مطلع ہوکر اگر انھیں مسلمان سمجھ کر ان کی اقتداء کی تو خود بھی ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

عالمگیری میں ہے "وان کان هوی لا یکفر صاحبه تجوز الصلوة خلفه مع الكراهة والا فلا"۔

(۲) قرآن شریف میں قاتل کے لیے جس آیت کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس میں یہ حکم زجر وتوبیخ کے لیے ہے اور علماء نے جو اہل ایمان کے لیے کبھی نہ کبھی جنت میں جانے کی بات کہی وہ بھی قرآن شریف کی آیت ہی ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ﴾ [النساء: ۴۸] اللہ تعالیٰ کافر مشرک کو نہیں بخشے گا اس کے علاوہ کو بخش دے گا۔ ایسی نوکری ہی جائز نہیں جس میں ناجائز قتل کرنا پڑے۔

(۳) غرض صحیح سے ایسی دوا کھانا یا لگانا کہ جس سے حمل نہ ٹھہرے جائز ہے، البتہ آپریشن کے ذریعہ ایسی تدبیر کرنا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ

(۱۸۷۔۱۸۸) مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) حرمین شریفین کے موجودہ امام جونجدی عقیدہ رکھتے ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا اور دیگر مسلمانوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کی ترغیب دلانے والا حالانکہ خود الحمدللہ سنی ہے اور اہل سنت کے تمام معمولات پر بھی عامل ہے اس کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

(۲) موجودہ وقت میں عوام میں سے معمولی طور پر جن کا رجحان دیوبندیت کی طرف ہے حالانکہ عقائد اہل سنت سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے ہیں صرف عمل کے حساب سے معمولی طور پر ان کی طرف مائل ہیں ایسے سنی مسلمانوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا ان کا بھی وہی حکم ہے جو اکابرین دیوبند کا ہے

الجواب

اگر ان کے وہابی عقیدہ پر مطلع ہو کر انہیں مسلمان سمجھ کر ان کے پیچھے نماز پڑھی اور دوسرے مسلمانوں کو ترغیب دلائی تو خود دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس پر توبہ تجدید ایمان وتجدید نکاح ضروری ہے۔ جو شخص تمام کام اسلام کا کرتا ہو مگر ایک بات بھی اس میں کفر کی پائی گئی تو کافر ہو گیا۔

لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الدین وان کان من اهل القبلة المواظب علی الطاعات کما فی شرح التحریر۔ (درمختار)

درمختار میں کتاب شرح تحریر کے حوالہ سے ہے کہ ضروریات دین میں اختلاف کرنے والا باتفاق کافر ہے گو اہل قبلہ میں سے ہو اور تمام نیکیوں کو ہمیشہ ادا کرتا ہو۔

(۲) اس سوال کا جواب نمبر (۱) سے ظاہر ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر ہو وہ کافر ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی خلاف شرع یا جائز بات کا منکر ہو تو وہ کافر نہیں۔

اہل قبلہ کی تکفیر ضروریات دین کے علاوہ کسی امر اسلامی کے انکار پر نہیں کی جاتی ہے مگر اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ آپ نے جس کو دیوبندیت کی طرف رجحان قرار دیا ہے وہی کہیں ضروریات دین میں سے کسی ضروری امر دینی کا انکار نہ ہو، اور وہی بات جس کو آپ نے معمولی کہا بنیادی ہو، اور ان کے کفر کا ذریعہ بنے۔ اس لیے حکم یہ ہے کہ آپ اپنے طور پر اس کے معمولی ہونے کا فیصلہ نہ کریں۔ بلکہ اس شخص کے ان اعمال خلاف اہل سنت واعتقادات کے بارے میں تفصیل سے علمائے اہل سنت سے استفتاء کریں کہ فلاں شخص یہ افعال کرتا اور اس اس طرح کی باتیں کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے۔ پھر ان کے بارے میں یہ فیصلہ ہو بھی جائے کہ اس کے اقوال وافعال کفری نہیں۔ تو یہ بھی معلوم کیا جائے کہ یہ اقوال وافعال

گمراہی تو نہیں کیونکہ گمراہوں سے بھی اجتناب و پرہیز کا حکم ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ایاکم و ایاھم لایضلونکم و لایفتونکم ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۸ رصفر المظفر ۱۴۱۷ھ

(۱۸۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کبھی ٹیلی ویژن دیکھتا ہے اور روزانہ کیرم بورڈ کھیلتا ہے۔ اور بکر کیرم بورڈ کھیلنے سے منع کرتا ہے تو زید کہتا ہے اس سے کیا ہوگیا؟ ایسے کی اقتدا میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا

الجواب

حدیث شریف میں ہے: کل لھو المسلم حرام الا من ثلث. رکوب الفرس وملاعبۃ المرأۃ والرمی. (در منثور: ۳/۱۹۳)

گھوڑ دوڑ، اپنی عورت سے ملاعبت اور تیر بازی کے علاوہ جملہ کھیل مسلمان کے لیے حرام ہیں۔ کیرم بورڈ اگر صرف کھیل تک ہی ہو تب بھی حرام ہے اور اگر اس کے ساتھ پیسے کی ہار جیت ہو تو یہ جوا ہے۔ اور ٹیلی ویژن انواع واقسام کی محرمات کا مجموعہ ہے۔ فحش گانے، عریاں جسم عورتیں، ناچ باجا، اور اس کے علاوہ خرافات یہ سخت حرام۔ اس کا دیکھنے والا کم از کم فاسق معلن ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھ لو تو دہراؤ، ایسے شخص کو امام بنانا ناجائز، اور امام ہو تو بہ شرط استطاعت اس کو امامت سے ہٹانا واجب ہے۔ درمختار شامی میں ہے: مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۶ ر ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

(۱۹۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہماری بستی میں ایک عرصہ دراز سے میلاد وقیام وفاتحہ وغیرہ کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔ لیکن تقریباً پانچ چھ سال ہوئے کہ ایک حافظ صاحب کو بستی والوں نے امام مقرر کیا اور اب بستی کے دو محلوں میں سے ایک محلہ میں قیام ہوتا ہے ایک میں نہیں۔ امام صاحب بھی ایک طرف قیام کرتے ہیں ایک طرف نہیں کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ امام صاحب علمائے دیوبند سے عقیدت رکھتے ہیں ان کو اپنا رہبر سمجھتے ہیں ان کے جلسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے کہ نہیں؟ بینوا وتوجروا

المستفتی: محبوب عالم

الجواب

اگر آپ کا بیان صحیح ہے تو جس امام کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ دیوبندی معلوم ہوتا ہے۔ فوراً اس کو

امامت سے الگ کریں۔حدیث شریف میں ہے:"ایاکم و ایاھم لا یضلونکم و لا یفتنونکم"
۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۹؍جمادالاولی ۹۱ھ
الجواب صحیح:عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۱۹۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس معاملہ میں کہ
یہاں کے ایک پیش امام ہیں جن کے پیچھے سبھی لوگ نماز پڑھتے تھے لیکن زمانہ حال میں کچھ ایسے نقص امام موصوف میں پائے گئے جو امام کے لیے زیبا نہیں دیتا۔

ویسے تو ان کی عادت یہ ہے کہ چلتے پھرتے ہنسی مذاق کرنا حتی کہ عورتوں سے بھی ہنسی مذاق کر دیتے ہیں، اور ہرمونیم طبلہ پر نعت شریف اور قوالی گا لیتے ہیں۔اور بہت سے وجوہ ہیں جس کی بنا پر ہم لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا ٹھیک نہیں سمجھا۔

اس کے لیے مسلمانوں کی آپس میں بیٹھک ہوئی اس بیٹھک میں پیش امام صاحب نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور انہیں سنبھلنے کا موقع دیا گیا۔مقتدی صاحبان جو کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے باز رہنا چاہتے تھے۔پھر بلا تامل ان کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔چار اشخاص کہ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ اگر پیش امام صاحب ایک ماہ کے اندر اپنے حالات میں اصلاح کر لیں گے تو ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے ہم لوگوں کو کوئی تعرض نہیں ہے۔اس فیصلے پر مجلس برخاست ہوگئی مگر اس کے برعکس ہوا امام صاحب نہ سنبھلے بلکہ مسلمانوں میں اور اختلاف ڈال دیئے۔

مثلاً ان کے ایک قرابت دار کے یہاں شادی تھی اس تقریب میں خانہ مالک نے بستی کے لوگوں کو دعوت دینے کا عزم مصمم کیا تھا۔لیکن امام صاحب نے خانہ مالک کو بتلایا کہ بستی کے تمام لوگوں کو دعوت دو لیکن چار شخصوں کو (یہ چار حضرات وہی ہیں جو ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے، پھر انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ پیش امام صاحب اگر سنبھل جائیں گے تو ہم ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے) مت دینا اگر ان لوگوں کو دعوت دی گئی تو میں اس تقریب میں شرکت نہیں کرونگا۔

اب خانہ مالک کے جو قریبی رشتہ دار تھے وہ پس وپیش میں پڑ گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ دعوت تمام لوگوں کو دی گئی لیکن ان چار شخصوں کو چھوڑ دیا گیا۔جب ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان چاروں کو دعوت نہیں دی گئی ہے تو ہم لوگوں نے فوراً دعوت واپس کر دیا۔خانہ مالک سے پوچھا گیا کہ آخر وجہ کیا ہے جو چار آدمیوں کو چھانٹ دیا گیا۔انہوں نے بتایا کہ پیش امام صاحب کا اصرار تھا کہ اگر تم ان کو دعوت دو گے تو

میں اس تقریب میں شامل نہیں ہونگا۔اب کیا کریں مجبوری پر ایسا کرنا پڑا۔

حضوروالا سے التماس ہے کہ کیا اس طرح کا برتاؤ رکھنا چاہئے کیا ہمارا پاک دین اسلام یہی تعلیم دیتا ہے کہ کسی مسلمان کو دعوت دینے سے روکا جائے۔اور امام کو یہ زیب دیتا ہے کہ جماعت میں اختلاف و انتشار پھیلائے۔چنانچہ یہ بات واضح طور پر عیاں ہے کہ وہ کھلے عام پارٹی بندی کرتے ہیں۔

ایک واقعہ اور عرض کردینا مناسب سمجھتے ہیں کہ موضع کھرا جو کہ ہم لوگوں کی بستی سے ایک میل کی دوری پر ہے۔وہاں پر ایک انصاری بھائی کا انتقال ہوگیا۔ان کے صاحب زادے واجب حسین نے ہم لوگوں کو چہلم میں شرکت کرنے کی دعوت دی۔بعد میں مولوی صاحب یعنی پیش امام صاحب کے پاس جاکر چہلم میں شرکت فرمانے کے لیے کہا تو مولوی صاحب نے واجب حسین صاحب سے سوال کیا کہ بستی میں کس کس کو دعوت دیئے ہو۔واجب حسین نے بتایا کہ بستی کے بہتیروں کو دعوت دے دی ہے۔مولوی صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ ہماری مخالف پارٹی کو جب دعوت دیئے ہو تو میں نہیں جاؤنگا۔اس پر واجب حسین بولے کہ خیر گھر میں صلاح و مشورہ کرکے جیسا ہوگا ویسا خبر کرونگا۔اس کے بعد واجب حسین کے بڑے بھائی مولوی صاحب کے پاس آئے،ان کو چہلم میں شرکت کرنے کو کہا مولوی صاحب نے وہی پہلا سوال پیدا کیا کہ وہ لوگ جائیں گے تو میں شرکت نہیں کرونگا۔یتیم صاحب بولے ہمارے چھوٹے بھائی نے دعوت بستی والوں کو دیا ہے تو پھر ایسی بات تو نہیں ہوگی کہ دعوت دے کر ٹھکرادیا جائے آپ قبول کریں یا نہ کریں۔تعجب ہے کہ آپ پیش امام ہیں اور اس طرح کا خیال رکھتے ہیں اور کہہ کر چلے گئے۔

ٹھیک چہلم کے روز تقریبا بارہ بجے دو چار آدمیوں کے ساتھ مولوی صاحب واجب حسین کے دروازے پر پہونچے اس وقت شیرینی تقسیم کی جارہی تھی۔واجب حسین نے ان لوگوں کو اندر بلایا لیکن مولوی صاحب نے جواب دیا کہ باہر ہی ٹھیک ہے بلکہ ان کے ساتھ والے جو گئے تھے وہ اندر چلے گئے۔

اس کے بعد جب کھانا کھانے کے لیے کہا گیا تو مولوی صاحب نے واجب حسین سے یہ فرمایا کہ تم سے ایک سوال ہے اس کا جواب دے دو تو کھانا کھاؤنگا۔واجب حسین نے جواب دیا کہ مولوی صاحب معاف کیجئے گا میں نے آپ کو کھانا کھانے کے دعوت دی ہے سوال جواب کرنے کی نہیں۔اگر سوال کرنا ہو تو جاکر اپنی بستی میں کیجئے اس پر بھی مولوی صاحب کھانا کھانے پر تیار نہ ہوئے۔ان کا کہنا تھا کہ تم مخالف پارٹی کو دعوت دیئے ہو اس لیے تمہارے یہاں کھانا نہیں کھاؤنگا۔اور کھایا بھی نہیں۔البتہ ان کے ساتھیوں نے کھانا کھالیا۔

اس کے بعد چہلم کے تیسرے روز ہم لوگوں نے بستی کے تمام لوگوں کو جمع کیا اور مولوی صاحب کو

بلایا گیا لیکن مولوی صاحب نے صاف انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ آدمی بھیج بھیج کر بلایا گیا لیکن کچھ بھی اثر نہ ہوا لگاتار تین مجلس کی گئی جس میں مولوی صاحب کو بلایا گیا لیکن ان کو نہ آنا تھا نہ آئے۔ انجام کار تمام لوگوں نے یہ طے کیا کہ امام کہیں دوسری جگہ سے منگانا چاہئے اور ہوا بھی یہی کہ کہیں دوسری جگہ سے امام کو بلایا گیا تو اس دن جمعہ کا دن تھا جوں ہی نئے امام نماز پڑھانے کو اٹھے اس وقت فوراً مولوی مذکور نے امام صاحب سے سوال کیا کہ آپ کس کے حکم سے نماز پڑھانے چلے ہیں۔ مقتدیوں نے جواب دیا کہ آپ کو تین دن بیٹھک میں بلایا گیا لیکن آپ نہیں آئے اس لیے ہم لوگوں نے ان کو امام بنایا ہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب برافروختہ ہو گئے اور مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ یہاں پر سب لوگ منافق ہیں۔ اس لیے یہاں ٹھہرنا نہیں چاہئے، یہ کہہ کر مسجد سے نکل پڑے نماز نہیں پڑھے، حالانکہ ان کی پارٹی والے بھی اسی مسجد میں تھے۔ اور ان کے والد گرامی بھی موجود تھے۔ ان لوگوں نے نماز بھی پڑھی، مولوی صاحب نے مسجد سے باہر ہو کر یہ بھی کلام فرمایا کہ جس مسجد میں ہنگامہ برپا ہو اس مسجد کو جلا دینا چاہئے، یہ ہمارے نبی ﷺ کا فرمان ہے۔

اب حضور ہی اس کا انصاف فرمائیں کہ ہنگامہ برپا کس نے کیا، کس نے فتنہ کا بیج بویا، اس کے متعلق آپ کی خدمت میں ہم لوگوں کی عرض ہے کہ ان امام صاحب کے پیچھے نماز جائز ہو گی یا نہیں؟ اور جو یہ مسجد کو جلا دینے کو کہتے ہیں کیا واقعی یہ بات صحیح ہے۔ ہم لوگوں میں اتنی علیت نہیں ہے کہ اس مسئلہ کو جانیں، اس لیے جناب عالی سے ہم لوگوں کی دست بستہ عرض ہے کہ اس جھگڑے کو ختم کر دیں اور صحیح مسئلہ بتا کر ہم لوگوں کو ممنون فرمائیں۔ فقط والسلام

نوٹ: مولوی صاحب نے یہ بھی دعوی کے ساتھ کہا کہ کس کی مجال ہے کہ جو نماز پڑھانے آئے گا، ہمارا حق ہے۔ اور داڑھی بھی کترواتے ہیں مولوی صاحب کے والد گرامی نے یہاں تک کہ کاروائی کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسجد میں جھگڑا ہوتا ہے اس لیے چوالیس کرا دیا جائے۔ یہ کھیا جی کی زبانی معلوم ہوا ہے۔ انہوں نے یہی بتایا کہ ایسا ایسا رپورٹ ہمارے پاس آیا ہے اس کو دیکھا جائے جھگڑا کون کھڑا کیا ہے۔

(۱) احمد سلطان خان صدر (۲) حفیظ الدین (۳) نظام الدین خلیفہ (۴) رحمت علی خلیفہ (۵) محمد شمس الدین (۶) محمد شریف (۷) شہاب الدین (۸) عبد الشکور (۹) منیر الدین خلیفہ (۱۰) ظہیر الدین۔

الجواب

بر تقدیر صدق مستفتی مولوی صاحب مذکور میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں کچھ باتیں گناہ اور فسق کی ہیں۔ اگر تنبیہ کرنے کے باوجود امام صاحب نے اس کو نہ چھوڑا تو بستی والوں نے امام صاحب کو علیحدہ کرکے ٹھیک کام کیا ہے۔ شامی میں ہے: "مشی فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم" خود امام صاحب اگر اپنی روش درست نہیں کر سکتے تو ان کو امامت چھوڑ دینی چاہئے۔

حدیث شریف میں ہے:

"عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ثلثة لا ترفع لهم صلواتهم فوق رؤسهم شبرا. رجل ام قوما وهم له كارهون" (اللآلی المصنوعة: ۱۱/۲)

حضور ﷺ نے مسجد ضرار کو ڈھانے کا حکم دیا ہے جو حقیقۃً مسجد تھی ہی نہیں۔ حضور ﷺ کا ایسا کوئی فرمان نہیں کہ وہ مسجد جس میں لوگ جھگڑیں جلا دینی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۷ ربیع الثانی ۸۳ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۱۹۲) مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک حاجی و حافظ صاحب مسجد کے امام ہیں۔ اور بکواس و فحش باتیں کیا کرتے ہیں مثلاً مردود شیطان کہنا اور ایک حاجی صاحب جو سنی صحیح العقیدہ ہیں ان کو کہتے ہیں کہ تمہارا حج قبول نہ ہوا، چار چھ حج کرو جہنم میں جاؤ گے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔ کتب معتبرہ سے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: تبارک اللہ عرف بابو جی موضع جوگی پور ضلع اعظم گڑھ یوپی

الجواب

موصوف کی فحش گوئی، لوگوں کو شیطان و مردود کہنا اور ایذا دہی بالاعلان ہے تو وہ فاسق معلن ہوئے، ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو کسی گناہ میں علی الاعلان مبتلا ہو اس کی امامت مکروہ ہے۔ شامی میں ہے: "مشی فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم" واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۱۹۳۔۱۹۶)**مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ایک مولوی صاحب موضع میں بغرض بچوں کو دین کی تعلیم دینے اور نماز پڑھانے کے لیے ملازم رکھے گئے ان سے پوچھا گیا کہ آپ کون برادر ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں شیخ انصاری ہوں۔ اور اپنے کو شیخ انصاری ہی سے مشہور کرتے ہیں۔ اتفاق سے کچھ عرصہ بعد مولوی صاحب مذکور کے گھر کے قریب کے لوگ آئے تو پتہ چلا کہ مولوی صاحب قوم کے جوگی ہیں اور دراصل وہ جوگی ہی تھے۔ تو کیا ایسے جھوٹ بولنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) ایک لڑکا نابالغ جس کی نماز پڑھانے کو وارث میت نے مولوی صاحب کو بلایا لیکن مولوی مذکور نے جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا اور میت بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کر دی گئی۔

(۳) ایک مطلقہ عورت جس کی عدت پوری ہو چکی تھی، مولوی مذکور نے گواہی دینے پر بھی اس کا نکاح نہیں پڑھایا؟

(۴) ایک عورت جس کا شوہر عرصہ تین یا ساڑھے تین سال ہوا باہر چلا گیا۔ عورت مذکور کو طلاق بھی نہیں دی۔ کلو نام سے لوگ جانتے ہیں مولوی مذکور نے جانتے ہوئے بھی اس غیر مطلقہ عورت کا نکاح پڑھا دیا۔ اس عورت مذکور کا شوہر جو باہر چلا گیا تھا نکاح ثانی ہونے کے تین ماہ بعد واپس آیا جس کو تمام بستی کے لوگوں نے اور خود مولوی صاحب نے دیکھا۔

کیا ایسی صورت میں مولوی مذکور کے پیچھے امام بنا کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟۔ علمائے کرام کی زبانی سنا ہے کہ ایسا نکاح پڑھانے والا اور نکاح میں شریک ہونے والے اشخاص کی بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے۔ جب تک تجدید نکاح نہ کریں۔ مفصل ومدلل جواب سے مطلع فرمایا جائے۔

احقر: رحم بخش انصاری سکنیہ امام شیخ بازار ڈاکخانہ بردیا ضلع بہرائچ شریف یوپی۔ ۱۷ اکتوبر ۶۳ء

الجواب

(۱) اللہ پاک مسلمانوں پر اپنا رحم فرمائے آج کل عام وبا ہے کہ جس سے راضی ہوں اس کی ناجائز بات کو بھی اسلام ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جس سے ناراض ہوں اس میں دنیا جہان کے عیب نکالتے ہیں۔ اگر ایک جوگی کا اپنے کو انصاری کہنا جھوٹ ہے؟ تو ایک بنکر کا بھی اپنے کو انصاری کہنا کہ ہم انصار مدینہ کی اولاد ہیں، اور واقع میں ایسا نہیں تو یہ بھی جھوٹ ہے۔ اور علی الاعلان جو بھی جھوٹ بولے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

(۲) نکاح نہ پڑھانا شرعاً کوئی جرم نہیں۔

(۳) اگر بغیر نماز پڑھے وہ بچہ دفن کر دیا گیا تو وہاں کے سب لوگ مولوی سمیت گنہگار ہوئے اور اگر مولوی صاحب کے علاوہ کوئی نماز پڑھا ہی نہیں سکتا تھا تو اس پر گناہ کا وبال زائد ہے۔ ایسے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

(۴) ایسا نکاح پڑھانا گناہ تھا۔ مولوی مذکور اس کا مرتکب ہوا نکاح پڑھانے والے کا نکاح ٹوٹنے کی بات غلط ہے۔ مسلمان ایسے شخص کو امامت سے علیحدہ کر کے ایسے شخص کو امام بنائیں جو ہر قسم کے شرعی عیب سے پاک ہو، جھوٹ نہ بولتا ہو، داڑھی نہ منڈواتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۸۳ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ الجواب صحیح، عبد العزیز عفی عنہ

(۱۹۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

جس شخص نے برسر عدالت جھوٹی گواہی دی اور مسجد قریب ہونے کے باوجود جماعت کا پابند نہیں ہے۔ اور ایک قدیم سنی، دینی ادارے کی مخالفت کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے مقتدیوں میں کافی اختلاف ہو گیا ہے اور نصف سے زیادہ مقتدی اس کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے ہیں۔ لیکن وہ چند مقتدیوں اور کچھ باہر کے لوگوں کے بل بوتے پر نماز پڑھاتے ہیں۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے۔ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اسے امام مقرر کرنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

منجانب: مصلیان عیدگاہ جہانگیر گنج ضلع فیض آباد

الجواب

بر تقدیر صدق مستفتی ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، اور ایسے ہی ہر اس شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے جو کسی قسم کے گناہ میں مبتلا ہے۔ مثلاً داڑھی کٹانا، جھوٹ بولنا، کسی پر زنا وغیرہ کی تہمت لگانا۔ اگر سائل جھوٹ بولکر غلط فتوی حاصل کرنا چاہتا ہے تو خود وہ بھی امامت کے لائق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۸ر ذوالحجہ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ

(۱۹۸) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک مسجد کے ایک خادم پر اغلام بازی کا الزام لگا کر مسجد کے مہتمم کو بغیر گواہ کے خبر دی مگر اس کی

اس بات کی کوئی باز پرس نہیں کی۔ مگر ایک سال کے بعد خادم اور مہتمم میں کچھ تنازعات ہوئے تو لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو امام اور مؤذن (جو مسجد کے مہتمم بھی ہیں) ٹرسٹیان مسجد کو تحریری درخواست دی اور الزام کے متعلق دریافت کیا لیکن ان کو ثبوت نہیں ملا۔ اس کے باوجود اس خادم کو بغیر ثبوت کے مسجد سے خارج کیا۔

غور طلب امر یہ ہے کہ امام اور مؤذن کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟۔ جو ایک غریب خادم پر غلط الزام لگائے۔ اگر اس خادم نے کوئی حرکت کی تھی تو امام صاحب اور مؤذن کو جب معلوم ہوا تھا تو اسی وقت اس کی تحقیقات کیوں نہیں کیا اور امام اور مؤذن صاحب نے اسے اسی وقت کیوں نہیں مسجد سے نکالا بلکہ امام و مؤذن صاحب اس شخص سے ہر طرح کا تعاون کرتے رہے حتی کہ اس شخص کے ساتھ کھاتے پیتے بھی رہے۔ مگر جب کچھ بگاڑ ہوا تو اسے ملازمت سے نکلوا دیا۔

(۱) ایسی صورت میں ہم مقتدیوں کی سال بھر کی نمازوں کا خمیازہ کس کے سر ہوگا؟

(۲) اب ایسے امام اور مؤذن کے لیے شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے؟ شریعت کی روشنی میں مندرجہ بالا مسئلہ کے متعلق تحریر فرمائیں کہ اس فتنہ کا سد باب ہو۔

ہم آپ کے خادم شیخ اسماعیل سید محمد کامل پان فروش، سلمان خاں مقام آدم بابا

الجواب

بر تقدیر صدق مستفتی جب کہ امام و مؤذن اس خادم پر الزام ثابت نہ کر سکے فاسق ہوئے ان کو اپنے اس عمل سے توبہ صادقہ لازمی ہے ورنہ نماز ان کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۴؍ محرم ۹۴ھ

الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ

(۱۹۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید سید ہیں اور ملازمت کرتے ہیں اور سوداگری بھی کرتے ہیں، ان کے بزرگان مدت سے امامت کرتے چلے آئے ہیں۔ ان لوگوں کی وفات کے بعد زید نے بھی کچھ دن امامت کی لیکن سوداگری اور ملازمت کی وجہ سے نماز میں شرکت کرنے سے تساہلی کرنے لگے جس کی وجہ سے مصلیوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں دقت ہونے لگی۔ مصلی پریشان ہو گئے مجبور ہو کر ایک امام مقرر کر لیا اور باضابطہ تنخواہ دینے لگے۔ امام صاحب مستعدی کے ساتھ نماز پڑھانے لگے۔ نیز بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم بھی دینے لگے، اب زید کی حالت یہ ہے کہ جب کبھی مسجد میں آجاتے ہیں تو بغیر امام کی اجازت کے نماز بھی پڑھانے

لگتے ہیں اور اگر کوئی مصلی کہتا ہے کہ امام صاحب سے اجازت لے لیجئے تو کہتے ہیں کہ میں اس سے اجازت نہ لوں گا چاہے نماز ہو یا نہ ہو۔ امام کو ان کی حرکت ناگوار گذری مگر کچھ مصلی زید کے سید ہونے کی وجہ سے اس کی کافی عزت کرتے ہیں اور اکثر مصلی زید کی اس حرکت سے ناخوش ہوتے ہیں مگر آپس میں تفرقہ پڑ جانے کی وجہ سے کچھ نہیں بولتے ہیں۔ زید نے کچھ زمین بھی لی ہے جو شریعت کی رو سے سراسر سود ہے۔ زید کے پاس کافی دولت ہے مگر وہ اس کی زکوۃ نہیں نکالتے ایسی صورت میں ان کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: محمد حبیب خاں مقام و پوسٹ باندہ ضلع غازی پور

الجواب

زید کے ترک جماعت کی وجہ سے مصلیوں کا دوسرا امام مقرر کرنا درست ہے بالخصوص جب کہ زید سود خور اور زکوۃ نہ دینے والا ہے کہ ایسا شخص فاسق معلن ہے۔ اور اس کو امام مقرر رکھنا گناہ ہے۔ امامت کے لیے زید کی ضد بلا فائدہ ہے اس معاملہ میں سید ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۲۸ ؍ شوال ۸۲ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲۰۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہمارے یہاں ایک مسجد کے امام ہیں جو بچوں کو پڑھاتے ہیں بچوں کا سبق یاد نہ رہنے پر قرآن شریف کے پاروں کو امام صاحب اٹھا کر پھینک دیتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس امام کی یہ حرکت شریعت کی نگاہ میں کیسی ہے؟ اور عام مسلمانوں کو اس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں۔ ایسے امام کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ بیان فرما کر ہم پر احسان فرمائیں۔ بینوا توجروا

سائل: بخش اللہ خان ابن وٹائپ کوارٹر نمبر ۸۵ ؍ کرمہ جمشید پور

الجواب

قرآن مجید کی تعظیم و تکریم فرض عین ہے اور اس کی توہین و تحقیر حرام و سخت حرام ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ـ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ـ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾

[الواقعة: ۷۹]

بے شک قرآن کریم بڑی عزت والی کتاب مصاحف میں مکتوب ہے اس کو صرف پاک ہی چھو سکتے ہیں بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔

بچے کے سبق یاد نہ ہونے پر معمولی ہی غصہ ہوتا ہے جس میں آدمی اپنے ہوش وحواس میں رہتا ہے بحالت ہوش وحواس قرآن مجید کے پاروں کو پھینک دینا اس امام کی بدتمیزی اور بدعقیدگی کی دلیل ہے، ایسے بدتمیز اور بدعقیدہ شخص کو امام اور مدرس بنانا ہرگز جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲۰۱-۲۰۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک شخص حافظ ہے اور داڑھی صاف کرتا ہے رمضان المبارک کے روزے بھی رکھتا ہے نماز ین بھی پڑھتا ہے اس امام کے پیچھے مسجد کے مصلیان فرض اور تراویح کی نماز ادا کرتے ہیں جب کہ مصلیان اسی کو بہتر سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا حافظ بھی نہیں ہے جو نماز ادا کرنے کے ساتھ داڑھی بھی رکھتا ہو لیکن ایک شخص حاجی ہے وہ کہتا ہے کہ اس حافظ کے پیچھے جو داڑھی نہیں رکھتا ہے کسی قیمت پر نماز نہیں ہوگی اور مصلیوں کو روکتا ہے کہ اس کے پیچھے آپ لوگ نماز نہ ادا کریں بلکہ تنہا پڑھیں تو بہتر ہوگا اس لیے کہ وہ داڑھی نہیں رکھتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں کیا کیا جائے جب کہ جماعت ٹوٹ رہی ہو۔

(۲) ایک شخص ہے جو پنجوقتہ نماز با جماعت ادا کرتا ہے کبھی کبھی گھر پر بھی پڑھ لیتا ہے۔ داڑھی بھی رکھتا ہے اور اپنے کو امامت کے لائق سمجھتا ہے حالانکہ دوسروں کی شکایت، غیبت وغیرہ میں اس کو کافی دلچسپی ہے اور ہمیشہ دوسروں کی ایک نہ شکایت ڈھونڈھ کر ان کا مذاق اڑاتا ہے اور میلاد شریف یا کسی مجلس میں نہیں جاتا اور دوسروں کو بھی کسی میلاد وغیرہ میں جانے سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب کرانے سے کیا فائدہ؟ جب کہ عام لوگوں کو اس سے فائدہ ہوتے نہیں دیکھا گیا حالانکہ بفضلہ تعالیٰ یہ شخص حاجی ہے البتہ جس میلاد میں ان کو دعوت یعنی ایک وقت کا کھانا کھانے کے لیے کہا جائے تو اس میلاد شریف میں حاضر ہوتے ہیں اور کچھ وعظ وغیرہ بھی کہہ دیتے ہیں اور کھانا بھی کھا لیتے ہیں۔ لیکن مولوی نہیں ہیں بہت سی شکایتیں ہیں۔ لہٰذا ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(۳) مندرجہ بالا سوالات میں اس حافظ کے پیچھے نماز پڑھی جائے کہ نہیں؟ یا کہ ایک شخص داڑھی رکھنے والا ہے لیکن نماز روزے سے کوئی مطلب نہیں رکھتا اور اس کے اندر بھی بہت سی شکایتیں ہیں اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ ان دونوں میں کون بہتر ہے اور یہ بھی لکھ دیں کہ مندرجہ بالا حافظ کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھی جائے یا کسی نمازی پرہیزگار کے پیچھے سورہ تراویح پڑھی جائے؟ دونوں میں کون افضل ہے، مجھے امید ہے کہ مفصل جواب بھیجنے کی کوشش کریں گے۔ فقط والسلام حکیم محمد صغیر، ۱۱؍رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ

الجواب

داڑھی حد شرع سے کم رکھنے والا یا منڈانے والا فاسق ہے اسی طرح جو شخص نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا غیبت کرتا ہے یا اس قسم کے کسی بھی گناہ میں مبتلا ہے سب فاسق ہیں، ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ ایسے لوگوں کو امام بنانا منع ہے۔

درالمختار میں ہے: "و مشی فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم"
اگر ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کا پھیرنا واجب ہے۔

اسی میں ہے: "کل صلوة ادیت مع الکراهة تجب اعادتها" (در مختار: ۲/۱۳۰)

ایسا شخص حافظ ہو یا حاجی اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا وہی حکم ہے جو مذکور ہوا، اور نماز خواہ فرض ہو یا سنت، افضل یا غیر افضل کا سوال وہاں ہوتا ہے جہاں دونوں کے پیچھے نماز بلا کراہت ہوتی ہو اور جب کسی کے پیچھے مکروہ ہو تو افضلیت کا سوال ہی نہیں۔ صورت مسئولہ میں بہتر تو یہی ہے کہ وہ حافظ صاحب داڑھی رکھ لیں یا پھر کوئی ایسا امام تلاش کریں جو امامت کے ہر طرح لائق ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۱۳/ذوالقعدہ ۸۳ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲۰۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

یہاں شہر جیت پور میں ۲۴،۱۱،۲ھ، کے روز سب مسلمانوں کی حاضری میں مولوی سید امید علی ولد غلام حسین بھانوری امام بورا مسجد جیت پور اور مولوی امیر احمد قمر علی خاں امام مدینہ مسجد جیت پوران دونوں صاحبوں نے سوال و جواب کئے۔ یہاں کے مسلمانوں نے نوٹ کیا اس کے بعد مذکورہ دونوں اماموں سے دستخط لیے گئے اور حاضرین میں بھی کچھ حاجیوں سے دستخط لیے گئے ان تمام سوالات و جوابات کو گجراتی میں بخدمت آپ کے بھیجتا ہوں جس میں خاص سوالات کے جوابات درج ہیں وہ یہ ہیں جو نیچے درج ہیں۔ اب ہم علمائے اہل سنت سے عرض گذار ہیں کہ وہ اس کا جواب دے کر کرم فرمائیں، مذکورہ دونوں امام صاحب خود کو سنی صحیح العقیدہ بتاتے ہیں۔ لہذا ان میں سے کون سنی ہے اور کون وہابی ہے؟

کون امامت کے لائق ہے کون نہیں؟ کون حق بتاتا ہے کون گمراہ کرتا ہے؟ کس کے پیچھے نماز ہوتی ہے اور کس کے نہیں؟ برائے کرم جلد از جلد جواب دے کر ممنون و مشکور فرمائیں۔ آپ فتوی دیں اور دیگر علماء جو وہاں ہوں ان سے بھی دستخط لے کے بھیجیں۔ کسی امام کو علما نے وہابی ہونے کا فتوی دے دیا ہو اور اس کو امامت کے نالائق ٹھہرایا ہو اس امام کو جبرا مسجد میں امام رکھنے والے علمائے اہل سنت کے فتوی کو

نہ ماننے والے متولی کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔ وہ متولی قابل متولی ہے یا نہیں؟ وہ متولی وہابی ہے یا سنی؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔ السائل: عبداللہ بن عبدالرحمٰن ۶؍دسمبر ۱۹۸۴ء

(خلاصہ سوال و جواب)

(۱) قبر پر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب مولوی امید علی جائز ہے (فتاویٰ افریقہ)

جواب مولوی قمر علی خان، قبر پر اذان دینا ثابت نہیں اس لیے نہیں دینا چاہئے۔ (عالم گیری، مسلم، بخاری وغیرہ)

(۲) جنازے کے آگے میلاد پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟ جواب مولوی امید علی: جائز ہے۔

جواب مولوی امیر احمد قمر علی خان مکروہ ہے ناجائز ہے۔ (فتاوی عارفیہ، حسینہ، عالم گیری وغیرہ)

(۳) وعظ و میلاد شریف میں سلام کے واسطے قیام کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ جواب مولوی امید علی: جائز ہے۔

جواب مولوی امیر احمد قمر علی خان: خلاف ادب ہے ناجائز ہے۔

(عارفیہ، حسنیہ، عالم گیری وغیرہ)

(۴) کسی شخص پیر یا ولی کو یا غوث، یا علی، یا حسین، یا داتا، کہکر پکارنا جائز ہے کہ نہیں؟ جواب مولوی امید علی: جائز ہے۔ (فتاوی افریقہ)

جواب مولوی امیر احمد قمر علی خان: سوائے خدا کے کسی کو پکارنا منع ہے اگر فوت ہو گئے ہوں۔

(فتاوی عارفیہ، حسنیہ)

(۵) گیارہویں بارہویں شریف یا کسی بزرگ کی نیاز کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب مولوی امید علی: جائز ہے۔ (فتاوی افریقہ)

جواب مولوی امیر احمد قمر علی خان: گیارہویں یا بارہویں جائز ہے مگر اولیائے کرام کی نیاز کرنا منع ہے۔ (عارفیہ، حسنیہ)

(۶) انبیاء علیہم السلام کو علم غیب ہے یا نہیں؟ وہ ہماری فریاد سنتے ہیں اور مدد کرتے ہیں یا نہیں؟

جواب مولوی امید علی ان کو علم غیب عطائی ہے۔ وہ ہماری فریاد سنتے ہیں اور ہماری مدد کرتے ہیں۔

جواب امیر احمد قمر علی خان، خدا کے سوا کوئی علم غیب نہیں جانتا، کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ (عارفیہ، حسنیہ)

(۷) کسی پیر یا ولی کی منت ماننی جائز ہے کہ نہیں؟ جواب مولوی امید علی: جائز ہے۔

(فتاوی افریقہ)

جواب مولوی امیر علی قمر علی خان: منت ماننی جائز نہیں۔ (فتاویٰ عارفیہ، حسنیہ)

(۸) نبی اکرم ﷺ کو علم غیب تھا کہ نہیں؟ جواب مولوی امید علی: بے شک علم غیب ہے۔

(فتاویٰ افریقہ)

جواب مولوی امیر علی قمر علی خان: علم غیب نہیں تھا۔ (فتاویٰ عزیزی، اشرفیہ)

(۹) اولیاء کرام کے عرس کرنا، ان کے مزاروں پر پھول چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب مولوی امید علی: جائز ہے۔

جواب مولوی امیر احمد قمر علی خان: عرس کرنا ناجائز ہے۔ پھول چڑھانا بدعت ہے۔

(بخاری شریف، عارفیہ وغیرہ)

الجواب

سوال میں جس مسئلہ کا ذکر ہوا اس میں مولوی امید علی صاحب حق پر ہیں ہر ایک مسئلہ کے بارے میں علمائے اہل سنت کی کتابوں سے حوالہ دیا ہے۔ اب مزید لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف مولوی امیر احمد قمر علی خان نہ صرف مسائل غلط بتاتے ہیں بلکہ حوالہ میں بخاری ومسلم، عالم گیری کا نام محض رعب ڈالنے کے لیے جھوٹ موٹ لکھ دیا۔ مولوی امیر احمد مذکور نہ صرف یہ کہ وہابی معلوم ہوتا ہے کہ سوال میں درج کیے ہوئے امور کثیرہ کا انکار آج کل وہابیوں کا شعار ہے۔ بلکہ مزید برآں اس نے غلط حوالہ دے کر عامۃ المسلمین کو دھوکا بھی دیا ہے، ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے اور اس کو امام بنانا ناجائز ہے۔

عالم گیری میں ہے: "وان کان هوی لا یکفر بها صاحبه تجوز الصلوة خلفه مع الکراهة"

شامی میں ہے: "مشی فی شرح المنية علی ان کراهة تقديمه کراهة تحريم"

جو متولی ایسے شخص کو امام رکھنے پر مصر ہو اس کو پر امن طریقہ پر تولیت سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

درمختار میں ہے: "و ينزع وجوبا لو الواقف فغيره بالاولی غير مامون او عاجز او ظهر به فسق" (کتاب الوقف: ۶/۹۴۰۵) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

(۲۰۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے موضع میں ایک اسکول کھول دیا گیا ہے جس میں نہ ملنے کی وجہ سے ایک معلم جو کہ اپنے کو حافظ کہتے ہیں رکھا گیا ہے۔ لیکن وہ وہابی دیوبندی کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ہم لوگ حنفی مذہب رکھتے ہیں

بخیال حافظ ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، بدعقیدگی کے ساتھ ساتھ اس کی کچھ بدکاریاں بھی سامنے آئیں،

(۱) آپ اس کا فتوی دیجئے کہ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اب بہت سے لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرتے ہیں اور چند لوگ اس کی بدکاریاں جان کر بھی اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ جاہل منع کرنے پر بھی نہیں سنتے ہیں ان کے لیے فتوی دیجئے۔

(۲) اس اسکول میں نہ کوئی غریب بچہ ہے۔ ہر آدمی اپنے بچوں کو فیس اور کتاب، باری سے کھانا دیتا ہے تو جو غلہ دسواں یا بیسواں نکالا جاتا ہے اس میں صرف معلم کی تنخواہ دی جاتی ہے ایسی حالت میں جو غلہ بچ جائے وہ پاک ہوتا ہے کہ نہیں؟ اور معلم کی تنخواہ میں دینا جائز ہے کہ نہیں؟

(۳) میرا لڑکا وہابی دیوبندی ہو گیا میں اس کو اپنی جائداد نہیں دینا چاہتا ہوں۔ شفقت سے بھی مدد دیجئے گا۔ راقم: حاجی محمد اکرم خاں ساکن چھتہ ڈاکخانہ نظام آباد ضلع اعظم گڑھ

الجواب

جس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس کو مجیب خود جانتا ہے وہ واقعۃ وہابی دیوبندی خیال کا ہے۔ اگر وہ بدکار اور بدفعل نہ بھی ہوتا تب بھی سنیوں کی نماز اس کے پیچھے ناجائز ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ جب تک کہ وہ اپنی تمام برائیوں سے توبہ نہ کر لے۔ اور علمائے دیوبند سے اپنی برأت ظاہر نہ کر دے۔

عالم گیری میں ہے: "ان کان ہوی لا یکفر بہ صاحبہ تجوز الصلوۃ خلفہ مع الکراھۃ و الا فلا" یعنی آدمی کے ایسے گمراہ عقیدے ہوں جس سے ان کو کافر نہ کہا جائے تو اس کے پیچھے اگر نماز پڑھ لی تو دھراؤ اور اگر ایسے خیالات ہیں جن کی بنا پر وہ کافر کہا جا سکے تو اس کے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں اور ایسے شخص سے اپنے بچوں کو تعلیم دلانا بھی منع ہے۔ مشکوۃ شریف میں ہے: "عن ابن سیرین انہ قال ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم"

علم بھی دین ہی ہے تو علم حاصل کرنے کے لیے دیکھ لیا کرو کہ کس سے دین حاصل کرتے ہو۔

(۳) موجودہ صورت حال میں اس مدرس کا علیحدہ کرنا ہی ضروری ہے۔ اور زکوۃ وغیرہ صدقات واجبہ معلم کی تنخواہ میں نہیں دیئے جا سکتے۔ ہاں اگر وہ روپیہ غریب کو دے دیا جائے اور وہ اپنی طرف سے مدرسہ میں دے دے تو اس کو مدرسہ کی تمام ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے۔

(۴) بر تقدیر صدق مستفتی اگر اس کا لڑکا وہابی دیوبندی ہو گیا تو سائل کا وارث نہیں ہے۔

ملتقی الابحر میں ہے: "و یمنع الارث اختلاف الملتین"

لیکن کسی کے بارے میں جو پہلے سنی رہا ہو بالخصوص اپنی اولاد دیوبندی ہونے کے بارے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کو دیوبندیت کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہوں اس لیے اس کے ساتھ ہمدردی ہوگئی ہو۔ آپ کو اپنی جائداد کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا ہرزدم اختیار ہے۔ اس لیے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہر طرح اطمینان کر لیجئے۔ نہایت نرمی سے سمجھائیے اور کوشش کیجئے آپ کی اولاد کیوں بدمذہب ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۲۴؍رجب ۸۲ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

(۲۰۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کسی مسجد کا امام ہے اور ایک مدرسہ کا مدرس ہے، اس کے کردار میں شرعی لحاظ سے کچھ خامیاں ہیں اور وہ اس کے متعلق دبے الفاظ میں اقرار بھی کرتے ہیں۔ وقوع واقعہ میں جو صاحب اس وقت موجود تھے وہ اس کے متعلق اور کچھ انکشاف کرتے ہیں ان صاحب کے علاوہ دیگر صاحب بھی اسی قسم کی باتوں کا انکشاف کرتے ہیں جن کو ظاہر کرنا شریعت مطہرہ کی اہانت ہے۔ علاوہ ازیں ان صاحب کا ایک اجنبیہ عورت سے بھی تعلق ہے اس اجنبیہ عورت کے جو خطوط ان کے پاس آتے ہیں وہ امام صاحب ان خطوط کے بارے میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ میرے ہی خطوط ہیں۔ ان سب حالات کو دیکھتے ہوئے ان کو مسجد کا امام بنانا کیسا ہے اور اب تک ان کے پیچھے جتنی نمازیں پڑھی گئیں ان کا کیا حکم ہے۔ چند اشخاص نے عوام کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے پر مجبور کیا ان کے، علاوہ اچھے چال چلن کا امام مل سکتا ہے ان لوگوں کا یہ فعل اسلام کے نزدیک کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا

نوٹ: خطوط کے مضمون کو شرعی مصلحت کی بنا پر اس تحریر میں شامل نہیں کیا گیا۔ اگر ضرورت سمجھی گئی تو اس کو پیش بھی کیا جاسکتا ہے۔ جواب میں پیدا ہونے والے اعتراض کا موقع نہ دیا جائے۔ استفتاء چند مقامات پر بھیجا جارہا ہے۔ فقط ماسٹر احمد وانور حسین بازار لین بزارہ مقام جس پور ضلع نینی تال

الجواب

سوال میں امام صاحب کے کسی بھی جرم کا بالتصریح ذکر نہیں، اس لیے صاف حکم بھی نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اگر واقعۃ امام صاحب میں ایسی کوتاہیاں ہیں جن کی بنا پر انہیں فاسق معلن قرار دیا جاسکے تو ان کو امام بنانا گناہ ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "و مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم"

اور ان کے پیچھے جو نمازیں پڑھی گئیں دہرائی جائیں۔

اسی میں ہے: "کل صلوۃ ادیت مع الکراھۃ تجب اعادتہا"

اسی سے ان لوگوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا جو ان کو زبردستی امام رکھے ہوئے ہیں کہ واقعی اگر امام صاحب مجرم ہیں تو ان کے حمایتیوں کا فعل بھی جرم و گناہ ہے ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۲۳؍ رجب ۸۲ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

(۲۰۷۔۲۰۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) زید گاؤں کی مسجد کا امام تھا مگر زید نے اپنی منکوحہ کی نس بندی کرا لیا، اس دن سے گاؤں کے لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنا گوارہ نہیں کرتے، کیا واقعی زید کے پیچھے نماز جائز نہیں؟۔

(۲) بکر امی ان پڑھ ہے مگر چند سورتیں یاد کر لیا ہے نماز کے لیے تو کیا اس کے پیچھے پڑھے لکھے کی نماز ہو گی یا نہیں؟۔

(۳) امامت کی شرط کیا ہے امام بے عمل ہے نماز کی پابندی نہیں کرتا اور دیگر دینی مسئلہ کی بھی پابندی نہیں کرتا کیا ایسے مولوی کے پیچھے نماز ہو گی کہ نہیں؟۔

الجواب

(۱) نس بندی شرعاً گناہ ہے، ضبط تولید کے دوسرے جائز طریقوں پر بضرورت عمل کرنا چاہئے۔ امام صاحب اس فعل سے گناہ گار اور فاسق ہوئے، ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ کہ پڑھ لیا تو دوبارہ لوٹائے۔

شامی میں ہے: "کل صلاۃ ادیت مع الکراھۃ تجب اعادتہا"

اور اسی میں ہے: مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم"

ہاں صدق دل سے توبہ کریں یعنی دل میں نادم ہوں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور آئندہ کے لیے عہد کریں کہ اب ایسا کبھی نہ کروں گا اور نس بندی کے ختم کی ترکیب ممکن ہو تو وہ بھی کریں تو ان کی امامت صحیح ہو گی۔

اللہ کے رسول فرماتے ہیں: "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ"

(۲۔۳) نماز کی امامت کے لیے یہ ضروری ہے کہ نماز کے مسائل سے آگاہ ہو قرآن صحیح یاد ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ فاسق اور گنہگار نہ ہو پس چاہئے نمبر ۱۔ والا امی ہو یا نمبر ۲۔ والا عالم کسی کی امامت

بحالت موجودہ صحیح نہیں۔امامت کے لیے کوئی دین دار جامع شرائط امام تلاش کیا جائے ، یا یہی لوگ اپنی کی درست کر کے امامت کے لائق بنیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

(۲۱۰_۲۱۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ہمارے علاقہ میں تین آدمی ہیں ایک آدمی ۶۰ ر برس کا ہے شرع کے مطابق داڑھی ہے پرہیزگار ہے اور تہجد گزار ہے مگر مسجد کے امام کے پیچھے فرنچ داڑھی رکھنے کی وجہ سے نماز جماعت نہیں پڑھتے جمعہ کے روز جاتے ہیں مگر نماز دہراتے ہیں۔

(۲) مسجد کے امام صاحب حافظ قریب ۳۵ ر سال کے ہیں فرنچ داڑھی رکھتے ہیں، منع کرنے کے بعد بھی نہیں مانتے پیچھے کے آدمی پوری داڑھی رکھتے ہیں، کیا ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نا جائز اور جتنے دن سے پڑھاتے ہیں اتنے دن مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی فقیر فتح محمد بانسڈیہہ تاریخ ۵/۵/۱۹۸۸ء

الجواب

شریعت میں داڑھی کی مقدار ایک مشت ہے اس سے کم داڑھی رکھنا حرام ہے۔

شامی میں ہے: "والسنة فيه القبضة ويحرم على الرجل قطعها"

جو شخص حد شرع سے کم داڑھی رکھے وہ فاسق معلن ہے۔اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ایسے شخص کو امام بنانا گناہ اور قوت ہو تو اس کو امامت سے علیحدہ کرنا ضروری۔

شامی میں ہے: "ومشى فى شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم"

جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھیں دہرائیں جمعہ وعیدین کی نماز مجبوری میں فاسق کے پیچھے پڑھی جاسکتی ہے اس کو دہرانا ممکن نہیں، جس طرح عملی خرابی سے امامت میں خلل ہوتا ہے اسی طرح اعتقادی خرابی سے بھی مثلاً ایک شخص نہایت پابند شرع ہو لیکن گمراہ مثلاً غیر مقلد یا دیوبندی ہو تو اسکی بھی امامت صحیح نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۹ ر شوال المکرم ۱۴۰۸ھ

(۲۱۲_۲۱۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔

(۱) مسجد کا پیش امام صرف ایک مال دار شخصیت کے تابع ہو کر اس کی سازش کے تحت اپنے مقتدیان پر مقدمہ خلاف حقیقت درج کرائے اور جھوٹا بیان بھی کردے اور مقتدیان کی تحقیقات پر اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے اتنا ہی قول کرے کہ اس نے اس تاریخ کے سارے اسٹامپ پر صرف اپنی دستخط ہی بنا کر مذکورہ بالا شخصیت کو سونپ دی ہے تو کیا ایسے پیش امام کے پیچھے نماز جائز ہوگی۔

(۲) مسلمانوں کا رہبر عالم ہوتے ہوئے جھوٹ اور بہتان کا شکار ہے ثبوت بھی ہے جس میں اس کی خودنوشتہ تحریر کو جھٹلانے کے لیے غلط بیان بھی دے رکھا ہے تو ایسے عالم کی قیادت مسلم عوام کے لیے جائز ہے؟۔

(۳) حج کر کے لوٹا ہوا شخص نمازیوں کے بیچ خانۂ خدا میں بیٹھ کر کلام پاک کی قسم کھا کر وعدہ کرے اور بعد میں مکر جائے پھر بھی مسلمانوں کی رہبری کا دعویٰ کرے تو کیا اس کی باتوں پر عمل کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے؟۔

الجواب

(۱) شریعت میں یہ کاغذات ثبوت کے لیے سند نہیں بن سکتے اس لیے جواب صرف سائل کی سچائی کی بنیاد پر دیا جا رہا ہے اگر واقعۃً پیش امام نے جھوٹا مقدمہ قائم کیا اور مقتدیوں کے مواخذہ پر غلط کہا کہ میں نے سارے کاغذ پر صرف دستخط کی تھی تو ضرور یہ شخص ظالم اور جھوٹا اور فاسق وفاجر ہوا۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا ممنوع اور بشرط استطاعت اس کو امامت سے علیحدہ کرنا واجب ہے۔

شامی میں ہے: "ومشى في شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم"

ہاں اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ صادقہ کرے اور اس میں کوئی اور خرابی ایسی نہ ہو جس سے اس کی امامت میں خلل ہو تو اس کو امام بنانا جائز ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) برتقدیر صدق مستفتی ایسے شخص کی قیادت بھی منع ہے کہ قائد بنانے میں اس کی تعظیم ہے:

"وانا امرنا باهانتهم"

حدیث شریف میں ہے: "من وقرصا حب بدعة اهتزله عرش الرحمن"

(تفسیر القرطبی: ۱۳/۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) وعدہ کر لے تو شرعاً اپنائے وعدہ پر مجبور نہیں کیا جاتا لیکن بلا سبب وعدہ خلافی بلاشبہ فعل قبیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۷/ ذوقعدہ ۱۴۰۸ھ

(۲۱۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید امام ہے اور بکر نائب امام ہے لیکن بکر فجر کی نماز گاہ بگاہ پڑھتا ہے اور سنت مؤکدہ اور واجب شاید ہی کبھی پڑھتا ہے۔ اور ایک روز ایک وہابی کی اقتداء میں جنازے کی نماز میں شریک ہوا ہے آیا ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں اور اگر نماز پڑھاتا ہے تو مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں اور اگر امام نہیں ہے تو

کس کو نماز پڑھانے کا زیادہ حق ہے مؤذن نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔ المستفتی: محمد مرتضی دفتری بشنی پور شہر بلیا

الجواب

بر تقدیر صدق مستفتی اگر یہ واقعہ ہے کہ بکر نے نماز فجر اور سنت مؤکدہ اور واجبات کے ترک کی عادت بنالی ہے اور اس نے وہابی کے کفر پر مطلع ہوکر اس کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو ایسے شخص کا کم سے کم حکم یہ ہے کہ وہ فاسق ہے ایسے شخص کو امام بنانا ناجائز بشرط استطاعت امامت سے اس کو علیحدہ کرنا واجب ہے اور جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھیں اس کو دہرانا ہوگا۔

شامی میں ہے: ومشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم۔

ہاں بکر توبہ صادقہ کرے تو اس کی امامت صحیح ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۸ ر ذو القعدہ ۱۴۱۲ھ

(۲۱۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ولی الدین میاں جو مدرسہ کے سکریٹری ہیں۔ اور مولانا ازہری صاحب کے مرید بھی ان کی شادی ۹۲/۲۵ء کو ہوئی۔ اور جب وہ دولہا بننے لگے تو ویڈیو ریکارڈنگ والے کو بلایا وہاں مولانا قمر الزماں صاحب بھی موجود تھے جو مدرسہ کے صدر مدرس ہیں اور عالم حافظ قاری بھی۔ اور امامت بھی کرتے ہیں جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ ویڈیو کیمرہ کے سامنے سے کیوں نہ ہٹے۔ تب مولانا بولے کہ سکریٹری صاحب برا مان جاتے۔ اب آپ شریعت کی روشنی میں جواب دیں کہ ایک گھنٹہ سے اوپر مولانا ویڈیو کیمرے کے سامنے رہے۔ اور ہٹنے کا نام نہیں لیا، ایسے کو امام بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟۔

المستفتی: اسیر حضور مفتی اعظم ہند، محمد افروز عبد اللہ رضوی

الجواب

بر تقدیر صدق مستفتی سوال کی عبارت سے ظاہر ہے کہ مولوی صاحب موصوف ویڈیو کو تصویر ہی تصور کرتے ہیں اور اس کو حرام ہی سمجھتے ہیں جبھی تو سکریٹری کی ناراضی کا عذر کرتے ہیں۔ تو اگر واقعہ ایسا ہے تو ان کا یہ فعل ضرور فسق ہے ان کو اپنی اس حرکت سے توبہ کرنی چاہئے۔ توبہ کرلیں تو ان کو امام بنایا جائے

حدیث شریف میں ہے: "لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۹ ر ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

(۲۱۷) **مسئلہ** : نماز فرض یا سنت یا نفل پڑھتے ہوئے ایک نماز ایک جگہ پر پڑھنے کے بعد دوسری تیسری نماز کے لیے جگہ بدل کر پڑھنا کیسا ہے۔

الجواب

صرف فرض کی جماعت پڑھنے کے بعد جگہ بدلنے کا حکم حدیث شریف سے ثابت ہے بقیہ نمازوں کے لیے نہیں۔ عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۲۱۸-۲۲۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ

(۱) امام اور مدرس جو وقت کی پابندی نہ کرے اور ذمہ داروں کے اعتراض پر کہے کہ میں ولی یا ابدال نہیں ہوں۔

(۲) جو ذمہ دار آدمیوں کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرے اور بعد میں مکر جائے اور بات بات پر جھوٹ سے کام لے۔

(۳) امام اور مدرس جو اپنے مفاد کے لیے لوگوں میں انتشار پیدا کرے اور ایسا ماحول پیدا کرے جس سے نقض امن کا خطرہ ہو۔

مذکورہ تمام سوالوں کے جوابات کتاب سنت کی روشنی میں عنایت فرمائیں کیا ایسا امام جو سوالوں میں مذکور ہوا منصب امامت کے لائق ہے، اور جو لوگ اس امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور اس کے اس فعل سے راضی ہیں ان کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے اور اگر یہ شخص مدرسہ یا مسجد سے ہٹا دیا جاتا ہے یا اپنی مرضی سے مستعفی ہو جاتا ہے تو آیا دوسرے مدرسے یا مسجد میں امامت یا درس کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔

المستفتی: سکریٹری مصطفیٰ حسین، مدرسہ عربیہ تعلیم الاسلام دوسرا محلہ نظام پور قصائی واڑہ بھیونڈی ضلع تھانہ مہاراشٹر

الجواب

سائل اگر اپنے سوال میں سچا ہے تو امام علی الاعلان جھوٹ بول کر فاسق معلن ہو گیا جب تک وہ توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اس کو امام بنانا گناہ۔ اور بشرط استطاعت اسے امامت سے علیحدہ کرنا ضروری۔

درمختار کی شرح شامی میں ہے: "مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم"

شریعت کا مسئلہ سب کے لیے یکساں ہے جب تک وہ اپنے فسق سے توبہ نہ کرے، جہاں پڑھائے گا اور جس کو پڑھائے گا اس کی نماز قابل اعادہ ہوگی۔

اگر اس کو امامت سے علیحدہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو اس وقت تک جب تک یہ امام اس مسجد میں رہے لوگ ایسی مسجد میں با جماعت نماز پڑھیں جہاں امام صالح ہو۔ واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۸ر ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

(۲۲۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید عالم ہے اور مسجد کا امام ہے لیکن وہ جھوٹ بولتا ہے چغلی، غیبت سے بھی باز نہیں رہتا ہے اور آپس میں نفاق ڈالتا ہے، خالد کی شکایت بکر کے پاس بکر کی شکایت خالد کے پاس۔ جس سے لوگ آپس میں الجھے رہتے ہیں اور آپس کی دشمنی برقرار رہتی ہے لوگ معاملے کی تہہ تک نہیں جاپاتے آپس میں لڑائی جاری رہتی ہے کچھ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ زید جو عالم اور امام ہے وہی یہاں کی بات وہاں اور شکوہ شکایت کر کے لوگوں کو ورغلاتے ہیں اور مقصد اپنا الو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔ از راہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں ایسے عالم کی باتوں پر یقین کرنا اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد ضیاء الدین رضوی مدرسہ اہل سنت عالیہ قادریہ شمشیر نگر واسع پور دھنباد (بہار)

الجواب

آپ نے اپنے سوال میں دو لفظ تحریر کئے ہیں جھوٹ اور چغلی، جھوٹ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو بات خلاف واقع ہے وہ بیان کیجائے اور چغلی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دو دوستوں کے درمیان تفریق اور پھوٹ ڈالی جائے۔

حدیث شریف میں ہے: "شر عباد الله المشاؤن بالنميمة و المتفرقون بين احبه"

(در منثور: ۳/ ۳۱۰)

اللہ تعالیٰ کے زیادہ برے بندوں میں چغل خور ہیں اور جو دو دوستوں کے درمیان تفریق ڈالتے ہیں۔

یہ دونوں امور گناہ کبیرہ ہیں اور دونوں کے ارتکاب سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے یعنی آدمی صرف جھوٹ بولے یہ بھی اس کے فاسق ہونے کے لیے کافی ہے اور صرف چغلی کھائے تو یہ بھی اس کے فاسق ہونے کے لیے بہت ہے۔

لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چغلی میں جھوٹ کی بھی آمیزش ہو جاتی ہے حضرت علامہ طیبی اپنی شرح مشکوۃ ج ۵ ص ۲۵ میں تحریر فرماتے ہیں: "النميمة مبنية على الكذب و الحسد و النفاق "
چغلی میں جھوٹ حسد، نفاق سب کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ جیسے ایک صورت یہ ہے کہ آپ کے دوست کے بارے میں آپ کی زبان سے ایسی بات نکل گئی جسے سنکر اس کو تکلیف ہو، آپ کے دوست تک چغل خور نے یہ بات اس ارادے سے پہونچادی کہ ان دونوں میں دشمنی اور جھگڑا ہو جائے گا۔ یہ صرف چغلی ہوئی، دوسری صورت یہ ہے کہ چغل خور نے آپ کی طرف سے گڑھ کر ایسی بات آپ کے دوست تک پہونچائی جو آپ نے کہی نہیں۔ مقصد وہی کہ ان دونوں حضرات میں جنگ وجدال ہو یہ چغلی کے ساتھ ساتھ جھوٹ بھی ہوا۔

آپ کی تحریر سے ہم نے یہی سمجھا کہ امام صاحب سے آپ کو شکایت تو دوسری قسم کی چغل خوری کی ہے لیکن سوال میں زور پیدا کرنے کے لیے آپ نے الگ سے جھوٹ کا لفظ بھی ڈال دیا۔

اور بہر تقدیر فاسق کی دو قسم ہے فاسق معلن غیر معلن اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فاسق اگر معلن نہ ہو یعنی گناہ چھپ کے کرتا ہو مشہور و معروف نہ ہو تو کراہت تنزیہی ہے، یعنی خلاف اولیٰ اور اگر فاسق معلن ہے، یعنی علانیہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنا گناہ اور پڑھ لی تو پھیرنی واجب۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۷۰)

آپ کی ہی عبارت سے یہ پتہ چلا کہ آپ کے امام صاحب یہ حرکتیں علی الاعلان نہیں کرتے بلکہ چھپ چھپا کر کرتے ہیں جبھی تو آپ لوگوں کو تحقیق و تفتیش کی ضرورت پڑی اس لیے وہ فاسق معلن نہ ہوئے اس لیے اس کے پیچھے نماز نہ چھوڑیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

(۲۲۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے حق و مفتیان شرع مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ
زید نائی ہے اور نائی کا پیشہ کرتا ہے، اپنے پیشے میں بال بناتا ہے، داڑھی کاٹتا ہے اور داڑھی چھیلتا بھی ہے حالانکہ وہ امام ہے اور امامت کرتا ہے، قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں اس کی امامت کیسی ہے برائے کرم جواب سے مرحمت فرمائیں عین کرم ہوگا۔ المستفتی محمد عثمان

الجواب

داڑھی منڈانا یا حد شرع سے کم رکھنا حرام و گناہ ہے۔

درمختار میں ہے:"والسنة فيه القبضة ويحرم على الرجل قطعها"
تو جس نے کاٹا یا کٹایا دونوں مرتکب حرام ہوئے۔اور فاسق معلن۔اور فاسق معلن کی امامت مکروہ تحریمی ہے کہ اسکے پیچھے نماز پڑھ لی تو قابل اعادہ اور ایسے آدمی کو امام بنانا گناہ اور امام ہو تو بشرط استطاعت اس کو امامت سے علیحدہ کرنا واجب۔

شامی میں ہے: "ومشى في شرح على المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم"
اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ یہ تو بال بنانے والے کا پیشہ ہے تو وہ اپنی روزی سے کیسے باز آئے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ حرام کام کو پیشہ بنانا بھی حرام ہے ورنہ تمام شراب فروش، رنڈیاں وغیرہ سب کو چھوٹ مل جائے گی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۸/رجب المرجب ۱۴۱۹ھ

(۲۲۳) مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید ایک گاؤں کے امام ہیں جو نصاب کے مالک بھی ہیں، امام زید کی ایک فطرت یہ ہے کہ گاؤں وبازاروں میں کھل کر ہر عام خاص سے بھیک مانگتے ہیں۔روپیہ سے لے کر پچاس وسو روپے تک سوال کرتے ہیں۔صرف اپنی ذات کے لیے۔اپنے مصارف کے لیے۔جب کہ ایک صاحب امام خود مالک نصاب ہیں، یعنی کہ ایک اچھے خاصے زمین دار ہیں۔کھانے پینے اور رہنے سہنے میں ایک مال دار شخص میں شمار ہوتے ہیں۔

ہر عام شخص امام صاحب کی مالی حالات سے آگاہ ہے، پورا گاؤں اور پوری جماعت امام صاحب کی ایسی عادت پر بیزار ہے، جب کہ گاؤں وجماعت نے امام صاحب کو امامت کے لیے تنخواہ وپوری سہولتیں دے رکھی ہیں۔تنخواہ کی مقدار ہزار(۱۰۰۰) پندرہ سو روپے الگ مقرر ہے مزید بالائی آمدنی کا ذریعہ بھی ہے۔ساتھ میں امام صاحب اپنا ایک خاص ذریعہ یہ بنا رکھے ہیں وہ یہ ہے کہ تعویذ گنڈہ، تعویذات کا یہ عالم ہے کہ بغیر روپے پیسے لکھتے نہیں ہیں یعنی کہ ہر تعویذ والے سے سوال کرتے ہیں کہ آپ کو کس چیز کی تعویذ چاہئے اور کتنی والی تعویذ چاہئے، تعویذات کے روپے پیسے کھل کر مانگتے ہیں۔ایک دوسری عادت یہ ہے کہ پیخانہ و پیشاب وغیرہ میں احتیاط نہیں کرتے ہیں۔پیشاب و پاخانہ کے لیے بالکل کھلی جگہ بیٹھتے ہیں۔پھر یہ کہ آب دست کے لیے کچھ دور چل کر پانی حاصل کرتے ہیں۔جس کو عام آدمی بھی گوارہ نہیں کرتا۔پھر دوسری یہ بھی ہے کہ چلنے پھرنے کی یہ عادت ہے کہ بغیر قمیص ٹوپی وغیرہ کے خالی سر اور چڈی پر گھومنا پھرنا عام عادت ہے۔تو کیا فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو اپنا امام بنا سکتے ہیں اور ایسے شخص کو اپنا امام بنانا کیسا ہے؟ جب کہ گاؤں پچاس فیصد آدمی ان تمام حرکات کو دیکھ کر کافی ناراض ہیں۔امام

صاحب اپنی دادا گیری اور اپنی تعلقات والے گھروں کے دھونس دھانس کے مدد سے اور گاؤں کے چند ہی افراد کے بل پر امامت کر رہے ہیں۔

تو ایسے شخص کو شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ پھر ایسے وقت میں امام کو کیا کیا جائے۔ اور وہاں کی جماعت اس امام کی پیروی کریں یا نہ کریں اگر نماز و دیگر دینی امور کی پیروی کریں گے تو کیا حکم ہوگا۔ تو علمائے اہل سنت سے میری یہ گذارش ہے کہ از روئے شرع مفصل جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: جماعت مصلین بلے بیڑہ بھلی

الجواب

اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے تو امام صاحب میں کچھ عیوب ایسے ضرور ہیں جن کی وجہ سے وہ فاسق معلن ہیں۔ اس لیے ان کے پیچھے نماز پڑھنا منع ان کو امام بنانا گناہ، اور ان کے پیچھے نماز پڑھ لی تو دوبارہ لوٹاؤ۔

شامی میں ہے: "مشی فی شرح المنیه ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم"

منیہ کی شرح میں ہے کہ فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی۔ بشرط استطاعت انہیں امامت سے علیحدہ کر دینا چاہیے۔

جب امام صاحب علی الاعلان لوگوں سے امداد کے طالب ہوتے ہیں تو ارتکاب حرام کرتے ہیں، یونہی گھٹنے سے ناف تک پورے حصہ جسم کو چھپانا آدمی پر فرض ہے کہ یہ ستر عورت ہے۔ جب وہ بغیر قمیص کے چڈی پہن کر چلتے ہوں گے تو رانیں اور گھٹنہ ضرور کھلتا ہوگا۔ اور ستر عورت کھولنا حرام ہے۔ اگر وہ ان دونوں باتوں سے علی الاعلان توبہ نہیں کرتے اور اپنی یہ عادت نہیں چھوڑتے تو وہ فاسق معلن ہیں۔ ان کو امامت سے علیحدہ کیا جائے۔ اور جو لوگ ان کی بیجا حمایت کریں وہ مجرم اور گنہگار ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

(۲۲۴۔۲۲۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ہمارے شہر مکند گڈھ کے جامع مسجد کے امام جو صرف قرآن کے حافظ ہیں چند با اثر اشخاص کے کہنے پر فضائل اعمال سناتا ہے جو تبلیغی جماعت کے امیر محمد ذکریا کی لکھی ہوئی ہے، یہ امام میلاد بھی پڑھتا ہے، درود و فاتحہ بھی دیتا ہے، اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ نہ کوئی سنی ہے نہ کوئی دیوبندی، یہ دو چکی کے پاٹ ہیں جو قوم کو لڑا رہے ہیں، ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے کہ نہیں؟

(۲) زید کہتا ہے کہ میلاد کا کرنا حرام بدعت شرک اور نا جائز ہے، علمائے اہل سنت کے نزدیک اس کو کیا کہا جائے؟۔

(۳) ہمارے شہر مکند گڈھ کے بکر نے جو سنی صحیح العقیدہ ہیں غریب مسلمانوں کو لے کر جو سب کے سب سنی ہیں ایک نئی مسجد کی تعمیر کی ہے، اس میں جمعہ کی نماز قائم ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ خلاصہ جواب تحریر فرمائیں تا کہ اس میں کسی قسم کا تنازعہ نہ ہو اور ہم بدمذہبوں کا کھل کر مقابلہ کر سکیں۔

المستفتی پھول محمد قصبہ مکند گڈھ وارڈ نمبر ۸ محلہ وابیو پاریان، ضلع جھنجھنو (راجستھان)

الجواب

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد ششم میں ہے کہ ایسی صورت میں عمرو سنی تو کیا مسلمان بھی نہیں ہے کہ اس کے نزدیک اسلام اور کفر یکساں ہیں۔ اور کفر کا رد جھگڑا ہے۔ آپ کے حافظ صاحب بھی سنیوں اور دیوبندیوں کو یکساں سمجھ رہے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ دونوں مل کر مسلمانوں کو لڑا رہے ہیں اس لیے ان کا بھی حکم وہی ہونا چاہئے ان کے پیچھے نماز ہرگز جائز نہیں۔

عالم گیری میں ہے:

"ان کان ھویٰ لایکفر بہ صاحبہ یجوز الصلوۃ خلفہ مع الکراھۃ والا فلا"

(۲) وہ سخت بدترین گمراہ ہے مسلمان اس سے قطع تعلق کریں۔

حدیث شریف میں ہے: "ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم"

اپنے کو ان سے دور رکھو اور ان کو اپنے سے علیحدہ رکھو کہیں وہ تم لوگوں کو گمراہ نہ کردیں فتنہ میں نہ ڈالدیں۔

(۳) آپ کی بستی مکند گڈھ شہر ہو تو وہاں ضرور جمعہ قائم ہوسکتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "لاجمعۃ ولاتشریق الا فی مصر جامع"

(فتح الباری: ۴۵۷/۳)

آپ کے علاقہ میں جو سنی دین دار عالم دین سب سے علم میں بڑا ہو اس کی اجازت سے جمعہ قائم کریں۔

علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب حدیقہ ندیہ میں لکھتے ہیں:

"اذا خلا الزمان عن السلطان فالعلماء ولاۃ الاحکام"

جہاں اسلامی بادشاہ نہ ہوں تو علماء ہی احکام کے مالک ہیں۔ اور کوئی سنی بڑا عالم نہ ہو تو مجبورا

نیک سنی مسلمانوں کی جماعت ہی جمعہ قائم کرسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

نوافل کا بیان

(۴۰۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں زید کہتا ہے کہ

(۱) سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ دونوں کی ادیگی میں کچھ باتوں کی کم وبیشی ہے، سنت غیر مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا ہے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے پر ثنا اور تعوذ وتسمیہ پڑھنا ہے، کیا یہ زید کا قول حق ہے؟۔

(۲) وتر کی قضا میں جب کہ نمازی اکیلا تنہا وتر کی قضا پڑھ رہا ہو تو اس کو تیسری رکعت میں دعاء قنوت پڑھنے کے لیے تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانا بھی درست ہے یا نہیں؟۔

(۳) دیہاتوں میں جہاں جمعہ کی شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں اور جمعہ قائم ہے وہاں ظہر احتیاطی جمعہ کی دو رکعت کے بعد چھ رکعات سنتیں پڑھنے کے بعد پڑھا جائے یا ان کے پہلے ہی ظہر احتیاطی خالی بھری پڑھی جائے کہ بھری ہی بھری پڑھی جائے۔

(۴) خروج مذی غسل واجب کرتی ہے یا نہیں جواب سے مشرف فرمائیں۔

الجواب

(۱) زید نے یہ بات صحیح کہی ہے اسی طرح بہار شریعت میں درمختار کے حوالہ سے لکھا ہے۔

(۲) تنہائی میں پڑھتا ہو تو ہاتھ اٹھائے اور لوگوں کے سامنے پڑھتا ہو تو نہ اٹھائے کہ لوگ اس کی کوتاہی پر مطلع ہوں گے۔ بہار شریعت۔

(۳) وہ کوردہ جہاں جمعہ کی شرطیں بالکل نہ پائی جائیں وہاں ظہر پڑھنا فرض ہے ہاں جہاں شرطوں کے تحقق میں شبہ ہو یا شہر جہاں کئی جگہ جمعہ ہو رہا ہو اور پہلے کہاں قائم ہوا معلوم نہ ہو ایسی جگہ علماء نے حکم فرمایا کہ نحن لانامر بذلك امثال هذا العوام بل ندل عليه الخواص ۔

(نور الشمعہ بحوالہ فتاوی رضویہ جلد سوم باب الجمعہ)

سنت جمعہ کے بعد چار رکعات احتیاط الظہر اس نیت سے ادا کریں کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہ کی۔ جس پر قضائے عمری نہ ہو چاروں رکعت بھری پڑھے اور قضائے عمری ہو تو آخری دو خالی پڑھے۔ فتاوی رضویہ

(۴) حدیث شریف میں ہے کہ خروج مذی سے صرف وضوء واجب ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ

(۵۔۷) مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید ادائیگی سنت کے لیے نیت باندھنے ہی والا تھا کہ امام نے کہا کہ سنت پڑھنی ہے تو ادھر جایئے۔ زید کو خیال ہے کہ امام نے ایسا توہیناً اور تحقیراً کہا۔ اس دن کے بعد سے امام کے پیچھے اس نے نماز پڑھنا بند کردیا۔

(۲) مذکورہ امام نے ایک سنی حافظ کے سامنے کہا: جب ہم دیوبندیوں میں ہوں تو کیا مجال کہ کوئی ہمیں سنی کہہ دے۔ اور سنیوں میں ہوں تو کیا مجال کہ ہم کو کوئی دیوبندی کہہ دے''۔ یہ امام جب نیا نیا آیا تھا تو گریبان میں اور گھڑی میں چین استعمال کرتا تھا۔ ان وجوہ سے ایک سنی عالم اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔

(۳) اس امام کے علاقہ کے رہنے والے ایک سنی حافظ صاحب گواہی دیتے ہیں کہ اس امام کا پورا خاندان دیوبندی ہے۔ لہذا اس امام کے پیچھے نماز درست ہوگی کہ نہیں؟

مستفتی: بشیر قادری کیراف رستم علی قادری

الجواب

(۱) مقتدی جانتا ہو کہ جماعت کھڑی ہونے والی ہے اور یہ اس وقت تک سنتوں سے فارغ نہ ہوگا تو ایسی جگہ سنت نہ پڑھے۔ آج کل اکثر عوام اس کا خیال نہیں کرتے اور صف میں گھس کر سنت شروع کردیتے ہیں۔ (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۳؍)

(۲) کسی آدمی کے کفر یا گمراہی یا فسق کی کچھ لوگ شہادت دیں اور وہ اس کا انکار کرے تو اس کا یہ انکار بمنزلہ توبہ قرار دیا جائے گا۔ اور اس کو سنی مانا جائے گا۔ لیکن اگر بار بار اس کی اس گمراہی کا ثبوت ہوجائے کہ سنیوں میں سنی اور دیوبندیوں میں دیوبندی بنتا ہے۔ تو احتیاط کرنا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "ایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۹؍ شوال ۱۴۲۱ھ

(۸۔۱۰) مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ہمارے یہاں رواج ہے کہ ۱۵؍ شعبان المعظم کو بعد نماز مغرب چھ رکعت نفل نماز ائمہ حضرات جماعت سے پڑھاتے ہیں۔ اور عشاء کے بعد صلوۃ التسبیح بھی جماعت کے ساتھ۔ تو دریافت

طلب امر یہ ہے کہ نوافل نماز کی جماعت کرنا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ اور ہمارے یہاں کے معتبر علماء نے اس کو جائز کیا ہے۔ اصل حقیقت سے واقف فرمائیں۔

(۲) لاؤڈ اسپیکر پر فرض نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

(۳) تصویر نکالنا کیسا ہے؟ جو علماء تصویر کو منع نہیں کرتے ہیں اور خود بھی نکلواتے ہیں۔ تو یہ کس بنا پر؟ شریعت میں کوئی رعایت ہے؟

سید احمد شاہ بخاری قادری پاکیزہ پرفیومرس کھاری ملا دکھتری چوک بھوج ضلع کچھ گجرات

الجواب

خدا کرے کہ آپ حضرات مع اہل وعیال باخیر ہوں۔

(۱) پندرہویں شعبان رات میں کثرت نوافل اور دن میں روزہ رکھنے کی تاکید رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ اس رات میں غروب آفتاب سے طلوع فجر تک اللہ تعالیٰ آسمان اول پر تجلی فرماتا ہے۔ اور ارشاد ہوتا ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے۔ کوئی روزی طلب کرنے والا ہے۔ مگر نوافل تنہا تنہا پڑھنی چاہئے۔ نفل جماعت کے ساتھ پڑھنی مکروہ ہے۔ امام احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار مقتدی ایک امام کے پیچھے پڑھیں تو مکروہ ہے۔ صرف تین آدمی ایک امام کے پیچھے ہوں تو مکروہ نہیں (فتاوی رضویہ سوم ص ر ۴۸۰)۔ امام احمد رضا نے مکروہ ہونیکا ثبوت نو کتابوں سے دیا ہے۔

(۲) ہندوستان میں علمائے اہل سنت کی بڑی جماعت لاؤڈ اسپیکر پر اقتدا کو ناجائز کہتی ہے۔ اور تھوڑی تعداد میں علماء اس کے جائز کہنے والے ہیں۔ ہم یہی جواب دیتے ہیں کہ احتیاط اسی میں ہے کہ اسپیکر پر اقتدا نہ کی جائے۔

(۳) احادیث کریمہ میں فرمایا: ”ان اصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة“

(متفق علیه)

مصوروں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔

”اشد الناس عذابا عند الله المصورون“ (متفق علیه)

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے نزدیک عذاب کے سب سے زیادہ مستحق تصویر بنانے والے ہیں۔

یہ تصویر بنانے والوں کا حکم ہوا، تصویر رکھنے والوں کے بارے میں فرمایا گیا:

”لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا تصاوير۔ (مشكاة: ۳۵۵)

جس گھر میں کتا اور تصویر ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔

عن عائشة ان النبی ﷺ لم یکن یترک فی بتیہ شیأ تصالیب الا نقضہ رواہ البخاری

حضور ﷺ گھر میں کوئی ایسی چیز رہنے نہیں دیتے جس میں تصویر بنی ہو۔

یہ سب حدیثیں مشکوۃ شریف ص/۳۸۵، پر ہیں۔

حضور ﷺ کے زمانے میں مجسمہ بنانے کا بھی رواج تھا جس میں جاندار کا پورا پیکر تراشا جاتا۔ یا پتھر کی چٹانوں میں جاندار کی تصویر ابھری ہوئی بنائی جاتی، یا چٹانوں پر کھود کر صورتیں نمایاں کی جاتیں۔ حضور ﷺ نے سب کی ممانعت فرمائی۔

عن ابی ہیاج الاسدی قال قال لی علی ما ابعثك وعلیٰ بعثنی علیه رسول الله ﷺ ان لا ادع تمثالا الا طمتہ" (مسلم شریف بحوالہ مشکوۃ ص/۱۳۸)

حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس کام پر مامور فرمایا کہ میں مجسمہ دیکھوں تو اس کو مٹادوں۔

کپڑوں پر بنی تصویر کے بارے میں آپ نے فرمایا:

قال رسول الله ﷺ اتانی جبریل علیه السلام و قال اتیتك البارحة فلم یمنعنی ان اکون دخلت الا انه کان فی البیت قرام ستر فیه تماثیل۔ (مشکوۃ ۳۸۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل امین علیہ السلام آئے اور کہنے لگے میں گذشتہ رات آیا مگر گھر میں داخل نہ ہوسکا کہ ایک پردہ لٹک رہا تھا جس میں تصویر تھی۔

حضور ﷺ نے مطلقا تصویروں سے مسلمان کو منع فرمایا جس میں کسی قسم کی تصویر کی کوئی خصوصیت نہیں، تو حضور ﷺ سے جو حکم مروی ہے وہ تو یہی ہے اور جو لوگ عالم ہوں کہ جاہل، بغیر ضرورت شرعیہ کے تصویریں کھینچیں یا کھچوائیں، خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۵/ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

(۱۱-۱۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ

(۱) اشراق کا وقت طلوع آفتاب کے کتنی دیر کے بعد ہوتا ہے؟۔

(۲) زید نے تیسویں پارے کی سورہ والطارق پہلی رکعت میں پڑھنا شروع کیا کچھ پڑھنے کے بعد بھول گیا کئی بار کوشش کرنے پر آگے نہ بڑھ سکا تو اس نے سولھویں پارے کی آیت شروع کر کے نماز پڑھی تو کیا نماز میں کوئی نقص واقع ہوا یا تیسویں کے پارے کی سورۃ پڑھنی چاہئے تھی۔

(۳) گھڑی کے چین والا پٹہ نماز کے وقت لگانا درست ہے یا نہیں؟۔

(۴) چادر اوڑھ کر نماز پڑھتے وقت سر پر بھی ہونا ضروری ہے یا نہیں؟۔

(۵) زید نے کچھ رقم بیمہ کرایا اس کا بڑھا ہوا روپیہ مل کر پانچ سال میں ملے گا تو زکوۃ ہر سال جمع ہوئے کی دینی ہوگی یا پانچ سال کے بعد پورے ہونے پر جو رقم ملے گی اس کی دینی ہوگی۔

الجواب

(۱) حدیث شریف میں نماز اشراق کا وقت آفتاب بلند ہونے پر لکھا ہے۔

(بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۲۱)

اور شریعت میں یہ لفظ اس وقت پر بولا جاتا ہے جب وقت مکروہ ختم ہو جائے اور بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۲۱ پر صبح کا وقت مکروہ آفتاب طلوع سے ۲۰ منٹ بعد تک لکھا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ طلوع آفتاب کے ۲۰ منٹ بعد اشراق پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) خاص یہ جزیہ نظر سے نہیں گذرا، مگر ظاہر یہی ہے کہ ایسا کرنے میں حرج نہیں، بھول جانے کے بعد اس کو فوراً دوسری آیت کی طرف منتقل ہونا چاہئے تھا، اگر ایک رکن کی مقدار سوچنے میں توقف کیا تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، تو جلدی میں جو آیت یاد پڑ گئی پڑھنے لگا۔ فتاویٰ رضویہ سوم صفحہ ۱۴۵ میں ہے: بسبب بھول جانے اس کو دوبارہ پڑھ کر دوسری آیتوں کی طرف منتقل ہو گیا جب کہ یہ مجبور سہو تھا کچھ کراہت نہیں۔

(۳) فتاویٰ امجدیہ جلد اول صفحہ ۱۹۷ میں ہے: گھڑی اگر کسی دھات سونے چاندی پیتل وغیرہ سے بندھی ہے تو نماز مکروہ ہوگی، اسے اتار کر نماز پڑھنی ہوگی۔

(۴) فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۴۳۸ میں ایک حدیث نقل کی " لا ینظر اللہ الی قوم لا یجعلون عمائمھم تحت ردائھم یعنی فی الصلوۃ " جو لوگ نماز میں چادر عمامہ کے اوپر نہیں اوڑھتے اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت نہیں کرتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی نے نماز میں چادر سر کے اوپر نہیں اوڑھی تو نماز مکروہ ہوگی۔

(۵) جتنی رقم جمع کی ہے اس کی زکوۃ سال بسال دے ورنہ جب ملے گی تمام سالوں کی زکوۃ ادا کرنا پڑے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۰ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

تہجد کا بیان

(۱-۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) کیا نماز تہجد حضور پر فرض تھی؟۔

(۲) جمعہ کی نماز پڑھنے والے کو مسجد سے روکنا اور پھر اسی بات پر وبال ہو جائے تو کون دوشی ہے، مسجد میں نمازی کو جانے سے روکنا کیسا ہے جب کہ برسرعام مسجد سب کے لیے کھلی ہے؟۔

(۳) محفل وعظ و میلاد میں جب درود و سلام پڑھا جاتا ہے۔ تو کیا حضور حاضر و ناظر ہو کر اس کو قبول کرتے ہیں، یا ملائکہ مقربین بارگاہ اقدس میں درود و سلام کا نذرانہ لیجا کر پیش کرتے ہیں تشریح فرمائیں

(۴) زید کی پہلی بیوی فوت ہوگئی اس سے دو لڑکیاں ہیں جو شادی شدہ ہیں مگر زید نے دوسرا نکاح کر لیا بوڑھی عورت سے جو لاولد ہے۔ اور اسی کو اپنی جائداد بطور ہبہ دے دیا اور لڑکیوں کو یکدم نظر انداز کر دیا یہ کہکر کہ لڑکیاں خوشحال ہیں۔ اس طرح کرنے سے ازروئے شرع لڑکیوں کو بھی باپ کی ملکیت میں حصہ ملنا چاہئے یا نہیں؟ پرسنل لا کی رو سے کچھ گنجائش ہے کہ نہیں؟

(۵) غازی میاں (سید سالار مسعود غازی) کی چوڑی بنانا، کنوری کرنا، کھانے پر تقریب کرنا اور ڈھول تاشے بجانا، ایام محرم میں ناچنا گانا، چھری سے ماتم کرنا، چھاتی پیٹنا، ہائے ہائے کرنا، گلی گلی گھومنا، یہ سب شعائر اسلام سے ہیں یا جہالت و بدعتی؟۔ امید ہے کہ جوابات عنایت فرمائیں گے۔ والسلام

المستفتی نذیر احمد خان اسٹامپ فروش، امیٹھی، سلطان پور یوپی

الجواب

(۱) اس مسئلہ میں علما سے مختلف روایتیں ہیں، امام نووی کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ تہجد پہلے سب پر فرض تھی پھر سب سے فرضیت منسوخ ہوگئی اور اب سب کے لیے افضل ہے، اور ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں:

وعلم من هذا كله ان التهجد فرض على النبى ﷺ ونفل لامته ۔
یعنی حضور کے لیے فرض اور امت کے لیے نفل۔

(۲) یہ غلط ہے کہ مسجد میں بلا روک ٹوک سب کو جانے کی اجازت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من اكلهما فلا يقربن مسجدنا۔(مسند امام احمد:۱۹/۴)
جو لہسن و پیاز کھائے وہ ہماری مسجدوں میں نہ آئے۔ یعنی یہ چیزیں کھا کر۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

اگر بد مذہب گمراہ مثلا وہابی یا رافضی یا غیر مقلد یا نیچری یا ندوی یا تفضیلی وغیرہا ہے اور مسجد میں

اگر نمازیوں کو بہکاتا اور اپنے مذہب ناپاک کی طرف بلاتا ہے تو اسے منع کرنا اور مسجد میں نہ آنے دینا ضرور واجب ہے۔ درمختار میں ہے:

واکل نحو ثوم ویمنع منه و کذا کل موذ ولو بلسانه ۔(در مختار:۲/۳۷۷)

ہاں بلاوجہ شرعی خواہ مخواہ روکنا ضرور ناجائز وحرام ہے۔

قرآن عظیم میں ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰه﴾[البقرة:۱۱٤]

(۳) میلاد شریف میں کھڑے ہو کر جو سلام پڑھا جاتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے ذکر مبارک کی تعظیم کے لیے۔ یہ سوچنا غلط ہے کہ حضرت تشریف لاتے ہیں اس لیے پڑھتے ہیں وہ کرم فرمائیں اور تشریف لائیں تو شرعا اس میں کوئی قباحت بھی نہیں لیکن کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کی وجہ وہ نہیں بلکہ تعظیم ذکر ہے، رہ گیا سلام کو سننا اور قبول کرنا تو یہ بھی ممکن ہے کہ خود سنیں فرماتے ہیں: اسمع صلاة اهل محبتی. میں اپنے اہل محبت کا سلام خود سنتا ہوں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ سلام آپ کو پہونچایا جاتا ہو کیونکہ فرماتے ہیں: من صلى علی نائیا ابلغت عنه ۔ دور سے سلام پڑھنے والے کا سلام مجھے پہونچایا جاتا ہے۔

(۴) وراثت اور ترکہ کا تعلق آدمی کی موت سے ہے، اپنی زندگی میں آدمی اپنی ہر چیز کا خود مختار ہے، چاہے اس کو رکھے چاہے اس کو بیچے اور چاہے اسے کسی کو ہبہ کردے، اس کا تصرف نافذ ہوگا اور دوسرے کسی کا بھی اس میں حق نہ پہونچے گا، سگا لڑکا ہی کیوں نہ ہو آدمی اپنی زندگی میں کتنی جائیداد تیں ادھر ادھر کرتا ہے۔ رشتہ دار خریداروں اور پانی والوں سے کہاں جھگڑا کرتے ہیں کہ اس میں ہمارا حصہ دو ،پس اسی طرح اگر بیوی کو اپنی زندگی میں رہ کر قبضہ دلایا تو قانونا (شرعا) لڑکیوں کا کوئی حق نہ ہوگا۔ لیکن بلاسبب ایسا کرنے سے باپ سے آخرت میں مواخذہ ہوگا۔

(۵) حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام کی فاتحہ جائز ہے، چاہے اس کا نام کنوری رکھے یا کچھ اور، اسی طرح امامین کریمین کی فاتحہ اور سبیل جائز ہے، باقی جن باتوں کا ذکر سوال میں ہے سب ناجائز وحرام ہیں، ان کا کرنے والا گنہگار ہے اور بے توبہ مرا تو عذاب الٰہی کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی دارالعلوم گھوسی اعظم گڑھ یوپی

مکروہات نماز کا بیان

(۱۔۸) مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) اگر امام محراب کے اندر کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے۔

(۲) بروز جمعہ خطبہ کے قبل صحن مسجد یعنی منبر سے دور ہٹ کر مؤذن اذان ثانی کہے تو کیا حکم ہے؟

(۳) کوا حلال ہے کہ حرام؟

(۴) سیانی و بالغہ بہن بیٹی گھر میں بیٹھی رہے جب کہ والدین فوت ہو چکے ہیں، تو کیا بھائی بند و رشتے دار اس کی شادی و نکاح نہ کریں، یا وہی طلاق و بیوہ ہو جائیں تو گھر پر ہی بیٹھی رہیں، ان کے لیے کوئی انتظام کرے تو کیا لڑکی اپنی مرضی سے بذات خود اپنا شوہر تلاش کر لے اور گھر والے اسے تسلیم کر لیں تو وہ اسلامی طریقہ و رسم ہے نہ کہ وہی بے چاری گھر پر ہی بیٹھی، اپنی قسمت نیز والدین و بھائی بند کو کوستی رہیں۔

(۵) گھر میں غازی میاں علیہ الرحمہ کا چوری چورا بنانا اور کبھی کبھی درویش کر بلا کر فاتحہ کرانا اور اس کے ربانے میں جو وہ بجاتے ہیں ناچنا کودنا اور لوگوں کو ڈرانا دھمکانا اور یہ کہنا کہ خصی مرغا لاؤ ورنہ جان لے لیں گے۔ بیڑا غرق کر دیں گے اور یہ سمجھنا کہ غازی میاں کی سواری آئی ہے جس کو جو پوچھنا ہے پوچھے۔ (یعنی غیب کی بات بتاتے ہیں) اس کوٹھری میں عام طور سے آنے جانے سے ڈرنا مرغ کی ہڈیاں اسی کوٹھری میں دفن کرنا۔ نیز یہ عقیدہ رکھنا کہ کنوری نہ کرنے سے غازی میاں کی رسیائی بڑھ جائے گی۔ عید الاضحیٰ میں غازی میاں کے نام کی قربانی نہ کر کے محض کنوری ہی کرنا باعث ثواب سمجھے اور قربانی کرنا جائز و روا نہ سمجھے جورو کے چھینکے، ان غیر اسلامی طور طریقہ و رسوم شرک و بدعت سے، اسے وہابی، کہابی نیانی کہا جائے تو پھر یہ گمراہیت و جہالت نہیں تو پھر کیا ہے۔

(۶) بقول ایک مولوی صاحب کے کہ حضور کو حاضر و ناظر کہنا صحیح ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اسکے لیے حاضر و ناظر بولنا جائز نہیں کیونکہ اسمائے الٰہیہ توفیقی ہیں یعنی شارع کی جانب سے اس کے اسماء بیان کیے گئے اور ان میں حاضر و ناظر نہیں ہے۔ حضور کو علم غیب حاصل ہے اور کمالات بھی مگر عطائی ہیں یعنی خداوند قدوس کی عطا سے ہیں، حضور کے لیے حاضر و ناظر کا لفظ بول سکتے ہیں جیسا کہ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ [الاحزاب:٦]

یعنی حضور مؤمنوں سے زیادہ قریب ہیں ان کی جانوں سے۔ اس پر تشریح تفصیل سے فرمائیں تاکہ بات سمجھ میں آئے، ایک نکتہ غور طلب ہے کہ اگر نعوذ باللہ خدا حاضر و ناظر نہیں اور رسول ہیں تو پھر رسول کے لیے یہ کیسے عطائی ہوئی؟ کیا یہ مغالطہ نہیں۔

(۷) بعد نماز جمعہ و عیدین مساجد میں سلام پڑھنا کیا قرون اولیٰ سے ثابت ہے کہ آج کل کی

ایجاد ہے، نیز دفن میں قبل دفینہ میت پر میلاد پڑھنا، سلام، قیام کرنا، بتاشہ تقسیم کرنا اور بعد دفن قبر پر اذان پکارنا، یہ سب کہاں سے روا و جائز ہے؟۔

(۸) پیلا و گیروا رنگ کا احرام کا لباس پہننا، ادھر ادھر گھومنا، پیری مریدی کرنا، عورتوں کی جھرمٹ میں بھی بیٹھ کر وعظ و نصیحت کرنا اور وارث علی شاہ کے نام کا گن گانا، ان کی کتابیں پڑھ کر سنانا، مگر روزہ نماز پر زور نہ دینا، ایسا کرنا، دین کی خدمت کرنا، سمجھنا مگر سنت کی پیروی نہ کرنا، یہ سب کیا ہے اور کیا حکم ہے؟ براہ کرم سوالات کا جواب دے کر کے اطمینان سے نوازیں۔

المستفتی: محمد نذیر احمد عفی عنہ از بستی پور سلطان پور

الجواب

(۱) امام کا تنہا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: و کرہ قیام الامام فی المحراب۔

(۲) اذان مطلقا چاہے جس نماز کی ہو مسجد میں دینا مکروہ ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے: ویکرہ ان یوذن فی المسجد۔

اور حدیث شریف میں ہے:

و کان بلال یوذن علی باب المسجد علی عہد رسول اللہ ﷺ وابی بکر۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اذان ثانی مسجد کے دروازہ پر دیا کرتے تھے، اس لیے آج بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

(۳) زاغ معروفہ (کوا) حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

خمس فواسق یقتلهن فی الحل والحرم. الحداۃ والکلب والغراب الی آخر الحدیث۔ (سنن النسائی: ۵/۲۰)

پانچ فاسق جانور ہیں جنہیں حل و حرم ہر جگہ مارا جا سکتا ہے، انہیں میں چیل اور کوا ہے۔ تو جس پرندہ کو حضور ﷺ نے فاسق جانور بتایا وہ حلال کیسے ہو سکتا ہے۔

(۴) عورت اگر اپنی شادی کسی سے کرے جو اس کا کفو ہو۔ خصوصا اس صورت میں جب کہ اولیاء کو اس کی شادی میں کوئی دلچسپی نہ ہو کوئی حرج نہیں۔ پھر بھی بہتر یہی ہے کہ اولیاء کی رضامندی حاصل کر لی جائے۔

حدیث شریف میں ہے: لانکاح الا بولی ۔(المستدرك للحاکم: ۲/ ۱٦۹)

(۵) ہم نے پہلے جواب میں لکھا ہے نام کوئی رکھا جائے ۔ غازی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام کی فاتحہ جائز ہے اس سے زائد جو خرافات آپ نے لکھی ہیں یہ سب غلط اور نا جائز ہیں ان سے عوام کو روکنا چاہئے ۔ فاتحہ سے دیو بندی وہابی منع کرتے ہیں آپ نے بھی ان خرافات کے ساتھ فاتحہ سے بھی منع کیا ہوگا اس لیے آپ کو وہابی کہہ دیا ۔ اگر آپ یہ کہتے کہ فاتحہ تو کرو مگر ربانہ نہ بجواؤ حاضری نہ بلواؤ وغیرہ وغیرہ تو شاید وہ لوگ آپ کو وہابی نہ کہتے ۔

(٦) مولوی صاحب نے جو کہا ٹھیک کہا ۔ لیکن آپ کا یہ سوال کہ اللہ حاضر و ناظر نہیں اور رسول اللہ ﷺ ہیں تو یہ کیسے عطائی ہوئے ، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کے بجائے شہید و بصیر کہا گیا ہے اس اللہ تعالیٰ نے جو شہید ہے اپنے رسول کو حاضر بنا دیا اور وہ بصیر ہے اس نے اپنے رسول کو ناظر بنا دیا ۔ اس موضوع پر ہماری کتاب ''الشاہد'' کا مطالعہ کریں ۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں فرمایا:

﴿صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [الاحزاب: ۵٦]

رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجو ۔ نہ مسجد کی قید نہ غیر مسجد کی ، اس لیے جب سلام پڑھیں قرآن کے حکم کے موافق ہوا ۔ اسی طرح وقت کی بھی قید نہیں کہ نماز کے پہلے یا بعد تو جب سلام پڑھیں گے جائز ہوگا ۔ اسی طرح کیفیت اور ہیئت کی بھی قید نہیں تو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر جس طرح پڑھیں سب جائز ہوگا ۔ جب اللہ تعالیٰ نے مطلقا اجازت دی ہے تو بندے کو کہاں حق پہونچتا ہے کہ منع کرے کہ مسجد میں سلام نہ پڑھو کھڑے ہو کر نہ پڑھو ، نماز کے بعد نہ پڑھو ۔ میلاد شریف قبرستان میں دفن سے پہلے نہ پڑھی جائے کہ دفن میں جلدی کرنے کا حکم ہے بعد دفن پڑھی جائے بعد دفن قبر پر اذان دینا بھی جائز ہے ۔

شامی میں ہے:

یندب للمولود وعند انزال المیت فی القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا ۔

(۲/ ٤٦)

اس موضوع پر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف ''ایذان الاجر فی اذان القبر'' پڑھیئے ۔

(۸) پیلا رنگ کا کپڑا پہننا جائز ہے صوفیائے کرام نے اسے پہنا ہے ۔ احرام کا کپڑا پہننے کی شریعت میں کوئی ممانعت نہیں ۔ جو اہل ہو مرید بھی کر سکتا ہے ۔ نا اہل کو مرید کرنا جائز نہیں ۔ بے فائدہ

گھومنا عبث ہے اور منع ہے۔ ضرورت سے ہو تو جائز ہے۔ بے پردہ عورت کے مجمع میں بیٹھنا یا ان سے خلا ملا رکھنا حرام ہے (آپ سیدھے سیدھے چلتے چلتے کبھی بہک جاتے ہیں) وعظ و نصیحت تو اللہ رسول کے فرمان کے موافق ہے، اگر کوئی کرتا ہے تو آپ کو کیا تکلیف۔ وارث علی شاہ صاحب ایک بزرگ تھے ان کی کتاب پڑھ کر سناتے ہیں تو کیا برا کرتے ہیں۔ نماز روزہ کی بھی ان میں تاکید کرنی چاہئے مگر کیا آپ ہمیشہ ان کے ساتھ لگے رہتے ہیں کہ آپ نے فیصلہ کر دیا کہ نماز کے لیے نہیں کہتے۔ ہاں اگر وہ نماز سے روکتے ہوں تو ضرور گمراہ ہیں۔ نہ ان کا وعظ سنا جائے نہ ان سے مرید ہوا جائے۔ وعظ و نصیحت تو سنت ہی کی پیروی ہے، آپ نے ان کا جو کچھ گنایا اس میں جو سنت کے موافق تھا وہ بھی ہم نے بتا دیا اور جو خلاف وہ بھی ہم نے بتا دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۱۲؍شوال المکرم ۱۴۰۷ھ

(۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ

زید ایک مسجد کا امام ہے جو پائجامہ اور لنگی ٹخنوں سے نیچے پہنتا ہے اور نماز پڑھاتے وقت بھی یہی صورت ہوتی ہے۔ میں نے ایک مسجد میں لکھا ہوا دیکھا کہ مردوں کو ٹخنوں سے نیچا کرتا لنگی یا پائجامہ پہننا درست نہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مردوں کے لباس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ اور ایسا شخص جو غیر شرعی لباس پہن کر نماز پڑھائے اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟ اور خود اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم تحریر فرمائیں۔ المستفتی محی الدین قادری قصبہ گھوسی ضلع مئو ۲۲؍اگست ۱۹۹۳ء

الجواب

براہ تکبر ٹخنوں سے نیچا رکھنا حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے "لا ینظر اللہ یوم القیامة الی من یجر ازارہ"

(مسند امام احمد: ۲/۶۹)

اور ایسے شخص کی امامت بلاشبہ مکروہ اور ناجائز ہے اور اگر براہ تکبر نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میرا تہبند تو ایک طرف کو ڈھلک جایا کرتا ہے ہاں اس کو پکڑے رہوں تب رکا رہے گا، آپ نے فرمایا کہ تم تکبراً نہیں لٹکاتے ہو۔ اس لیے عالمگیری میں تکبر نہ ہو تب اس کے لٹکانے کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے "ان لم یکن للخیلاء ففیہ کراهة تنزیه" مگر تکبر و ناز و تبختر بھی لٹکانا نہ چاہئے، مگر اس صورت میں امامت مکروہ یا ناجائز نہ ہوگی، اگر غیر شرعی یعنی ایسا لباس

جوحرام ہے پہن کرنماز پڑھائی توامامت ضرور مکروہ تحریمی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۵ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

(۱۰-۱۲) مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید چین والی گھڑی باندھتا ہے اور کبھی کبھی فرض نماز یا سنتیں گھڑی باندھ کر پڑھ لیتا ہے اور امامت کے وقت گھڑی ہاتھ سے نکال لیتا ہے، رہا یہ کہ چین والی گھڑی پہننا کیسا ہے اور جو چین والی گھڑی باندھتا ہے اس کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے آیا نماز مکروہ تحریمی ہوگی یا تنزیہی، یا درست؟، اگر وہ نماز پڑھاوے تو اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲) زید نے قربانی کے لیے ایک بکرا خریدا بکرا خریدنے کے بعد اس کی گردن میں ایک بڑی گلٹی نکل آئی یا یہ کہ اس کی گردن سوج گئی کیا اس بکرے کی قربانی جائز ہے یا نہیں اگر علاج کرنے کے بعد وہ صحیح ہو جائے تو پھر قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) عمرو کے گاؤں میں حال ہی میں مکھیا کا چناؤ ہوا جس میں دونوں امیدوار ہندو تھے عمرو کے گاؤں کے مسلمانوں نے دونوں ہندو کو ووٹ دیا یعنی دو حصوں میں مسلمانوں نے ووٹ دیا، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ جس نے دوسرے ہندو کو ووٹ دیا وہ مسلمان نہیں ہے بلکہ وہ کافر ہے۔ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہے یہ بات کسی حد تک صحیح ہے یا نہیں؟ مع حوالہ جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی، محمد حمید الحق عزیزی مقام چھتونی پوسٹ نیز ضلع بلیا

الجواب

(۱) گھڑی میں کسی دھات کی چین لگی ہو تو اس کو باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے فتاویٰ امجدیہ صفحہ ۱۹۷ جلد اول میں ہے "اگر گھڑی چمڑے کے تسمہ یا فیتہ سے بندھی ہو تو باندھ کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں"۔ اور اگر کسی دھات، سونے، چاندی، پیتل وغیرہ سے بندھی ہو تو نماز مکروہ ہوگی اسے اتار کر نماز پڑھنی چاہئے اسی سے ایسے شخص کی امامت کا حکم بھی ظاہر ہے۔

(۲) عیبی جانور اگر اس کا عیب جاتا رہے تو اس کی قربانی جائز ہے بہار شریعت حصہ ۱۵ صفحہ ۱۱۶ میں ہے اگر عیبی جانور کو خریدا تھا اور بعد میں اس کا عیب جاتا رہا تو غنی اور فقیر دونوں کے لیے اس کی قربانی جائز ہے۔

(۳) ووٹ دینے والا اپنے نمائندے کی اس سلسلے کی تمام بھلائیوں اور برائیوں میں حصہ دار ہوتا ہے جس کے لیے ووٹ دیا تو غلط نمائندوں کو ووٹ دینا ناجائز ہے اور صحیح نمائندوں کو ووٹ دینا جائز

ہوگا، اور صرف اس بنیاد پر کسی کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دینا سخت ممنوع اور شنیع ہے احادیث کریمہ میں سخت وعید وارد ہوئی کافر کہنے والے کو توبہ، تجدید ایمان تجدید نکاح کرنا چاہئے۔ فقط والسلام

کتبہ ابوالکلام شمس العلوم گھوسی الجواب صحیح عبدالمنان اعظمی ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۴۱۶ھ

(۱۳۔۱۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں مفتیان دین مندرجہ ذیل سوال کے بارے میں کہ

(۱) زید کہتا ہے کہ داڑھی منڈانے پر نماز ہوجاتی ہے اور بکر کہتا ہے کہ ہرگز نہیں۔

(۲) زید کہتا ہے ٹھیک میں غلط مل سکتا ہے اور بکر کہتا ہے ہرگز نہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید و بکر میں کس کی بات درست ہے۔

المستفتی، محمد رفیق عرف بابو ھندو پورہ کھیڑہ سنبھل ضلع مرادآباد

الجواب

(۱) داڑھی منڈے کی نماز ہوتی تو ہے مگر مکروہ تحریمی ہوتی ہے کہ دوبارہ عیب دور کرکے دہرائی جائے۔ درمختار میں ہے "کل صلاۃ ادیت مع الکراھۃ تجب اعادتھا"

جو نماز مکروہ پڑھی گئی اس کا دہرانا واجب ہے

مگر اس نے تو داڑھی منڈا رکھی ہے، دوبارہ صحت کے ساتھ پڑھے گا کیسے؟ البتہ داڑھی منڈانے پر توبہ کرکے پڑھے تو اور بات ہے۔

مختصر یہ کہ اس طرح نماز پڑھنے کے بعد بھی آخرت میں مؤاخذہ ہوگا، اگر صحیح طریقہ سے دہرایا نہیں۔ ہاں اس کا عذاب تارک الصلوۃ کے عذاب سے کم ہوگا۔

(۲) یہ بات بھی اسی طرح حیل و حجت اور قیل و قال والی جاہلانہ موشگافی ہے، ہمارے پہلے جواب سے اس کا حل نکالا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۹ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

(۱۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

جو آدمی ایک کلمہ گو ہوکر ایک مشت سے کم داڑھی رکھتا ہو تو کیا اس کی نماز ہوگی یا نہیں، اگر ہوئی تو کیسے، شریعت کے حوالہ سے حکم جاری فرمائیں اور کیا وہ شخص مسلم کہنے کا حق دار ہے۔

المستفتی، مولوی محمد نوشاد عالم

الجواب

ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا گناہ ہے، ایسا آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا، یہی حدیث شریف کا مضمون ہے کہ گناہ سے آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا، یہ مسلمان ہے اور اس کو مسلمان ہی کہا جائے گا، مگر یہ فاسق اور گنہگار ہے، ایسے شخص کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی یعنی دوبارہ پڑھو، تو ایسا آدمی جب تک توبہ نہ کرلے وہ نماز دہرائے گا کیسے، تو داڑھی حد شرع سے کم ہونے کی وجہ سے نماز دوبارہ بھی مکروہ ہوگی۔ درمختار میں ہے "کل صلوۃ ادیت مع الکراھۃ تجب اعادتہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

(۱۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر آدمی قصداً ٹخنہ ڈھنک کر ادا کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے ایسے شخص کی نماز شرعی حکم کے مطابق ہوئی یا اس میں کچھ نقص ہوا۔ ٹخنہ کا کھلا رہنا صرف نماز میں ضروری ہے یا ہر حال میں از راہ کرم واضح فرمائیں۔

المستفتی مشتاق احمد انصاری

الجواب

تہ بند یا ازار وغیرہ لباس کا مردوں کے لیے ٹخنوں سے اوپر ہونا مسنون اور ٹخنہ ڈھک جائے تو ممنوع ومکروہ۔

مشکوۃ شریف میں حدیث ہے:

ازار المومن الی أنصاف ساقیه ولا جناح علیه فیما بینه و بین الکعبین۔

(طبری ۱۲/۳٤۱)

ازار آدمی کا پنڈلیوں سے ٹخنوں کے اوپر تک ہے، اگر از راہ ناز وتبختر ٹخنوں سے نیچے ہے تو حرام اور ایسا ازار پہن کر نماز مکروہ تحریمی اور ایسا نہ ہو بلکہ بے خیالی سے ہو تو مکروہ تنزیہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۸ر جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ

(۱۷۔۱۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) کرتہ قمیص شیروانی کا بٹن لگائے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگر مکروہ ہے تو تنزیہی ہے یا تحریمی؟

(۲) ایک صاحب نے شمائل ترمذی کی یہ حدیث شریف پیش کی ہے: "قال اتیت رسول الله ﷺ فی رھط من مزینة؟ لنبایعه وان قمیصه لمطلق او قال زر قمیصه مطلق قال فادخلت یدی فی قمیصه فمسست الخاتم" اور کہا کہ حالت نماز میں حضور کی قمیص کا بٹن کبھی کھلا رہتا تھا، اس

لیے قمیص کا بٹن کھول کر نماز پڑھنے میں کراہت نہیں لیکن اس پر مداومت نہیں کرنا چاہئے اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہاں تک درست ہے۔ حدیث کے کس لفظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حالت نماز میں بٹن کھلا رہتا تھا اور اس حالت میں حضور ﷺ نماز پڑھ لیتے تھے۔

(۳) ایک گاؤں ہے جس میں زمانہ دراز سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہے اس گاؤں میں گرام پنچایت بھی ہے اور ڈاکخانہ اور ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے چند دوکانیں بھی ہیں۔ آبادی دو ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔ ایسی جگہ میں نماز جمعہ جائز ہے کہ نہیں؟ اور نماز جمعہ کی ادائیگی سے نماز ظہر ساقط ہوگی یا نہیں؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں۔ المستفتی: فرید الدین ساکن بریلانگر

الجواب

اگر بٹن نہ لگانے کی وجہ سے سینہ کھلا رہا تو نماز مکروہ تحریمی ورنہ تنزیہی۔

شامی میں ہے: "لو ادخل یدہ فی کمیه ولم یشد وسطه أولم یزرر ازراہ فهو مسیء لانه یشبه السدل" (۳۴۹/۲)

کرتے یا جبے کی آستین میں ہاتھ ڈالا مگر بٹن نہ لگایا تو برا کیا کہ یہ بھی سدل ثوب کے ہی مشابہ ہے۔

درمختار میں ہے: "کرہ تحریما سدل ثوبه ای ارساله بلا لبس معتاد" (در مختار: ۳۴۹/۲)

مشکوۃ شریف میں ہے: "عن سلمة بن الاکوع قال قلت یا رسول الله انی رجل اصید افا صلی فی القمیص الواحد قال نعم و ازرہ و لوبشوکة" (الکامل فی الضعفاء: ۳۳۱۹/۶)

سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں شکاری آدمی ہوں تو میں کیا ایک ہی قمیص میں نماز پڑھ لیا کروں فرمایا ہاں گریبان بند کرلیا کرو چاہے کانٹے سے ہی ہو۔

(۲) جو حدیث اس امر کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے کہ بٹن کھلنے میں کوئی حرج نہیں اس سے تو یہ بھی ثابت نہیں کہ حضور ﷺ کی عادت کریمہ نماز کے باہر ہی سہی یہ تھی کہ بٹن کھلا رکھتے۔ صرف ایک بار اس عالم میں پائے جانے کا پتہ چلتا ہے۔ پھر حدیث سے یہ امر ثابت کیسے ہوسکتا ہے کہ نماز میں گریبان کھولنا مکروہ نہیں اس کے خلاف جو حدیث ہم نے پیش کی ہے اس میں صاف صاف نماز میں تکمہ لگانے کا حکم ہے۔

(۳) حق یہ ہے کہ گاؤں میں مذہب حنفی میں نماز جمعہ فرض نہیں نہ وہاں جمعہ پڑھنے سے فرض ظہر

ساقط ہو۔

حدیث شریف میں ہے: "لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع"

(فتح الباری: ۲/۴۵۷)

لیکن ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ جہاں قدیم ایام سے جمعہ قائم ہوتا چلا آیا ہو وہاں کا بند نہ کیا جائے کہ اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے۔ ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ اور جہاں نہ ہوتا ہو وہاں قائم نہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۲۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

آج کل محفل بنام شبینہ بنگال کے بعض اطراف میں مروج ہے۔ بانی محفل کی طرف سے مدعو کیا جاتا ہے۔ حفاظ بذریعہ مائک رات بھر میں قرآن ختم کر دیتے ہیں اولا تو مجمع ہوتا ہے۔ بعد کو زیادہ رات ہونے کی وجہ سے قدر قلیل رہ جاتا ہے سامعین کو اونگھ آتی ہے قرب وجوار کے زن ومرد اپنے اپنے گھر کے کام میں مشغول رہتے ہیں اوران کی نیند میں خلل آتا ہے۔ استماع وانصات ممکن نہیں۔ تلاوت قرآن کے وقت استماع وانصات بنابر مذہب حنفی فرض ہے یا واجب۔ اس طرح محفل ہونا جائز ہے یا مکروہ درمختار جلد اول میں ہے:

"و في المحيط يكره رفع الصوت للقرأة" الخ۔

بظاہر ان دلائل سے مکروہ تحریمی معلوم ہوتا ہے۔ عبدالمجید غربا مارکیٹ اسٹریٹ کلکتہ

الجواب

اگر کسی مجلس میں وہی قبائح پائے جاتے ہیں جن کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے۔ تو اس طرح قرآن پڑھنا ضرور مکروہ تحریمی ہوگا۔ لیکن اس سے علی العموم شبینہ نام کی مجالس کو منع کرنا جائز نہیں۔ جو محفل ان مکروہات سے پاک ہو اور سامعین جن کے لیے وہ مجالس قائم کی گئی ہے وہ خلوص اور توجہ سے سنتے ہوں تو اس میں کوئی قباحت نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۲۱) **مسئلہ** : کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک پیش امام صاحب مسجد میں امامت کرتے ہیں نماز کے دوران جب وہ سجدے میں جاتے ہیں تو دونوں پیروں کو اٹھا کر آگے رکھتے ہیں اور پھر پیچھے لاتے ہیں۔بعض دفعہ پیر اوپر اٹھا لیتے ہیں اور قیام میں بھی دونوں ٹخنوں کو بار بار اٹھاتے ہیں اور رکھتے ہیں۔اس طرح حرکتیں پوری نماز میں کئی مرتبہ کرتے ہیں۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح حرکتیں کرنے سے نمازوں میں کچھ خلل واقع ہوا یا نہیں؟اور خلل ہوا تو کیا نماز فاسد ہوئی یا مکروہ؟برائے کرام جواب عطا فرمائیں۔المستفتی:سید اعظم علی راجستھان

الجواب

سوال میں جس امر کا ذکر کیا گیا ہے عبث ہے،اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۸ر جمادی الاولی ۸۴ھ

الجواب صحیح:عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۲۲۔۲۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) یہاں کے چند علماء گھڑی چین کے ساتھ لگا کر نماز پڑھتے ہیں اور امامت بھی کرتے ہیں اگر کوئی اعتراض کرتا ہے کہ یہ چین کی گھڑی لگا کر نماز جائز نہیں تو کہتے ہیں کہ جائز ہے،اگر جائز نہیں تو ثبوت دیں کہ کس کتاب میں ناجائز کا حکم ہے۔اس لیے امیدوار ہوں کہ اس کے جائز و ناجائز کا فیصلہ ساتھ حوالہ کتاب کے دے کر ممنون فرماویں۔

(۲) اکثر لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ نماز کے وقت قمیص کے اوپر کا بٹن جو کہ گلے کے نزدیک ہے کھول کر نماز پڑھتے ہیں آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ساتھ حوالہ کتاب سے مطلع فرمایا جائے۔

المستفتی:حکیم محمد حبیب الرحمٰن موضع متھورا ڈاکخانہ متھورا قصبہ پورنیہ بہار

الجواب

فتاوی رضویہ میں اس کو مکروہ لکھا ہے۔اور اس کے ساتھ نماز پڑھنے کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔اصل یہ ہے کہ چاندی سونا عورتوں کے لیے زیوروں کی غرض سے جائز ہے اور مردوں کے لیے صرف ساڑھے چار ماشہ سے کم کی انگوٹھی چاندی کی جائز ہے اس کے علاوہ دھات مردوں عورتوں دونوں کے لیے حرام ہے۔ شامی میں ہے:

"التختم بالحدید و الصفر و النحاس و الرصاص مکروہ للرجال و النساء"(شامی)

(شامی:کتاب الحظر ۹/۴۳۸)

ہاں ضرورت یا مستثنیات کی اور بات ہے۔

(۲) اگر بٹن نہ لگنے کی وجہ سے سینہ کھلا رہا تو نماز مکروہ ہوگی۔ شامی میں ہے:

"لو ادخل یدیه فی کمیه و لم یشد وسطه ولم یزرر ازاره فهو مسیء لانه یشبه السدل"

اور درمختار میں ہے: "کره تحریما سدل ثوبه"

حدیث شریف میں ہے: "وازربه و لو بشوکة"

اگر سینہ نہ کھلا ہو گلے کے پاس کا کچھ حصہ کھلا رہا تو مکروہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۸ ربیع الثانی ۹۴ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

(۲۴۔۳۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) جمعہ وعیدین میں مصلیوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ مسجد اور اس کا صحن اور اس کی چھت اور مسجد کی شمالی جانب کے دو کمرے نیچے اور اوپر کی جانب پر ہوگئے۔ مگر مسجد کے مشرقی دروازے کے متصل صاف ستھری پختہ سڑک موجود تھی جہاں صف لگوائی جاسکتی تھی، بلکہ وہاں فرش کا بھی انتظام ہوگیا تھا باوجود سڑک پر جگہ ہونے اور انتظام کر لینے کے امام نے اپنی برابر صف لگوالیا اب یہ صف امام کے بالکل برابر لگی یا چھ سات انگل یا ایک بالشت امام کے پیچھے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں امام کا برابر صف لگوانا کیسا ہے۔ اس قسم کی صف لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس قسم کی صف لگوانے کے لیے خواہ امام ہو یا مقتدی ان سب کے لیے حکم شرعی کیا ہے؟ اور امام اور جتنے اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان سب کی نماز کیسی ہوئی؟

(۲) ایک ایسی مسجد ہے کہ اس کے متصل شمالاً وجنوباً کوئی جگہ ہے نہ مشرقی دروازے کے سامنے اور مصلی اتنے زائد ہوگئے کہ مسجد اور اس کا صحن اور چھت پر ہوگئے۔ تو ایسی صورت میں امام کے برابر یعنی امام سے صرف ۶ر۷ر انگل پر یا یک بالشت یا اس سے کچھ کم وبیش پیچھے صف لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو صف لگانے اور لگوانے والے کے لیے کیا حکم ہے اور اس قسم کی صف لگا کر جو نماز پڑھی گئی اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(۳) منبر قاطع صف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو منبر کے پاس صف لگانا کیسا ہے اور اس طور پر نماز

پڑھی گئی اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) امام کے پیچھے کتنی دوری پر صف لگائی جاسکتی ہے کم سے کم مقدار کیا ہے؟

(۵) "صلوا خلف کل برو فاجر" ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھو اس کا صحیح مطلب کیا ہے؟

(۶) داڑھی رکھنے کی کیا حد ہے؟ جو شخص حد شرع سے کم داڑھی رکھے اس کو امام بنانا کیسا ہے؟ ایسے شخص کو امام بنانے والے گنہگار ہیں یا نہیں؟ ایسے امام کے پیچھے جو نمازیں پڑھی گئیں ان کا پھر سے پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

(۷) چاندی کی ایسی انگوٹھی جو ساڑھے چار ماشہ سے زائد ہو یا اس میں کئی نگینے ہوں یا وہ بالکل چھلہ جیسی ہو یا چھلہ ہی ہو اس قسم کی انگوٹھیوں کا پہننا مردوں کے لیے کیسا ہے؟ اسی طرح ایک شخص کو دو تین انگوٹھیاں پہننا جائز ہے یا نہیں؟

(۸) لوہے، پیتل، تانبے، اور دھات کا چین پٹہ گھڑی میں لگا کر کلائی میں باندھنا مردوں کو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس قسم کا چین پٹہ کلائی پر باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے اور اس نماز کے لیے شرعا کیا حکم ہے؟ اگر ان دھاتوں کا چین کلائی میں باندھنا ناجائز ہے تو گھڑی بھی انہیں دھاتوں کی ہوتی ہے وہ کیوں جائز ہے، بحوالۂ کتب دینیہ عبارت وترجمہ نہایت مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد عمر خادم مدرسہ ضیاء العلوم خیرآباد

الجواب

(۱) جب امام کے پیچھے جگہ تھی تو امام کا صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اس کے اس فعل سے سب لوگوں کی نماز مکروہ ہوئی۔ فتح القدیر میں ہے:

"ترك التقدم لامام الرجال محرم كذا صرح الشارح و سماه في الكافي مكروها و هو الحق"

(۲) ایسی صورت میں امام کے برابر صف لگائی جاسکتی ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: "روی عن عبد الله بن مسعود انه ﷺ هو محمول على ضيق المكان كذا قال ابراهيم النخعي و هو كان اعلم الناس باحوال عبد الله بن مسعود و مذهبه"

علاوہ ازیں اس قبیل کے دوسرے مکروہات بھی تنگیٔ مکان کے سبب معاف ہو جاتے ہیں۔

قاضی خاں میں ہے: "واذا ضاق المسجد على القوم لاباس بان يقوم الامام في الطاق

لمکان العذر و ان کان من غیر عذرہ کرہ"

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شرع میں تقدم امام کا بھی یہی حکم ہے۔

(۳) منبر قاطع صف نہیں۔ شامی میں ہے:"فلا ینقطع الصف بنائها كما لا ينقطع بالمنبر الذی هودا خلها فیما یظاهر" اس لیے ایسی نماز میں کوئی خرابی نہیں۔

اسی میں ہے:"من قام في الصف الثاني بحذاء باب المنبر يكون من الصف الاول"

(۴) بقدر کفایت وحاجت کہ مقتدی بخوبی سجدہ کرلیں۔(فتاوی رضویہ)

(۵) زمانہ خلافت میں سلاطین خود امامت کرتے تھے اور حضور کو یہ معلوم تھا کہ ان میں فاسق وفاجر بھی ہوں گے اور نیکوں کے دل ان کی اقتداء سے تنفر کریں گے۔ اور حضور کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان بادشاہوں سے اختلاف فتنہ کی آگ بھڑکائے گا۔ اور فتنہ وفساد کا دفع کرنا اقتداء فاسق سے زیادہ اہم تھا۔ اس لیے حکم دیا کہ "صلوا خلف كل بر و فاجر "جس طرح دوسری حدیث شریف میں آیا ہے:"اذا ابتلي ببليتين فاختار ادونهما" لیکن اس کا بلا عذر شرعی اور عام حالت میں جائز ہونا کون کہے گا۔ بس اسی طرح فاسق کی اقتداء بھی ہے کہ حالت فتنہ وفساد کے ساتھ خاص ہے۔(فتاوی رضویہ)

(۶) داڑھی کی شرعی مقدار ایک مشت ہے۔ درمختار میں ہے:"السنة به القبضة" اور اس سے کم رکھنا ضرور گناہ ہے۔ اور اسی میں ہے:"و يحرم على الرجل قطع اللحية"

ایسے کو امام بنانا گناہ ہے، اسی میں ہے:"ومشي في شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم" ایسے کے پیچھے پڑھی گئی نماز دوہرائی جائے گی۔

شامی میں ہے:"كل صلوة اديت مع الكراهة تجب اعادتها"۔

(۷) انگوٹھی صرف چاندی کی چار ماشہ کی جائز ہے، اس کے سوا حرام ہے۔

درمختار میں ہے:"و لا يتختم الا بفضة لحصول الاستغناء بها فيحرم بغيرها كذهب و حديد و صفر و لا يزيده على مثقال" (در مختار:۴۳۷/۹)

کئی نگینوں کی انگوٹھی ناجائز ہے:انما يجوز التختم بالفضة لوعلى هئية خاتم الرجال اما لوله فصان او اكثر حرم" (شامی: کتاب الحظر.۴٤۱/۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھلے یا کئی انگوٹھیاں بھی ناجائز ہیں۔ ایسا شخص جو بالاعلان خلاف شرع انگوٹھیاں پہنتا ہو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور قابل اعادہ ہے۔

(۸) چین کسی بھی دھات کی ہو زیور کے حکم میں ہے جس طرح بٹن کی زنجیر اور گھڑی زیور کے

حکم میں نہیں یہ ضرورت کے لیے ہے اس لیے گھڑی تو جائز ہے اور چین وغیرہ ناجائز ہے۔

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، ۱۳ر جمادی الاخریٰ ۸۲ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

(۳۲۔۳۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) زید نے نماز پڑھی اس حالت میں کہ چادر اس کے صرف کاندھے تک ہے۔ سر تک نہیں کیا ایسی صورت میں زید کی نماز ہوئی یا نہیں۔

(۲) زید نے کرتے کے اوپر صدری پہن کر نماز پڑھی جب کہ صدری کے سارے بٹن کھلے تھے اور اندر سے کرتے کے سارے بٹن بند تھے۔ تو کیا اس صورت میں زید کی نماز صحیح ہوئی۔

(۳) زید جب نماز پڑھتا ہے تو اپنے پائجامے کو حد شرع سے زائد ہونے کے ناطے نیچے سے ظاہری طرف سے موڑ کر یا پھر اوپر کی جانب کھونس کر نماز پڑھتا ہے اس مذکورہ صورت میں زید کی نماز درست ہے یا نہیں۔

(۴) اور جو شخص دھاتوں سے بنی ہوئی چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھے اس کا کیا حکم ہے؟

(۵) زید اپنے پیش امام کی من گڑھت برائیاں بیان کرتا رہتا ہے تو کیا زید کی نماز اس پیش امام کے پیچھے ہوگی یا پھر موجودہ پیش امام کی غیبت میں زید کی اقتداء میں جو نماز پڑھی جائے وہ صحیح نہیں ہے یا صحیح ہے۔

(۶) زید نے بکر سے پوچھا کہ اگر دو آدمی ہوں اور جماعت کرنا چاہتے ہوں تو مقتدی امام کے کس جانب کھڑا ہوگا۔ تو بکر نے کہا داہنے کھڑا ہوگا۔ اور زید نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا کہ ایک بار حضور ﷺ تنہا نماز پڑھ رہے تھے پھر ایک صحابی آئے اور آپ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ تو حضور ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے سر کے پیچھے سے گھما کر اس کے کان کو پکڑ کر اپنے داہنے طرف کھڑا کیا جب زید نے بکر سے یہ بات سنی تو ہنسنے لگا اور کہنے لگا یہ من گڑھت مسئلہ ہے حضور جب نماز پڑھا کرتے تھے تو انہیں دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہتا تھا تو پھر ہم آپ کی یہ بات کسی طرح تسلیم نہیں کرتے۔ تو بکر نے اس کے جواب میں کہا یہ سب کچھ صحیح ہے مگر ہمارے حضور کا جو بھی کام ہوا کرتا ہے۔ اپنی تعلیم امت کے لیے ہوا کرتا ہے مگر زید بکر کی بات کو کسی طرح ماننے کو تیار نہیں پھر زید کی اقتداء میں جو نماز پڑھی جائے درست ہے یا نہیں تو ایسے شخص پر شرع کا کیا حکم ہوتا ہے۔

المستفتی عبدالمنان جیلانی امام وخطیب جامع مسجد رائپور رباوائر ضلع پالی راجستھان

الجواب

(۱) مسئولہ صورت میں نماز مکروہ ہوگی فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۴۳۸

(۲) اگر وہاں کا عرف صدری کے بٹن نہ لگانا ہو تو نماز بلا کراہت ہوگئی اور اگر عام طور سے لوگ بٹن لگاتے ہوں اور اس نے نہ لگائے تو مکروہ ہوئی۔ (فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۴۶۸)

(۳) اس طرح بھی نماز مکروہ ہوتی ہے۔

عامہ کتب فقہ۔ لانه كف الثوب۔

(۴) ایسی صورت میں بھی نماز مکروہ ہوتی ہے۔ (فتاوی امجدیہ اول ص ۱۹۷)

(۵) من گڑھت برائیاں بیان کرنا زید کا قصور ہے، جب امام بے قصور ہے تو اس کے پیچھے جیسے سب کی نماز درست ہے اسی طرح زید کی بھی درست۔

(۶) بکر کا بیان صحیح ہے، یہ حدیث بخاری شریف میں ہے اور واقعہ حضرت ابن عباس کا ہے زید اگر جاہل ہے تو بخاری شریف دکھا کر سمجھایا جائے اگر اس کے بعد بھی نہ مانے تو اس کا حکم دریافت کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۳۸۔۴۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل سے متعلق کہ

(۱) بحالت نماز سر سے چادر اوڑھنے کے بجائے کندھے سے چادر اوڑھنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی، بہرصورت حوالہ کسی عربی کتاب سے مرحمت فرمائیں نیز عبارت بھی نقل فرمائیں کرم ہوگا۔

(۲) جو لوگ بنک یا ڈاکخانہ میں دوگنا ہونے کے لیے روپے جمع کرتے ہیں یہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا درست ہے کیا ان کا کہنا درست ہے۔

(۳) زید نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں مدرسہ کی چند کتابیں اپنے قبضے میں کر لیں، اس کے کچھ دنوں کے بعد اسے خیال ہوا معلوم نہیں ایسا کرنا میرے لیے درست ہے یا نہیں، بصورت نفی یہ سوچتا ہے کہ اگر وہی کتابیں واپس کرتا ہوں کہ جو کتابیں لیں ہیں تو ندامت ہوگی، لہذا ایسا کرتا ہوں کہ جو کتابیں ہیں ان کی آج کل کی موجودہ قیمت مدرسہ کے نام "برائے کتب" کر کے ارسال کردوں اگر چہ چند سال قبل جب لیا تھا تو ان کی قیمت آج کل کے بسبب کم رہی ہوگی تو آیا زید کے لیے کس طرح برأت ہوگی، کتابیں واپس کر کے یا ان کی زیادہ قیمت مدرسہ کے نام ارسال کر کے۔ فقط والسلام

المستفتی عبدالسلام سیتاپور ۱۵ رشوال المکرم ۱۴۱۹ھ

الجواب

(۱) ابونعیم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

"لاینظراللہ الی قوم لایجعلون عمائمھم تحت ردائھم ای فی الصلوۃ"

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو نماز میں اپنے عماموں کو چادروں کے نیچے نہیں کرتے۔ (فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۴۳۸)

اللہ تعالیٰ جس کی طرف نظر رحمت نہ کرے یہ اسکے لیے عذاب ہے اور ایسا فعل جس پر عذاب ہو گناہ کبیرہ تو جو نماز اس حالت میں پڑھی گئی مکروہ تحریمی ہوئی۔ البتہ فتاوی امجدیہ میں غیر مکروہ لکھا ہے۔؟

(۲) جس بینک کے تمام مالکان غیر مسلم ہوں وہ زائد رقم دیں وہ مسلمان کے لیے حلال ہے۔

حدیث شریف میں ہے:"لاربوا بین المسلم والحربی" (ہدایہ)

یہاں کی حکومت کے بارے میں علمائے اہل سنت کے بڑے طبقے کا خیال ہے کہ غیر مسلم حکومت ہے۔ تو لازماً سارے سرکاری ادارے غیر مسلموں کے ہوئے اور اس کا حکم آپ سن چکے کہ غیر مسلم اپنی خوشی سے جو زائد رقم دے وہ مسلمان کے لیے حلال ہے۔ اور ایک چھوٹے طبقے کا خیال ہے کہ حکومت جمہوری ہے جس میں ہر طبقہ کا حصہ ہوتا ہے تو بینک وغیرہ اداروں میں بھی مسلمانوں کا حصہ ہوا اور ان سے زائد رقم لینا سود ہے۔

حدیث شریف میں ہے:"کل قرض جر منفعۃ فھو حرام"

اس رقم کا لینا حرام ہے اور لیا تو غریب و مسکین مسلمانوں میں تقسیم کردو کہ وہی ایسی رقم کے مستحق ہیں۔

(۳) صورت مسئولہ میں زیدان کتابوں کا غاصب ہوا اور وہ کتابیں مغصوب، اس کا اصل حکم یہی ہے کہ وہی کتابیں مدرسہ کو لوٹائی جائیں اور لوٹانے کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ مدرسہ والوں کو بتائیں کہ یہ مدرسہ کی کتابیں ہیں جنہیں میں چرالایا تھا کہ آپ کو ندامت ہو۔ آپ ان کتابوں کو اپنے کسی معتبر آدمی کے ذریعہ یا خود ہی لاکر دے دیں اور یہ کہہ کر دیں کہ یہ کتابیں مدرسہ کے لیے ہیں۔ کتابوں کے پہچان لیے جانے کا خطرہ ہو تو ان نشانات کو بدل دیں، جلد پر کاغذ کا کور چڑھا دیں، آپ بری ہو جائیں گے۔ یجب علیہ رد عین مغصوب فی مکان غصبہ ویبرأ بردھا ولو بغیر علم المالک ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو یکم ذوالقعدہ ۱۴۱۹ھ

سجدۂ سہو کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ
نماز عید الفطر کی دوسری رکعت کی تکبیرات میں سہو کی وجہ سے امام نے سجدہ سہو کر کے نماز پوری کی اس کے بعد کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز نہیں ہوئی۔کوئی کہتا ہے کہ عیدین میں سجدہ سہو نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ کچھ لوگوں نے سجدہ سہو کیا اور کچھ لوگوں نے سجدہ سہو نہیں کیا۔اس لیے نماز نہیں ہوئی۔اور ایک آدمی نے جمعہ کے دن مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ عیدین میں سجدہ سہو نہیں ہے۔چونکہ امام صاحب نے سجدہ سہو کرلیا ہے اس لیے کسی کی نماز نہیں ہوگی۔امام ومقتدی دونوں توبہ کریں اعلان کرنے والے ایک مولوی صاحب ہیں۔لہذا مفتی صاحب قبلہ سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ میں شریعت کی رو سے رہنمائی فرمائیں۔تاکہ عوام الناس کو رہنمائی ہو سکے۔

المستفتی: علاؤالدین احمد تمکوہی روڈ سیورہی کشی نگر یوپ

الجواب

صورت مسئولہ میں امام نے جو کیا وہ صحیح ہوا۔مسئلہ یہ نہیں ہے کہ عیدین میں سجدہ سہو نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ "السهو فی صلوة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء"

(درمختار: کتاب الصلاۃ.باب سجود السہو:۲/۴۸۹

سجدہ سہو کے بارے میں عیدین جمعہ پنجوقتی فرائض اور نوافل سب کا حکم یکساں ہے کہ ان سب نمازوں میں سہو ہو تو سجدہ واجب ہے،مگر علمائے متاخرین نے جمعہ وعیدین میں ایک شرط کیساتھ سہو کے سجدہ کو چھوڑ دینا پسند کیا:

"والمختار عند المتاخرين عدمه فى الاولين لدفع الفتنة قيده الوافى اذا حضر جمع كثيرو الا فلا داعى الى الترك"

(درمختار ورد المحتار: کتاب الصلاۃ.باب سجود السہو:۲/۴۸۹)

متاخرین نے جمعہ اور عیدین میں سجدہ سہو کو ترک کرنا پسند کیا،جب کہ مجمع کثیر ہو۔اور مجمع کثیر نہ ہو تو سجدہ سہو کیا جائے چھوڑا نہ جائے۔پھر بھی مجمع کثیر میں سجدہ سہو کرنا ناجائز نہیں۔بس چھوڑنے کی اجازت ہے۔شامی میں ہے:

فى جمعه حاشية ابى السعود عن العزمية انه ليس المراد عدم جوازه بل الاولى

ترکہ لئلا یقع الناس فی فتنۃ۔(۲/۴۸۹)

پھر سجدہ سہو چھوڑنے والی صورت میں بھی سجدہ سہو کرنا ناجائز نہیں، جائز ہی ہے، البتہ ترک بہتر ہے۔

پس صورت مذکورہ مسئولہ میں امام صاحب کا کوئی جرم نہیں، نہ نماز فاسد ہوئی، تو نہ امام اور نمازیوں کو توبہ کرنے کی ضرورت۔ ہاں جو لوگ سجدہ کرنے پر فساد کررہے ہیں وہی خود مجرم ہیں۔ خصوصاً وہ مولوی صاحب جنہوں نے مسئلہ نہ جانتے ہوئے بھی یہ اعلان کیا کہ چونکہ امام نے سجدہ سہو کرلیا ہے اس لیے کسی کی نماز نہیں ہوئی امام ومقتدی دونوں توبہ کریں۔

حدیث شریف میں ہے:من افتی بغیر علم فضل واضل۔

جس نے بغیر علم کے فتوی دیا تو خود گمراہ ہوا اور دوسروں کو گمراہ کیا۔ پس ان پر لازم ہے کہ پھر جمعہ کے دن تمام مصلیوں کے بیچ معافی مانگیں کہ صاحب مجھے مسئلہ بتانے میں غلطی ہوئی۔ آپ لوگ معاف کریں۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں کہ اللہ تعالیٰ میری غلطی کو معاف کر اور میں اب آئندہ اس طرح غلط مسئلہ نہیں بتاؤں گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۲/ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ

(۲-۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) عمر پر سجدہ سہو واجب ہوا قعدہ اخیرہ کے بعد دونوں طرف سلام پھیرنے کے فوراً بعد یاد آیا اور سجدہ سہو کرکے نماز پوری کی۔ یوں ہی زید نے چار رکعت کی نیت کی اور دو رکعت پڑھ کر دونوں جانب سلام پھیرا ہی تھا کہ فوراً یاد آیا کہ دو رکعت ابھی باقی ہیں۔ اٹھ کر چار رکعت پوری کرکے سجدہ سہو کیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمر وزید کی نماز ہوگئی کہ نہیں؟

(۲) نابالغ چھوٹے لڑکے کو چاندی کے کنگن پہنانا جیسا کہ آج کل رواج ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح نابالغ لڑکے کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا درست ہے یا نہیں؟ نیز ایسا کرنے والے والدین کے لیے کیا حکم شرع ہے؟

(۳) دور حاضر میں ایک عام رواج ہوتا جارہا ہے کہ جاہل ہو یا عالم شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر میز، کرسی پر کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اس طرح میز کرسی لگا کر کھانا کھلانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) فتاوی رضویہ میں ہے: سجدہ سہو ایک سلام کے بعد چاہئے دوسرا سلام پھیرنا منع ہے۔

شامی میں ہے:

و لواتی تسلیمتین سقط عنه السجود۔(درمختار:۲/۲۷۲)

توصورت مسئولہ میں دوسرا اسلام پھیرتے ہی یاد آیا تو عمر کو رک جانا چاہئے تھا، نماز ہوگئی اور سجدہ ساقط ہوگیا اور یہ سجدہ سہو جو کیا لغو ہوا۔

(ب)زید کی نماز ہوگئی۔درمختار میں ہے: سلم مصلی الظهر مثلا علی الرکعتین توهما تمامها اتمها اربعا و سجد للسهو لان السلام ساهیا لا یبطل لانه دعاء من وجه۔

(۲/٤٨٨)

(۲) بہار شریعت حصہ سولہ ص ۵۴ میں ہے: لڑکوں کو سونے چاندی کے زیور پہنانا حرام ہے اور جس نے پہنایا وہ گنہگار ہوا۔اسی طرح بچوں کے ہاتھ پاؤں میں بلاضرورت مہندی لگانا ناجائز ہے۔ عورت خود اپنے ہاتھ پاؤں میں لگاسکتی ہے۔مگر لڑکے کو لگائے گی تو گنہگار ہوگی۔(درمختار، ردمحتار)

عورت کو سر کے بال کٹوانا جیسا کہ اس زمانے میں نصرانی عورتوں نے کٹوانے شروع کر دیئے ہیں۔ناجائز وگناہ ہے۔بچیاں غیر مکلف ہیں ان کے ماں باپ جو ایسا کرتے ہیں وہ مجرم ہوں گے۔

(۳) کھانے کا یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔حدیث شریف میں اس سے منع کیا گیا ہے اور اگر اس سے نصاری کی تقلید اور نئی تہذیب کی اتباع مقصود ہو تو اور برا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ضلع مئو یکم ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

(۵-۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) وہ چار رکعتی نمازیں جو ایک تحریمہ سے پڑھی جاتی ہیں ظہر و جمعہ کی چار رکعت سنت مئوکدہ قبلیہ وبعدیہ اور عصر وعشاء کی چار رکعت سنت غیر مئوکدہ قبلیہ ان نمازوں کے قعدہ اولیٰ کی طرح ہے یا نہیں اگر تشہد کے بعد اللهم صلی علی محمد پڑھنے کی مقدار چپ رہا یا پڑھا تو سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟۔

(۲) اگر نمازی مذکورہ نمازوں میں قعدہ اولیٰ بھول کر کھڑا ہو جائے تو اسے تشہد کے لیے پلٹنا جائز ہے کہ نہیں اگر پلٹا اور التحیات پڑھ کر کھڑا ہوا باقی دو رکعت پوری کی تو نماز ہوگی یا نہیں؟۔

(۳) ان مذکورہ نمازوں میں نمازی بھول کر اٹھنے لگے ہنوز ابھی قعدہ سے قریب ہے اور بیٹھا تو اسے سجدہ سہو کرنا ہوگا یا نہیں اگر کھڑے ہونے سے قریب ہے اور بیٹھا تو سجدہ سہو کا حکم ہوگا یا نہیں اور قعدہ اخیرہ التحیات بغیر پڑھے یا پڑھ کر کھڑا ہوگیا تو کیا حکم ہے؟۔

(۴) مقتدی نے امام کو لقمہ صحیح دیا مگر امام کو بھولا ہوا خود یاد آ گیا، امام نے اس کے بتانے سے

نہیں بلکہ خود سے صحیح کرلیا تو کیا لقمہ دینے والے کی نماز ہوگی یا نہیں یعنی امام نے مقتدی کا لقمہ نہیں لیا جب دو آدمی نے لقمہ دیا دونوں نے صحیح دیا تو کیا حکم ہے؟۔

(۵) مسافر نے بغرض زیارت اجمیر مقدس کا سفر کیا مگر یہ سفر علی الاتصال نہیں ہے بلکہ مقصد سفر یہ ہے کہ پہلے جین پور میں ہم رک کر زیارت کریں گے، بعد ازاں کچھوچھہ شریف میں بھی رکنا ہے، پھر وہاں سے لکھنؤ، اسی طرح جا بجا رکتے ہوئے سفر کو مکمل کرنا ہے، سوال یہ ہے کہ مبارکپور سے باہر ہوتے ہی قصر نماز کرنا ہے یا وہاں سے جہاں سے ۹۲ کلومیٹر علی الاتصال سفر ہو، پھر واپسی میں قصر نماز وہاں تک کریں گے جہاں سے قصر شروع کیا ہے، یا اپنی بستی میں داخل ہونے سے پہلے تک، اور جہاں سے سفر علی الاتصال ہوا اس بستی سے ہی قصر کرنا ہے یا باہر ہونے کے بعد؟۔

المستفتی، عبدالقادر مصباحی۔ مبارک پور اعظم گڈھ

الجواب

حلبی کبیر ص ۳۲۳ میں ہے:

"الحاصل ان کل رکعتین من النفل صلوٰۃ علی حدۃ من وجہ دون وجہ فاعتبر کونہ صلوٰۃ علحدۃ فی حق القراۃ وفی حق عدم لزوم الشفع الثانی قبل القیام فی بطلان الشفعۃ بالشروع فی الآخرہ۔ وعدم سریان الفساد من شفع الی شفع آخر اما فی غیر ھذہ الاحکام فاولی ان یعبّر کون الکل صلاۃ واحدۃ (ملخصاً)۔

شامی اور درمختار میں ہے: "ولھا واجبات وھی القعود الاول ولو فی نفل علی الاصح وان کان کل شفع منہ صلاۃ علحدۃ وکذا ترك الزیادۃ فیہ علی التشھد

(۳۱۲/۱-۳۱۳)

ایسا ہی مراقی الفلاح میں: "ویجب قعود الاول ولا فرق فی ذلك بین الفرائض والواجبات والنوافل واستحسا ناعند ھما وھو ظاھر الروایہ و الاصح" (ص۱۳۶)

ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ نفل کا ہر شفعہ من کل الوجوہ علیحدہ نماز نہیں، بعض احکام کے اعتبار سے علیحدہ ہے اور بعض کے اعتبار سے ایک ہی نماز ہے، جزئیات کی تفصیل میں جانے سے معلوم ہوا کہ ظہر کے نماز سے قبل کی چار سنت مؤکدہ اور جمعہ کے بعد اور پہلے کی چار سنتیں ان کا حکم اور دیگر سنن ونوافل کا حکم اور ہے۔

چنانچہ اسی حلبی میں ہے: "الاصح انہ لا یصلی فی سنۃ الجمعۃ والظھر " صحیح قول یہ ہے

کہ جمعہ اور ظہر کی چار سنتوں میں قعدہ اولیٰ میں درود شریف نہ پڑھے" وفی البواقی یصلی" اور باقی سنن ونوافل میں قعدہ اولیٰ میں درود شریف پڑھے، لیکن اگر کسی نے جمعہ اور ظہر کی سنتوں کے قعدہ اولیٰ میں بھول کر درود شریف پڑھ دیا تو کیا حکم ہے:" انه علیه السجود وانه لاسجود علیه" بعض علماء فرماتے ہیں سجدہ سہو کرے اور کچھ کہتے ہیں اس پر سجدہ سہو نہیں ۔ یہاں تک آپ کے پہلے سوال کا جواب ہوگیا۔

(۲) فرائض اور واجبات کے لیے مندرجہ ذیل حکم ہے" ہر کہ در فرض یا وتر قعدۂ اولیٰ فراموش کردہ ایستادتا بتمام ایستادہ نہ شود رجوعش باید پس اگر ہنوز بقعدہ اقرب بود سجدہ سہو نیست واگر بقیام نزدیک تر شدہ باشد سجدہ سہو لازم آید" (فتاویٰ رضویہ صفحہ ۶۵۴)

اور قیام سے قریب ہوکر بھی لوٹ پڑا اور تشہد پڑھا اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اس پر سجدہ سہو واجب ہوا اور لوٹ آنے میں وہ غلط کار ہوا۔

درمختار میں ہے" فلو عاد لاتفسد لکنه یکون سیأ وسجد لتأخر واجب "۔

اور نوافل وسنن میں یہ صورت درپیش آئی تو یہ حکم ہے:" سها عن القعود الاول فی الفرائض امافی النوافل یعود مالم یقیدها بالسجدة (درمختار جلد اول صفحہ ۴۹۸)

نوافل میں لوٹنے کا حکم ہے جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کرلے اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی نماز ہوجائے گی ۔

(۳) خاص اس مسئلہ کا جزیہ نگاہ سے نہیں گذرا البتہ قاعدہ اخیرہ سے بھول کر کھڑا ہوگیا تو اس میں اس قسم کا حکم ہے اور سجدہ سہو کا بھی حکم ہے۔" ولو سها عن القعود الا خیر عاد ما لم یقیدها بسجدة وسجد للسهو لتاخیر القعود"۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہی حکم یہاں بھی ہو۔ (شامی جلد اول صفحہ ۸۰۰)

(۴) مقتدی کو لقمہ دینے میں جلدی کرنا مکروہ ہے۔

شامی میں ہے" یکره ان یفتح من ساعته "اس سے معلوم ہوا کہ لقمہ دینے والے کو اتنا انتظار کرنا چاہئے کہ امام خود نکال لے ۔ یوں ہی دو دو آدمی ایک ساتھ لقمہ دیں یہ بھی اسی جلد بازی میں داخل ہے، لیکن لقمہ اگر صحیح ہے تو امام کے خود یاد آنے کی صورت میں بھی لقمہ دینے والے کی نماز فاسد نہ ہونا چاہئے۔ درمختار میں ہے" خلاف فتحه علی امامه فانه لا یفسد مطلقاً"

(۵) کسی بھی مقام سے مسلسل ساڑھے ستاون میل نہ ہو بلکہ درمیان میں ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو

مسافر نہ ہوگا اور پوری مسافت سفر کا مسلسل ارادہ ہو تو مسافر آدمی جیسے ہی آبادی سے باہر جائے گا قصر کرے گا اس طرح مسافرت اپنی آبادی میں پہنچنے کے بعد یا کسی آبادی میں پندرہ دن کی نیت اقامت کرنے کے بعد ختم ہوگی۔ تفصیل بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ میں دیکھی جائے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۳۰ر شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ

(۱۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

کہ زید جو عالم بالسنۃ ہے اور مہینوں سے نماز پڑھا رہا ہے اور متعدد بار چار رکعتی نماز میں تیسری رکعت میں بیٹھ جاتا ہے۔ کبھی مقتدیوں کی تلقین، تو کبھی اپنی یادداشت سے اٹھتا ہے، اب زید نے مسئلہ بیان کیا کہ کوئی بھی صورت حال درپیش ہو تو جب تاخیر اتنی نہ ہو کہ نمازی تین بار سبحان اللہ کہہ لے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا عمرو نے کہا یہ صرف تفکر کے ساتھ خاص ہے کہ تفکر اگر اتنی دیر تک کرے کہ تین تسبیح کی مقدار ادائے رکن یا ادائے واجب میں تاخیر ہو جائے تو سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے، اور تیسری رکعت کے سجدہ سے فارغ ہوتے ہی چوتھی رکعت کے قیام کی طرف انتقال علی الفور واجب ہے، اگر محض قعود کیا گیا اگرچہ تین تسبیح کی مقدار نہ ہو سجدہ واجب ہو جاتا ہے، مگر زید کہتا ہے کہ نہیں عمرو نے زید کو منیۃ المصلی دکھائی جس میں یہ عبارت مرقوم ہے "ولو بمجرد القعود" زید کہتا ہے یہ قول مفتیٰ بہ نہیں۔ اب زید نے دکھانے کا وعدہ کیا پھر اس سے اسی طرح کی غلطی نماز میں ہوئی مگر وہ ابھی تک نہ دکھا نہ سکا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا۔ نیز تین تسبیح کی مقدار تاخیر ہر ترک واجب میں وجوب سجدہ کے لیے ضروری ہے یا صرف تفکر کے ساتھ خاص ہے؟۔ مستند حوالوں سے مفتیٰ بہ قول کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی محمد رضوان محلہ رضا نگر تنبائی ادری ضلع مئو

الجواب

احناف کی مستند اور متداول کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ دوسری اور تیسری رکعت میں استراحت نہ کیا جائے۔

ھدایہ کے الفاظ یہ ہیں "فاذا اطمأن ساجدا کبر واستوی قائما علی صدور قدمیه ولا یقیم ولا یعتمد بیدیه علی الارض" (اولین صفحہ ۹۲)

کنزالدقائق اور اس کی شرح بحرالرائق میں ہے "و کبر للنهوض بلا اعتماد وقعود" (جلداول صفحہ ۳۲۲)

عالمگیری میں ہے "ثم اذا فرغ من السجدة ينهض على صدور قدميه ولا يقعد ولا يعتمد على الارض " (جلداول صفحہ ۷۵)

نورالایضاح اوراس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے "ثم يرفع راسه مكبرا للنهوض بلااعتماد على الارض وبلاقعود۔ (صفحہ ۱۵۴)

ایسا ہی تنویرالابصارودرمختار میں ہے" ویکبر للنهوض بلااعتماد وقعود "(۳۵۰ جلداول)

تو ہمیں زیدصاحب پر حیرت ہے کہ عالم بالسنۃ ہوتے ہوئے اپنے مذہب کی ان تصریحات سے کیوں غافل رہے اورتاکیداوریاددلانے کے بعد بھی ایسا کیوں کرتے ہیں۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زید کا یہ فعل جرم نہیں اوراس سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا، لیکن مقتدیوں میں تو یہ فعل انتشار کا سبب بنتا ہے اورکتب مذہب میں اس فعل کومکروہ تنزیہی کہا گیا ہے۔

بحرالرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں ہے" ومافی المعراج ان جلسة الاستراحة مكروهة عند نا فالمراد بهاتنزيهة" (جلداول صفحہ ۳۲۲)

رہ گئی سجدہ سہو کی بات تو منیہ میں ایسا ضرور لکھا ہے کہ اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ بیٹھتے ہی سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے۔

عبارت یہ ہے"ولو قام الى الخامسة اوقعدفى الثالثه فيجب عليه بمجر دالقيام والقعود" . (منیہ صفحہ ۴۳۰)

حضرت امام ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب غنیۃ میں اس کوجوں کا توں باقی رکھا اورمجرد قعود کی کوئی وضاحت نہ فرمائی۔

آپ فرماتے ہیں: " ويجب عليه سجودالسهو بمجردالقعودفى صورة تاخير الواجب وهو التشهد اوالسلام فى صورة القيام وتاخيرالركن وهوالقيام فى صورة القعود' (منیہ صفحہ ۴۳۲)

لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

" ولاينافى هذا ما قدمه الشارح فى الواجبات حيث ذكر ومنهاترك القعود قبل الثانية والرابعةلان ذلك محمول على القعود الطويل ولذا قيدت الجلسة هنابالخفيفة"

واجبات الصلوۃ کے بیان میں مزید توضیح فرمائی

" وكذا القعدة فى آخر الركعة الاولىٰ والثانية فيجب تركها ويلزم من فعلها ايضا

تاخیر قیام الثانیة والرابعة من محله وهذا اذا كان القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشافعي فتركها غير واجب عندنا بل هوا فضل"

(جلد اول صفحہ ۳۱۵)

ان دونوں عبارات سے واضح ہو گیا کہ جس جلسہ کا ترک واجب ہے اور جس پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، وہ جلسہ جلسہ طویلہ ہے خفیفہ نہیں، اس کی روشنی میں مجرد قعود کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے، وہ جلسہ جو ذکر سے خالی ہو، مطلب یہ ہے کہ دوسری اور تیسری رکعت کے بعد جلسہ طویل موجب سجدہ سہو ہے، چاہے صرف جلسہ ہی ہو، اس میں کوئی ذکر وغیرہ نہ ہو، یہ مطلب نہیں ہے کہ بیٹھتے ہی، کیونکہ اس سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا اور تیسری رکعت کے سجدہ سے فارغ ہوتے ہی قیام کی طرف انتقال علی الفور واجب نہیں ہوتا۔

رہ گیا یہ سوال کہ جس جلسۂ استراحت سے عندالاحناف سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اس کے طول کی کیا مقدار ہے تو کتب فقہ میں اس باب میں طول کے سلسلہ میں حسب ذیل بیانات ہیں۔

(۱) "وجهر فيما تخافت او خافت فيما يجهر وجب عليه سجود السهو واختلفوا في مقدار ما يجب به السهو قيل تعتبر في فصلين بقدر ما يجوز به الصلوة (اى مقدار آية)

صاحب ہدایہ اس کی توجیہ فرماتے ہیں: "واليسير من الجهر و الاخفاء لايمكن الاحتراز عنه وعن الكثير ممكن وما تصح به الصلوة كثير "(هدايه: ۱/۱۵۸)

صورۃ تفکر میں بھی یہی مقدار کثیر قرار دی گئی ہے۔

بحرالرائق میں ہے" فالاحسن ان يفسرطول التفكر بان يشغله عن مقدار اداء ركن او واجب ليدخل السلام كما في المحيط"(البحر الرائق: ۲/۱۷۳)

ہم اوپر تحریر کر آئے ہیں کہ علامہ شامی نے جلسہ استراحت میں تاخیر طویل کو ہی مکروہ اور قابل سجدہ سہو قرار دیا ہے۔ اور باب سہو میں تاخیر طویل حسب بیان علامہ بھی مقدار ادائے رکن ہے، اس کو جی چاہے تین بار سبحان اللہ کہنے سے تعبیر کریں یا ایک آیت کی مقدار سے بیان کریں۔ یا السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ لینے کی مقدار سے۔ پس اتنی ہی تاخیر سے سجدہ سہو واجب ہوگا۔

ہم نے گھڑی دیکھی تو تین بار سبحان اللہ کہنے میں تین سکنڈ لگتے ہیں اور اتنی ہی دیر ایک بار سانس اندر کرنے اور باہر نکالنے میں، تو زید صاحب ایک بار پھر سوچ لیں کہ بیٹھ کر ایک بار سانس بہ اطمینان لی تو سجدہ سہو واجب ہوا فقط والسلام۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۰ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

قضا نمازوں کا بیان

(۱۔۳) مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک انسان کی غفلت کی وجہ سے بہت سے نمازیں چلی گئیں اور وقت بھی بہت گذر گیا، تو اب یہ گذری ہوئی نماز پڑھنا چاہتا ہے۔ تو قضائے عمری کس طرح پڑھی جاتی ہے خلاصہ بیان فرمائیں۔

(۲) عیدگاہ کے اندر نماز جنازہ یا دیگر نماز فرض یا نوافل پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔

(۳) حضور سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی شاہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تاجدار دین وملت کا لفظ استعمال کرنا کیسا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ تاجدار ملت تو صرف ہمارے آقا جناب رسالت مآب ﷺ کے لیے ہی کہا جاتا ہے دوسروں کے لیے نہیں کہا جاتا ان کا یہ قول صحیح ہے؟ اور اولیاء اللہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جاسکتا ہے یا صرف صحابیوں کو؟

المستفتی، سید احمد شاہ بخاری القادری سرایہ وارڈ نمبر ۶ پھوچہ کچھ گجرات ۳۷۰۰۰۱

الجواب

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۶۴۵ میں فرماتے ہیں: ''ان سب نمازوں کی قضا کرے''۔ (یعنی بالیقین پوری نمازوں کی تعداد معلوم ہو تو) ورنہ اندازہ سے تعداد متعین کرلے کہ کتنے مہینہ یا سال کی نمازیں قضا ہوئیں، جس قدر روز پڑھ سکے اسی قدر بہتر ہے، مثلاً دس دن کی روز پڑھے یا آٹھ دن یا سات کی اور چاہے ایک وقت میں چاہے متفرق وقت میں''

صفحہ ۶۴۳ پر فرماتے ہیں: ''قضاء ہر روز کی فقط بیس رکعتوں کی ہوتی ہے: دو فجر، چار ظہر، چار عصر تین مغرب، چار عشا، اور تین وتر۔ قضا میں یوں نیت کرنی ضروری ہے کہ نیت کی میں نے سب سے پہلی فجر کی جو مجھ سے قضا ہوئی، یا پہلی ظہر جو مجھ سے قضا ہوئی۔ اسی طرح ہمیشہ ہر نماز میں کیا کرے (یعنی اس نماز کا نام لے کر مثلاً پہلی عصر جو قضا ہوئی یا پہلی مغرب یا عشاء یا وتر جو مجھ سے قضاء ہوئی، یہ ایک روز کی نماز ہوگی، اسی طرح بقیہ ایام کی نماز میں نیت کرے سنتوں کی قضا ضروری نہیں)

اور جس پر قضا نمازیں کثرت سے ہوں وہ آسانی کے لیے اگر یوں بھی ادا کرے کہ ہر رکوع اور سجدہ میں تین تین بار سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کے بجائے صرف ایک ایک بار کہے، البتہ یہ خیال رہے کہ جب پوری طرح رکوع یا سجدہ میں پہونچ جائے تب تسبیح کہے اور پوری تسبیح

کہہ لے تب ہی سر اُٹھائے۔

دوسری تخفیف یہ ہے کہ قاعدہ اخیرہ میں التحیات کے بعد صرف اللھم صلی علی محمد والہ کہہ کر سلام پھیردے، چوتھی تخفیف یہ ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کے بجائے فقط ایک بار یا تین بار اللھم اغفرلی کہہ لیا کریں۔

(۲) پڑھ سکتے ہیں کیونکہ عیدگاہ ذووجہین ہے۔ فرائض خمسہ وسنن ونوافل کے بارے میں اس کا حکم مسجد کا ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے " ان صلی فیہ لہا حکم المسجد " مگر نماز جنازہ کے بارے میں یہ مسجد کے حکم سے الگ ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے مگر عیدگاہ میں مکروہ نہیں مراقی الفلاح میں ہے " وقید مسجد جماعۃ لانہا لاتکرہ فی مصلی عید " نماز جنازہ عیدگاہ میں مکروہ نہیں۔

(۳) تاجدار فارسی ترکیب ہے اور یہ عربی لفظ سلطان کے ہم معنی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اس کے اطلاق کے منع ہونے کی کوئی دلیل نہیں شامی میں جمعہ کے خطبہ میں بادشاہ اسلام کے لیے یہ کہنے کی اجازت ہے۔" ثم یدعو عن سلطان الزمان بالعدل والاحسان " اور علمائے دین بلاشبہ اس خطاب کے مستحق ہیں۔ حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اذا خلی الزمان عن السلطان فالعلماء ولاۃ الاحکام"

مسلمان بادشاہ نہ ہوں تو علمائے اسلام ہی ان کے قائم مقام ہیں، حضور کے لیے اس لفظ کے خاص ہونے پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔

صحابہ کرام کو تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا ہی جائے گا ان کے علاوہ بھی علماء وصلحاء وبزرگان دین واولیائے کاملین کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ سکتے ہیں۔

شفاء قاضی عیاض جلد دوم میں ہے: " یجب تخصیص النبی ﷺ والانبیاء بالصلوۃ والتسلیم ولایشارك فیہ سواھم ویذکر سواھم من الائمۃ المجتھدین من الصحابہ والتابعین وغیرھم من العلماء بالغفران والترضی (صفحہ ۱٤۸)" واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ

نماز مسافر کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کاشی پور کا باشندہ ہے، اور بریلی شریف میں اقامت کرتا ہے ان دو مقاموں کے درمیان

مسافت سفر ہے۔ بیچ میں ایک مقام لال کنواں واقع ہے جہاں زید کا ایک دوست رہتا ہے۔ یہ مقام نہ کاشی پور سے مسافت سفر پر ہے اور نہ بریلی شریف سے۔ زید کا جب بریلی سے پندرہ دن پہلے وطن کو مراجعت کا ارادہ ہوتا ہے تو وہ بایں غرض کہ مسافر شرعی قرار نہ پائے گھر سے روانگی کے وقت لال کنواں کا ارادہ کرتا ہے۔ وہاں پہونچ کر ایک شب یا چند گھنٹہ اپنے دوست کے پاس قیام کرتا ہے۔ پھر وہاں سے بریلی کے قصد سے نکلتا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ زید کا یہ حیلہ معتبر ہونا چاہئے اور اس کو دریں صورت مسافر نہیں ہونا چاہئے۔ وہ نظیر میں فتاوی رضویہ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتا ہے:

آفاقی جو بقصد حاضری مکہ چلا، بے احرام باندھے میقات سے تجاوز اسے حرام ہے۔ اگر حلت چاہے تو علما فرماتے ہیں: حیلہ یہ ہے کہ بین الحرم والمیقات کسی مقام مثلا جدہ وغیرہ کا قصد کرے، کہ وہاں پہونچ کر اس کے اہل سے ملحق ہو جائے گا۔ اور اب مکہ معظمہ کو جانا داخل میقات سے ہوگا نہ گھر سے۔

(فتاوی رضویہ ص ۶۵۷)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ظاہر ہے کہ جب اس کی نیت حاضری مکہ معظمہ ہے تو جدہ کا ارادہ کرنے سے دل کا وہ خیال ہرگز منتفی نہ ہوا۔ لہذا اعلما اسے بلفظ حیلہ تعبیر کرتے اور خود ارادہ دخول مکہ بغیر احرام سے تصویر فرماتے ہیں۔ اگر قصد مکہ منتفی ہو جاتا تو ان عبارات کا اصلا کوئی محل ومحمل نہ تھا۔ ہاں یہ ہوا کہ قصد مکہ باعتبار مآل واستقبال رہا۔ قصد اول جدہ کے لیے قرار پایا۔

اسی فتوے میں فرماتے ہیں: صاحب بحر رحمۃ اللہ علیہ نے مامور بالحج کے لیے دخول مکہ بغیر احرام میں اس حیلہ کا جواز مانا کہ جب وہ بایں قصد چلے گا کہ یہاں سے بستان عامر جاتا ہوں۔ پھر وہاں سے مکہ معظمہ چلوں گا تو اس کا یہ سفر حج کے لیے نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ مقصود سیر وہی مقصود اولی ہوتا ہے وبس۔

(ص ۶۵۸)

بکر کہتا ہے جس طرح آفاقی کو مکہ معظمہ ہی جانا ہے اور یہ ارادہ اس کے دل میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود جب اس نے بوقت روانگی جدہ یا بستان عامر کا قصد کیا۔ تو اس قصد کا اعتبار کیا گیا۔ اور اس کو بے احرام میقات سے گذرنا درست ہوا۔ اسی طرح زید کو اگر چہ بریلی ہی جانا ہے لیکن اس نے اولیں قصد لال کنواں کا کیا ہے، پھر وہاں پہونچ کر بریلی کا قصد کیا، اس پر قصر نہیں ہونی چاہئے۔

لیکن خالد کہتا ہے کہ زید کا حیلہ معتبر نہ ہوگا۔ اور اس پر راہ میں اور بریلی پہونچ کر قصر واجب ہے، خالد فتاوی رضویہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے: آدمی اگر کسی مقام اقامت سے خاص ایسی جگہ کے قصد پر چلے جو وہاں سے تین منزل ہے۔ تو اس کے مسافر ہونے میں کلام نہیں۔ اگر چہ راہ میں ضمنی طور پر اور مواضع میں

بھی دو ایک روز قیام کی نیت رکھے۔ (فتاوی رضویہ ۴۵۸)

اس کا جواب بکر یہ دیتا ہے کہ عبارت کے الفاظ خود یہ بتا رہے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے جب کہ آدمی نے راہ میں ضمنی طور پر ٹھہرنے کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن زید کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ اس نے بوقت روانگی لال کنواں کا مستقل ارادہ کیا ہے۔ پھر وہاں پہونچ کر بریلی کا ارادہ کرلیا۔ اگرچہ بوقت روانگی بریلی کا خیال بھی اس کے دل میں تھا لیکن اس کی وجہ سے اس کے مستقل ارادہ پر کوئی اثر نہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ آفاقی کے مسئلہ میں ہے کہ اس نے جب جدہ کا ارادہ کیا تو حالانکہ اس کے دل میں حاضری مکہ معظمہ کی جو نیت ہے وہ منتفی نہ ہوئی پھر بھی جدہ کا ارادہ کرنے کی وجہ سے اسے میقات سے بے احرام گذرنا جائز ہوگا۔

بکر بہار شریعت کی یہ عبارت بھی پیش کرتا ہے: یہ بھی شرط ہے کہ تین دن کا ارادہ متصل سفر کا ہو۔ اگر یہ ارادہ کیا کہ مثلا دو دن کی راہ پر پہونچ کر کچھ کام کرنا ہے وہ کام کر کے پھر ایک دن کی راہ جاؤنگا۔ تو تین دن کی راہ کا مسلسل ارادہ نہ ہوا۔ اور وہ مسافر نہ ہوا۔ (بہار شریعت جلد چہارم ص ۷۷)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکوہ میں زید کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ راستے میں اور بریلی پہونچ کر پوری نماز پڑھے یا قصر کرے؟۔ براہ کرم واضح جواب سے احسان فرمائیں۔ اس مسئلہ کی سخت ضرورت ہے۔

عبدالسلام رضوی مسجد اخوندزادہ جسولی بریلی شریف

الجواب

اعلیٰ حضرت نے اسی فتوی میں جس کا حوالہ سائل نے دیا۔ تمہید میں یہ فرمایا ہے: ”جب دو نہایات مختلفہ مقصود بالذات ہوں تو قصد مقارن اولی ہے۔ اور ثانیہ کے لیے وہی مآل اور استقبال کا خیال ہے“۔ سائل نے صورت مسئلہ کے بیان میں کچھ الٹ پھیر کردی۔ ہم نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ زید اپنے گھر کاشی پور سے بریلی شریف جاتے ہوئے اس خیال سے کہ مسافر نہ ہوجائے لال کنواں کا ارادہ کرتا ہے اور وہاں اترتا اور ٹھہرتا بھی ہے پھر بریلی کی نیت کرتا ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت تو یہ فرماتے ہیں کہ جب اس کو دو جگہ ٹھہرنا ہوا اور وہ دونوں جگہوں کا قیام مقصود بالذات ہو تو دونوں دو سفر مانے جائیں گے۔ اور صورت سوال میں زید خود اقرار کرتا ہے کہ لال کنواں میں اترنا کسی کام سے نہیں صرف مسافر ہونے سے بچنے کے لیے وہاں تک کی نیت کرتا ہوں۔ تو یہ اقامت تو ضمنی ہوئی، اس لیئے اس کا اعتبار نہ ہونا چاہئے کہ اصل مقصد تو بریلی جانے کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۳؍۳؍۲۰۰۳ء

(۲-۳)**مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) زید اپنے وطن سے دور قریب ۲۰۰ کیلو میٹر کی دوری پر امامت کے فرائض کو انجام دے رہا تھا زید حافظ قرآن شریف بھی ہے قریب ۲۰ رمضان المبارک کو زید کا ذہنی توازن بگڑ گیا تو زید اپنے وطن کے لیے روانہ ہو گیا اور زید کی عدم موجودگی میں زید کے فرائض کو دوسرے امام اصاحب انجام دے رہے تھے زید ایک ماہ بعد اپنے گھر سے اس غرض سے نکلا کہ رانچی علاج کرانے جا رہا ہوں، لیکن راہ میں وہ جگہ بھی پڑتی ہے جہاں وہ امامت کرتے تھے، تو اب اس غرض سے اتر گئے کہ روپیہ بھی لے لوں گا، اس کے بعد آگے علاج کے لیے چلا جاؤں گا، لیکن اسی مابین عصر کی نماز کا وقت آ گیا، اب زید امامت کے لیے آگے بڑھا اور چار رکعت نماز پڑھا دی جب کہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ زید کو قصر کرنا چاہئے، تو ایسی صورت میں زید پر قصر واجب تھا یا نہیں۔؟ بینوا توجروا

(۲) بکر امامت کر رہا تھا گیارہویں پارے کی وہ سورہ یعنی ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ﴾[التوبۃ:۱۲۸] پر پہونچا کہ سانس ٹوٹ گئی، پھر بکر حریص سے لے کر آگے بڑھا بعد میں ایک شخص بکر سے کہنے لگا کہ حریص پر ٹھہرنا درست نہیں، تو کیا واقعی اس شخص کا یہ کہنا درست ہے کہ نہیں ٹھہرنا چاہئے یا درست نہیں ہے؟ تو اب اس صورت میں شریعت مطہرہ کا جو حکم ہے بیان فرمائیں۔

المستفتی، عبدالصمد رجوی۔ مقام و پوسٹ بھلہروا ابوسوپٹی ضلع مدھوبنی (بہار)

الجواب

(۱) سوال کی عبارت سے یہ تو ظاہر ہے کہ زید نے مسافت سفر کے بعد اپنی ملازمت کی جگہ قیام کیا مگر اس کی تصریح نہیں کہ پندرہ روز قیام کی نیت کی یا کم کی اگر پندرہ روز سے کم اقامت کی نیت کی تو وہ مسافر ہی رہا، اس کو قصر کرنا چاہئے پوری پڑھی تو گنہگار ہوا، نماز ہو گئی (بہار شریعت)

(۲) سوال کی عبارت سے ظاہر ہے کہ "حریص" پر وقف اضطراری تھا، وقف اضطراری کے لیے کوئی ممانعت نہیں اور جب دوبارہ اس کا اعادہ کر دیا تو کوئی قباحت نہیں، یہ واقعہ ہے کہ بقصد و ارادہ اس لفظ پر وقف مناسب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۶ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

(۴-۵)**مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ

(۱) رسالہ ارشاد القرآن میں صفحہ ۳۲ سطر دس پر ایمانی عقیدہ کی یہ عبارت کیسی ہے:

"مسلمانو! خدا سے ڈرو اور صرف خدا سے ڈرو اور خوب یاد رکھو، بے حکم خدا کے کبھی ذرہ نہیں

ہلتا۔ پتہ نہیں ہلتا"

(۲) سفر ریل میں فرض نماز میں الحمد شریف جو کہ واجب ہے اس کے بجائے صرف تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیا جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ یا کراہت تحریمہ کے ساتھ ہوگی جس کے لوٹانا واجب ہے کہ نہیں؟

ترکی محمد ابراہیم نور محمد سواف

الجواب

(۱) ارشاد القرآن کی یہ عبارت قرآن عظیم کی درج ذیل آیت کا ترجمہ ہے ﴿ وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ، وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴾ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ عبارت کیسی ہے۔ اگر کسی کے دل میں قرآن عظیم کی ان آیات سے کھٹک پیدا ہوگی تو وہ ترجمہ کے بارے میں بھی زبان کھول سکے گا۔

(۲) نماز میں قرآن عظیم کی قرأت فرض ہے ﴿فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ پس جس شخص کو قرآن عظیم کے پڑھنے پر قدرت ہو وہ اگر نماز میں صرف سبحان اللہ پڑھے نماز ہوگی ہی نہیں۔

عالمگیری میں ہے:

"لو لم يقرأ في واحدة منه او قرأ في واحدة فقط فسدت صلوته"

ریل کے سفر میں فرائض، واجبات پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب گاڑی اسٹیشن پر رکے تو پڑھے۔ اگر اس انتظار میں وقت جانے کا خطرہ ہو تو یونہی پڑھے۔ پھر اعادہ کرے (بہار شریعت)۔ سوال میں جو ترکیب درج ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۷/ رجب ۸۳ھ

الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ

تراویح کا بیان

(۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید حافظ قرآن ہے اور ہر سال شبینہ پڑھتا ہے وہ بھی لاؤڈ اسپیکر پر۔ عمر کہتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ پڑھنا اسلام کی مخالفت کرنا ہے۔ اور قرآن پڑھنے میں سجدہ تلاوت کرنا واجب ہے، سننے والے پر بھی اور پڑھنے والے پر بھی۔ لاؤڈ اسپیکر پر قرآن پڑھا جائے گا تو آواز باہر جائے گی۔ اس وقت کوئی حالت جماع میں ہے کوئی بیت الخلاء میں یہ لوگ سجدہ نہیں کر سکتے یا ان کو معلوم نہیں کہ سجدہ ہے کہ نہیں تو لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ جائز ہونے یا نہ ہونے کی صورت کو مدلل بیان کریں۔ فقط علی اصغر علی پین چھپرہ

الجواب

اصل مسئلہ یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنے والے کی اقتدا درست ہے یا نہیں۔ ہندوستان کے بیشتر علمائے کرام اہل سنت ایسی اقتدا کو ناجائز کہتے ہیں اور کم علمائے کرام اس کو جائز کہتے ہیں۔ تو تراویح کی نماز کا بھی وہی حکم ہوگا کہ کچھ اسے جائز کہیں گے اور کچھ ناجائز، چاہے وہ نماز شبینہ ہو یا غیر شبینہ اور لاؤڈ اسپیکر پر قرآن پڑھنے پر جو آپ نے معارضہ قائم کیا ہے وہ بے تکا اور غلط ہے۔ ایک مکان میں مختلف خاندان الگ الگ کمروں میں رہتے ہیں۔ ایک آدمی نے قرآن بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا دوسرا اپنے کمرے میں اپنی عورت سے اختلاط میں مصروف ہے۔ بغیر لاؤڈ اسپیکر کے بغل والے کمرہ کی تلاوت یہ سن رہا ہے تو آپ کی بنیاد پر بلند آواز سے قرآن پڑھنا بھی منع ہونا چاہئے سجدہ تلاوت کی ادائیگی فوراً واجب نہیں۔ تو جو شخص جنابت کی حالت میں آیت سجدہ سنتا ہے نہا دھو کر بھی وہ سجدہ ادا کرسکتا ہے۔ یہی حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو باوضو نہ ہو۔ اور جاہل ہے یہ نہیں جانتا کہ کہاں سجدہ ہے تو یہ خود اس کا قصور۔ یہاں بھی آپ کی یہ موشگافیاں بے محل اور از خود غلط ہیں۔ قرآن مجید کی سماعت کے بھی آداب مقرر ہیں۔ بہار شریعت میں ہے "جب بلند آواز سے قرآن پڑھا جائے تو تمام حاضرین پر سننا فرض ہے جب کہ وہ مجمع قرآن سننے کی غرض سے حاضر ہوا ہو۔ ورنہ ایک فرد کا سننا کافی ہے۔ اگرچہ اور اپنے کام میں مصروف ہوں۔ ظاہر ہے کہ اپنے گھر میں جو کام میں مصروف ہے اس پر سننا فرض نہیں۔

ہاں وہ صورت ضرور منع ہوگی کہ بعض مقامات پر لوگ قرآن سننے کی محفلیں مقرر کرتے ہیں اور رات بھر میں باری باری سے حافظ حضرات قرآن شریف پڑھتے ہیں اور ایک ہی رات میں ختم کرتے ہیں۔ اور لوگوں نے اس کا نام شبینہ رکھ دیا ہے۔ اور جو لوگ سننے کے لیے حاضر ہوتے ہیں وہ اسی جگہ چائے میں مصروف رہتے ہیں اور بات چیت بھی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ضرور قرآن سننے کے تارک ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو، ۹ رشوال ۱۴۲۱ھ

(۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

آج کل رمضان المبارک میں لوگ تراویح کے اختتام پر حفاظ کرام کو بطور نذرانہ مجموعی اعتبار سے اور انفرادی طور پر بھی روپیہ کپڑا وغیرہ دیتے ہیں تو حفاظ کرام کو ان کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا صورت ہے۔ نیز بر تقدیر صدق اس کو کس مصرف میں استعمال کیا جائے۔

شریعت مطہرہ کی روشنی میں اس کا جواب شافی وکافی عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد سیف اللہ قادری غفرلہ مچھلی پٹم ضلع کرشنا آندھرا پردیش

الجواب

حضرت مولانا امام اہل سنت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فتاوی جلد ہشتم ص/۱۶۳، میں ایک سوال ''ختم کلام مبارک یعنی رمضان شریف میں نقدی ٹھہرانا جائز ہے یا نہیں؟''۔ کے جواب میں تحریر فرمایا تین چار باتیں مستثنی ہیں۔ اس میں ختم نہیں اس کے جواز کا حکم نہایت مشکل ہے۔

اسی مسئلہ کو زیادہ وضاحت سے بہار شریعت حصہ چہارم ص/۳۵، پر بیان کیا گیا۔ آج کل اکثر رواج ہوگیا ہے کہ حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہیں۔ اجرت صرف یہی نہیں کہ پیشتر سے مقرر کرلیں کہ یہ دیں گے اور یہ لیں گے۔ بلکہ اگر یہ معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے۔ اگر چہ اس سے طے نہ ہوا یہ بھی ناجائز ہے۔ کہ حکم یہ ہے: المعروف کالمشروط۔ ''جو چیز عرف قرار پا گئی وہ شرط لگانے اور طے کرنے ہی کے حکم میں ہے''۔ تراویح کی اجرت حرام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَناً قَلِيلاً ﴾ میری آیتوں سے دنیا کی پونجی نہ حاصل کرو۔

اور فقہ کا حکم یہ ہے کہ عبادت کی اجرت لینا ناجائز ہے۔ ہاں اگر لینے دینے کا معاملہ نہ زبان سے طے ہوا نہ وہاں کا عرف ہو اور عرف ہو تو طرفین پہلے سے ہی یہ طے کرلیں کہ امام کچھ نہ لیگا اور مسجد والے کچھ دیں گے نہیں۔ امام اللہ واسطے ختم کرے۔ اب اگر مسلمان کچھ رقم جمع کر کے یا انفرادی طور پر دیں تو اب یہ رقم بطور اجرت نہیں ہوگی بلکہ بطور انعام ہوگی۔

قاضی خاں میں ہے: الصریح یفوق الدلالۃ۔

جب طرفین نے پہلے ہی کچھ طے نہیں کیا ہے بلکہ اجرت و مزدوری پر پڑھنے اور پڑھوانے سے انکار کیا ہے تو اب یہ دینا بطور انعام ہوگا جو شرعا جائز ہے۔ یہ سب تفصیلات مذکورہ بالا کتابوں کے مذکورہ بالا صفحات میں تفصیل سے تحریر ہیں۔ اور علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ میں بلکہ ''الغلیل'' کے نام سے ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو، ۱۰ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

(۸-۱۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) بکر امامت کرتا ہے کبھی حرام کو حلال، کبھی حلال کو حرام کہتا ہے۔ اور اگر حلال کو اپنے لیے فائدہ مند نہ سمجھے تو حرام کہتا ہے۔ اور اگر حرام کو اپنے لیے مفید دیکھے تو حلال سمجھتا ہے۔ اگر اس کی شرعی گرفت کی جائے تو کہتا ہے مجھے معلوم نہ تھا میں جانتا نہ تھا۔ کیا ایسے کو امام بنایا جائے گا؟ اس کی اقتدا میں

نماز ادا کی جائے گی یا نہیں؟

(۲) حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بہار شریعت میں فرماتے ہیں کہ اکثر رواج ہو گیا ہے کہ حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ فرماتے ہیں کہ اجرت صرف یہی نہیں کہ پہلے مقرر کرلیں کہ یہ لیں گے یہ دیں گے، بلکہ اگر معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگرچہ اس سے طے نہ ہوا ہو یہ بھی ناجائز ہے کہ "المعروف کالمشروط۔ ہاں اگر کہہ دے کہ کچھ نہیں دوں گا یا لوں گا پھر پڑھے اور حافظ کی خدمت کریں تو اس میں حرج نہیں۔ مگر یہاں معاملہ یہ ہے کہ جب حافظ صاحب کو سات ہزار (۷۰۰۰) روپیہ نذرانہ دیا گیا تو حافظ صاحب ناراض ہو گئے اور کہا کہ یہ کسی فقیر کو دیدو۔ جب پندرہ سو روپے بڑھا کر دیئے گئے تو جائز ہو گئے۔

بہار شریعت کی تحریر کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں ورنہ حالت یہ ہو جائے گی کہ نہ منھ مانگا نذرانہ لوگ پیش کریں گے نہ مساجد میں قرآن پاک ختم ہوگا۔

(۳) رمضان شریف میں چندہ ہوتا ہے، خاص طور سے مسجد میں رنگ سجاوٹ، جرنیٹر امام و مؤذن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نیز فاتحہ بھی اسی پیسے سے ہوتی ہے۔ اس چندہ میں سے سجاوٹ ہوئی، مؤذن کو دیئے گئے، سات ہزار روپیہ امام صاحب کو دیئے گئے، امام نے ایک گھنٹہ رکھ کر واپس کر دیئے اور بڑھا کر جب دیئے گئے اور نو ہزار روپیہ ہوئے تب حافظ نے رکھ لیے۔ مسجد میں رنگ کے لیے جو روپے بچے، امام نے ایک اور چال چلی اور کہنے لگے یہ باقی جو پیسہ بچا ہے اس کو مسجد میں لگانا حرام ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ بھی مجھے مل جائیں۔ کیا باقی بچا ہوا پیسہ مسجد میں لگانا حرام ہے؟ اگر حرام نہیں تو حلال کو حرام کہنے والے کے لیے جو حکم قرآن و حدیث میں ہو، بیان فرمائیں اور اپنی دینی ذمہ داری کو پوری فرمائیں۔

المستفتی: حافظ محمد عمر خان برکاتی، امام مسجد بجلی لیتجر چوک شہر بیاور ضلع اجمیر شریف راجستھان (انڈیا)

الجواب

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائے۔

مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ رمضان شریف میں حافظ صاحب کو مزدوری دے کر تراویح پڑھوانا ناجائز ہے۔ پیشگی اجرت طے کر کے بھی اور جہاں اجرت کا رواج ہو وہاں بغیر طے کئے بھی پڑھنا پڑھانا حرام ہے۔ اور اس طرح معاملہ کرنے میں لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہوں گے، اس معاملہ کو صحیح اور موافق شرع بنانے کے لیے دو طریقے کتب فقہ میں درج ہیں۔

(۱) پڑھانے سے پہلے امام صاحب صاف کہدیں کہ میں معاوضہ نہیں لوں گا اور مسجد والے بھی

کہہ دیں کہ ہم آپ کو کوئی معاوضہ نہیں دیں گے۔ اس طرح صاف کہہ دینے کے بعد طرفین کا پڑھنا پڑھانا اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوگا۔ بعد میں مسجد یا گاؤں والے اگر کچھ دیں تو وہ تحفہ اور ہدیہ ہوگا معاوضہ نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس پر یہ انکار بالکل غلط ہوگا کہ میں اتنا نہیں اتنا لوں گا۔

(۲) مسجد والے امام کو نوکر رکھیں مگر تراویح پڑھانے کے لیے نہیں اپنے کام کاج کے لیے۔ مثلاً: مسجد والے حافظ صاحب سے کہیں کہ ہم اپنے کام کاج کے لیے ماہ رمضان بھر کے واسطے آپ کو رکھتے ہیں اور کم وبیش کرنے کے بعد طرفین جس پر راضی ہوجائیں وہ حافظ صاحب کی مہینہ بھر کی تنخواہ ہوگئی جس کی ادائے گی مسجد والوں پر حاضری کے بعد لازم ہوگی۔ البتہ مسجد والے امام صاحب سے اور کوئی کام لینے کے بجائے تراویح پڑھوائیں اس طرح امام صاحب کو جو معاوضہ ملے گا وہ وقت کی پابندی کا ہوگا، تراویح پڑھانے کا نہیں۔ اور اس کو پیشگی طے کرلینا بھی جائز ہوگا اور طرفین کو بعد میں کم زیادہ کی شکایت بھی نہ ہوگی۔

سائل کو اس مسئلہ کا بیشتر حصہ معلوم بھی تھا کہ صرف حافظ صاحب گنہگار نہ ہوں گے، دونوں ہی گنہگار ہوں گے، اس کے باوجود انہوں نے اس مسئلہ کو سدھارنے کی پیشگی کوئی کوشش نہ کی۔ اور یہ غیر شرعی معاملہ انجام کو پہونچا تو آپ کو اس کے سدھار کی فکر ہوئی وہ بھی اپنی گنہگاری کا کوئی احساس نہیں، ساری فکر امام صاحب کو سزا دینے کی ہوئی۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں؟ اور ایک کے بجائے دو دو استفتے۔ اور ہر ایک کا محور حافظ صاحب کی امامت کی فکر، مفتی کو بہار شریعت کا حوالہ دے رہے ہیں کہ بہار شریعت کو مدنظر رکھ کر جواب لکھئے۔

اس خرابی کا تو آج کل عام رواج ہوگیا ہے جیسا کہ صاحب بہار شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے تشریح فرمائی ہے۔ پہلے ہی سے منتظمین کو آگاہ کردینا چاہئے تھا کہ اجرت پر حافظ کو تراویح کے لیے نہ رکھے، معاملہ صاف کرلیجیے ورنہ زیرباری اور گنہگاری دونوں ہاتھ آئے گی۔ ایسے حافظ رکھنے سے تو "الم ترکیف" سے تراویح پڑھنا اچھا ہے۔

تراویح تو سنت ہے اس کا وقت تو اب نکل چکا، اور سنت چھوٹ جائے یا اس میں نقصان ہو تو وقت کے بعد اس کی قضا نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اخلاص وندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کیجئے اور آئندہ پہلے سے ہی معاملہ صاف کرلیجئے گا۔ اور غلط امام کو تراویح کے لیے مقرر نہ کیجئے گا۔

آپ نے استفتا میں چندہ کا بھی سوال اٹھایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ چندہ جس کام کے لیے آیا ہے اسی میں خرچ کیا جائے دوسرے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ کام ختم ہوگیا اور رقم چندہ

بچ گئی دوسرے کار خیر میں ہی کیوں نہ خرچ کرنا ہو چندہ دینے والوں سے دوبارہ اجازت لینا ضروری ہے وہ اجازت دیں کہ فلاں کام میں خرچ کیا جائے تو اسی میں صرف کیجئے ورنہ چندہ دینے والوں کو واپس کردیجئے۔

(۳) رمضان شریف کا چندہ مختلف مقامات پر مختلف طریقہ سے ہوتا ہے۔ کلکتہ وغیرہ کے لیے سنا گیا ہے کہ وہاں حافظ صاحب کا الگ اور مستقل امام کا الگ اور مؤذن خادموں کا الگ۔ اگر آپ کے وہاں بھی ایسا ہو کہ حافظ صاحب کے نام کا چندہ الگ مانگا گیا ہو تو حافظ صاحب کا فتوی صحیح کہ دوسرے مصرف میں اس کو صرف نہیں کرسکتے۔ اور بعض جگہ رمضان شریف کے تمام مصارف کا یکجا چندہ ہوتا ہے اگر آپ کے یہاں ایسا ہو تو آپ نے حافظ صاحب کو صورت حال سے باخبر کردیا ہو اور اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی بات سے رجوع نہ کیا ہو تو بہت برا کیا۔ غلط مسئلہ بتانا حرام ہے انہیں اپنی اس حرکت پر توبہ کرنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۳ر محرم ۱۴۲۶ھ

(۱۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص حافظ قرآن ہے لیکن ڈاڑھی منڈاتا ہے۔ اور نماز نہیں پڑھتا۔ سر پر انگریزی بال ہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ حاجی عبدالخالق فیض آباد

الجواب

سوال میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے وہ فاسق ومعلن ہے۔ اس کے پیچھے تراویح یا غیر تراویح یا کوئی نماز پڑھنا منع ہوگی۔ فتح القدیر میں ہے:" قال اصحابنا لا ينبعي ان يقتدى با لفاسق،، فاسق کی اقتدا نہیں کرنا چاہیے۔ (کتاب الصلاۃ:۱/۳۵۹)

اور شامی میں ہے: ان كراهة تقديمه كراهة تحريم ،،

فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی اشرفیہ مبارکپور الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۱۲۔۱۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) ہمارے یہاں مسجد چہ چا کالری کا متعین امام جو کہ عالم، حافظ، قاری شاعر اور نعت خواں بھی ہے، جس کا ماہانہ تقریبا ایک ہزار روپئے ہر ماہ مقرر ہے۔ جس میں ماہ رمضان میں مقرر شدہ ماہانہ کے علاوہ تراویح کی بھی اجرت لیتا ہے۔ اجرت طے کرنا اور متولیوں کا اس کو جبرا دینا کہاں تک درست ہے؟ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے؟ از روئے شرع مطلع فرمائیں۔

(۲) انجمن اسلامیہ مسجد کمیٹی کے صدر سکریٹری کا یہ دستور بن گیا ہے کہ ماہ رمضان میں انجمن کے سبھی ممبران پر تراویح واعتکاف کا چندہ جبراً فکس کر دیتے ہیں، ہر ممبر کو اتنا دینا ہوگا۔ اگر کسی ممبر نے کسی مجبوری یا پریشانی کی وجہ سے مقرر شدہ نہیں دیا تو صدر سکریٹری انجمن کے رجسٹر میں اس کے نام بقایا چندہ لکھ دیتے ہیں جب کہ اس کے یہاں خوشی وغمی کا موقع آتا ہے، اگر اس نے انجمن سے امام کو مانگا تو صدر سکریٹری بقایا چندہ طلب کرتے ہیں، بقایا چندہ نہ دینے کی صورت میں مندرجہ ذیل پابندیاں عائد کر دیتے ہیں، مثلاً: میلاد، دعوت، ولیمہ، نکاح، میت و جنازہ وغیرہ میں کوئی شرکت نہیں کر سکتا ہے۔ میلاد ہوگی، دعوت ولیمہ و نکاح ہوگا، میت گھر سے اٹھے گی، جنازہ پڑھنے کے لیے تیار ہوں گے، اس صورت میں جب فلاں فلاں بقایا چندہ دیدو ورنہ نہیں۔

یہاں کا اگر کوئی شخص اپنی مفلسی یا کسی مجبوری کے تحت ممبر نہیں بنتا تو اس کے یہاں بھی شادی، خوشی وغمی کے موقع پر مذکورہ پابندی لگا دی جاتی ہے۔ اگر کوئی احتجاج کر کے میلاد، ولیمہ، و نکاح، میت و جنازہ میں شامل ہوا تو اس پر پابندیاں لگ جاتی ہیں، اور مسجد میں اعلان کر کے بائیکاٹ کر دیا جاتا ہے۔ ان معاملات میں بولنے کا وہی حق دار ہوگا جو کمیٹی کا ممبر ہو، حق بات بھی وہی کہہ سکتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صدر و سکریٹری کا نازیبا سلوک و ظالمانہ فعل کہاں تک درست ہے۔ کیا جائز و حق بات کہنے اور بولنے کے لیے ممبر بننا شرائط دین میں شامل ہے؟ جنازہ، میلاد، ولیمہ، نکاح پر پابندی لگانا، جبری چندہ لینا، بائیکاٹ کرنا، فرض و واجب ہے۔ صدر و سکریٹری کیسا ہونا چاہئے، مفتی و پرہیزگار اہل علم یا جواڑی شرابی؟ از روئے شرع مطلع فرمائیں۔

(۳) یہاں مسجد کمیٹی کا مذکورہ امام جس کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں، غلط تقریر کرتا ہے، غلط مسئلہ بتاتا ہے، عاشورہ کے دن ڈھول بجاتا ہے، اس کے علاوہ بہت ساری نازیبا حرکتیں کرتا ہے جو کہ لکھنے اور بتانے کے قابل نہیں۔ کتاب و حوالہ دکھانے پر بھی انکار کرتا ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا ہے۔ ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے؟ کیا اس کے پیچھے نماز درست ہے؟ اس پر شریعت کے کیا احکام نافذ ہوں گے؟ از روئے شرع مطلع فرمائیں۔

(۴) زید جو کہ عالم و حافظ نہیں جس کا تلفظ بھی صحیح نہیں تقریر کرتا ہے، نعت پڑھتا ہے، غلط مسئلہ بتاتا ہے، فتویٰ دیتا ہے، علما کی توہین کرتا ہے، ان پر غلط الزام لگاتا ہے، منع کرنے پر فخریہ کہتا ہے کہ میری نیت سمجھے گا تو کوئی عالم ہی۔ جس کے قول و فعل سے لوگوں کی دل آزاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے اکثر لوگوں نے مسجد و میلاد میں آنا بند کر دیا ہے، غیر عالم کو تقریر کرنا کیسا ہے؟ جس کا تلفظ صحیح نہیں اس کی نعت

پڑھنے سے کیا حضور ﷺ کی توہین ہوتی ہے یا نہیں؟ غیر عالم کو مسئلہ بتانا اور فتوی دینا کیسا ہے؟ ایسے شخص کے ساتھ شریعت کا کیا حکم ہے، مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: منضر خان چرچا کاری ضلع سرگوجہ مدھیہ پردیش

الجواب

بہار شریعت حصہ چہارم ص ۳۵ میں ہے کہ آج کل اکثر رواج ہو گیا کہ حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے ہیں، یہ ناجائز ہے اور لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہیں، اجرت صرف یہی نہیں کہ پیشتر سے مقرر کرلیں بلکہ اگر معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگرچہ اس سے طے نہ ہوا یہ بھی ناجائز ہے کہ المعروف کالمشروط۔

اور صورت مسئولہ میں تو حافظ نے باقاعدہ طے کر کے لیا اس کے ناجائز ہونے میں کیا شبہ، اس کی امامت بھی ناجائز ہے۔

(۲) بہار شریعت حصہ پنجم ص ۷۷ میں تجنیس ناصری، تاتارخانیہ، اور عالمگیری کے حوالہ سے نقل کیا:

اذا قال السائل بحق الله تعالیٰ و بحق محمد ﷺ ان تعطی کذا لا یجب فی الحکم۔

سائل اللہ اور رسول کا واسطہ دے کر کہے کہ مجھے اتنا دو تو اس کو اتنا دینا واجب نہیں اور یہاں تو چندہ کی بات ہے جو بالکل خوشی کا سودا ہے، اس کے لیے جبر سراسر ظلم و حرام ہے۔ ایسا پیسہ وصول کرنا ناجائز اور اس کا مسجد میں لگانا حرام ہے۔

بہار شریعت کے اسی صفحہ میں ہے: اگر سوال کی حاجت ہی پڑ جائے تو مبالغہ ہرگز نہ کرے کہ بے لیے لوٹیں گے ہی نہیں، اس کی بھی ممانعت آئی۔ ﴿لا یسئلون الناس الحافا﴾ اور یہاں اس درجہ تعدی کہ نہ دینے والوں سے کھان پان روک دیا جائے، جنازہ دفن روک دیا جائے، حالانکہ جنازہ اور دفن کرنے کا حق فرض کفایہ ہے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی سخت جرم اور مردے کے حق میں گرفتار ہوئے ان پر توبہ اور استغفار اور ان مسلمانوں سے معافی مانگنا ضروری ہے جن پر انہوں نے بلا استحقاق یہ حکم کیا اور اس طرح وصول کیا ہوا پیسہ مسجد میں لگانا حرام ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے: ان الله طيب و لا يقبل الا الطيب۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک پیسہ ہی قبول فرماتا ہے۔

صدر سکریٹری کا یہی جرم انہیں اس عہدے سے علیحدہ کرنے کے لیے کافی ہے نہ کہ جواری اور شرابی بھی ہوں جیسا کہ سائل کا بیان ہے۔

(۳) امام کا حکم بیان ہو چکا زید کے جو غیر شرعی افعال نقل کیے گئے ہیں اگر صحیح ہیں تو وہ سب بھی ایسے ہی ہیں کہ نہ اس سے مسئلہ پوچھا جائے نہ تقریر کرائی جائے نہ اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے، یہی حکم زید بے قید کا بھی ہے۔

یہاں تک تو ہم نے سائل کے سوال کا جواب دے دیا، اور مفتی سے جیسا سوال ہوتا ہے ویسا ہی جواب دیتا ہے۔ حالات کی تحقیقات اس کی کوئی ذمہ داری نہیں لیکن اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے یہ تو کمیٹی کے لوگ جو نہایت گرے ہوئے انسان ہیں، ان پر ہمارے اس فتوی کا کیا اثر ہوگا وہ اور مشتعل ہوں گے۔ ادھر آپ لوگوں نے فتوی اس لیے منگایا ہے کہ لوگوں کو اسے سنا سنا کر انہیں رسوا کریں، فتوی پوچھنے والوں کے بارے میں عام اندازہ یہی ہے کہ عمل کرنے کے لیے سوال کم ہوتا ہے دوسروں پر الزام قائم کرنے کے لیے زیادہ تو ڈر یہ ہے کہ اس دوطرح کے عمل سے وہاں کوئی فتنہ وفساد نہ برپا ہو۔ تو سن لیجئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ فتنہ قتل سے زیادہ برا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس چندہ کے لیے یہ ردوقدح ہے کسی اور کام کے لیے نہیں، اللہ تعالیٰ کے گھر کے لیے اس کے وصولی میں منتظمین مسجد جو خلاف شرع حرکتیں کرتے ہیں ان کا حکم تو بیان ہو گیا لیکن آپ کیسے مسلمان ہیں، سالہا سال بیت جاتے ہیں اور ایک پیسہ اللہ کی راہ میں اس کے گھر کے لیے نہیں دیتے یہاں تک کہ آپ کا بائیکاٹ اور مرنی کرنی بند کرنے کی نوبت آتی ہے، آخر روزانہ آپ کھاتے ہوں گے ضرورت پر کپڑا لتا خریدتے ہوں گے، شادی بیاہ پر حسب حیثیت بلکہ حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے ہوں گے آخر آپ کو اپنی زندگی کے تمام پروگرام میں کبھی اللہ کا گھر کیوں یاد نہیں آتا، آپ کیسے مسلمان ہیں؟

غور فرمائیے! آج روپیہ کی قیمت اتنی گھٹ گئی ہے کہ آپ کا بچہ آ کر آپ سے پیسہ مانگتا ہے، اور وہ اتنا نا سمجھ ہے کہ وہ روپیہ اور پیسہ کا فرق نہیں جانتا لیکن آپ اسے ایک روپیہ کے سکہ سے کم دیتے ہیں تو وہ اسے پھینک دیتا ہے، روپیہ سے کم نہیں لیتا۔ اگر آپ کو اللہ کے گھر کی یاد آتی اور روزانہ اپنی ضروریات سے ایک روپیہ کاٹ کر اللہ کے گھر کے لیے رکھ دیتے تو سال میں مسجد کے حصہ کا ۳۶۵/ روپیہ ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو آپ کو سب مسلمانوں کو دین کا شعور بخشے، اور اسلام کی قدر و قیمت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھجور کے ایک باغ میں رات بھر پانی چلایا فی ڈول ایک یا دو

کھجور مزدوری طے تھی، رات بھر کی اجرت ڈیڑھ دو سیر کھجور ہوئی ہوگی، آپ کے روزی حاصل کرنے کا طریقہ یہی تھا۔ حضرت فاطمہ، حسن و حسین اور خود اپنے لیے گھر لیے جا رہے تھے مسجد نبوی میں حضور چندہ کے لیے فرما رہے تھے، کپڑے غلہ اور روپیہ کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، آپ نے شرماتے ہوئے وہ چھوہارے پیش کیے، حضور پر کیا پوشیدہ تھا دیکھ رہے تھے کہ بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر دے رہے ہیں، فرمایا: اس کو تمام ڈھیروں پر بکھیر دو کہ یہ کھجوریں سب سے بھاری ہیں، یہ تھے مسلمان۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۵؍ جمادی الاولی ۱۷ھ

(۱۶۔۱۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) سعودیہ عربیہ میں تراویح آٹھ رکعت اور قرآن شریف دیکھ کر تراویح پڑھاتے ہیں اور سماعت کرنے والے بھی قرآن دیکھ کر سماعت کرتے ہیں تو کیا ان کو شریعت نے کوئی مخصوص چھوٹ دی ہے یا ان کی ہٹ دھرمی ہے۔ اور ان کی نماز تراویح ہوتی ہے یا نہیں۔ اور اگر ہندوستان میں بھی اس طرح پڑھی جائے تو ہماری نماز ہوگی یا نہیں؟۔

(۲) ہمارے اہل سنت میں جو یہ بات رائج ہے کہ بزرگوں ولیوں کے نام سے مرغا چڑھانا۔ قبر پر چادر چڑھانا اور پھول چڑھانا تو کیا منت مان کر مرغا چڑھانا جائز ہے یہ سماجی سوچ ہے اور اس کا کس طرح ثواب بزرگوں کو ملتا ہے۔ اور اس کا مقصود کیا ہے۔ اس فتویٰ کا پوری تفصیل کے ساتھ جواب دیں۔

المستفتی محمد شہاب الدین ولد ثناء الحق، مقام گا نگے بیر پوسٹ مدھوبن ضلع مئو

الجواب

(۱) جمہور اہل اسلام کے نزدیک ۲۰؍ رکعت تراویح سنت موکدہ ہے۔

بحر الرائق میں ہے:

عشرون ركعة بيان لكميتها وهو قول الجمهور كمافي المئو طاعن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب . بثلاث وعشرين ركعة (اى مع الوتر) وعليه عمل الناس شرقا وغربا۔

تراویح کی ۲۰؍ رکعت جمہور اہل اسلام کا قول ہے۔ مؤطا میں یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں وتر سمیت ۲۳؍ رکعت پڑھتے تھے۔ اور اسی پر اس زمانہ سے آج تک تمام اہل سلام کا عمل ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين۔

میری سنت کولازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سنت کولازم پکڑو۔
تو اکیلے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت ہونا کافی تھا۔ چہ جائیکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کی موافقت کی، مزید کہ آج تک تمام اہل اسلام کا اس پر عمل ہے۔ ایک آدھ مرتبہ بھی اس کا چھوڑنا برا ہے۔ اور جو اس کو چھوڑنے کی عادت بنا لے۔ گنہگار ہے۔

ان تارك السنة المئوكدة يستوجب الاساءة و كراهة اى تحريمة عند الاعتياد۔

میں ۷۴ء حرمین شریفین کی زیارت سے رمضان شریف میں ہی مشرف ہوا میں نے دیکھا کہ دونوں جگہ تراویح بیس رکعت ہی ہورہی ہے۔ البتہ دو امام پڑھاتے ہیں ایک آٹھ رکعت اور دوسرا ۱۲/ رکعت۔ اب ممکن ہے کہ ہندوستان کے غیر مقلدوں اور شیعوں کی طرح انہوں نے بھی اس کو سنت عمری سمجھ کر چھوڑ دیا ہو۔

بہار شریعت میں ہے:
نماز میں مصحف شریف سے دیکھ کر قرآن پڑھنا مفسد صلوۃ ہے ہاں اگر یاد سے پڑھتا ہو اور مصحف شریف پر نظر ہے تو کوئی حرج نہیں۔

(۲) منت کی دو قسم ہے ایک منت شرعی جیسے کسی نے منت مانی یا اللہ ہمارا مریض اچھا ہو جائے تو ہم سو (۱۰۰) رکعت نماز پڑھیں یا دس روزہ رکھیں گے۔ یا ہزار روپیہ خیرات کریں گے یہ منت شرعی ہے مریض اچھا ہو گیا تو یہ چیزیں واجب ہو گئیں۔ نہیں ادا کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔
اور بزرگوں کو ایصال ثواب کرنے یا ان کی قبروں پر پھول یا چادر ڈالنے کی منت شرعی نہیں۔ یہ چیزیں کر دیں تو ٹھیک ہے، نہ کیا تو کوئی گناہ نہیں۔

فتاوی رضویہ جلد چہارم میں ہے:
یہ منت کوئی شرعی نہیں پھول چڑھانا اچھا ہے اور قبور اولیاء قدسنا اللہ باسرارہم پر چادر بقصد تبریک ڈالنا اچھا ہے۔

شامی میں ہے:
ويوخذ من ذلك ومن الحديث ندب وضع ذلك للاتباع ويقاس عليه ما اعتيد فى زماننا من وضع اغصان الآس ونحوه۔ (كتاب الصلاة: مطلب وضع الجريد. ۱۴۵/۳)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو قبروں پر کھجور کی تر ڈالی رکھی اس سے قبروں پر اس کا ڈالنا مستحب معلوم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے زمانہ میں قبروں پر آس کی ڈال اور اس کے مثل (پھول

وغیرہ) رکھے جاتے ہیں۔

عقود الدریہ میں ہے:

نحن الان نقول ان کان القصد بذلك التعظيم في اعين الناس حتى لايحقروا صاحب هذا القبر فهو امر جائز لاينبغي النهي عنه لان الاعمال بالنيات۔

بزرگوں کے مزار پر چادر اگر اس نیت سے رکھی کہ لوگ صاحب قبر کی تعظیم کریں ان کی قبر سے تحقیر کے ساتھ نہ پیش آئیں تو یہ جائز ہے۔اس کو منع نہیں کرنا چاہئے۔کہ عمل کا مدار نیت پر ہے۔

بزرگوں کے نام پر جانور پالنا شرعا جائز ہے۔اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کا ثواب بزرگوں کے لیے ہوگا۔اور یہ ذبح اللہ تعالیٰ کے نام پر ہوگا۔

اس مسئلہ پر اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک رسالہ "سبل الاصفیاء فی ذبائح الاولیاء" ہے۔اس کا مطالعہ کیا جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو   یکم محرم ۱۴۱۳ھ

دعا کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

نماز پنج گانہ یا عصر کے فرض جماعت کے سلام کے بعد دعا کرنا مسنون ہے یا تقریر کرنے کے بعد دعا مسنون ہے،ایک نام نہاد مولوی جو اپنے کو قاسمی اور دیو بند کا فارغ کہلاتا ہے،فرض عصر کی جماعت کے سلام کے بعد تقریر کرنے کھڑا ہو گیا ایک سنی عالم دین نے ڈانٹ کر بیٹھا دیا کہ دعا ہو جانے دو اس کے بیٹھ جانے کے بعد امام صاحب نے دعا کی،نماز و دعا سے فراغت کے بعد سنی بریلوی عالم نے قاسمی مولوی سے سوال کیا کہ کیا تم سلام کے بعد تقریر کرنا ثابت کر سکتے ہو؟ اس جھوٹے قاسمی مولوی نے متعدد کتابوں کے نام گنوائے اور جب حوالہ طلب کیا گیا تو سوائے ورق گردانی کے کچھ نہیں پیش کر سکا اور اس کے چہرے سے ہوائیاں اڑنے لگیں،جب بریلوی عالم نے حکم دیا کہ ایسے جاہل اور فسادی مولوی کو تقریر بھی نہیں کرنا چاہئے کہ یہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ۔

(۱) نماز عصر کے سلام کے بعد دعا مسنون ہے کہ قاسمی مولوی کا تقریر کرنا۔

(۲) سنی بریلوی عالم نے یہ حکم دیا ہے کہ اس قاسمی مولوی کو تقریر کرنا حرام ہے کیا یہ حکم درست ہے۔

قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں اصل مسئلہ سے آگاہ فرما کر عنداللہ اجر عظیم کے مستحق ہوں۔
المستفتی سکریٹری رضویہ اس کول کیتھون۔ ضلع کوٹہ راجستھان ۹ رشوال ۱۴۰۹ھ

الجواب

تمام نمازوں کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ـ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾[الم نشرح:۸.۷]

جب تو فراغت پائے تو مشقت کرا ور اپنے رب کی طرف راغب ہو۔

تفسیر جلالین شریف میں ہے:

"فاذا فرغت من الصلوۃ فانصب اتعب فی الدعاء والی ربك فارغب تضرع"
(تفسیر الجلالین:۵۹۶)

جب تو نماز سے فارغ ہو تو دعا میں تعب اور مشقت کر اور اپنے رب کے سامنے تضرع وزاری بجالا۔

اور حدیث شریف میں ہے:

"قلنا یارسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل و دبر الصلوات المکتوبات۔
(ترمذی شریف:۲/۳۶۳)

ہم نے عرض کیا یارسول اللہ کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے فرمایا رات کے نصف اخیر میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

ظاہر ہے کہ نماز عصر بھی فرض ہے تو نماز عصر کے بعد دعا مانگنا سنت ہوا اور تقریر کرنے سے دعا میں تاخیر ہوگی اور تاخیر کرنا سنت کے خلاف ہے۔ اور مولوی جو اپنے کو قاسمی کہتا ہے تو اگر اس سے اس کی مراد قاسم نانوتوی سے ہے تو اس کے تقریر بھی سننا ناجائز ہے اور آپ کے مولانا نے ٹھیک فرمایا۔

حدیث شریف میں ہے:

"ایاکم وایاھم لایضلو کم ولایفتنونکم" ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۷ رشوال ۱۴۰۹ھ

(۴۰۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ سوال نمبرا۔ میں قرا کبیہ سراج میں رہتا ہوں یہاں کثیر آبادی اہل حدیث والوں کی ہے حالانکہ یہاں مسجد کے امام سنی ہیں، مگر بعض اوقات اہل حدیث والے اذان دیتے ہیں اور تکبیر میں سنگل ہی اذان

بولتے ہیں۔جس پرسنی جماعت کے لوگ چھیڑ چھاڑ کردیتے ہیں اورنوبت جھگڑے کی ہوجاتی ہے،ایسی حالت میں کیا کیا جائے،بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوگی۔اور کبھی کبھی ایسا موقع کہ دوسری کسی مسجد میں نماز پڑھنے سے امام اہل حدیث کے ہوتے ہیں تو ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے کہ نہیں؟۔

سوال نمبر۲۔غیر مسلم بالخصوص ہندو مسجد کے اندر آنگن تک چلے آتے ہیں،پھونک جھاڑ کے لیے بعض لوگ بری طرح جھڑک دیتے ہیں کہ اندر کیوں آئے ایسی حالت میں کیا کیا جائے آیا ہندو کا مسجد میں داخل ہونا منع ہے یا نہیں؟۔

سوال نمبر۳۔یہاں اہل حدیث والوں کے دو گروہ دعا کے معاملے میں ہوگئے ہیں فرض نماز کے بعد بعض لوگ امام کے ساتھ دعا میں شامل ہوتے ہیں بعض لوگ شامل نہیں ہوتے کہتے ہیں حضورﷺ کے وقت فرض نماز کے بعد دعا مجموعی طور پر نہیں ہوتی تھی۔لہذا آپ صحیح رہنمائی فرمائیں۔

الجواب

(۱)اہل حدیث بد مذہب اور گمراہ ہوتے ہیں،اگر وہ اذان واقامت پڑھیں تو دہرائی جائیں۔نماز کے لیے اذان واقامت فرض نہیں،بے اذان واقامت کے بھی نماز ہوجائے گی۔

(۲)چاہیے تو یہی کہ مسجد کو مطلقاً غیر مسلموں کے داخلہ سے محفوظ رکھا جائے،آنگن سے آپ کی مراد شاید وہ حصہ ہے جو مسجد کے فرش کے بعد ہوتا ہے جہاں لوگ جوتا اتارتے ہیں۔وہ چونکہ مسجد میں داخل نہیں ہے اس لیے وہاں تک آنے میں کوئی حرج نہیں،کسی کو بھی ہو سختی سے نہ جھڑکنا چاہیے نرمی سے سمجھانا چاہیے۔

(۳)فرض نماز کے بعد احادیث میں مختصر دعائیں وارد ہیں۔

مشکوۃ شریف باب الذکر بعد الصلوۃ میں ہے:

کان رسول الله ﷺ اذا انصرف عن صلوته استغفر ثلثا وقال اللهم انت السلام ومنك السلام تبارکت یاذاالجلال والاکرام۔　　(مشکاۃ:۸۸)

دوسری حدیث میں ہے:

کان رسول الله ﷺ اذا سلم من صلواته یقول بصوته الا علی لا اله الا الله وحده لاشریك له له الملك وله الحمد وهو علی کل شئ قدیر .لا حول ولا قوۃ الا بالله العلی العظیم.اللهم لامانع لمااعطیت ولامعطی لمامنعت ولایمنع ذاالجد منك الجد۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے:

ان النبی ﷺ کان یقول فی دبر کل صلوۃ مکتوبة لا اله الاالله وحده الی آخره۔

رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد لا الٰہ الا وحدہ الی آخرہ کہتے۔
الغرض اسی قسم کی اور بہت دعائیں حضور ﷺ سے مروی ہیں۔ شاید غیر مقلدوں کو اب رسول ﷺ کی سنت بھی پسند نہیں، علمائے احناف کا یہی مسلک ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنن ہیں دعائیں مختصر مانگی جائیں۔ طویل دعائیں بھی ہیں وہ سنت کے بعد یا جس فرض کے بعد سنت نہیں وہاں فرض کے بعد۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو، ۶ر جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ

(۵۔۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں جو مندرجہ ذیل ہیں کہ

(۱) زید روزانہ شب میں سورہ ملک پڑھتا ہے تو زید سے قبر میں منکر نکیر سوال کریں گے یا نہیں؟

(۲) چغل خوری، رشوت خوری، نس بندی اور داڑھی منڈوانا، ان چاروں میں کون بڑا گناہ ہے؟

(۳) زید نے مدرسہ کی رقم کھالی تو زید کو مدرسہ کے ناظم سے معافی مانگنا ہوگا یا اللہ پاک سے؟

نوٹ: ہر سوال کا جواب حوالہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ فقط غلام جیلانی دھوری، ۱۲ر جون ۷۲ء

الجواب

(۱) سورہ ملک شریف کی یہ فضیلت روایتوں میں آئی ہے کہ اس کی تلاوت عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔ خاص سوال نکیرین سے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گذری۔

(۲) سوال میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے سبھی گناہ کبیرہ ہیں، پہلی دو چیزوں کی ممانعت خاص نص قرآن سے ثابت ہے۔

(۳) اصل معافی تو یہ ہے کہ وہ رقم مدرسہ میں جمع کی جائے، ناظم کو اس رقم کے معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۱۸ر جمادی الاولی

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۸) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہمارے یہاں ہر جمعہ کو سنن اولی سے فارغ ہونے کے بعد ہماری مسجد کے مؤذن صاحب اپنے داہنے ہاتھ میں عصا لے کر مندرجہ ذیل دعا پڑھتے ہیں:

قال اللہ تعالیٰ فی شان حبیبہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [الاحزاب: ۵۶] درود: یا معاشر المسلمین رحمکم اللہ تعالیٰ قد روی عن سید البشر و شفیع الامۃ فی یوم المحشر" سید العرب و العجم

سیدنا محمد ابن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف "انه كان اذا صعد الخطيب على المنبر ثم خطب خطبتين فلا يتكلم احدكم فمن تكلم و لغى فلا جمعة له حكم الله فاستمعوايغفر الله لنا ولكم ولوالدى ولوالديكم ولاستاذى و اساتذتكم ولجميع المومنين و المومنات والمسلمين و المسلمات ان الله غفور رحيم"

بعدہ پیش امام صاحب کے ہاتھ میں عصا دیتے ہیں، پیش امام صاحب منبر کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرتے ہیں اور منبر پر تشریف لے جاتے ہیں، بعدہ پیش امام صاحب بلند آواز سے السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ کہتے ہیں۔ ہمارے یہاں یہ طریقہ خلف وسلف سے چلا آیا ہے۔ لیکن ہمارے گاؤں کے ایک صاحب اس سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مندرجہ بالا تمام امور بدعات میں داخل ہیں۔

لہذا آپ سے ازروئے شرع شریف مستفتی ہوں کہ کیا مندرجہ بالا امور بدعت ہیں ہمارے پیش امام صاحب شافعی کی دو کتب یعنی مالابدمنہ الشافعی اور فتح المعین کا حوالہ دیتے ہیں کہ ان دو کتابوں میں انکا پڑھنا جائز لکھا ہے۔ امید ہے کہ اس مسئلہ کا جواب فقہ شافعی کی روشنی میں دیں گے۔

فقط المستفتی غلام غوث

الجواب

اصطلاح میں اس کو ترقیہ کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور صاحبین اور شوافع کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ درمختار میں ہے "فالترقية المتعارفة فی زماننا یکره عنده لا عندهما" (در مختار: ۳/ ۳٤) واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۱۸ر جمادی الاولی الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ

(۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) خطبہ کی اذان میں انگوٹھا چومنا، جواب دینا، دل سے دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) داڑھی کی حد شرعی قرآن وسنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ یہاں کے مولانا صاحب جو مبارک پور سے فارغ شدہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ بخاری ومسلم میں کہیں نہیں ہے۔ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب

(۱) فتاوی رضویہ میں ہے: ہرگز نہ چاہیے کہ یہی احوط ہے۔ یونہی اذان خطبہ میں نام پاک پر انگوٹھا چومنا اس کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں جواب اذان اور دعا اگر دل سے کی لفظ نہ نکلا تو کوئی حرج نہیں۔

(۲) اگر مولانا صاحب کا یہ مطلب ہے کہ داڑھی بڑھانے کا حکم بخاری ومسلم میں نہیں ہے تو غلط ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ "عشرۃ من الفطرۃ قص الشارب و اعفاء اللحیۃ" (مسلم شریف:۵٦)

باقی اس سلسلہ کی پوری تفصیل جس سے اس مسئلہ میں ہر قسم کی گمراہی دور ہو جائے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کا رسالہ " اعفاء اللحی " پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دارالافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

(۱۰) **مسئلہ**: یا رسول اللہ انظر حالنا یا حبیب اللہ اسمع قالنا

اننی فی بحر غم مغرق خذ یدی سہل لنا اشکالنا

مندرجہ بالا جو دعائیں تحریر ہیں ان کو فرض نماز میں اور دعاؤں کے ساتھ اگر پیش امام مانگے تو جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، اسی دوران رسول اللہ ﷺ سے مانگنا ٹھیک نہیں۔ احقر عبد الغنی سکندر پور بلیا

الجواب

سوال میں ذکر کیے ہوئے اشعار بعد نماز دعا میں پڑھنا جائز ہے۔ اس کا مطلب قضائے حاجات کے لیے حضور کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا اور حضور سے اپنے آلام کے دفع کا سبب بننے کی گذارش ہے۔ صحیح حدیث شریف میں حضور ﷺ سے اس قسم کی دعا کی تلقین بعد نماز مروی ہے:

"اللھم انی اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد نبی الرحمة يا محمد انی اتوجه بك الیٰ ربی فی حاجتی هذهٖ لتقضى لی حاجتی .اللهم فشفعه في" (المعجم الکبیر:۹/۳۰)

ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "فی رواية لتقضی بصيغة الفاعل والمعنى تكون سببا لحاجتی" اور ایک روایت میں ہے یا رسول اللہ آپ میری حاجت پوری فرمائیں، معنی یہ ہیں کہ آپ میرا سبب بن جائیں۔ یہ حدیث بصراحت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایسی دعا کرنی چاہیے۔ اور چونکہ احادیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: "صل فيه ركعتين ثم قل" دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو۔ اس لیے بعد نماز ایسی دعا مانگنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دارالافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۵ر جمادی الاولی ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ الجواب صحیح عبد العزیز

(۱۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ
(۱) دعائے ثانی کا ازروئے شرع شریف کیا حکم ہے؟
(۲) اس کا ترک کرنا جائز ہے یانہیں؟
(۳) اس کا تارک قابل ملامت ہے یانہیں؟ اس کے تارک پر ملامت کرنا کیسا ہے ملامت کرنے والے مجرم ہیں یانہیں؟ (۴) آپ کے یہاں مساجد میں کیا عمل ہے؟
براہ کرم جلد از جلد جواب سے مطلع فرما کر پریشانیوں سے نجات دیں۔

الجواب

یہ ایک مستحب کام ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: "من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم شيئا" جس نے کوئی اچھا طریقہ نکالا تو اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اس طریقے پر جتنے لوگ عمل کریں گے اس کا ثواب بھی اس کو ملے گا اور ان کے ثواب سے کچھ کم بھی نہ ہوگا۔

(۲/۳) اس کا ترک جائز اور اس کا تارک نہ قابل ملامت ہے نہ بد بخت۔
شامی میں ہے: "حكمه الثواب على الفعل و عدم اللوم على الترك"
مستحب کام یہ ہے کہ اس کے کرنے والے کو اس کا ثواب ملے گا اور نہ کرنے والے پر ملامت نہیں کی جائے گی۔ اس لیے ترک کرنے والے پر ملامت کرنے والا ضرور شرعاً مجرم سمجھا جائے گا۔

(۴) ہندوستان کے اکثر حصوں میں دعائے ثانی کا رواج نہیں ہے۔ ہمارے یہاں بھی اس کا رواج نہیں ہے۔ اہل گجرات اگر مداومت کے ساتھ اس پر عمل کرتے ہیں تو حدیث شریف میں ہے: "احبُّ الاعمال الى الله ادومها" (كشف الخفا: ۱/۵۳) لیکن اگر دوسرا نہیں کرتا اور اس کا انکار بھی نہیں کرتا تو اس پر اصرار نہ کریں کہ مستحب کا بلا ضرورت اصرار منع ہے۔ ہاں اگر کوئی خواہ مخواہ اس کو روکے جیسا کہ آج کل دیوبندی وہابی حضرات کرتے ہیں تو اس وقت اس مستحب پر عمل ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ اگر علاقہ گجرات میں اہل سنت و جماعت کا یہ شعار ہے، اور وہ اس عمل کی وجہ سے دیوبندیوں وغیرہ بدمذہبوں سے پہچانے جاتے ہیں تو ان کے لیے اس علاقے میں یہ کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۸ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ
الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

(۱۲) **مسئلہ** : کیا ہر نماز کے بعد دعا کا پڑھنا ضروری ہے، اگر صرف مختصر الفاظ یا اللہ رحم فرما کہنا دعا ہو جائے گا یا طویل دعا پڑھنا ہی ہوگا۔

الجواب

نماز کے بعد دعا نہ مانگے تب بھی گناہ نہیں لیکن مسنون طریقہ یہ ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد مختصر دعا مانگی جائے اور جن کے بعد سنت نہیں طویل دعا مانگی جائے اتنی لمبی نہیں کہ مقتدی گھبرا جائیں۔ عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

درود شریف کا بیان

(۱-۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۱) کسی سنی ادارے کے غیر عالم صدر وسکریٹری ایسا جملہ لکھیں کہ جشن عید میلاد النبی یا انگریزی میں محبوب خدا ﷺ کا اسم مبارک لکھ کر درود پاک کی جگہ (s.a.s) لکھیں اور عوام میں تقسیم کریں تو ان لوگوں پر حکم شرع کیا ہے؟

(۲) اگر اسی کام کو جان کر کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اور انجان میں کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(۳) غیر عالم کو عالم دین کی موجودگی میں اپنے مطلب سے ایسا لکھنا شریعت کے مطابق کیسا ہے؟

لہذا برائے مہربانی بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں، سنی حضرات کو قیل وقال سے بچائیں۔

فقط احقر: عبدالنور غفرلہ

الجواب

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے پورا درود شریف لکھنے کے بجائے اس کا مخفف یا ایک آدھ حرف تہجی سے اس کی طرف اشارہ کرنے کو سخت ناجائز اور محرومی وبدنصیبی قرار دیا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں پہلا ایسا شخص جس نے درود شریف کا ایسا اختصار کیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا، یہ فعل کوئی عالم کرے یا جاہل احکام شریعت میں جہالت عذر نہیں اگر صدر سکریٹری نے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ایسا کیا تو کسی ذمہ دار عالم دین سے اس کی تصحیح کرالینی چاہئے تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۲ر جمادی الاولی ۱۴۲۴ھ

جمعہ کا بیان

(۱) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے موضع مصرولی کی آبادی آٹھ گھر کی ہے، ہم لوگ تقریباً دس سال سے جمعہ پڑھتے آرہے ہیں درمیان میں ایک صاحب نے روک دیا کہ یہاں جمعہ جائز نہیں ہے، بلکہ آپ لوگ قصبہ وغیرہ میں جاکر جمعہ ادا کریں گاؤں سے باہر جاکر خاص ہی لوگ پڑھ سکتے ہیں عام لوگ نہیں جاسکتے اور جو آٹھ روز میں پڑھ لیتے ہیں وہ چھوڑ دیں گے، لہذا شرع کے مطابق ہم لوگوں کو آگاہ کیا جائے کہ ہم لوگ یہاں جمعہ پڑھیں یا چھوڑ دیں یہ اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ کم سے کم آٹھویں دن لوگ مسجد میں جاکر سجدہ کریں۔

المستفتی مسلمانان مصرولی اعظم گڑھ

الجواب

دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

لاجمعة ولاتشريق الافی مصر جامع۔(فتح الباری:۲/۴۵۷)

لہذا آپ لوگ جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں۔ اس فرض سے بھی سبک دوش ہوں گے اور وہ مقصد بھی پورا ہو جائے گا جو آپ نے لکھا کہ" کم از کم آٹھویں دن لوگ مسجد میں جاکر سجدہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۲) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور ہمارے یہاں بلکہ اکثر جگہ پر نماز جنازہ موجودہ امام صاحبان ہی اجتماعی حیثیت سے جنازے کی نماز ادا کرتے ہیں، بعض موقع پر جمعہ کے دن میت ہو جانے کی صورت میں کثیر جماعت میں جنازے کی نماز ہوگی یا عیدین کے دن ایسی صورت پیش آنے پر نماز جنازہ جمعہ کی فرض نماز یا عیدین کی نماز کے بعد ادا کی جائے، یا بعد ادائیگی سنن ونوافل دعائے ثانی صلاۃ سلام کے پڑھی جاوے اور عیدین میں قبل خطبہ پڑھی جائے یا خطبے کی ادائیگی کے بعد نماز جنازہ پڑھی جائے۔
برائے کرم اس مسئلہ کی نوعیت مفصل شرع محمدی کی روشنی میں جواب استفتاء مرحمت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں اور شرعی طریقے پر ہم لوگ نماز ادا کرتے رہیں۔

المستفتی حافظ محی الدین

الجواب

آپ نے یہ بات خود لکھی ہے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے لوگوں کو اس میت کا علم ہوا، اگر وہ بے نماز پڑھے دفن ہوا تو سب گنہگار ہوئے۔ اور کچھ لوگوں نے پڑھ لیا تو سب سے فرض اتر گیا اس مسئلہ کی روشنی میں اعلان والے مسئلہ کا جواب واضح ہو گیا، اعلان سے جن لوگوں کو علم ہوا اگر سب لوگ یہ سوچ کر چلے گئے کہ اور لوگ ہیں نماز جنازہ پڑھ ہی لیں، اور اس مردے کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ بے نماز پڑھے دفن کر دیا گیا تو سب گنہگار ہوئے۔ اور کسی نے بھی نماز جنازہ پڑھ لی تو سب بری ہو گئے۔ عام طور سے تو شہروں میں ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی نہ پڑھے اس لیے آزادی بھی ہے اور خدانہ خواستہ وہ بات ہو کہ بے پڑھے دفن کر دیا تو بندش بھی ہے۔

جمعہ کے دن کسی کا انتقال ہوا تو اگر جمعہ سے پہلے تجہیز و تکفین ہو سکے تو پہلے ہی کر لیں۔ اس خیال سے روک رکھنا کہ جمعہ کے بعد مجمع زیادہ ہوگا مکروہ ہے۔ بہار شریعت

کسی بھی فرض کی جماعت کے وقت جنازہ آیا فرض اور سنت پڑھ کر نماز جنازہ پڑھیں۔ اور نماز عید میں پہلے نماز پھر جنازہ پھر خطبہ۔ بہار شریعت

نفل نماز یا صلاۃ وسلام کے لیے تاخیر نہیں کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس گاؤں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اس گاؤں میں اسی دن ظہر کی نماز اذان واقامت کے ساتھ باجماعت پڑھنا فرض ہے یا واجب یا مستحب۔ مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ فقط والسلام المستفتی عبدالصمد مقام نرگہنہ پوسٹ پٹوار ضلع جونپور

الجواب

حنفی مذہب میں دیہات میں جمعہ اور عیدین کی نماز فرض نہیں۔ حدیث شریف میں ہے: "لا جمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع" تو جہاں یہ فرض ہی نہیں۔ وہاں ظہر کی نماز ضرور اذان واقامت اور جماعت سے پڑھنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ نماز تو فرض ہوگی اور جماعت سنت مؤکدہ اور اذان و اقامت بھی سنت ہوتی ہے جیسا کہ پانچوں وقت کی نمازوں میں کچھ نماز فرض ہوتی ہے کچھ سنت ہوتی ہے اور بعض امور سنت قریب بواجب ہوتے ہیں اور کچھ امور مستحب ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۲ر رجب ۱۴۱۰ھ/۳۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

(۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

شیش گڑھ جس کی آبادی تیس ہزار نگر پنچایت ہے، تھانہ ہے، ڈاک خانہ ہے۔ضروریات کی تمام چیزیں چھوٹی چھوٹی گلیاں اور بازار بھی ہیں، باہر قبرستان بھی ہیں، چار بڑے اسلامی مدارس بھی ہیں۔ انگریزی مدرسے بھی ہیں عیدگاہ بھی ہے۔ بینک بھی ہے۔ پانی کی ٹنکی اور مذبح بھی ہے۔ مسجدوں کی تعداد سترہ ہے۔ مکھیہ، پردھان، نائب چودھری، چیئرمین، تیرہ ممبران بھی ہیں۔ آیا اس قصبہ کے اندر جمعہ فرض ہے یا نہیں؟ کیا جمعہ کے دو فرض پڑھنے کے بعد ظہر کے چار فرض جماعت سے پڑھے جائیں گے یا نہیں؟ اور یہ قصبہ شہر میں داخل ہے یا دیہات میں داخل ہے؟ اور بکر کا یہ کہنا ہے کہ یہ قصبہ شہر نہیں دیہات ہے۔ یہاں پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ کیا یہ قول درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عارف رضوی، رضوی جنرل اسٹور بلاس پور بس اسٹینڈ قصبہ شیش گڑھ بریلی شریف

الجواب

فتاویٰ رضویہ جلد ثالث ص/۷۲۵، مطبوعہ سنی دار الاشاعت لائل پور میں ہے:

زبان عرب میں دو ہی چیزیں ہیں مصر یا قریہ۔ قصبہ ان سے باہر کوئی تیسری چیز نہیں۔ شرع مطہر میں قصبات کو کسی خاص حکم سے مخصوص نہ فرمایا۔ مصر وقریہ کی تقسیم حاضر ہے۔ آبادی پر حد مصر صادق ہو تو مصر ہے: والا قریۃ لا ثالث لھما۔

اور شہر کی تعریف میں ص/۷۲۳، پر فرماتے ہیں: وہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم ہو جو فیصلہ مقدمات کا اختیار من جانب سلطنت رکھتا ہو۔

اور ص/۷۳۵، پر فرماتے ہیں: حق اس سے متجاوز نہیں، اس کے خلاف عمل کر سکتے ہیں نہ زنہار زنہار مذہب ائمہ چھوڑ کر دوسری بات پر فتویٰ دے سکتے ہیں، مگر در بارۂ عوام فقیر کا طرز عمل یہ ہے کہ ابتداء خود انہیں منع نہیں کرتا۔ ہاں جب سوال کیا جائے تو جواب میں وہی کہا جائے گا جو اپنا مذہب ہے۔ (ص/۷۳۶)

پس آپ کا قصبہ بھی مذکورہ بالا خصوصیات کے ساتھ تحصیل اور پرگنہ ہو اور وہاں کچہری فیصل مقدمات کے لیے حاکم مقرر ہوں تو وہ مصر ہے۔ وہاں جمعہ واجب ہے ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۷/ جمادی الاخرہ ۱۴۲۲ھ

(۵-۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) اعلاء کلمہ حق کے لیے قید خانہ میں جمعہ قائم کیا جا سکتا ہے جب کہ حکومت ہند نے اہل ہنود کو

ان کے مذہبی شعائر و پوجا پاٹ اور اشاعت دین کی اجازت دے رکھی ہے اور اس طرح مسلمانوں کو بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ لوگ بھی جمعہ کی نماز قید خانہ میں قائم کریں اور مسائل وفضائل دین بیان کریں تو کیا ایسی صورت میں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے؟

(۲)(الف) جمعہ کی نماز پڑھانے کے واسطے باہر سے امام جاسکتا ہے؟

(ب) کیا ایسی صورت میں امام جمعہ سے فرضیت جمعہ ساقط ہوجائے گی؟

(ج) کیا امام قید خانہ میں نماز پڑھا کر دوسری مسجد میں فرضیت جمعہ ادا کرسکتا ہے اور ماسبق والی نماز نفل نماز باجماعت پڑھی جاسکتی ہے؟

(۳) ملیٹری میں اماموں کی بھرتیاں اس غرض سے ہوتی ہیں کہ پنج وقتہ نماز و جمعہ کی نماز ملیٹری کے مسلمان جوانوں کو پڑھائیں اور تعلیم دین تو کیا شرعاً ایسی نوکری جائز ہے۔ ادلۂ اربعہ کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: حافظ غلام قادر خادم دارالعلوم شاہ علی قدرتیہ جاجمو کانپور

الجواب

(۱) صحت جمعہ کی چھٹی شرط اذن عام ہے، بلا روک ٹوک جانے کی اجازت ہو، اور جیل خانوں میں پھاٹک بند رہتا ہے بلا اجازت پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ اس لیے جیل خانہ میں جمعہ کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ اسی کو صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب بہار شریعت جلد چہارم ص ۹۹ پر فرماتے ہیں:

جیل میں نماز جمعہ فرض نہیں۔ عالم گیری میں ہے: و ان غلقوا ابواب المسجد علی انفسهم و جمعوا لم یجز ۔(عالم گیری:۱/۱۸۷)

اسی میں ہے: و کذلك السلطان اذا اراد ان یجمع بحشمه فی داره فان فتح باب الدار و اذن اذنا عاما جازت صلوته و ان لم یفتح باب الدار و اجلس البوابین علیها لم تجز لهم الجمعة۔

اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خان صاحب فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۷۴۶ پر فرماتے ہیں:

جمعہ کی ایک شرط اذن عام ہے، جیل میں کوئی نہیں جاسکتا۔ تو اس میں نماز جمعہ باطل اور ناممکن ہے۔ اور ظہر کی نماز بھی باجماعت انہیں جائز نہیں جب کہ جیل حدود شہر میں ہو، ہر شخص تنہا ظہر پڑھے۔ ملازم ہو یا ماخوذ (قیدی)، ہاں اگر جیل بیرون شہر ہو تو جمعہ کے دن بھی نماز ظہر جماعت سے پڑھیں۔

درمختار میں ہے: کرہ تحریما لمعذور ومسجون و مسافر اداء ظهر لجماعة فی

المصر۔ (در مختار:۳/۳۰)

پس جب شرعا جیل میں نماز جمعہ جائز نہیں تو حکومت یا کسی کے کہنے سے وہ جائز نہ ہوگی۔ ہاں اس دن یا کسی اور دن ایک جگہ جمع ہو کر مسائل اور فضائل دین بیان کرنے میں حرج نہیں۔

(۳) مذکورہ تفصیل سے آپ کے سوال نمبر اول دوم کے جملہ شقوق الف، با، تا، وغیرہ کا جواب ہو گیا کہ یہ امور جائز نہیں۔ اگر امامت کی اس بھرتی میں کسی خلاف شرع بات کی پابندی نہ ہو تو ایسی نوکری میں شرعا کوئی قباحت اور ممانعت نہیں۔ ایسی نوکری جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۴ر جمادی الاخری ۱۴۲۳ھ

(۸۔۱۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) گاؤں دیہات میں جمعہ کی نماز فرض ہے یا نہیں؟ نیز گاؤں دیہات میں جہاں عرصہ سے جمعہ قائم ہے وہاں ظہر بھی جماعت کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

ہمارے علاقے میں ایک علی حسن نام کے مولانا ہیں، وہ کہتے ہیں کہ گاؤں دیہات شہر ہر جگہ جمعہ کی نماز جائز وفرض ہے ظہر باجماعت پڑھنے کی حاجت نہیں، بلکہ ہرگز نہ پڑھی جائے۔ دلیل میں وہ وحید الزماں کیرانوی کا ترجمہ بخاری پیش کر کے کہتے ہیں مولانا وحیدالزماں سنی عالم ہیں انہوں نے ترجمہ بخاری شریف باب الجمعہ میں لکھا ہے کہ گاؤں، دیہات میں جمعہ کی نماز درست ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مولانا علی حسن حق رائے پر ہیں یا باطل رائے پر؟، براہ کرم تفصیل کے ساتھ بیا جاگر کیا جائے۔

(۲) اور یہ کہ بخاری شریف کے مترجم وحیدالزماں کیرانوی اہل سنت وجماعت سے تعلق رکھتے ہیں یا دیوبند سے؟ اگر وہ دیوبند ہیں تو محض اپنی بات رکھنے کے لیے دیوبندی مولوی کو سنی عالم ہیں، کہنا کیسا ہے؟ اور کہنے والے مولانا حسن علی صاحب کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۳) مولانا علی حسن عام طور پر کہتے ہیں کہ جولاہا، نائی، موچی، برادری کے سبھی لوگ کمینے، نکھے، ہیں اس جملے سے ان پر کون سا حکم شرع عائد ہوتا ہے؟

استفتاء کنندگان: اساتذہ کرام جامعہ نوریہ دارالبرکات نوری نواب گنج علی آباد ضلع مہراج گنج

الجواب

(۱) دیہات میں جمعہ کی نماز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے: لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع، عوام جہاں پڑھتے ہوں تو انہیں منع نہیں کرنا چاہئے۔ اور جہاں نہ پڑھتے ہوں وہاں جمعہ کی

نماز قائم نہ کرنا چاہئے وہاں با جماعت ظہر ہی پڑھی جائے۔

(۲) وحید الزماں کیرانوی دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے جو مولوی دیہات میں بھی نماز جمعہ جائز کہے وہ سنی حنفی نہیں یا پھر لاعلمی کی وجہ سے یہ غلط مسئلہ بتارہا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مہذب وہی ہے جو نمبر ایک میں بتایا گیا۔

(۳) کاروبار اور پیشہ یا برادری کی بنیاد پر کسی کو کمینہ کہنا بڑی کمینگی ہے۔ قرآن عظیم میں ہے:

﴿وَ جَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾[الحجرات:۱۳]

ہم نے آپسی تعارف اور پہچان کے لیے تم کو قبیلوں اور خاندانوں میں بانٹا۔ اللہ کے نزدیک سب سے بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ نیک ہے۔

حدیث شریف میں ہے: لافضل للعربی علی العجمی و لاالعجمی علی العربی کلکم من آدم وآدم خلق من تراب۔(الدر المنثور:۹۸/۶)

موصوف کی تینوں باتیں غلط ہیں، انہیں خود مسئلہ نہیں بتانا چاہئے اور مسلمان ان سے دینی مسائل نہ دریافت کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم　　عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو　۲۱ر جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ

(۱۱)　**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

پہلے ایک ویران جگہ تھی، اب وہاں پر ایک فیکٹری قائم ہوئی ہے جس کی وجہ سے کچھ مسلمان بھی رہنے لگے ہیں اور ایک جگہ جمعہ پڑھنے کے لیے مقرر کر لیا ہے وہ جگہ میدان ہے اور وہاں کسی کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں۔ اب ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میدان میں جمعہ جائز اور فرض نہیں ہے۔ یہاں تھانہ اور ضرویات کی چیزیں موجود ہیں، وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں۔ اور مولوی صاحب کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جمال الدین احمد خان سائیکل فیکٹری آسنسول

الجواب

وہ جگہ اگر پرگنہ اور تحصیل نہیں ہے تو وہاں جمعہ فرض نہیں ہے۔ لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع۔ جمعہ اور عیدین شہر ہی میں پڑھنا فرض ہے۔ صرف تھانہ ہونا کافی نہیں، وہاں ایک ایسا حاکم ہونا چاہئے جو جھگڑے کا فیصلہ کر سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی ۱۲ر رجب ۷۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ　　الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

(۱۲۔۱۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ظہر کی نماز دو بجے ہوتی ہے جمعہ کی نماز کا بہتر وقت کون ہے کس وقت پڑھا جائے گا؟

(۲) اگر کوئی سنی عقیدہ کا مسلمان اپنے طبعی رجحان کی بنا پر بجائے یا رسول اللہ کے یا اللہ ہی کہے اور یا علی یا غوث کا کہنا جائز اور باعث ثواب وبرکت سمجھے پھر بھی اللہ کہنے پر اصرار کرے تو ایسی صورت میں اس کا ایمان صحیح ہے یا نہیں؟ اور روز محشر یا رسول اللہ نہ کہنے کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

(۳) روزہ، نماز، حج، زکاۃ، قربانی وغیرہ احکام خداوندی صرف قوم مسلم پر نازل ہوئے ہیں یا دنیا کے ہر انسان پر؟ المستفتی محمد یٰسین قصبہ مہنداول ضلع بستی یوپی۔

الجواب

(۱) آپ نے جو وقت نماز جمعہ کا تحریر کیا ہے جاڑوں کے لیے افضل یہی وقت ہے لیکن گرمیوں میں تاخیر مستحب ہے۔

درمختار میں ہے: "والمستحب تاخیر ظهر الصيف مطلقا و جمعة كالظهر اصلا واستحبابا في الزمانين والمستحب تعجيل ظهر الشتاء۔ (درمختار: ۲/۹۲۳)

گرمی میں ظہر کا مؤخر کرنا اور جاڑوں میں جلدی کرنا افضل ہے۔ جو ظہر کا اصلی وقت ہے وہی جمعہ کا ہے اور جب جب تاخیر یا تعجیل ظہر میں مستحب ہے اسی وقت جمعہ میں بھی۔

(۲) اس کا ایمان صحیح ہے اور مواخذہ اخروی نہ ہوگا لیکن ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ ذکر خدا کے ساتھ ذکر رسول بھی دل کے معمولات میں سے ہو۔

(۳) کفار احکام کے مخاطب نہیں۔ احکام کا خطاب ایمان لانے کے بعد ہوتا ہے۔ تفسیر احمدی شریف میں ہے: "ان الكفار يخاطبون بالايمان والمعاملات و العقوبات في حق المواخذة في الاخرة اما في الدنيا فلا۔ ملخصا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبد المنان اعظمی مبارک پور اعظم گڑھ ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۹۷ ۱۳ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ

(۱۵۔۲۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اسلام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید عالم دین اسلام صحیح العقیدہ سنی ہے زید عالم جامع مسجد کے امام ومدرسہ کے معلم تھے جب اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوئے تو اپنی محلہ میں رہنے لگے اور اپنے محلہ کی مسجد میں نماز جمعہ قائم کیا گاؤں میں سنی دیوبندی دونوں میں ایک ساتھ نماز پڑھنے سے دیوبندی کچھ نہیں کہتا تھا، اب جب کہ ٹولہ

گاؤں الگ ہوا ہے تو دیوبندی پریشان کرتا ہے، اور زید عالم اس سے لطف لیتے ہیں، اور زید عالم کے پاس جب کوئی سنی میلاد النبی ﷺ کے لیے یا فاتحہ قرآن خوانی کے لیے دعوت دینے جاتے ہیں تو زید عالم دعوت نہیں لیتے ہیں، اور زید عالم کہتے ہیں کہ ہمارے مدرسہ کے سکریٹری دوسرے گیٹ میں جانے سے روکتے ہیں ایسا فعل کرنا جس سے مذہب حق میں نقص لازم آتا ہے جیسے سنیوں کو دو گروہ میں تقسیم کر دیتے ہیں اور دیوبندی میں بڑا اتحاد ہے، اور وہ سنیوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں ایسا بندی عائد کرنے والا اور اس پر عمل کرنے والا کیسا ہے؟۔

(۲) دیوبندی لڑکا سنی لڑکی کا عقد نکاح زید عالم نے پڑھایا۔

(۳) سنی کی میت ہوئی زید عالم کو کہا گیا کہ آپ نماز جنازہ پڑھا دیں تو اس نے نہیں پڑھا جب کہ زید عالم کے سوا کوئی سنی عالم موجود نہیں تھا۔

(۴) دیوبندی بریلوی کا جھگڑا ہوا، مسجد میں تالا بند کر دیا گیا جب فیصلہ ہوا تو دونوں فریقین سے پوچھا گیا کہ آپ کی نماز سنی عالم کے پیچھے جائز ہے تو دیوبندی عالم نے کہا کہ ہاں جائز ہے اور جب زید عالم سے کہا گیا آپ کی نماز دیوبندی مولوی کے پیچھے جائز ہے تو زید عالم نے کہا ہاں جائز ہے بلکہ دیوبندی مولوی کے پیچھے نماز بھی پڑھی۔

(۵) ما کان محمد ﷺ قرآنی آیت کی تلاوت پر انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

(۶) ایک ہی مسجد میں دیوبندی مولوی پنجگانہ نماز کی امامت کرتا ہے اور صرف جمعہ کی امامت سنی مولوی کرتا ہے اور جب دونوں کے درمیان اختلاف ہوا تب فیصلہ کیا اس فیصلہ پر عمل کرنے والوں پر حکم شرعی کیا ہے۔

(۷) دیوبندی عقیدہ والے کو سنی مدرسہ کا سکریٹری بنانا صرف اس وجہ سے کہ وہ سنی ہو جائے لیکن وہ کسی بھی حال میں سنی ہونے والا نہیں ہے، پھر اس کو اپنا سردار مسلم کرنا اس کی بات پر عمل کرنا کیسا ہے اور عمل کرنے والوں پر حکم شرعی کیا ہے، پورے سنی عوام الناس کا یہ عقیدہ ہے کہ دیوبندی لوگ گمراہ ہیں، مولوی مسلمان کا ان سے سلام وکلام کرنا ان سے رشتہ قائم کرنا ان کے گھر جا کر دعوت کھانا اپنی لڑکی کی شادی دیوبندی کے لڑکے سے کرنا ان سے پرانا رشتہ جوڑنا کیسا ہے؟۔

(۸) ملنگ کیا ہے بت خانہ میں اس کی پیڑی پر مسلمان لوگ مرغا ذبح کرتے ہیں اور ملیدہ بنا کر لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں، ملنگ پر جانور یا مرغا ذبح کرنے والوں پر حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتی، نیک محمد ساکن بھن پورہ پوسٹ ہری ضلع سیتا مڑھی

الجواب

(۱) شریعت میں قیام جمعہ کے لیے کچھ شرائط ہیں، اگر ان سب کی پابندی کی گئی ہو تو بضرورت وہاں دوسرا جمعہ بھی قائم ہو سکتا ہے اور شرائط متحقق نہ ہوں تو پہلا جمعہ بھی قابل اعتراض ہوگا، سوال میں کوئی تفصیل نہیں اور مبہم سوال کا کوئی جوب نہیں ہوتا۔

نیاز، فاتحہ، میلاد، قیام اور قرآن خوانی امور مستحبہ میں سے ہیں کہ کریں تو ثواب اور نہ کریں تو کوئی گناہ نہیں، یہی حکم اس میں شرکت کا بھی ہے اور جب وہ عالم بقول سائل سنی صحیح العقیدہ ہے تو شرکت سے انکار کی وجہ بدعقیدگی نہیں ہوگی، کوئی دنیاوی رنجش ہوگی تو گوٹ والوں کو خود بھی سوچنا چاہئے کہ ہماری کون سی حرکت ہے جس سے خود سنیوں کے مولینا اور ایک سنی ٹولہ کے لوگ ہماری مجلس میں آنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

الختصران مجالس خیر میں اگر کوئی بلاسبب بھی شریک نہ ہو تو کوئی شرعی حرج نہیں کہ اس کے خلاف فتویٰ دیا جائے، اللہ تعالیٰ دلوں کا بھید جانتا ہے اگر مولوی صاحب مذکور اور محلہ ٹولہ کے ذمہ داروں کی طرف سے گوٹ والوں کیلیے کوئی بدنیتی ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان سے مواخذہ آخرت فرمائیگا، گوٹ والے لوگوں پر خود ضروری ہے کہ بقدر ضرورت دینی مسائل خود جانیں اور اپنے وہاں کے بچوں کو دینی تعلیم دلائیں تا کہ یہ محتاجی دور ہو۔

قرآن عظیم میں ہے: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ﴾ [التوبة:۱۲۲]

(۲) سنی لڑکی کا نکاح دیوبندی لڑکے سے نہیں ہوتا ایسا نکاح پڑھانے والا اس کی گواہی دینے والے اور اس میں شریک ہونے والے سب گنہگار ہوئے سب پر توبہ صادقہ فرض ہے۔

(۳) سنی عالم کے انکار کے بعد اگر اس میت کی نماز جنازہ پڑھے بغیر لوگوں نے اس کو دفن کر دیا تو وہ عالم اور یہ سب لوگ اور مزید جن لوگوں نے سنا اور جنازہ پڑھا سکتے تھے نہ پڑھا سب سخت گنہگار ہوئے حقوق عبد اور حقوق اللہ میں گرفتار ہوئے اور کسی نے بھی نماز پڑھ دی تو یہ بوجھ سب کے سر سے اتر گیا کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور اس کا حکم یہی ہے۔

(۴) دیوبندی عالم کے پیچھے سنیوں کی نماز نہیں ہوتی، جس نے جواز کا فتویٰ دیا سخت مجرم و گنہگار ہوا اور گمراہ ہوا۔ عالم گیری میں " ان كان هوى لايكفر به صاحبه تجوز الصلوة خلفه مع الكراهة والافلا" (۱۰۷/۱)

(۵) حضور ﷺ کے اسم گرامی کی تعظیم کے لیے چومیں تو کوئی حرج نہیں البتہ چومنا ضروری نہیں

(۶) فیصلہ اگر وہ ہوا جو نمبر چار میں درج ہے تو اس کا حکم بھی اسی نمبر میں بیان ہوا۔

(۷) کسی گمراہ کو اپنے مدرسہ کا سکریٹری بنانا سخت ناجائز و حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے" ایاکم و ایاھم لا یضلونکم و لا یفتنونکم " اپنے کو ان سے دور رکھو اور ان کو اپنے سے دور رکھو، کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں تم کو فتنہ میں نہ ڈالدیں۔

نہ کہ اس کو اپنا قائد و حاکم بنائیں، بقیہ اعمال کا حکم بھی اسی سے ظاہر کہ ان سے بھائی چارگی قائم کرنا حرام ہے۔

(۸) ملنگوں کے عقائد و اعمال کے بارے میں ہمیں علم نہیں، لیکن حسب بیان سائل بت خانہ میں اس کی پیڑھی ہونے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی انھیں میں سے ہے، پس اس کی پیڑھی پر مرغا ذبح کرنا حرام ہے یا کفر نعوذ باللہ من ذلك۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۲۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید ایک جمعہ مسجد کا امام ہے جو باعتبار قلت داڑھی فاسق معلن ہے، نیز اس کے کچھ افعال خلاف شرع ہیں اور اسی گاؤں کے دوسرے محلے میں ایک مسجد ہے جس میں نماز پنجگانہ ادا کی جاتی ہے۔ مگر اب اس مسجد ثانی کے مصلین کے لیے ادائیگی نماز جمعہ کی شریعت مطہرہ کی روشنی میں کیا صورت ہے۔ قرآن و حدیث کے دلائل و براہین سے ہدایت فرمائیں۔ بینوا و توجروا۔

المستفتی، محب اللہ خاں گرام۔ پوسٹ ہلاؤں تھلی پور ضلع مئو۔

الجواب

نیا جمعہ قائم کرنے میں بہت سی اڑچنیں ہیں۔ بدرجۂ مجبوری جمعہ میں فاسق کی اقتداء کرسکتے ہیں، بہار شریعت حصہ سوم میں صفحہ ۱۱۷ میں ہے" فاسق کی اقتداء نہ کی جائے" مگر صرف جمعہ میں کہ اس میں مجبوری ہے باقی نمازوں میں دوسری مسجد میں چلا جائے، اگر جمعہ شہر میں چند جگہ ہوتا ہو تو اس میں بھی اقتداء نہ کی جائے دوسری مسجد میں پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۶ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

(۲۴-۲۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید سنی حنفی دیہی اپنے گاؤں میں جمعہ کے بعد ظہر باجماعت پڑھاتا ہے اور عوام الناس کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور سب ایک مدت مدیدہ سے اسی طرز پر پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں کہ اس کے مابین بکر سنی حنفی عالم نے لوگوں سے بیان کیا کہ یہ درست نہیں ہے اور اب سے جمعہ کے بعد ظہر کی نماز با

جماعت نہیں پڑھی جائے گی، ہاں جس کا جی چاہے فرداً فرداً پڑھے۔ تو دریافت طلب امر یہ کہ جمعہ کے فوراً بعد ظہر با جماعت پڑھنا کیسا ہے نیز صورت مسئولہ میں زید مخطی ہوگا یا بکر؟۔

(۲) زید سنی حنفی عالم نے اپنے خطبہ کے مابین کہا کہ ہماری سمجھ میں بات یہ آتی ہے کہ قربانی کا گوشت کھال اتارنے کے بعد زمین میں دفن کردیا جائے اور کسی کو نہ کھلایا جائے اور نہ خود کھایا جائے تو کیا یہ شرعاً درست ہے، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قربانی کیا ہوا ذبیحہ کیا ہوا تھا؟۔

(۳) محرم شریف کی تعزیہ داری اور باجا بجانا اور بنانا کیسا ہے نیز اس کا حکم دینے والے کے اوپر شرع مطہر کا کیا حکم عائد ہوگا۔

(۴) ھندہ کا نکاح سال بھر پہلے زید سے ہوا، رخصتی بھی ہوئی، اس کے بعد زید بمبئی چلا گیا پھر سال بھر بعد چند روز کے لیے آکر بمبئی چلا گیا، اسی مدۃ میں ھندہ کو چھ ماہ کا حمل ظاہر ہوا، پوچھنے پر اس نے بتایا یہ حمل زید کے بڑے بھائی بکر کا ہے اور بکر اس کی مخالفت حلف بیانی سے کررہا ہے اور سماج کے لوگ حقہ پانی بند کردیے ہیں، مسئول این کہ ہندہ اپنے اس قول میں سچی مانی جائے گی یا جھوٹی نیز پیدائش کے بعد بچہ کس کا مانا جائے گا اور کون پرورش کرے گا، نیز کوئی ایسی صورت ہے جس کی وجہ سے گاؤں والے حقہ پانی چالو کریں۔ بینوا توجروا

المستفتی، عبد اللطیف بستوی خادم اللہ رئیس دار العلوم اھل سنت فیض حسنیہ حمیدیہ پرسا بینی مہاراج گنج

الجواب

(۱) ہندوستان میں جو جگہیں تحصیل یا پرگنہ نہ ہوں اور وہاں کے کل بالغ مرد اتنے ہوں کہ وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں سمانہ سکیں اور وہاں قدیم ایام سے لوگ جمعہ پڑھتے چلے آرہے ہوں تو ایسی جگہ خواص جو صحیح نیت کرسکیں، تنہائی میں چار رکعت احتیاطی ظہر پڑھنے کا حکم ہے وہ سب سے آخری ظہر پڑھتا ہوں جس کا وقت مجھے ملا اور میں نے نہیں پڑھی، عوام جو تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں انہیں بتانا بھی نہ چاہئے، جمعہ اور ظہر دونوں ایک ہی مصلے پر جماعت کے ساتھ نہ پڑھنا چاہئے۔

(۲) وہ زید صاحب سنی حنفی عالم نہ تھے جاہل تھے شریعت کا مسئلہ صرف رائے اور سمجھ سے طے نہیں ہوتا اللہ ورسول کا جو حکم ہوتا ہے اس پر عمل ہونا چاہئے۔ قربانی کے گوشت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا " کلوا وادخروا وایتجروا " اس کو کھاؤ اسے کھلاؤ اور جمع کرو یعنی سوکھا کر آئندہ کے لیے بچا رکھو، لہذا ہم کو رسول اللہ ﷺ کے اس حکم پر عمل کرنا چاہئے، اس کا گوشت دفن کرنا اضاعت مال ہے اور حرام ہے۔

(۳) مروجہ تعزیہ داری حرام ہے، اس مسئلہ کا تفصیلی حکم اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب رسالہ تعزیہ داری میں ہے۔ ایسا حکم دینے والا مجرم اور گنہگار ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم کرے، سب مل کر ایک برائی کا دروازہ کھولتے ہیں اور پھر برائی ہوجاتی ہے تو سزا دیتے ہیں، لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا حضور شوہر کے بھائی کے بارے میں کیا حکم ہے، یعنی عورت اس سے پردہ کرے یا نہ کرے، تو آپ نے فرمایا "الحمو الموت" شوہر کا بھائی تو موت ہے۔ یعنی اس سے پردہ پرہیز اور علیحدگی تو عورت پر ضروری ہے ورنہ گناہ میں مبتلا ہو جائے گی، آج کل رسول اللہ ﷺ کے اس حکم پر مسلمانوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اور شوہر کے بھائیوں کو کھلی چھوٹ دے دی ہے تو ان معاشرتی برائیوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے، پنچ گھر والوں کو مجبور کریں کہ وہ ایسا سخت انتظام اور نگرانی کریں کہ عورت اور اس کے شوہر کا بھائی آمنے سامنے نہ ہوسکیں، اگر اس کے لیے مرد کو گھر سے نکالنا پڑے تو یہ بھی کریں کہ اس کا رہن سہن علیحدہ کردیں اور عورت کی بھی کڑی نگرانی کریں بلکہ شوہر اس کو اپنے ساتھ ہی رکھے اور اس سے توبہ واستغفار کرائیں اور عہد لیں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گی اور ان کا حقہ پانی کھول دیں، ان سے کوئی مالی جرمانہ نہ لیں کہ یہ حرام ہے۔

ہندہ کی بات خود اس کے حق میں سچ مانی جائے گی اگر اسلامی شریعت کا حکم نافذ ہوتو وہ سنگسار کردی جاتی۔ لیکن شوہر کا بھائی جب انکار کررہا ہے تو اس کو الزام نہیں دیا جاسکتا، اس کا علاج وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، زید اگر اس لڑکے سے انکار نہیں کرتا تو شرعاً لڑکا اسی کا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا "الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ لڑکا شوہر کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے۔

اور شوہر اس سے انکار کرتا ہے تو ہندہ اس کی ذمہ دار ہے وہ پرورش کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو یوپی، ۲۵ ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ

(۲۸-۳۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۱) زید کہتا ہے کہ فتاوی رضویہ باب الجمعہ میں جو شہر کی تعریف کی ہے جس کو ظاہر الروایہ کہا گیا ہے وہ درحقیقت مصر عرفی کی تعریف ہے، مصر شرعی کی تعریف تو وہی ہے جو شارح وقایہ حضرت صدر الشریعہ وغیرہ نے اختیار فرمائی ہے یعنی " ما لا يسع اكبر مساجده اهله المكلفين بها "۔

(۲) زید نے اپنے ایک بیان میں "انا المومن حقا" کہا، بکر نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ "انا المومن حقا" سے یہ ظاہر ہوا کہ صرف آپ ہی مسلمان ہیں اور کوئی مسلمان نہیں، زید کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں مسلمان ہی ہوں کافر نہیں، یعنی زید مسند الیہ کو مسند میں محصور مان رہا ہے مگر

بکر مسند کو مسند الیہ میں محصور کررہا ہے جواب بالصواب کی زحمت کریں۔

(۳) التعقیب الجلی علی المولوی ریاست علی اور جامع الفتاویٰ معتبر کتابیں ہیں یا نہیں۔

المستفتی، عتیق الرحمن سیفی رامپور

الجواب

(۱) ہمارے نزدیک زید کی یہ موشگافی مندرجہ ذیل وجوہ سے غلط اور بے فائدہ ہے:

(الف) فتاویٰ رضویہ باب الجمعہ میں شہر کی جو تعریف ظاہر الروایہ کہہ کر نقل کی گئی ہے وہ کسی لغت یا جغرافیہ یا زبان وبیان کی کتب کا مسئلہ نہیں وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ان چھ کتابوں کا ایک شرعی مسئلہ ہے جن کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے خاص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے نقل کے لیے تصنیف کیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وکتب ظاهر الرواية ستا   وأتت با لاصول ايضاً

صنفها محمد الشيباني   حرر فيها مذهب النعماني

تو مذہبی کتاب کے مذہبی اور شرعی حکم کو عرفی قرار دینا وہ بھی بغیر حوالہ اور دلیل وثبوت کے نرا تحکم اور بے بنیاد بات ہے۔

(ب) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اب تک سیکڑوں ائمہ اعلام وفقہائے کرام (جن کی تھوڑی تفصیل اور کتابوں کا حوالہ فتاویٰ رضویہ باب الجمعہ صفحہ ۶۹۳ میں ہے) نے اس کو اصح راجح قابل اعتماد فرمایا اسی کو صحت جمعہ کے لیے شرط قرار دیا، اسی کے بارے میں فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک ظاہر المذہب ہے، ایسی تعریف کو بیک جنبش قلم شرع کے دائرے سے نکال کر عرف کے خانہ میں ڈال دینا غیر معقول اور لایعنی بات ہے۔

(ج) جس تعریف کو زید نے شرعی قرار دیا علمائے محققین نے اس کو غیر صحیح قرار دیا، مجمع الانہر میں ہے "وقيل قائله صاحب الوقايه صدر الشريعة وغيرهما مالو اجتمع اهله فى اكبر مساجده لا يسعهم وهو اختيار الثلجي وانما اورد بصيغه التمريض لانهم قالوا ان هذا الحدغير صحيح عندالمحققين" (مجمع الانهر:باب الجمعة. ۱/۲۰۸)

یہ ایسی تعریف ہے کہ اس کی بنیاد پر مکہ ومدینہ ہی شہر نہیں رہے۔

غنیۃ شرح منیہ میں ہے:

"اختلفوا فى تفسير المصر اختلافا كثيرا والفصل فى ذلك ان مكة والمدينة

مصران تقام بهما الجمعة من زمن النبی ﷺ الی الیوم فکل موضع کان مثل احدهما فهو مصر وکل تفسیر لا یصدق علی احدهما فهو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختاره جماعة من المتاخرین کصاحب المختار والوقایه وغیرهما وهو مالو اجتمع اهله فی اکبر مساجده لا یسعهم فانه منقوض بهما اذ مساجد کل منهما یسع اهله وزیادة"۔

(غنیة المستملی:فصل فی صلاة الجمعة. ۵۵۰)

مصر کی مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں، اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ مکہ ومدینہ دوایسے شہر ہیں جہاں عہد رسالت سے ہی جمعہ ہو رہا ہے، تو جو شہر ان میں سے کسی ایک جیسا ہو، اں جمعہ جائز ہونا چاہئے اور مصر کی ایسی تعریف غیر معتبر ہوگی جو ان پر صادق نہ آئے، اور اکبر مساجد والی تعریف مکہ ومدینہ پر صادق نہیں آتی کہ وہ دونوں مسجدیں تمام مکلفین کے آجانے کے بعد بھی خالی رہتی ہیں۔ تو یہ کتنی بڑی زیادتی ہے کہ جو تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہ ہو سکی جس کی بنیاد پر خود مکہ ومدینہ ہی شہریت سے خارج ہو جاتے ہیں وہ تو شرعی تعریف ہے، اور جو تعریف صحیح، ظاہر الروایۃ، ظاہر المذہب، مکہ ومدینہ کی شہریت کی ضامن ہو وہ عرفی ہو کر نکسال باہر کردی جائے، ان للہ وانا الیہ راجعون۔

(ذ) اور اگر بطور تنزل زید کی خاطر اس تعریف کو عرفی مان بھی لیں تو صرف عرفی ہونے کی وجہ سے اس کی سند اور اعتبار میں کوئی فرق نہیں پڑیگا،

حضرت علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں: " اعلم ان اعتبار العادة والعرف ترجع الیه فی الفقه مسائل کثیرة حتی جعلوا ذالك اصلاً "

عادت اور عرف کے اعتبار کو فقہ کے کثیر مسائل میں دخل ہے اسی لیے اس کو بھی فقہی اصل میں شامل کیا گیا تو یہ تعریف عرفی ہو کر بھی معتبر رہے گی اور ائمہ احناف نے صحت جمعہ کے۔ لیے منصوص طور پر اسی کو شرط قرار دیا تو زید وعمر یا خالد، ولید کو کوئی حق نہیں پہونچتا کہ اس کو عرفی کہہ کر بے اعتبار ٹھہرائیں یہ بات تو جب ہوتی کہ مسئلہ یوں ہوتا کہ صحت جمعہ کے لیے شہر کا شرعی ہونا شرط ہے تو ہم کو گنجائش شرعی اور عرفی کی تفریق پیدا کرنے کی ملتی، اب ہمیں کہنے کے لیے کچھ باقی نہیں رہ گیا اس لیے یہ بحث بے فائدہ اور فضول ہے۔

(۲) مختصر المعانی صفحہ ۶ میں ہے:

"الثانی بمعنی اعتبار تعریف الجنس قد یفید قصر الجنس علی شی تحقیقا نحو زید الامیر اذالم یکن امیرا سواه او مبالغة لکماله نحو عمرو الشجاع ۔ الحاصل ان المعرف

بلام الجنس اذا کان مبتدأ فهو مقصور علی الخبر و ان جعل خبرافهو مقصورعلی المبتداء وقوله یفید بلفظ قد اشاره الی انه قد لایفید القصر کمافی قول الخنساء اذا قبح البکاء علی قتیل رأیت بکائك الحسن الجمیلا "

اس حوالہ کی روشنی میں یہ مطلب بھی ہوگا کہ میں بلا شبہ مسلمان ہوں بلا افادہ قصر۔ اور قصر کا افادہ ہوتو بکر کی بات صحیح ہے کہ خبر کے معرف ہونے کی وجہ سے ایمان پر مقصور ہوگا یعنی میں ہی مسلمان ہوں لیکن یہ قصر حقیقی نہ ہوگا ورنہ کذب ہوجائے گا بلکہ قصر ادعائی بطور مبالغہ ہوگا یعنی میرا ایمان کامل ہے کیونکہ احناف کے نزدیک تصدیق میں نقصان وکمی ہوتو ایمان ہی نہ رہے گا۔

(۳) مجھے ان دونوں کتابوں سے واقفیت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۲ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ

(۳۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کہ ایک مولانا کسی بستی میں گئے، جمعہ کا دن تھا مسجد کے امام نے جمعہ کی فرض نماز پڑھائی مولانا نے بھی جماعت میں شریک ہوکر نماز پڑھ لی، نماز ختم ہوتے ہی مولینا نے لوگوں سے بستی کے متعلق کچھ پوچھتاچھ کرنے کے بعد کہا کہ اس بستی میں جمعہ جائز ہونے میں مجھے شک ہے، لہٰذا ہمیں احتیاطی ظہر پڑھ لینی چاہئے۔ یہ کہہ کر مولینا نے اسی وقت اسی مسجد میں جمعہ کے فرض پڑھ لیے جانے کے فوراً بعد ظہر کی فرض نماز جماعت کے ساتھ اپنی امامت میں پڑھائی مولینا کا یہ فعل کیسا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ تو فرماتے ہیں کہ جن بستیوں میں جمعہ ہورہا ہے اگر مسئلہ اختلافی ہو بھی تو اب اس کو روکنا نہیں چاہئے، دوسرے آپ کا فرمان یہ بھی ہے کہ ظہر احتیاطی عوام کو نہیں پڑھنی کیونکہ وہ اس کی نیت کرنے کے صحیح طریقہ سے واقف نہیں ہوتے، صرف خواص اپنے طور پر تنہا پڑھ سکتے ہیں اور جن شہروں میں جمعہ شرعاً واجب ہے وہاں ظہر کی فرض نماز مسجد تو کیا کہیں دوسری جگہ بھی جماعت سے پڑھنے کا حکم نہیں ہے، مگر یہاں تو اسی مسجد میں جس میں چند لمحے پہلے جمعہ کے فرض پڑھے جاچکے تھے جماعت کے ساتھ ظہر کی فرض نماز پڑھی گئی۔ جواب صائب سے ممنون فرمایئے گا۔ بینوا توجروا۔

اے، ایم، رحمت

الجواب

فتاویٰ رضویہ کے غائر مطالعہ کے بعد میں بھی اسی نتیجہ پر پہونچا جو آپ نے اپنے سوال میں بیان کیا ہے کہ یہ منفرداً پڑھی جائے گی، جماعت کے ساتھ نہیں صرف خواص پڑھیں گے عوام کو اس کی خبر بھی نہ

دی جائے گی اور یہ وہیں پڑھی جائے جہاں جمعہ کے وجوب میں شبہ ہو اور وہاں جمعہ قائم ہو۔

اور میں اسی کے موافق جواب دیتا آیا ہوں۔ پانچ سات سال پہلے بھی ایک جگہ سے سوال آیا، صاحب معاملہ مرحوم میرے مخلصین میں سے تھے میں نے ان سے استصواب کیا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں نے یہی حکم لکھا کہ ایسا کرنا غلط ہے۔ پھر اسی سال ہمیر پور سے ایک سوال مفتی جلال الدین صاحب کے فتوے کے ساتھ آیا، میں نے ان سے بھی استفسار کیا۔ ان کا جواب آیا کہ اگر اعلیٰ حضرت نے کہیں ایسا لکھا ہو کہ یہ نماز با جماعت جائز نہیں تو میں اپنے فتویٰ سے رجوع کرلوں گا۔ میں نے ان کو ایک طویل تحریر لکھی جس کا کوئی جواب نہ ملا، کئی مہینہ کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے خط کے بارے میں تذکرہ کیا انھوں نے کہا کہ خط نہیں ملا اس کی دوسری نقل بھیج دیجئے۔ ہم نے کہا کہ اصل ہی لکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ہم پرانے لوگوں کے یہاں خط کی نقل کا کوئی اہتمام نہیں اس پر وہ مطمئن ہو گئے پھر دو تین مہینہ کے بعد ہماری ان کی ملاقات ہوئی اس دوران کاغذات میں وہ مسودہ مل گیا تھا میں نے کہا وہ مسودہ تو مل گیا ہے اگر میں دوبارہ بھیج دوں تو ملنے کی کیا گارنٹی ہے۔ انھوں نے فرمایا میرا لڑکا کسی کام سے گھوسی جائے گا تب آپ انھیں کے بدست دے دیجئے گا۔ لگ بھگ چھ مہینے ہو گئے اب تک تو کوئی آیا نہیں۔ آپ کا یہ سوال دیکھ کر خیال ہوا کہ آپ کو ہی اس کی نقل بھیج دوں کل کافی تلاش کیا لیکن پھر وہ خط نہیں ملا، فی الحال میں اس بات میں آپ سے متفق ہوں کہ ان مولوی صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا بعد میں پتہ چلا کہ علمائے بریلی بھی ایسی جگہوں پر دوبارہ جماعت قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۴ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ

ما قولکم رحمکم اللہ

(۱) مولانا نور الحسن نوری جو دار العلوم غوثیہ تیغیہ رسول آباد کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث بھی ہیں انھوں نے ایک پوسٹر بنام ضروری مسائل شائع کیا جس میں یہ عبارت نقل کی دیہات میں جمعہ جائز نہیں (عامہ کتب) لیکن اگر عوام پڑھتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے (فتاویٰ رضویہ ۳) چونکہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں اسلیے دیہات میں جمعہ پڑھنے سے اس دن کی نماز ظہر ساقط نہیں ہوتی لہذا دیہات میں جمعہ پڑھنے کے بعد چار رکعت ظہر فرض پڑھنا ضروری ہے (عامہ کتب) آیا یہ عبارت صحیح ہے کہ نہیں دیہات میں جمعہ پڑھنے کے بعد فوراً اسی مصلیٰ پر ظہر با جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے کہ نہیں، اور جس امام نے دیہات میں جمعہ پڑھایا ہے۔ پھر وہی امام بلا تکبیر کے اسی مصلے پر ظہر کی امامت کر سکتا ہے کہ نہیں؟

(۲) مذکورہ مدرسہ کے متصل ایک مسجد ہے اس مسجد میں قریب پانچ سال سے جمعہ کی نماز ہوتی

تھی مگر مذکورہ مدرسہ کے پرنسپل نے جمعہ بند کرکے ظہر جماعت کے ساتھ پڑھانا شروع کردیا، جب سوالات ہوئے تو جواب میں پرنسپل صاحب نے کہا کہ چونکہ یہ مسجد نہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول کی بناپر شہر میں ہے نہ ہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بنیاد پر اس لیے یہاں جمعہ درست نہیں ظہر پڑھنا چاہئے، حالانکہ مولانا مذکور اس سے قبل اس مسجد میں جمعہ پڑھتے تھے، تو جواب دیا کہ جب علم ہوا تو عمل کرنے لگا آیا یہ عمل مولانا کا درست ہے کہ نہیں؟ وہاں پر ظہر ہی پڑھیں، چونکہ اس مسجد میں صرف مدرسہ کے طلبہ اور انٹر کالج کے طلبہ اور کچھ ۵/۶ آدمی باہری بھی جمعہ کو شرکت کرتے ہیں لیکن مسجد کا پیٹ کبھی نہیں بھرا ہمیشہ چار صف سے زیادہ نہیں ہوئی مولانا کے اس فعل کی بناپر کچھ علاقہ میں شور وغل ہوا جس میں کچھ نام نہاد مولوی بھی پیش پیش ہیں آیا ان لوگوں پر کیا حکم شرع کا ہے۔

(۳) دریں اثناء مولانا ادریس رضا حشمتی بھی تشریف لائے ان کے سامنے ان مولویوں نے مسئلہ پیش کیا اس پر مدرسہ کے پرنسپل و شیخ الحدیث مولانا ادریس صاحب سے ملنے گئے تو انھوں نے کہا کہ آپ نے ایسا پوسٹر کیوں نکالا جب کہ صدرالشریعۃ، حافظ ملت، مارہرہ شریف میں، گھوسی میں مبارکپور میں جمعہ قائم کیا اور خود پڑھتے پڑھاتے رہے کیا ان کو اس مسئلہ کا علم نہیں تھا کیا آپ ہی ایک عالم ہیں جب کہ اس وقت گھوسی مبارکپور مارہرہ دیہات تھا اس پر پرنسپل صاحب نے دلیل طلب کی تو بگڑ کر کہنے لگے کہ آج بھی مذکورہ جگہوں میں جمعہ ہورہا ہے یہی دلیل ہے، اس پر پرنسپل صاحب نے کہا کہ صدرالشریعۃ نے بہار شریعت میں لکھا ہے اور فتاویٰ رضویہ فتاویٰ فیض الرسول، ہدایۃ وغیرہ میں یہ مسئلہ ہے تو آخر مذکورہ بزرگوں کے قول وعمل میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

(۴) مولانا ادریس رضا صاحب کے قول کی بناپر چند مولویوں نے اس مسئلہ کو اس قدر اچھال دیا ہے کہ علاقہ میں اب یہ شہرت ہے کہ پرنسپل کو کچھ نہیں آتا اس لیے غلط فتویٰ دیا۔ پوسٹر نکالدیا۔ حالانکہ پرنسپل کے پاس دلائل بھی ہیں مدرسہ کے پرنسپل نے ایک جگہ یہ مسئلہ تقریر میں بیان بھی کیا کہ جہاں جمعہ قائم ہے۔ وہاں جمعہ توڑا نہ جائے مگر دیہات میں ظہر ضرور پڑھ لی جائے جس پر ایک گاؤں میں عمل بھی ہوا کہ جمعہ کے بعد ظہر بھی جماعت کے ساتھ ہوئی اس پر علاقہ میں کچھ شور وغل ہوا ہے آیا یہ مذکورہ مسائل واقوال درست ہیں، جن لوگوں نے اس مسئلہ پر شور وغل کیا ان پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ مولانا ادریس رضا کا قول درست ہے کہ پرنسپل اپنے پوسٹر سے رجوع کریں، مولانا ادریس رضا صاحب نے مزید چند مثالیں دیں کہ اعلیٰ حضرت نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ مزار پر صرف ایک چادر چڑھا سکتے ہیں، فاسق کی نماز درست نہیں، تو اس کے لیے بھی پوسٹر نکالو اور فتاویٰ رضویہ لے کر گھومتے رہو، کون سنتا ہے تمہاری، مگر پرنسپل ادب

کی بنیاد پر خاموش سنتے رہے کوئی جواب نہیں دیا اگر جواب دیتے بھی تو اس پر مولینا سخت انداز میں بولنے لگے تھے جس کی وجہ سے مولینا کی عزت پر کافی دھبہ عوام کی نظر میں تھا، حضور سے گذارش ہے کہ مذکورہ مسائل کا جواب مفصل اور مدلل مع صفحہ جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

(۵) مدرسہ کے متصل ایک عیدگاہ بھی ہے، جس میں آج قریب پچاس سال سے عید کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے اس مسئلہ پر یہ مسئلہ کھڑا ہوا کہ جب جمعہ نہیں تو عید بھی درست نہیں اس پر مدرسہ کے پرنسپل نے یہ جواب دیا کہ جمعہ نہ ہونے پر ظہر ہے اور عید کے نہ ہونے پر کوئی مقابل نہیں اور عیدین کے متعلق شدید خطرہ ہے، اس لیے عید پڑھ سکتے ہیں، دوسرا جواب یہ دیا کہ چوں کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قول کے بنا پر جس عیدگاہ میں اس قدر آدمی آئیں کہ وہ ان کے لیے ناکافی ہو تو وہ شہر ہے، اس عیدگاہ میں ۱۲ گاؤں کے لوگ آتے ہیں اور وہ ان کے لیے ناکافی بھی پڑتی ہے اس لیے عید پڑھ سکتے ہیں آیا یہ جواب کہاں تک درست ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد سوم باب الجمعہ کے مطالعہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ بستیوں کی تین قسمیں ہیں (الف) وہ کوردہ جو نہ امام اعظم کی راجح اور صحیح تعریف پر شہر قرار دیئے جا سکتے، نہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کی روایت نادرہ کی بنا پر شہر قرار دیئے جا سکتے ہیں، ایسی جگہ کے بارے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جہاں جمعہ بحسب مذہب بلاشبہ ناجائز و باطل ہے جیسے وہ کوردہ جو کسی روایت مذہب پر مصر نہیں ہو سکتے وہاں ظہر آپ ہی عیناً فرض ہے۔ اور جمعہ پڑھوانے اور چار رکعت احتیاطی بتانے کی اصلاً گنجائش نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ سوم صفحہ ۷۲۳ پاکستان)

ایسی جگہ جمعہ کی جماعت قائم کرنے پر آپ نے متعدد گناہوں کے ارتکاب کا حکم دیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ایسی جگہ جمعہ یا عیدین پڑھنا مذہب حنفی میں گناہ ہے نہ ایک گناہ بلکہ چند گناہ۔

اولاً جب نماز جمعہ و عیدین وہاں صحیح نہیں تو یہ ایک امر غیر صحیح میں مشغولی ہے اور یہ ناجائز ہے۔

فی الدر المختار تکرہ تحریما لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة "

(کتاب الصلاۃ. باب العیدین. ۴۳/۳)

ثانیاً: اس امر ناجائز کو بہ قصد و نیت فرض و واجب ادا کیا، یہ مفسد عقیدہ ہے۔

او صوا بترك التزام المستحب اذا خيف ان یظنه العوام واجبا "

ثالثاً: جب واقع میں وہ نماز جمعہ نہ تھی تو ایک نماز نفل ہوئی کہ با جماعت و اعلان و تداعی ادا کی گئی

پڑھنا جائز ہے ۔فی ردالمحتار وھو نفل مکروہ لاداءہ بالجماعۃ۔

رابعاً: جمعہ میں اس کے سبب جو ظہر نہ پڑھیں وہ ترک فرض کے مرتکب ہوئے اور ظہر تنہا تنہا پڑھیں تو ترک جماعت کے مرتکب ہوئے اور دونوں گناہ ہے۔(ملخصاً فتاویٰ رضویہ سوم صفحہ ۷۲۶)

اقول: جس صورت میں جمعہ کے بعد احتیاطی ظہر کا حکم دیتے ہیں وہاں فرماتے ہیں: ہاں وہ نرے جاہل عامی لوگ کہ صحیح نیت پر قادر نہ ہوں یا ان رکعت کے باعث راساً جمعہ کو غیر فرض یا جمعہ کے دن دو نمازیں فرض سمجھنے لگیں۔ انھیں ان رکعات کا حکم نہ دیا جائے گا بلکہ اس کی ادا پر مطلع نہ کیا جائے کہ "مفسدہ اعظم واشد کادفع اعلیٰ واھم" ہے(رضویہ سوم صفحہ ۶۹۵) تو جب جمعہ اور ظہر دونوں ایک مصلے پر ہی باجماعت پڑھی جائے گی تو "عوام کا لانعام" کو جمعہ کے دن دو نمازوں کے فرض ہونے کا گمان نہ ہوگا؟ جس کو اعلیٰ حضرت مفسدۂ اشد و اعظم فرماتے ہیں اسی لیے ایسی جگہوں کے بارے میں صرف ایک حکم ہی دیا ہے فرماتے ہیں: جہاں یہ بھی نہ ہو(یعنی کسی روایت مذہب پر وہ جگہ شہر نہ ہو) وہاں پر ہرگز نماز جمعہ خواہ عید حنفی مذہب میں جائز نہیں ہوسکتا ہے بلکہ گناہ ہے(رضویہ سوم صفحہ ۷۲۴) دوسری جگہ اس سوال کے جواب میں کہ ایسے کوردہ میں اقامت جمعہ کے بعد چار رکعت اس خیال سے پڑھیں کہ جمعہ نہ ہوگا تو یہ ظہر کے قائم مقام ہوجائیں گے فرماتے ہیں گاؤں میں جمعہ اصلاً جائز نہیں تو وہاں اس امر کی اجازت نہیں ہوسکتی کہ ایک ناجائز کام کریں اور ان چار رکعت احتیاطی سے اس کی تلافی چاہیں۔

(حوالہ مذکورہ بالا صفحہ ۷۰۴)

تفصیلات بالا سے یہ ظاہر ہوا کہ ایسی بستیوں میں جمعہ کے دن بھی صرف اقامت ظہر کا حکم ہے نیا جمعہ قائم کرنا یا پہلے سے قائم شدہ کی جماعت میں شریک ہونا یا اس میں امامت کرنا یا اس کے جواز کا فتویٰ دینا ناجائز و معصیت ہے مگر جاہل عوام اگر پڑھتے ہوں تو انھیں منع کرنے کی ضرورت نہیں(...صفحہ ۷۴۱)

(ب) ایسی بستیاں جن پر قاضی ابو یوسف کی روایت نادرہ والی مصر کی تعریف صادق آتی ہے

"ان کان اھلھا بحیث لو اجتمعوا فی اکبر مساجدھم لا یسعھم"

استدراک: اس تعریف کی توضیح میں سائل کو غلط فہمی ہوئی کیوں کہ ان کی تحریر سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ ان کے نزدیک حاضر مصلیوں کی مقدار پر مدار ہے اگر ان سے مسجد بھر گئی تو وہ جگہ شہر ہوگئی اور نہ بھری تو شہر نہیں چاہے مصلی ایک بستی کے ہوں یا دس بستی کے جبھی تو انھوں نے رسول آباد کی ایک مسجد کے پیٹ نہ بھرنے کی وجہ سے اس کو شہر قرار دینے سے انکار کردیا اور اسی بستی کی عیدگاہ کا پیٹ بھر جانے کی وجہ سے اس کو شہر کیا حالانکہ وہاں نماز پڑھنے والے ۱۲ گاؤں سے آتے ہیں جس سے یہ قباحت لازم آتی ہے کہ ایک ہی

بستی ایک ہی وقت میں شہر بھی ہے اور دیہات بھی یہ قباحت مذکورہ بالا تعریف نادرہ کا صحیح مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوئی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ مطلب واضح فرمایا ہے بعض علماء نے جو یہ روایت اختیار کی ہے اس میں بستی کی مردم شماری مقصود نہیں بلکہ خاص وہ لوگ جن پر جمعہ فرض ہے یعنی مرد عاقل بالغ مقیم۔(ص ۷۰۴) تنویرالابصار میں ہے "وھو ما لا یسع اکبر مساجد اھله المکلفین بھا

(شامی جلد اول صفحہ ۵۱۶)

شرح وقایہ وغیرہ میں ہے "ھو مالو اجتمع اھله فی اکبر مساجد ھم لا یسعھم"

(بحوالہ فتاویٰ رضویہ سوم صفحہ ۷۳۵)

کتب فقہ وفتاویٰ کی مندرجہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہے کہ اس تعریف میں شہریت کا مدار بالفعل حاضر مصلیوں کی تعداد نہیں بلکہ پوری بستی کے مکلف مردوں کی تعداد ہے، اگر ان کی تعداد اتنی ہے کہ بستی کی بڑی سے بڑی مسجد ان کے لیے تنگ ہو تو وہ بستی شہر ہے ورنہ دیہات، پس صورت مذکورہ میں صرف حاضر ہونے والے مصلیوں کی تعداد کے اعتبار سے اس کو دیہات قرار دینا صحیح نہ ہوا عین ممکن ہے کہ بستی میں مزید اتنے مکلف مرد ہوں کہ وہ سب آجائیں تو مسجد تنگ پڑ جائے، پھر شہریت کے فیصلہ کے لیے متنازعہ مسجد کی تنگی وکشادگی کو معیار بنانا تب صحیح ہوگا کہ وہ مسجد بستی کی سب سے بڑی مسجد ہو ہر مسجد کو معیار نہیں بنایا جا سکتا بصورت دیگر اس کی کشادگی اور تنگی کو معیار بنانا بھی غلط ہوگا اسی طرح عیدگاہ کے حاضر مصلیوں پر تنگ ہونے کی وجہ سے اس کو شہر قرار دینا بھی غلط ہے کیوں کہ معیار تو گاؤں کی سب سے بڑی مسجد ہے نہ کہ عیدگاہ اور وہیں کے مقیم غیر معذور مکلف مردوں کی تعداد ہے نہ کہ دوسری بستیوں کے آدمیوں کی تعداد تو پرنسپل صاحب کے دونوں ہی فیصلے غلط ہو سکتے ہیں یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا اب ہم پھر اپنے سلسلہ بیان کی طرف لوٹتے ہیں بستی نمبر (ب) کے احکام مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) ایسی بستیوں میں احناف کے اصل مذہب کی رو سے جمعہ جائز نہیں اس لیے ایسی بستی میں ہم خود جمعہ قائم نہیں کریں گے اگر ہم سے کوئی فتویٰ پوچھے گا تو ہم یہی حکم دیں گے کہ یہاں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں۔

(ب) ایسی بستی میں چوں کہ روایت نادرہ کی بنا پر جمعہ صحیح ہوتا ہے، اور متاخرین کی ایک جماعت نے اس پر فتویٰ دیا ہے اس لیے قائم کرنے والوں کو ہم منع نہیں کریں گے۔

(ج) ایسی بستیوں میں جمعہ پڑھنے والے خواص بعد جمعہ چار رکعت ظہر احتیاطی اس نیت سے ادا کریں کہ جو آخری ظہر مجھے ملی اور میں نے اب تک ادا نہ کی ہے پڑھ رہا ہوں، یہ نماز منفرداً بلا جماعت پڑھی جائے گی اور عوام کو اس کی خبر نہ کی جائے گی، اب ہم بالترتیب حوالے پیش کرتے ہیں۔

(الف) نہ ہم اس کے خلاف عمل کر سکتے ہیں نہ زنہار زنہار مذہب ائمہ چھوڑ کر دوسری بات پر فتویٰ دے سکتے ہیں۔ ہاں ہم سے جب سوال کیا جائے گا تو وہی کہا جائے گا جو اپنا مذہب ہے۔

(فتاویٰ رضویہ سوم صفحہ ۷۳۶)

(ب) جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایت نادرہ کی بنا پر جمعہ وعیدین ہو سکتے ہیں اگر چہ اصل مذہب کے خلاف ہے (ایضاً صفحہ ۷۲۴) مگر در بارۂ عوام فقیر کا طریق عمل یہ ہے کہ ابتداءً خود انھیں منع نہیں کرتا نہ انھیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند کرتا ہے، ایک روایت پر صحت ان کے لیے بس ہے وہ جس طرح خدا اور رسول کا نام لیں غنیمت ہے۔ (۔صفحہ ۷۳۶)

(ج) وہ شہر وقصبات جن میں شرائط جمعہ کے اجتماع میں اشتباہ واقع ہو ایسی جگہ ہمارے علمائے کرام نے حکم دیا ہے کہ چار رکعت احتیاطی اس نیت سے ادا کرے، وہ پچھلی ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہ کی۔ (ص ۷۰۱)

علماء نے فرمایا کہ ایسے لوگوں (عوام) کو ان رکعتوں کا حکم نہیں دیا گیا ان کے حق میں یہی بہتر ہے کہ بعض رواتیوں پر ان کی نماز ٹھیک ہو جائے ہاں خواص یہ احتیاط بجالائیں تا کہ یقیناً فرض خدا ادا ہو جائے (۔صفحہ ۷۰۲) یہ فرض احتیاطی بہ جماعت نہیں ہوتے منفرداً بنیت آخر ظہر پڑھے جاتے ہیں وہ بھی صرف خواص کے لیے عوام کو نہ بتائے جائیں۔ (ص ۷۰۹)

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں آپ اپنے سوالات کا جواب نکال سکتے ہیں مثلاً بستی پہلی قسم کی ہو یا دوسری قسم کی اگر عوام پہلے وہاں جمعہ پڑھ رہے تھے اور ان کو اشتہار نکال کر روکا گیا تو یہ ایک نامناسب کام ہوا پہلی قسم کی بستی تھی اور عوام وہاں پہلے سے بنام جمعہ نماز پڑھتے تھے تو گو ابتداءً انھیں روکنا مناسب نہ تھا لیکن جماعت بحکم شرع ناجائز تھی اس لیے کسی عالم کا اس میں شریک ہونا یا اس کی امامت کرنا کسی طرح جائز نہ تھا لاعلمی کی اور بات ہے اور بستی دوسری قسم کی تھی تو عالم کو اس میں بھی شریک نہ ہونا چاہیے تھا اور شریک ہوا تو ظہر احتیاطی تنہا پڑھنا چاہیے بجماعت نہیں۔

(ج) تیسری قسم کی وہ بستی ہے جس میں متعدد کوچے ہوں دوامی بازار ہوں اور وہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کی شوکت وحشمت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے ایسی بستی میں اصل مذہب کی بنا پر اقامت جمعہ فرض ہے۔

اب صرف ایک بات رہ گئی ہے یعنی ایک بیرونی عالم صاحب کی پرنسپل صاحب کو زجر وتوبیخ اور

اس کے لیے مبارکپور گھوسی اور مارہرہ شریف کی بستیوں سے سند لانا بھی ان کی غلط فہمی ہے ان بستیوں پر شہر کی دوسری شرائط از قسم متعدد کوچے اور دوامی بازار ہونا تو صادق آرہی ہیں رہ گئی تیسری شرط باختیار حاکم کا ہونا جو مظلوم کا ظالم سے انصاف کر سکے گھوسی تو اس میں صدہا سال سے شہر ہے یہ مقام پرگنہ اور تحصیل ہے یہاں پہلے صرف تحصیلدار رہتا تھا جو مقدمات فیصل کرتا تھا اب تو ڈپٹی بھی ہفتہ میں دو دن یہاں مقدمات دیکھتا ہے تو اس کی شہریت میں کیا شبہ؟ مبارکپور میں ہمارے عنفوانِ شباب میں اور اس سے پہلے بھی کچہری قائم تھی اور اس کے لیے آنریری مجسٹریٹ مقرر تھے جو باقاعدہ مقدمات فیصل کرتے تھے تو وہ بھی بہت دنوں سے شہر ہو چکا ہے، اور مارہرہ کے بارے میں صاحب تذکرۂ مشائخ قادریہ لکھتے ہیں:

مارہرہ شریف یوپی کے ضلع ایٹہ سے تقریباً سولہ میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب واقع ہے علمائے کرام، اولیائے فخام، صوفیائے عظام اہل علم وہنر اور صاحبان صنعت وحرفت کی بستی ہے اور اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے اپنے ضلع کے ایک پرگنہ کا درجہ حاصل کئے ہوئے ہے (کتاب مذکورہ صفحہ ۳۲۴)

تو یہ مبارک آبادی بھی شہر ہوئی کہ اعلیٰ حضرت نے شہریت کے سلسلہ میں لفظ پرگنہ کا خاص طور سے ذکر کیا ہے تو یہ بستی بھی اِز روئے مذہب احناف شہر ہوئی اور یہاں بھی اقامت جمعہ صحیح ہوگی۔

سختی اور نرمی راہ ہدایت کی واردات میں سے ہے نہ اول پر دل تنگ ہونا چاہئے نہ ثانی سے مغرور ہر چہ از دوست میرسد نیکوست۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نوٹ:- جن مولوی صاحبان نے نفس مسئلہ میں پرنسپل صاحب کی تذلیل تجہیل کی یعنی پہلی قسم کے دیہاتوں میں قیام جمعہ کے جواز کا قول کیا اور شور وغل مچا کر فتنہ پھیلایا ان کے بارے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں البتہ وہ عالم کہلانے والے کہ مذہب امام بلکہ مذہب جملہ ائمہ حنفیہ کو پس پشت ڈالتے تصحیحات جماہیر ائمہ ترجیح وفتویٰ کو پیٹھ دیتے اور ایک روایت نادرہ مرجوحہ غیر صحیح کی بنا پر یہاں کے کوردہ میں جمعہ قائم کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں ضرور مخالفت مذہب کے مرتکب اور ان جہلا کے گناہ کے ذمہ دار ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی ۱۱؍رجب المرجب ۱۳۹۶ھ

(۳۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک دیہات میں کافی دنوں سے نماز جمعہ قائم ہے لیکن عیدین کی نماز نہیں ادا کی جاتی تھی لیکن عوام کی جستجو اس طرف ہوئی کی عیدین کی نماز گاؤں میں ادا کی جائے، اس پر علمائے کرام نے سخت مخالفت کی انہیں مخالفین میں سے ایک باصلاحیت عالم سے نماز عید پڑھنے کے لیے لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے برجستہ انکار کردیا اور کہا کہ میں ایک ماہ رمضان کا روزہ رکھ کر اس کے بعد نماز پڑھا کر اپنے روزوں کو

برباد نہیں کرسکتا، مگر ایک سال بعد اسی عالم نے عوام کی خوشنودی کی غرض سے نماز عید پڑھا دی جب کہ ایک دوسرے عالم دین سے اس کے بارے میں مسئلہ طلب کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ لوگ جس جگہ نماز عید ادا کرتے تھے وہیں جا کر ادا کریں نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں یہ فرمایا ہے کہ زمانہ قدیم سے جہاں جمعہ وعیدین قائم ہے روکا بھی نہیں جاسکتا اور جہاں قائم نہیں وہاں قائم نہیں ہوسکتا تو یہ بات بھی حضور والا ظاہر کردیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے زمانہ قدیم سے کیا مراد لیا ہے اور زمانہ قدیم کا اطلاق ایک سال یا دو سال پر بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا حضور والا سے اپیل ہے کہ اس استفتاء میں مفصل طریقے سے یہ بھی بیان فرمادیں کہ اس عالم اور عوام الناس کے بارے میں کیا حکم ہے اور نیز یہ بھی بتادیں کہ عیدین کی نماز وہاں ادا کی جائے گی یا نہیں اور جن لوگوں نے نماز عید ادا کی ہے ان کی نماز ہوئی یا نہیں۔ بینوا وتوجروا فقط والسلام

المستفتی، مولوی عبدالمجید رضوی مقام پوسٹ چیلوا دایہ بھنگا بازار بہرائچ شریف (یوپی)

الجواب

حدیث شریف میں ہے "لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع" نماز جمعہ وعیدین صرف شہر میں جائز ہے، دیہات میں جائز نہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت میں آبادی کی صرف دو قسم مانی گئی شہر و دیہات لیکن شہر کی تعریف میں اختلاف ہونے کی وجہ سے آبادی تین قسم کی بن گئی جسکو ہم تفصیل سے ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

پہلی قسم کی آبادی: جہاں متعدد گلیاں ہوں دوامی بازار ہوں اور وہ پرگنہ ہو، اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم رعایا کے مقدمات فیصل کرنے کے لیے مقرر ہو جس کی شوکت وحشمت اس قابل ہو کہ وہ ظالم سے مظلوم کا انصاف لے سکے یہ شہر کی صحیح تعریف ہے۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور یہی ائمہ کا مذہب ہے۔ ایسی جگہ ائمہ ومشائخ علماء بالاتفاق نماز جمعہ جائز کہتے ہیں، ایسی جگہ جمعہ کے جائز وفرض ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ ہمارے زمانہ میں آج کل ایسی آبادی کو تحصیل کہا جاتا ہے بعض جگہ اسی کو پرگنہ اور بہار وغیرہ میں سب ڈویزن کہتے ہیں۔

دوسری قسم کی آبادی: جہاں کے تمام مکلف مرد وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں سمانہ سکیں، قاضی ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے نادر روایت ہے۔ اس کو بھی شہر کہا گیا ہے اور علمائے متاخرین میں سے کچھ لوگوں نے ایسی جگہ بھی جمعہ کی اجازت کا فتویٰ دیا ہے، لیکن خود ہمارے تینوں اماموں اور جمہور علماء احناف کا مسلک اس کے خلاف ہے، وہ اس کو شہر نہیں مانتے دیہات گنتے ہیں اور ایسی جگہ نماز عید ناجائز ہونے کا

فتویٰ دیتے ہیں۔

وہ لوگ شہر کی اس تعریف کو غلط مجروح اور مرجوح کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس دوسری جگہ جمعہ کے جواز میں اختلاف ہے، بڑا اور معتبر حصہ علما ایسی جگہ یہ نمازیں ناجائز کہتا ہے، اور متاخرین کی ایک جماعت جائز۔

آبادی کی تیسری قسم: دیہات جہاں شہر کی یہ دوسری تعریف بھی صادق نہ آئے، ایسی جگہ نماز جمعہ اور عیدین باتفاق جمیع علمائے احناف ناجائز ہے، بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی جگہ نماز جمعہ وعیدین قائم کرنا پانچ گناہوں کا مجموعہ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۲۵ ر ۷۲۶)

لیکن عوام پڑھتے ہیں تو یہ انہیں روکیں گے نہیں، اس کی تصدیق آپ اسی فتاویٰ رضویہ کے ص ۷۳۶، ۷۴۱، ۷۷۴ میں دیکھئے، مگر ہمارے زمانہ کی مصیبت یہ ہے کہ ایسے مقامات پر مولوی صاحبان ہی آگے کود کود کر امامت کرتے ہیں اور مولوی حضرات ہی ڈنڈا لے کر مخالفت کرتے ہیں ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ اور جس پر شہر کی تعریف نمبر دو صادق آتی ہے اس کے لیے اعلیٰ حضرت ہی فرماتے ہیں ہم سے پوچھا جائے تو ہم وہی بتائیں گے جو ہمارے ائمہ نے حکم دیا کہ ایسی جگہ جمعہ ناجائز ہے، اس مسئلہ کو بھی فتاویٰ مذکورہ بالا صفحہ ۷۳۶ پر دیکھ لیا جائے رہ گئی عوام کو منع کرنے کی بات، تو ٹھیٹ دیہات میں بھی منع کرنا پسند نہیں کرتے تو یہاں کیسے پسند کریں گے جس کو علمائے متاخرین کی ایک جماعت نے بھی جائز فرمایا بلکہ صفحہ ۷۴۴ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی مسائل کے دائرہ میں آگیا جو لوگ متاخرین کے فتویٰ پر عمل کریں تو متاخرین کے فتویٰ کے لحاظ سے جائز ہوگا اپنا مسلک وہی بتاتے ہیں کہ اصل مذہب پر فتویٰ دیں گے اور ناجائز کہیں گے۔ قیام جمعہ کے سلسلہ میں زمانہ قدیم وجدید کی کوئی بحث ہماری نظر سے فتاویٰ رضویہ سوم میں نہیں گذری البتہ صفحہ ۷۶۶ پر ایک جزیہ ان الفاظ میں ہے اگر وہ پرگنہ نہیں یا وہاں کوئی حاکم فصل مقدمات پر مقرر نہیں مگر زمانہ سلطنت اسلام میں ایسا تھا اور جب سے اس میں جمعہ ہوتا تھا تو اب بھی پڑھا جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو جگہ اسلامی سلطنت کے زمانہ میں شہر تھی، اور اس وقت سے اب تک وہاں جمعہ ہوتا رہا، اگر چہ فی الوقت اس جگہ شہریت ختم ہوگئی ہے تو ایسی جگہ جمعہ ہی ہو۔

اب آپ ہی بتائیے کہ اس مسئلہ میں قدیم وجدید کی مدت مقرر کرنے کا سوال کہاں اٹھتا ہے یہاں تو خاص مقام کا ذکر ہے جو زمانہ سلطنت اسلام میں شہر تھے لوگوں کا عجیب حال ہے مسئلہ کچھ ہوتا ہے اس کا مطلب اپنے من سے کچھ اور نکالتے ہیں جزیہ کو کلیہ بناتے ہیں پھر سوالات قائم کرتے ہیں۔ اور مسئلہ بتاتے ہیں۔

مخبر صادق ﷺ نے سچ فرمایا "ان اللہ یقبض العلم بقبض العلماء واذالم یبق عالما

اتخذا لناس رؤسا جهالاً فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا و اضلوا ۔

(مشکاۃ المصابیح: کتاب العلم. ۱/ ۵۸)

واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۹ ذوالحجہ/ ۱۴۱۶ھ

(۳۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

خالد آج سے تیرہ سال پہلے ہی اپنی مسجد اور عیدگاہ و مدرسہ بنا کر اپنا الگ ہی نظام بنالیا اسی تیرہ سال کے درمیان پھر ایک بار جامع مسجد کے نظام میں خلل ڈالنے آیا تھا، تھانہ نے فیصلہ کیا کہ تم جامع مسجد میں نماز تو پڑھ سکتے ہو لیکن جامع مسجد کے بنے ہوئے نظام میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتے اس فیصلہ کو خالد نے تسلیم کر کے پھر اپنے نظام کے مطابق اپنے مکان کی چھت پر نماز جمعہ ادا کرتا رہا، پھر اس وقت وہ جامع مسجد میں آنا چاہتا ہے، ڈر اس بات کا ہے جامع مسجد کے نظام میں خلل ڈالے گا تو فساد ہونے کا ڈر ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟۔

المستفتی، محمد شرف الدین متولی جامع مسجد نیادیوریا (یوپی)

الجواب

جس شخص کے مسجد میں آنے سے شر وفساد کا خطرہ ہو اس کو مسجد میں آنے سے روکا جاسکتا ہے۔

قرآن عظیم میں ہے ایسے لوگ مسجد میں داخل نہ ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔

درمختار میں ہے: "يمنع منه كل موذ ولو بلسانه" جو مسجد میں آکر لوگوں کو زبان سے بھی تکلیف دے اس کو بھی مسجد میں آنے سے روکا جائے گا نہ کہ ایک ایسا فسادی آدمی جس نے جامع مسجد عیدگاہ وغیرہ علیحدہ کر لی، اس کو مسلمان اپنی مسجد میں آنے سے ضرور منع کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۶ محرام الحرام/ ۱۴۱۱ھ

(۳۴۔۳۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۱) دیہات میں جمعہ فرض ہے کہ نہیں؟۔

(۲) دیہات میں جمعہ کے بعد جو چار رکعت نماز ظہر پڑھی جاتی ہے تو پڑھنا ضروری ہے کہ نہیں؟

(۳) ایک ہی مصلے پر دو فرض نماز ایک ہی وقت میں ہوسکتی ہیں کہ نہیں؟

(۴) اگر دیہات میں جمعہ جائز نہیں تو مسئلہ یہ بھی ہے کہ دیہات میں اگر نماز جمعہ ہو رہی ہے تو منع کرنا بھی جائز نہیں تو کیا بعد نماز جمعہ باجماعت ظہر پڑھ سکتے ہیں کہ نہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی، محمد نور عالم ہرچندہ مظفر پور (بہار)

الجواب

(۱) حنفی مذہب میں جمعہ فرض ہونے اوراس کےادا کرنے کے لیے شہر ہونا شرط ہے۔

حدیث شریف میں ہے "لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع"

تو دیہات والوں پرنہ جمعہ فرض نہ دیہات میں جمعہ جائز۔شہر کس کو کہتے ہیں اس میں ائمہ سے دو قول مروی ہیں۔

(۱) جہاں کوچہ وبازار ہوں اور جہاں ایسا حاکم ہو جو مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے یہ تعریف امام صاحب سے مروی ہے۔اور یہی کتب ظاہرالروایۃ میں ہے۔

(۲) امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حاکم نہ ہولیکن وہ جگہ ایسی ہو کہ وہاں کے سارے مکلفین کو وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں جمع کیا جائے تو سما نہ سکیں تو وہ بھی شہر ہے وہاں بھی جمعہ قام کیا جائے گا۔اس قول پر بھی بہت سے علماء نے فتویٰ دیا ہے۔

درمختار میں ہے "علیه فتویٰ اکثر مشائخ لظهورا لتوانی فی الاحکام"

پہلی والی تعریف پر ضلع اور تحصیل پر شہر کی تعریف صادق آتی ہے۔بقیہ سب آبادیاں دیہات ہیں۔لیکن دوسری تعریف پر قصبات وبڑے بڑے دیہات بھی جنکا وہ حال ہے کہ وہاں کے مکلف باشندوں پر وہاں کی سب سے بڑی مسجد تنگ ہوتو وہ بھی شہر ہیں،وہاں جمعہ قائم کرنا جائز ہے آجکل لوگ بلا امتیاز ہر جگہ جمعہ قائم کر دیتے ہیں یا پڑھتے آرہے ہیں اس کے بارے میں شریعت کا یہ حکم ہے کہ عوام کو منع نہ کیا جائے جو کریں کرنے دیا جائے ورنہ ظہر تو چھوڑے ہی ہوئے ہیں جو ایک جگہ جمع ہو کر اللہ کا نام لیتے ہیں یہ بھی ختم کر دینگے،باقی رہ گئی یہ بات کہ ان پر ظہر چھوڑنے کا گناہ ہوگا یا نہیں جمعہ کے نام پر جتنی ظہر چھوڑی ہیں ان کو قضا کرنا اور آئندہ ظہر پڑھنا ضروری ہے یا نہیں تو اس بارے میں تفصیل دیکھنی پڑے گی کہ وہ جگہ کیسی ہے اگر ایسی ہے جس پر شہر کی دوسری تعریف ہی سہی۔صادق آرہی ہے تو یہ لوگ گناہ کے مرتکب نہ ہوں گے اور ظہر کی قضا ان پر لازم نہیں ہوگی۔یہ حکم عوام کا ہے اور اہل علم جو تصحیح نیت پر قادر ہوں ان کو چاہئے کہ چار رکعت احتیاطی ظہر تنہا خاموشی سے پڑھ لیں عوام کو اس کی اطلاع بھی نہ دیں ایسی جگہ اگر کوئی شخص دوبارہ ظہر یا جماعت قائم کرے گا تو ضرور گنہگار ہوگا اس کو اس سے باز آنا چاہئے اور اگر وہ جگہ بالکل کوردہ ہے کہ دوسری تعریف پر بھی شہر نہیں بن پاتا تو عوام کالانعام کو تو ان کے جمعہ سے نہیں روکا جائے گا لیکن اس کے بارے میں جب فتویٰ پوچھا جائے گا تو یہی حکم دیا جائے گا کہ ایسی جگہ جمعہ پڑھنا گناہ ہے اور ظہر نہ پڑھی ہو تو اس کی قضا واجب ہے چاہے کوئی مولینا صاحب پڑھیں یا کوئی اور۔فتاویٰ

رضویہ جلد سوم صفحہ ۷۲۵ میں ہے کہ اسی جگہ جمعہ یا عیدین پڑھنا نہ صرف ایک گناہ ہے بلکہ چند گناہ ہیں، تو ایسی جگہ اگر کوئی شخص ظہر کی نماز با جماعت جمعہ کے بعد پڑھتا ہے تو کوئی غلط کام نہیں کرتا شرع کے موافق ہی کرتا ہے لیکن خود ایسے آدمی کو جمعہ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھنا چاہئے کہ ایسا جمعہ ناجائز و ممنوع ہے اسی سے آپ کے تیسرے نمبر کا بھی جواب ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۴ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

(۳۸۔۴۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

رسٹرا ضلع ہگلی کا مشہور صنعتی علاقہ۔ تقریباً چالیس ہزار مسلمانوں کی آبادی ہے مگر نہ تھانہ ہے نہ کورٹ پہلے سے پانچ مسجدیں تھیں سبھوں میں جمعہ و عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں۔ پانچ سال قبل ہسٹنگ جوٹ مل کے مزدوروں نے ہسٹنگ لائن کے اندر مسجد تعمیر کرانے کی درخواست مل منیجر سے کی، مزدوروں کی خواہش پر منیجر نے لائن کے اندر نئی مسجد تعمیر کرا دی، امام کا تقرر ہوا اب باقاعدہ جماعت سے پنج وقتہ نمازیں پڑھی جاتی ہیں، تعمیر مسجد کے دو سال بعد مسجد کے سکریٹری محمد عثمان نے دارالعلوم ضیاء الاسلام ہوڑہ کے صدر مدرس حضرت مولینا ابوالکلام احسن القادری صاحب قبلہ کو جورسٹرا ایک جلسہ میں آئے تھے۔ لائن مسجد کے حالات بتائے اور نماز جمعہ قائم کرنے کی اجازت طلب کی مولینا مذکور نے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نماز جمعہ قائم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۸۹ء کو نئی مسجد میں نماز جمعہ قائم ہو گئی، جمعہ قائم ہونے کے بعد علاقائی امام نے سکریٹری کو بلا کر دریافت کیا کہ کس کی اجازت سے جمعہ قائم کیا گیا، سکریٹری محمد عثمان نے کہا کہ مولینا ابوالکلام صاحب قبلہ سے اجازت لے کر قائم کیا گیا ہے، امام نے کہا کہ جب تک امام جامع مسجد اجازت نہیں دیتے جمعہ قائم نہیں کیا جا سکتا، دلیل میں بہار شریعت کا حوالہ پیش کیا اور امام نے کہا کہ کیا اس کتاب کو مانتے ہیں، سکریٹری محمد عثمان نے کہا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں ضرور اس کتاب کو مانتے ہیں۔ تو علاقائی امام نے کہا تب جمعہ بند کر دیجئے، سکریٹری محمد عثمان نے کہا کہ اب جمعہ قائم ہو گیا ہے۔ آپ کو قائم ہونے سے پہلے کہنا چاہئے تھا اب بند کیسے کیا جائے اگر بند کرنے کا کوئی مسئلہ ہے تو دکھائیے، اس پر امام نے کتاب بند کر دیا اور محمد عثمان کو بغیر اطلاع کے چند دنوں کے بعد کافر ہونے کا اعلان کر دیا اور امام نے کہا کہ کتاب کو نہیں مانے اس لیے کافر ہو گئے ان کی بیوی بھی نکاح سے نکل گئی۔ اور جو محمد عثمان کو سپورٹ کرے گا ساتھ دے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جہاں جمعہ کے شرائط نہ پائے جاتے ہوں۔ جمعہ قائم کرنے یا بہار شریعت کے جمعہ والے مسئلہ کے خلاف کرنے سے محمد عثمان یا ان کے ساتھی کافر ہوئے کہ نہیں؟ اگر

کافر نہیں ہوئے تو انھیں کافر کہنے والے پر شریعت کا کیا حکم ہوگا اگر مسئلہ کی رو سے دیکھا جائے تو یہاں کسی مسجد میں نماز جمعہ جائز نہیں اس لیے کہ یہاں کوئی حاکم وقت نہیں نماز جمعہ قائم ہونے کے ایک جمعہ بعد حضرت مولینا محمد فاروق خان صاحب قبلہ رضوی امام جامع مسجد رسڑا سے اجازت طلب کی گئی، انھوں نے اجازت دیدی، اب ۱۸ اگست ۱۹۸۹ء سے تقریباً سیکڑوں مسلمان نماز جمعہ ادا کرتے ہیں اور کسی مسجد کی جماعت میں کمی نہیں ہوتی ہے ازروئے شرع کے جواب سے مطلع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں علاقائی امام نے چوبیس گھنٹہ وقت بھی دیا کہ جمعہ بند کرنا ہے یا نہیں محمد عثمان نے کہہ دیا اب بند نہیں ہوگا۔

(۲) زید نے حامد کے پاس خط لکھا خط کے اوپر ۷۸۶/۹۲ لکھا حامد نے ۹۲ کے اعداد کو گالی کہہ کر لوگوں کو گمراہ کیا اور گالی کے اعداد نکال کر مسجد کے سکریٹری محمد شہید کو دکھایا اور قوم مسلم میں زبردست ہنگامہ کرا دیا حامد کے ہمدرد مشتعل ہو کر زید کو مارنے کے لیے اس کے دروازے تک پہونچ گئے، زید ڈیوٹی سے آیا تو حالات معلوم ہوئے، اس وقت زید کے دروازے پر بہت حضرات تھے زید نے نقش قدیری لے کر تمام حضرات کو دکھایا کہ اس میں بھی "نحمدہ ونصلی و نسلم علی حبیبه الکریم ہے اور اسی کے اعداد ۹۲ ہیں اب ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو ۹۲ کو گالی کہے اور قوم مسلم میں اختلاف ڈالے۔

(۳) حامد ایک مسجد کا امام ہے بابو جان نے حامد کو مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۸۹ء دسویں محرام الحرام ۱۴۱۰ھ کو روحانی مسجد میں دعوت دی، حامد نے وعدہ کیا کہ دس بجے دن میں ضرور روحانی مسجد میں حاضر ہو جاؤں گا اراکین جلسہ نے اور بھی مقرروں کو دعوت دی تھی، تمام مقرروں کا اعلان مسجدوں میں اور اشتہار کے ذریعہ کرایا لیکن حامد اپنے وعدہ کیے ہوئے وقت پر تشریف نہیں لائے۔ صدر جلسہ حضرت مولینا محمد فاروق صاحب قبلہ امام جامع مسجد رسڑا اپنی تقریر شروع کر چکے تھے۔ حامد غالباً گیارہ بجے روحانی مسجد میں پہونچے صدر جلسہ نے اعلان کیا کہ میرے بعد حامد کی تقریر ہوگی۔ جب صدر جلسہ اپنی تقریر ختم کر چکے تو بابو جان نے حامد سے کہا کہ حضرت اب آپ تقریر کیجئے حامد نے کہا کہ اب وقت نہیں ہے صلاۃ وسلام پڑھ لیا جائے پھر بھی بابو جان نے اصرار کیا کہ ابھی وقت ہے دس منٹ کچھ بھی کہہ دیجئے حامد انکار کر گیا۔ اور حامد کے کہنے کے مطابق صلاۃ وسلام پڑھ لیا گیا جلسے کا اختتام ہوا، اور بعدازاں حامد جا کر سکریٹری شہید صاحب سے کہا کہ ہم کو بہت بے عزت کیا گیا سکریٹری نے کہا مولینا کیا بے عزت کیا گیا۔ حامد نے کہا تقریر کرنے کے لیے روحانی مسجد میں دعوت دی گئی، مگر تقریر کرنے کے لیے نہیں کہا گیا۔ حامد کی اس بات پر قوم مسلم میں انتشار ہو گیا اراکین جلسہ کی طرف سے نذر لے کر بابو جان حامد کے پاس پہونچا تو

حامد نے نذر نہیں لیا اور یہ کہہ کر نذر کو ٹھکرا دیا کہ میں نے تقریر نہیں کیا ہے۔ اور نذر نہیں لوں گا، سکریٹری محمد شہید اور بابو جان سے کچھ تکرار ہوگئی محمد بابو جان تیغی اپنے گھر واپس ہو گئے۔ بعد ازاں عبدالقیوم پہلوان حامد کے پاس پہونچے تو حامد نے ان سے کہا کہ آج سکریٹری نے بابو جان کو بہت جھاڑا ہے۔ اس پر عبدالقیوم نے کہا آخر کیوں، حامد نے کہا ہم کو تقریر کرنے کے لیے دعوت دی گئی لیکن تقریر کرنے کے لیے نہیں کہا گیا۔ اس پر عبدالقیوم نے کہا کہ آپ تاخیر سے پہونچے پھر بھی آپ کو تقریر کا وقت دیا گیا آپ کو کم از کم اتنی تقریر کرنا لازم تھا جو کہ تقریر صدر صاحب نے کی ہے اس پر عمل کیا جائے تو بہت ہے اس پر حامد خاموش ہو گیا۔ اور بعد میں قوم میں انتشار کرا دیا۔ حامد جب سے رسڑا میں آیا ہے طرح طرح کے فتنے پھیلاتا رہتا ہے، کبھی برادری کا فتنہ اٹھا کر قوم میں انتشار کیا، کبھی رسڑا میں اہل سنت و جماعت میں دو گروپ کرا کر۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو قوم میں طرح طرح کے فتنہ پیدا کرے جھوٹ جس کا تکیہ کلام ہے۔ امامت کے لائق ہے کہ نہیں؟

(۴) حامد ایک مسجد میں امامت کرتا ہے مگر سنت کا پابند نہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بغیر فجر کی سنت پڑھے فرض پڑھا دیتا ہے، ایک دن حامد اپنے حجرہ میں نماز عشاء پڑھا کر چلا گیا تحقیق کے لیے اختر حسین تیغی بھی حجرہ میں گیا تو دیکھا کہ حامد بیٹھا پان کھا رہا ہے، دریافت کیا آپ سنت وتر نفل نہیں پڑھے اور پان کھانے لگے حامد کہنے لگے آپ کے پیر صاحب کی سنت ادا کر رہا ہوں حالانکہ میرے پیر صاحب ایسا نہیں کرتے نہ میں نے کبھی دیکھا ہے نہ سنا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

(۵) حامد ایک مسجد کا امام ہے اکثر اپنی تقریروں میں کہا کرتا ہے کہ غیر مسلموں سے میل جول اتحاد حرام ہے مگر حامد خود ہی غیر مسلموں سے چائے ناشتہ پان وغیرہ منگا کر کھاتے پیتے ہیں۔ اور غیر مسلموں کو بلا کر حجرہ میں بات کرتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہوگا۔

المستفتی محمد بابو جان تیغی و محمد عثمان تیغی خادم روحانی مسجد رسڑا بلیا (۳۰ نومبر ۱۹۹۱ء)

الجواب

بہار شریعت میں جمعہ قائم کرنے کی سب سے پہلی شرط اس جگہ کا شہر ہونا ہے چنانچہ مصنف بہار شریعت ۴/۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں مصر وہ جگہ ہے جہاں متعدد کوچہ و بازار ہوں اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو" ہمارے علاقہ میں جس کو پرگنہ کہتے ہیں بہار میں اسی کو سب ڈویزن کہتے ہیں۔ اور وہاں تحصیلدار رہتا ہے جو چھوٹے موٹے مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے اور اس حاکم کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔

اسی میں صفحہ ۹۴ پر ہے: جس شہر پر کفار کا تسلط ہوگیا وہاں بھی جمعہ جائز ہے جب تک دارالاسلام رہے، اگر آپ کا گاؤں شہر نہیں جیسا کہ آپ کی عبارت "یہاں کوئی حاکم وقت نہیں ہے" سے اندازہ ہوتا ہے تو نہ پہلے مولینا صاحب کو اجازت دینی چاہئے تھی نہ دوسرے مولینا صاحب کو، عوام اگر خود قائم کر لیتے تو اس کے ذمہ دار وہ ہوتے مگر ایسے جمعہ کو بھی روکنا اور منع کرنا اعلیحضرت نے جاہلوں کا کام بتایا ہے۔

فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۷۵۲ پر ہے " قال الله تعالیٰ ﴿ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ﴾[العلق:] دیہات میں نماز جمعہ وعیدین حنفی مذہب میں جائز نہیں مگر جہاں ہوتا ہے اسے بند کرنا جاہل کا کام ہے۔ جو انہیں کافر کہتا ہے گمراہ اور بددین ہے" مگر آج کل ہماری شامت اعمال ہے کہ ہم پر جاہل مولوی مسلط ہوگئے ہیں نہ اجازت دینے والوں نے کتاب دیکھنے کی ضرورت محسوس کی نہ منع کرنے والے کو خوف خدا اور سول رہا۔ یہ مسئلہ کا ایک رخ ہوا۔

اب اجازت دینے والی شرط کا حال سنئے: بہار شریعت کے جمعہ کے بیان میں کہیں نہیں لکھا ہے کہ جامع مسجد کے امام کی اجازت سے جمعہ قائم ہوسکتا ہے، بلکہ اجازت جمعہ کے سلسلہ میں یہ تحریر ہے ۔ جمعہ قائم کرنا بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کا کام ہے اور جہاں اسلامی حکومت نہ ہو۔ وہاں پر جو سب سے بڑا فقیہ سنی صحیح العقیدہ ہو احکام شرعیہ جاری کرنے میں سلطان اسلام کے قائم مقام ہے لہٰذا وہی جمعہ قام کرے بغیر اس کی اجازت کے نہیں ہوسکتا۔ اور یہ بھی نہ ہو تو عام لوگ جس کو امام بنائیں۔ (بہار شریعت چہارم صفحہ ۹۵) دیکھئے اس عبارت میں امام جامع مسجد کا کہاں ذکر ہے ہاں اگر اس علاقہ کا امام جامع مسجد سب سے بڑا سنی صحیح العقیدہ فقیہ ہو تو اس کو شہر میں اجازت دینے کا حکم ہے۔ مگر امام جامع مسجد ہونے کی وجہ سے نہیں سب سے بڑے فقیہ اور سنی صحیح العقیدہ ہونے کی وجہ سے۔ اور جمعہ قائم کرنے والوں کو کافر بتانا تو بہت بڑی گمراہی ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کی عبارت سے گذرا۔ ایسے شخص کو امام بنانا گناہ بشرط استطاعت اس کو امامت سے علیحدہ کرنا ضروری ہے، اور اس حالت میں جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھیں ان کا دہرانا ضروری ہے اور اس علاقائی امام پر اپنے اس غلط فتوے سے توبۂ صادقہ ضروری ہے اور جن مسلمانوں کو کافر کہا ان سے معافی مانگنا ضروری ہے۔

شامی میں ہے " ومشیٰ فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم "

(۲) ایسا شخص ظالم اور فسادی ہے، شریعت میں اس کو قتل سے بڑا گناہ بتایا گیا ہے:

﴿ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ﴾[البقرة:۱۹۱]

(۳) برتقدیر صدق مستفتی، اگر حامد صاحب بلا کسی عذر شرعی کے اپنے دیئے ہوئے وقت پر جلسہ

وعظ میں نہ پہونچے تو یہ خود ان کی کوتاہی ہے اور اگر یوں بھی مقررین کی کثرت یا کسی وجہ سے حامد صاحب کو ٹائم نہ ملتا تو اس میں ان کی شرعاً کوئی توہین نہ ہوتی۔ چہ جائیکہ منتظمین جلسہ نے ان سے بعد میں تقریر کرنے کی درخواست بھی کی۔ اگر اس بنیاد یا کسی غیر شرعی بنیاد بلکہ کسی امر مباح یا مستحب کے لیے بھی حامد صاحب فتنہ پیدا کریں تو یہ شرعاً ناجائز ہوگا اور حامد صاحب ملزم ہوں گے۔

وعظ خالصاً لوجہ اللہ ہونا چاہئے۔لوگ کچھ خدمت کردیں اس میں کوئی حرج نہیں۔اور جو شخص اسی مقصد سے وعظ کہے کہ لوگوں سے اس کا معاوضہ وصول کرے یہ آمدنی اس کے لیے خبیث ہے قرآن عظیم میں ہے ﴿أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾[البقرة:۹۶]

(فتاویٰ رضویہ دہم صفحہ ۱۲۵)

مولوی صاحب جو یہ کہتے ہیں کہ میں نے وعظ نہیں کہا،اس لیے نذرانہ نہیں لوں گا اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نذرانہ وعظ کوئی کا معاوضہ سمجھتے ہیں جو حرام وخبیث ہے۔

(۴) سنت مؤکدہ کا علی الاعلان ترک کرنا ضرور فسق ہے اگر سائل اپنے سوال میں سچا ہے تو ایسے شخص کی امامت ضرور مکروہ تحریمی ہے۔نفل نماز میں اختیار ہے چاہے پڑھے یا نہ پڑھے۔اسی طرح اگر سنت غیر مؤکدہ بھی چھوڑتا ہے تو شرعاً کوئی جرم نہیں بنتا۔

(۵) میل جول اور اتحاد اور چیز ہے جو غیر مسلموں سے حرام ہے اور بحکم قرآن منع ہے۔اور معاملہ اور چیز ہے۔خرید فروخت اور کسی ضرورت سے بات کر لینا معاملات میں آتا ہے۔سائل کو خود اپنا محاسبہ بھی کرنا چاہئے کہ اس کا کون عمل راہ شریعت میں ہے اور کون باہر ہے۔یہ اماموں کے پیچھے پڑا رہنا کہ فلاں امام یہ کرتا ہے اور فلاں وہ کرتا ہے،ظاہر ہے کہ اگر غلط الزام قائم کیا یا نیت خواہ مخواہ امام کو اذیت پہونچانے کی ہے تو خود یہ فعل شرعاً جرم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۵ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

(۴۳) مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کہ دیہات میں بعد نماز جمعہ ظہر احتیاطی با جماعت پڑھنا کیسا ہے اور اس پہ تاکید کرنے والوں کا شریعت کے نزدیک کیا حکم ہے۔ المستفتی،محمد اکبر علی مظفر پوری۔

الجواب

دیہات جہاں نماز جمعہ فرض ہی نہ ہو وہاں احتیاطی ظہر پڑھنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ایسی جگہ جہلا اگر جمعہ کے نام پر نماز پڑھتے ہیں تو ان کو روکا نہ جائے۔مگر علماء اور جو مسئلہ پر عمل کرنا چاہتے ہیں

ان کو نماز جمعہ میں عوام کا ساتھ نہ دینا چاہیے وہ اپنی ظہر کی نماز پڑھیں احتیاطی ظہر کا مسئلہ تو وہاں کے لیے ہے جہاں نماز جمعہ کی صحت میں کوئی شبہ ہو وہ بھی عوام کو نہیں خواص کو فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۶ر رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

(۴۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید کے گاؤں میں پہلے سے ایک مسجد قائم ہے جس میں جمعہ و پنج گانہ نمازیں ہوتی ہیں لیکن گاؤں میں کچھ تفرقہ ہونے کی وجہ سے جامع مسجد کے خلاف ایک نئی مسجد قائم کی گئی جس میں فی الحال نماز جمعہ و پنجگانہ نمازیں ادا کی جاتی ہیں باوجودیکہ نئی مسجد کے امام اشرف علی تھانوی کے معتقدین میں سے ہیں۔ لوگ متفرق طور پر دونوں مسجدوں میں نماز ادا کرتے ہیں، جامع مسجد کے خلاف نئی مسجد قائم کرنا اور اس میں جمعہ کی نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ اور جن لوگوں نے مسجد قائم کیا اور اشرف علی تھانوی کے معتقدین کے پیچھے نماز ادا کررہے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد حسنین ساکن جھتہ پوسٹ بھوگا بھٹگاؤں ضلع پورنیہ بہار

الجواب

سوال کی عبارت سے ظاہر ہے کہ جس بستی کے بارے میں سوال ہے وہ گاؤں اور دیہات ہے۔

احناف کے نزدیک گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں ہے: لا جمعة و لا تشريق الا في مصر جامع۔ عید اور جمعہ کی نماز شہر میں ہوگی۔

اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ قائم کرنا نہیں چاہیے۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے حضور ﷺ کے علم کو جانوروں، بچوں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دی اس پر علمائے حرمین شریفین نے ان پر کفر کا فتویٰ دیا، جو شخص اشرف علی کے اس کفر پر مطلع ہو کر بھی اس سے اعتقاد رکھے اور اس کو پیشوا جانے اس کے پیچھے اہل سنت وجماعت کی نماز نہیں ہوتی، نہ جمعہ کی نہ پنج وقتہ۔

(فتاوی رضویہ جلد سوم) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۸ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ

(۴۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

وہ کوردہ دیہات جو کسی روایت مذہب پر شہر نہیں، نہ اس پر امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی روایت نادرہ کا اطلاق (ایسے موضع میں جہاں صرف ایک متوسط چھوٹی مسجد ہو اور بالغ افراد اتنے نہیں کہ اکٹھا ہوں تو مسجد میں سما نہ سکیں) وہاں جمعہ کی نماز سے ظہر کی نماز ساقط ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں تو ظہر کی نماز جماعت

سے پڑھی جائے یا نہیں؟ اگر کوئی تنہا پڑھے تو تارک جماعت ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا
حشمت اللہ رضوی خادم مدرسہ نوریہ بینی نگر کتھلا بازار سدھارتھ نگر

الجواب

ایسی جگہ ظہر کی نماز ساقط نہ ہوگی اور صرف جمعہ پڑھنے والے گنہ گار ہوں گے۔ نہ صرف ایک گناہ بلکہ حسب تصریح صاحب فتاوی رضویہ متعدد گناہ۔ اگر مسئلہ شرعی پر عمل کرنے والے کئی آدمی ہوں تو جماعت قائم کریں۔ و لا باس بالجماعة للظهر للقروی تنہا آدمی ہو تو اکیلا پڑھے۔ البتہ جو جاہل عوام جمعہ پڑھتے ہوں انہیں چھیڑا نہ جائے کہ عوام جس طرح اللہ تعالیٰ کا نام لیں غنیمت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۸ رصفر المظفر ۱۴۱۹ھ

(۴۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مصر کی متعدد حدود و علامات میں کون سی تعریف راجح اور مفتی بہ ہے، نیز دیہات میں گرام پنچایت آج کل قائم ہے تو کیا وجوب جمعہ اور عیدین کے واسطے ان پر مصر کی تعریف صادق آجائے گی یا نہیں؟ اگر ایسا ہے تو وہ گاؤں جس میں گرام سماج ہے اور وہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے صرف دس پندرہ مسلمان آباد ہیں۔ ایسی صورت میں ان پر جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

ایک گاؤں جس میں سب مسلم ہیں اور وہاں ایک پنچایت بھی اس میں دو مسجدیں ہیں ایک پرانی عیدگاہ بھی ہے۔ نیز اس کی بڑی مسجد میں مسلمان نہیں سماسکتے۔ اگر کوئی عالم دین اتفاقیہ وہاں پہنچ جائے تو وہ جمعہ کی امامت یا نماز جمعہ میں شرکت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر موضع کے باشندے طلوع صبح صادق کے بعد قبل نماز عید قربانی کریں تو جائز ہوگی یا نہیں؟

فقط والسلام: عبدالواحد کیراف چھوٹے دوکاندار چونس والا محلہ باڑہ شاہ مسجد چھپرہ والی مراد آباد

الجواب

صحیح تعریف شہر کی یہ ہے کہ ایسی آبادی ہو جس میں متعدد کوچے ہوں، دوامی بازار ہوں وہ جسے کینٹ کہتے ہوں اور وہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں، اور اسی میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصلہ کرنے پر مقرر ہوں جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔

شرح منیہ میں ہے: "الحد الصحیح ما اختاره صاحب الهداية انه الذی له امير و قاض ينفذ الاحكام و يقيم الحدود"

اس سے معلوم ہوا کہ گرام سماجوں سے دیہات شہر نہ ہوگا۔ تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل

بریلوی کے فتاوی دیکھے جائیں۔

(۲) وہ عالم دین اگر اسی میں دینی مصلحت دیکھے تو شریک ہوسکتا ہے۔ شامی میں ہے:

"العالم الذی یعرف مقتضی النصوص والاخبار وھو من اھل الدرایۃ یجوز لہ ان یعمل علیھا وان کان مخالفا لمذھبہ اقول ھذا فی غیر موقع الضرورۃ فقد ذکر فی البحر الخ"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

(۴۷-۵۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ مسائل میں کہ

(۱) شریعت مطہرہ نے کتنی آبادی کو شہر بتلایا ہے جہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے؟

(۲) ذمی اور حربی کافر میں کیا فرق ہے اور مسلمان کو کیا دونوں کے تعلقات میں یکساں حکم ہے؟

(۳) ایک شخص صوم وصلوۃ کا پابند ہے اور خیال بھی اہل سنت وجماعت ہے اگر اس کے تعلقات دیوبندیوں سے ہیں یہاں تک کہ کھانا اور پینا بھی ہے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(۴) بہار شریعت حصہ اول میں لکھا ہے" جو رطوبت عورت کے آگے سے نکلتی ہے بغیر پاک کئے ہوئے نماز ہوجاتی ہے، اور رطوبت کا کیا حکم ہے؟

(۵) عیدین کی نماز میں ہجوم ہونے کی وجہ سے امام کی تکبیر پہنچانے کے لیے چند آدمی تکبیر کہا کرتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۶) سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے جان نور مصطفیٰ ﷺ کی جناب میں عرض کی یارسول اللہ ﷺ والدہ کا انتقال ہوگیا ہے کیا اپنی والدہ کے نام پر صدقہ جاری کروں۔ اس دلیل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کھانا نذر فاتحہ کرکے کہنا قباحت ہے تو یہ کھانا بھی ہر امیر وغریب کو جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ ام سعد کے نام سے یہ باوری آج تک مشہور ہے۔ اور ہر امیر وغریب اس سے پانی پیتے ہیں، عام فہم زبان میں جواب دے کر داخل حسنات ہوں۔

نوٹ: یہ بھی تحریر کردینا سود کا لینا دینا ذمی کافر سے کیا جائے یا حربی سے یا دونوں فریق سے ناجائز ہے؟

المستفتی: مشتاق احمد فرخ آباد

الجواب

(۱) شہر کی تعریف میں آبادی کا کوئی ذکر نہیں کہ کتنی ہونی چاہیے یعنی دس پانچ ہزار کی کوئی تعداد

مقرر نہیں۔ ہدایہ میں ہے:"المصر الجامع کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام و یقیم الحدود" (هدایه:۱/۱٦٨)

شہر جہاں جمعہ کی نماز جائز ہو وہ جگہ ہے جہاں امیر و قاضی ہو جو احکام نافذ کرے سزائیں دے۔

(۲) ذمی اسلامی حکومت تسلیم کر کے اس کا خراج گذار شہری بن جاتا ہے۔ پھر اس کی جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کی جان و مال کی طرح ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے:"دماء هم کدمائنا واموالهم کاموالنا" اس کے برخلاف کافر دارالحرب کا ہو تو حربی کہلائے گا اور اس کو اس قسم کی کوئی مراعات حاصل نہیں۔ سودی کاروبار ذمی کے ساتھ ناجائز ہے اس کے برخلاف حربی سے منافع وصول کرنا سود نہیں۔ ہدایہ میں ہے:"لاربوٰ المسلم و الحربی فی دار الحرب"(هدایه اخیرین:٨٦)

(۳) دیو بندیوں سے میل جول رکھنا اگر ان کے کفر پر مطلع ہو کر مسلمان سمجھتے ہوئے تو وہ خود انہیں کے ساتھ ہو گیا اور اسکے پیچھے نماز نہیں ہوگی اور اگر مسلمان نہ سمجھا تو میل جول کی وجہ سے فاسق ہوگا۔ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

عالم گیری میں ہے:"تجوز الصلوة خلفه مع الکراهة والا فلا"۔

(۴) اس رطوبت کا کوئی خاص نام کتب فقہ میں نظر سے نہیں گذرا۔

(۵) جتنے مکبروں کی ضرورت ہو اتنے رکھنا مستحب ہے ضرورت سے زائد مکروہ ہے۔

شامی میں ہے:"اتفق الائمة الاربعة علی ان التبلیغ عند عدم الحاجة الیه تکرار مکروه اما عند الاحتیاج الیه فمستحب" (شامی:۲/۱۵۲)

(٦) فاتحہ کا کھانا صدقہ نفلی ہے۔ اس لیے امیر کے واسطے جواز میں تو کلام نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ مردے کو امیر کے کھلانے کے بعد کم ثواب ملے گا اور فقیر کو کھلانے کے بعد زیادہ ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔ نیز عام مردوں کے لیے یہ ایصال ثواب ان کا کفارہ ذنوب ہے اور بزرگوں کیلیے گناہ کا کفارہ نہیں کہ گناہ سے محفوظ ہیں ان کے لیے رفع درجات کا سبب ہے۔ اس لیے عام مردوں کی فاتحہ کا کھانا فقرا کو کھلایا جائے۔ عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۵۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

چھولا باری ایک گاؤں ہے جس کی آبادی تقریبا گیارہ سو ہے اور وہاں پارچوں، درزی، بساطی، لوہار، کمہار، بڑھئی، کپڑے اور غلے کی دو کانیں ہیں ایک دواخانہ بھی ہے دو بڑی فیکٹریاں بھی ہیں جس میں

آٹا کی چکی، تیل مشین، دھان مشین، رائس مشین اور روئی مشین ہے۔

اس سے چھولا باری اور اس کے قرب و جوار سات میل کے باشندوں کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں۔ اور چھولا باری کی سرحد سے ملا ہوا بڑھیا گاؤں میں ایک بہت پرانا بازار ہفتہ میں دو روز لگتا ہے۔ جس میں نخاسہ اور ضرورت کی تمام چیزیں بھی فروخت ہوتی رہتی ہیں گرام پنچایت کا سبھاپتی بھی چھولا باری میں ہی رہتا ہے اس کے علاوہ چھولا باری کے قریب متعدد گاؤں ہیں جس کی آبادی اور مسافت حسب ذیل ہے۔

آبادی ملحقات		چھولا باری کی سرحد سے	چھولا باری سے
(۱) بڑھیا	۱۵۰۰ر	۲ر فرلانگ	۴ر فرلانگ
(۲) منڈیا	۱۵۰۰ر	۴ر	۸ر
(۳) صدر یا پور	۲۵۰ر	ملا ہوا	۲ر
(۴) بھورا	۴۰۰	۵ر	۸ر
(۵) کنز اول	۱۰۰۰	۴ر	۸ر

چھولا باری میں تقریباً ایک صدی سے جمعہ و عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں جس میں جمعہ کے لیے منڈیا کے لوگ اور عیدین کے لیے مذکورہ بالا گاؤں کے لوگ اور اس کے علاوہ کئی گاؤں کے لوگ آتے ہیں۔ اب لوگوں میں اختلاف ہو گیا ہے۔ اور ۴ر۵ر آدمیوں نے جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ چھولا باری میں جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے۔ پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ چھولا باری میں جمعہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مذکورہ بالا گاؤں کے لوگ چھولا باری میں جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ ایسی حالت میں جو لوگ ظہر پڑھتے ہیں ان کی ظہر ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ چھولا باری میں صرف ایک مسجد اور ایک عیدگاہ ہے۔ جواب مدلل مع حوالہ کتب فتاوی تحریر فرمائیں۔ یہاں عدالت پنچایت کا سرپنچ رہتا ہے عدالت بہت سے گرام سبھاؤں سے مل کر بنتی ہے جس کو معمولی فوجداری اور مالی فیصلے کا اختیار ہوتا ہے۔ بینوا و توجروا

حکیم: ظفر احمد چھولا باری ۱۱ر جمادی الاولی ۸۱ھ

الجواب

چھولا باری کو آپ نے بھی ایک گاؤں ہی لکھا ہے اور جو تفصیل آپ نے بتائی ہے اس سے بھی وہ ایسا شہر ثابت نہیں ہوتا جس میں نماز جمعہ فرض ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: "لا جمعة

ولا تشریق الا فی مصر جامع" لیکن وہاں کے لوگ آپ کے قول کے مطابق جو صدیوں سے نماز جمعہ و عیدین ہورہی ہے اس کو روک کر فتنہ وفساد پیدا کرنا چاہتے ہیں ﴿الفتنة اشد من القتل﴾ [البقرۃ: ۱۹۱] دیہات میں جہاں جمعہ قائم نہ ہو وہاں قائم نہ کیا جائے اور جہاں قائم ہو وہاں روکا نہ جائے کہ عوام اسی بہانے خدا کی یاد کرتے ہیں۔ ایسی جگہ جو لوگ ظہر کی نماز پڑھتے ہیں قابل ملامت نہیں۔ خلاصہ ہم نے تحریر کردیا ہے۔ تفصیل اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ جلد سوم میں دیکھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

(۵۴) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہمارے اطراف کے دو ایک گاؤں میں کچھ نوجوان مولینا صاحبان چند مہینوں سے جمعہ کے دن خطبہ کے بعد دو رکعت فرض جمعہ پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر فوراً تکبیر پڑھوا کر جماعت سے چار رکعت فرض ظہر بھی پڑھواتے ہیں، جب کہ وہاں پر اس سے پہلے وہ لوگ خود بھی اس طرح دو مرتبہ فرض جمعہ اور ظہر جماعت سے نہیں پڑھتے پڑھواتے تھے بلکہ بعض بڑے بڑے پرانے مولینا صاحبان بھی آئے اور جمعہ کے دن جمعہ کے فرض کے بعد اس طرح ظہر کی جماعت نہیں کی پوچھنے پر یہ مولینا صاحبان بتاتے ہیں کہ دیہاتوں میں جمعہ نہیں جائز ہے۔ جب کہ ان جگہوں پر پچاسوں سال پہلے سے بھی جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے کچھ مولینا صاحبان سے معلوم کرنے پر معلوم ہوا کہ دیہات میں اگر نماز جمعہ قائم ہے۔ تو ختم نہیں کرنا چاہئے مگر نیا نہ قائم کریں صرف ظہر کی جماعت کریں البتہ عالم صاحبان نیت کی باریکیاں جانتے ہوں تو تنہا تنہا بغیر لوگوں کو بتائے احتیاطی ظہر پڑھیں ایسی صورت میں لوگوں کو کیا کرنا چاہئے اوپر لکھے طریقے سے ظہر وجمعہ دونوں کے فرضوں کی جماعت کریں یا کسی ایک پر اکتفاء کریں، گاؤں میں دونوں نمازوں کی فرضوں کی ایک کے بعد فوراً دوسری جماعت کرنا کیسا ہے؟۔

المستفتی: محمد صابر خان، پرنس ٹیلرس کین یونین آفس بلرامپور ضلع گونڈہ

الجواب

حنفی مذہب میں جمعہ فرض ہونے اور اس کے ادا کرنے کے لیے شہر ہونا شرط ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "لا جمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع"

تو دیہات والوں پر نہ جمعہ فرض نہ دیہات میں جمعہ جائز ہے شہر کس کو کہتے ہیں اور شہر کی تعریف

کیا ہے، اس میں ائمہ سے دو قول مروی ہیں۔(۱) جہاں کوچہ و بازار ہوں اور جہاں ایسا حاکم ہو جو مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے یہ تعریف امام صاحب سے مروی، اور یہی کتب ظاہر الروایت میں ہے۔(۲) قاضی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ حاکم نہ ہو لیکن وہ جگہ ایسی ہے کہ سارے مکلفین کو وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں جمع کیا جائے تو سمانہ سکیں تو وہ بھی شہر ہے اور وہاں بھی جمعہ قائم کیا جائے اس قول پر بھی بہت سے علماء نے فتویٰ دیا۔

درمختار میں ہے:"علیه فتوی اکثر مشائخ لظهور التوانی فی الاحکام"

پہلی والی تعریف پر ضلع اور تحصیل پر شہر کی تعریف صادق بقیہ سب جگہ دیہات ہے لیکن دوسری تعریف پر قصبات اور بڑے بڑے دیہات بھی جن کا وہ حال ہے کہ وہاں کے مکلف باشندوں پر وہاں کی سب سے بڑی مسجد تنگ ہو تو وہ بھی شہر ہیں وہاں جمعہ قائم کرنا جائز ہے۔ آج کل لوگ بلا امتیاز ہر جگہ جمعہ قائم کر دیتے ہیں یا پڑھتے آرہے ہیں ان کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ عوام کو منع نہ کیا جائے جو کریں کرنے دیا جائے ورنہ ظہر تو چھوڑے ہی ہوئے ہیں، اور یہ جو ایک جگہ جمع ہو کر اللہ کا نام لیتے ہیں یہ بھی ختم کر دیں گے باقی رہ گئی یہ بات کہ ان پر ظہر چھوڑنے کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ جمعہ کے نام پر جتنی ظہر چھوڑی ہے اس کو قضا کرنا اور آئندہ ظہر پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں تفصیل دیکھنی پڑے گی کہ وہ جگہ کیسی ہے اگر وہ جگہ ایسی ہے جس پر دوسری ہی تعریف پر سہی شہریت ثابت ہو رہی ہے تو یہ لوگ گناہ کے مرتکب نہ ہوں گے اور ظہر کی قضا ان پر لازم نہ ہوگی؟ یہ حکم عوام کا ہے خواص اہل علم جو تصحیح نیت پر قادر ہوں ان کو چاہئے کہ چار رکعت احتیاطاً ظہر تنہا خاموشی سے پڑھ لیا کریں عوام کو اس کی اطلاع بھی نہ دیں۔ ایسی جگہ اگر کوئی ظہر یا جماعت قائم کرے تو ضرور گنہگار ہوگا۔ اس کو اس سے باز آنا چاہئے اور اگر وہ جگہ بالکل کوردہ ہے کہ دوسری تعریف پر بھی وہ شہر نہیں بن پاتا تو عوام کالانعام کو تو نہیں روکا جائے گا لیکن اس کے بارے میں جب فتویٰ پوچھا جائے گا تو وہی حکم دیا جائے گا کہ ایسی جگہ جمعہ پڑھنا گناہ اور ظہر نہ پڑھی تو اس کی قضا واجب، چاہے مولانا پڑھیں چاہے کوئی اور۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۲۵ میں ہے کہ ایسی جگہ جمعہ یا عیدین پڑھنا نہ ایک گناہ بلکہ چند گناہ ہیں، تو ایسی جگہ اگر کوئی ظہر کی نماز باجماعت پڑھتا ہے تو کوئی غلط کام نہیں کرتا شرع کے موافق ہی کرتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۲۲ رشوال المکرم ۱۴۰۸ھ

(۵۵۔۶۵)**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۱) تعامل حضرات اکابر اہل بصیرت علمائے کرام وحضرات اجلہ صاحبان ولایت مشائخ عظام

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شرع کے کسی درجہ میں دلیل ہے یا نہیں؟

(۲) دیہات میں جہاں عرصہ سو پچاس سال سے لوگ جمعہ پڑھتے ہیں۔ اوران گاؤں کے حضرات علمائے کرام بھی جمعہ پڑھتے اور پڑھاتے رہے اور چند ماہ سے بعض علمائے کرام نے یہ دستور نکالا ہے کہ جمعہ کو جمعہ بھی ادا کرتے اور اس کے بعد باقامت جماعت سے چار فرض ظہر کی بھی ادا کرتے ہیں واضح رہے کہ یہ حضرات علمائے کرام اپنی نجی ضرورتوں سے اپنے گاؤں کے قریبی شہر وقصبہ جات میں برابر ملازمت کے سلسلے میں یا بازار سے سودا سلف خریدنے وغیرہ ضرورتوں سے بازار کو روزانہ اور کوئی کوئی اکثر و بیشتر آتے رہتے ہیں، جہاں پہنچنے کے لیے مشکل سے گھنٹہ سوا گھنٹہ لگتا ہے آنے جانے کے لیے سائیکلیں یکہ، رکشہ اور بس وغیرہ استعمال کیے جاتے ہیں، ایسی صورت میں فتاویٰ رضویہ شریف جلد سوم ص ۵۶/۷ ایک وقت میں دو فرض ہرگز نہیں ص ۶۸۳ گاؤں میں اصلاً جمعہ جائز نہیں تو وہاں اس کی اجازت نہیں ہوسکتی کہ ایک ناجائز کام کرے اور ان چار رکعت احتیاطی سے اس کی تلافی چاہیں ص ۷۰۰ جہاں جمعہ بحسب مذہب بلاشبہ ناجائز امر باطل ہے جیسے وہ کورہ جو کسی روایت مذہب پر مصر نہیں ہوسکتے، وہاں ظہر آپ عیناً فرض ہے اور جمعہ پڑھوانے اور چار رکعت احتیاطی بتانے کی اصلاً گنجائش نہیں ان تحریرات منیرہ کی روشنی میں کیا مذکورہ بالا ہیئت میں فرض جمعہ و فرض ظہر دونوں باجماعت پڑھنا درست ہے؟

(۳) بہار شریعت جلد چہارم ص ۹۷: بلکہ بعض نے تو یہ فرمایا ہے کہ اگر شہر سے دور جگہ ہو مگر بلا تکلف واپس جاسکتا ہو تو جمعہ پڑھنا فرض ہے (درمختار) کیا اس روشنی میں مذکورہ بالا گاؤں کے علمائے کرام پر اپنے شہر وقصبہ جات میں پہونچ کر جمعہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے؟ جب کہ اور نجی ضرورتوں سے وہاں برابر آنا جانا ہوتا رہتا ہے جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا۔

(۴) فتاویٰ رضویہ شریف حصہ سوم ص ۶۸۸: ایسی جگہ علمائے کرام نے چار رکعت احتیاطی کا حکم دیا مگر خواص کے لیے نہ ایسے عوام کو جو تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں ان کے لیے ایک مذہب پر صحت بس ہے۔

ص ۶۷۲: ایک روایت نادرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہو سکے آباد ہوں کہ وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہاں تک کہ انہیں جمعہ کے لیے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحت جمعہ کے لیے شہر سمجھی جائے گی، جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس روایت نادر کی بنا پر جمعہ وعیدین ہوسکتے ہیں اگر چہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعت متأخرین نے اختیار فرمایا،

ص ۶۸۱: ان کے حق میں یہی بہت ہے کہ بعض روایت پر ان کی نماز ٹھیک ہوجائے گی۔

ص ۶۷۴: ان کے لیے اسی قدر بس ہے کہ بعض روایات واقوال ائمہ مذاہب پر ان کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

ص ۶۷۱: مگر در بارۂ عوام فقیر کا طریقۂ عمل یہ ہے کہ ابتداءً خود انہیں منع نہیں کرتا نہ انہیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند رکھتا ہے ایک روایت پر صحت ان کے لیے بس ہے۔

ص ۶۷۲: بایں ہمہ اگر عوام پڑھتے ہوں منع نہ کریں گے۔

ص ۶۷۵: دیہات میں نماز جمعہ وعیدین مذہب حنفی میں جائز نہیں مگر جہاں ہوتا ہے اسے بند کرنا جاہل کا کام ہے۔

ص ۶۱۹: جمعہ وعیدین دیہات میں ناجائز ہے اور ان کا پڑھنا گناہ مگر جاہل عوام اگر پڑھتے ہوں تو ان کو منع کرنے کی ضرورت نہیں کہ عوام جس طرح اللہ ورسول جل جلالہ وﷺ کا نام لے لیں غنیمت ہے،

فتاویٰ امجدیہ جلد اول ص ۲۹۰: دیہات میں جمعہ ناجائز جمعہ کے لیئے مصر یا فنائے مصر شرط ہے مگر جو لوگ پڑھتے ہوں انہیں منع نہ کیا جائے۔

ص ۲۹۶: مگر چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، لہٰذا جو لوگ پڑھتے ہوں اور پیشتر سے وہاں رائج ہو ان کو منع نہ کیا جائے۔

ان ارشادات جلیلہ کی روشنی میں کیا اب سو برس یا اس سے زیادہ اور کہیں ساٹھ ستر برس سے جن گاؤں میں لوگ جمعہ پڑھتے چلے آتے ہیں، اس روز خاص اہتمام بھی کرتے ہیں کیا ان کی نظر میں مذکورہ بالا انداز میں دوہرے فرضوں کو ایک وقت میں باجماعت ادا کرنا دوہرے فرضوں کا یقین دلانا اور عوام کی نظر میں جمعہ کی اہمیت گھٹانا اور فرامین مقدسہ سے انحراف نہیں ہے اور ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے۔

(۵) احتیاطی ظہر اپنی بعض شرطوں کے ساتھ جو خواص کے لیے خاص ہے جس پر عوام کو مطلع کرنے کو فساد اشد اعظم ارشاد فرمایا ہے،

ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ شریف حصہ سوم ص ۶۷۴: ہاں وہ نرے جاہل عامی لوگ کہ تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں یا ان رکعات کے باعث راساً جمعہ کو غیر فرض یا جمعہ کے دن دو نمازیں فرض سمجھنے لگیں انہیں ان رکعات کا حکم نہ دیا جائے بلکہ ان کی ادا پر مطلع نہ کیا جائے کہ مفسدہ اشد واعظم کا دفع آکد واہم ہے ان کے لیے اس قدر بس ہے کہ بعض روایات واقوال ائمہ مذاہب پر ان کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

ص ۶۷۵: چار رکعات احتیاطی کا خواص کو حکم اور نافہم عامیوں کے حق میں اغماض۔

ص ۶۸۰: عام لوگوں کو احتیاطی ظہر کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔

ص ۶۸۱، ۶۸۰: لہٰذا اسی طرح گول نیت بے خیال تردد بجالائے اور واقع کا معاملہ علم الٰہی پر

چھوڑ دے پھر ایسی تصحیح نیت نرے جاہلوں کو ذرا دشوار ہے اور ان سے یہ بھی اندیشہ کہ اس کے سبب کہیں یہ نہ جاننے لگیں کہ جمعہ سرے سے خدا کے فرضوں میں نہیں یا سمجھنے لگیں کہ اس دن دوہرے فرض ہیں دو رکعتیں الگ چار رکعتیں الگ، اسی لیے علماء نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ان رکعتوں کا حکم نہ دیا جائے ان کے حق میں یہی بہت ہے کہ بعض روایات پر ان کی نماز ٹھیک ہو جائے۔

ص ۶۸۷: یہ فرض احتیاطی با جماعت نہیں ہوئے منفرداً بہ نیت آخر ظہر پڑھے جاتے ہیں وہ بھی احتیاطی کا حکم دیا مگر خواص کے لیے نہ ایسے عوام کو جو تصحیح نیت پر نہ قادر ہوں۔

ص ۷۰۹: احتیاطی ظہر کی عام لوگوں کو حاجت نہیں۔

ص ۷۲۴: اگر شبہ ضعیف ہے احتیاطی ظہر مستحب ہے اور قوی ہے تو واجب مگر اس کا حکم خواص کے لیے ہے عوام کو حاجت نہیں۔

ص ۷۵۶: ایک وقت میں دو فرض ہرگز نہیں اور جمعہ جب ادا ہو جائے گا ظہر ساقط ہو جائے گی ایسے ہی خیالوں سے بچنے کو علمائے کرام نے عوام کو ظہر احتیاطی کا حکم نہ دیا۔

فتاویٰ امجدیہ حصہ اول ص ۲۹۲: اور ظہر احتیاطی خواص کے لیے ہے عوام کے لیے نہیں۔

بہار شریعت حصہ چہارم ص ۹۵: ظہر احتیاطی خاص ان لوگوں کے لیے ہے جن کو فرض جمعہ ہونے میں شک ہو اور عوام کہ اگر احتیاطی ظہر پڑھیں تو جمعہ کے ادا ہونے میں انہیں شک ہوگا وہ نہ پڑھیں۔

ان فرمودات مقدسہ کی روشنی میں جمعہ کے دو فرض پڑھنے پڑھانے کے بعد دیہات میں عوام کو چار فرض ظہر بجماعت پڑھانا کس حد تک درست ہے۔

(۶) جن علمائے کرام نے عالم ہونے کے دس بیس سال بعد تک نماز جمعہ ان دیہاتوں میں پڑھیں اور پڑھائیں اور اب چند ماہ سے ظہر کا فرض بھی بجماعت پڑھوانے لگے کیا، ان کو اپنے گزشتہ ان فرضوں کا قضا ادا کرنا فرض نہیں جو ہمیشہ جمعہ کو صرف جمعہ کے فرض پر اکتفا کرتے رہے۔

(ب) ان علانیہ قضاؤں کا یا کم از کم بزعم خود نا جائز کے ارتکاب سے علانیہ توبہ ورجوع لازم ہے یا نہیں؟۔

(ج) اپنے گاؤں کے علاوہ جن دوسرے گاؤں میں برائے تبلیغ دین و چندہ و دوسرے ضروریات سے پہونچ پہونچ کر جمعہ پڑھی پڑھائی وہاں کے عوام کو بھی آگاہ کرنا ان سے توبہ کرانا ان کو ظہر کے قضا کا حکم سنانا اور بتانا ضروری ہے کہ نہیں۔؟

(۷) جمعہ کے دن تو جمعہ کے ساتھ فرض ظہر بجماعت پڑھنا پڑھانا مگر عیدین کی نماز بلا تکلف

انہیں مواضعات میں پڑھنا پڑھانا ایسے حضرات علمائے کرام کے لیے شرعا کیسا ہے؟۔

(۸) ایسے دیہاتوں کے عیدگاہ جات سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آج برسہابرس سے بنے ہیں ان تعمیرات اور آراضیات کا شرعا کیا مصرف ہوگا؟۔

(۹) ہمارے اطراف کے علمائے کرام نے جو ایجاد کی ہے کہ جمعہ کے دن دوہرے فرض بجماعت ادا ہوں جیسا کہ اوپر مذکور ہے ان کو کیا حضور پرنور سیدنا الکریم سرکار مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہ العزیز کی کوئی تحریری تقریری قولی یا عملی تائیدوتوثیق حاصل ہے یا ان کی ذات بابرکات سے منسوب کرکے ان پر افتراء و بہتان کرنا ہے اور ایسا کرنا شرعا کیسا ہے؟۔

(۱۰) مارہرہ مطہرہ، مبارکپور، تلسی پور، بچپڑوا، کھرگوپور، اکونہ، وغیرہ میں ادائیگی جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ برتقدیر ثانی ان جگہوں میں جمعہ ادا کرنا کیسا ہے اور ادا کرنے والوں پر شرعا کیا حکم ہے؟۔

(۱۱) جمعہ کے دن دیہاتوں سے بیس بیس بائیس بائیس میل چل کر حضور سرکار مفتی اعظم قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شہر آنے کی صعوبت ومشقت برداشت فرمانا کیا اس بات پر بین دلیل نہیں ہے کہ عوام کو اس معاملے میں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے ورنہ کیا خود ہی اسی طرح جمعہ وظہر ادا نہ فرمالیا کرتے یا جمعہ بند کراکے صرف ظہر ادا فرماتے؟۔ المستفتی: عبدالوہاب حشمتی نوشیرہ بلرامپور ۲۹ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ

الجواب

(۱) نص اور ظاہر الروایۃ کے خلاف کسی کا تعامل معتبر نہیں۔ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے رسالہ نشر العرف میں تحریر فرماتے ہیں:

"اذا خالف العرف دليل الشرعي فان خالفه من كل وجه بان يلزم منه ترك النص فلاشك في رده كتعارف الناس كثيرا من المحرمات من الزنا وشرب الخمر ولبس الحرير بما ورد تحريمه نصا"۔ (ص/۱۱۶)

نیز ص ۱۲۵ ار میں ہے:

"اذا خالف العرف ماهو ظاهر الرواية فنقول اعلم ان مسائل الفقه اما ان تكون ثابتة بصريح النص وهي الفصل الاول"

اور یہ مسئلہ عدم قیام جمعہ فی القریٰ اسی قسم کے مسائل میں سے ہے جو حدیث صحیح سے ثابت ہیں:

"لاجمعة ولاتشريق الا في مصر جامع"

اور ظاہر الروایۃ بھی یہی ہے پس اس میں کسی کا تعامل معتبر نہیں ہے جیسے اذان بین یدی الخطیب

کے مسئلہ میں اعلیٰحضرت نے پورے ہندوستان کے عمل درآمد کا بالکل لحاظ نہیں کیا حالانکہ اس پر بے شمار علمائے ربانیین کا تعامل رہا ہے۔

(۲) سائل نے جس کثرت سے فتاویٰ رضویہ کی عبارتیں نقل کی ہیں بالخصوص جلد سوم ص ۶۸۳ اور ص ۷۰۰ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائل اس امر سے ضرور واقف ہے کہ وہ دیہات جہاں آج کل نماز جمعہ پڑھی جاتی ہے دو قسم کے ہیں۔

نمبر(۱) وہ دیہات جہاں نماز جمعہ اصلا کسی روایت مذہب پر ہوتی ہی نہیں۔

نمبر(۲) وہ دیہات جن پر قاضی ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر مصر کی تعریف صادق آتی ہے اور جمعہ ہوجاتا ہے پہلے قسم کے دیہات کا یہ حکم ہے کہ وہاں نماز جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۶۸۳)

اس لیے نہ وہاں خواص کو نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے نہ عوام کو، ہاں یہ بات البتہ ہے کہ اگر عوام پڑھیں تو انہیں زبردستی روکا نہ جائے گا، اب صورت حال یہ ہوگئی کہ عوام نے از خود علماء کی ترغیب سے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی شروع کردی جوان پر واجب بھی ہے اور جائز بھی ہے تو شرعا کس جماعت کو جائز قرار دیا جائے ظہر یا جمعہ ظاہر ہے کہ جمعہ پہلے بھی جائز نہ تھا تو اب کیا جائز ہوگا، ظہر جو شریعت کی طرف سے ان پر واجب بھی ہے وہی جائز قرار دی جائے گی، اب یہ جانئے کہ وہ مولٰینا لوگ یہ باطل نماز خود تو ہرگز نہ پڑھیں اور سمجھا سکیں تو عوام کو بھی اسی پر راضی کریں تاکہ دو دو گناہ سے بچیں ایک تو باطل جمعہ کے قیام، دوسرے بیک وقت دو دو فرض کی اقامت، اس پر سائل کا بہار شریعت چہارم ص ۹۴ کے حوالہ سے یہ کہنا کہ ان پر قریبی شہر میں جا کر جمعہ پڑھنا واجب ہے زیادتی ہے کیونکہ یہ قول بعض ہے۔

لیکن مفتی بہ قول یہی ہے کہ وہ لوگ جمعہ کے لیے حاضر ہوں جو جمعہ کی اذان کی آواز سنتے ہوں، درمختار میں ہے: "فان كان يسمع النداء يجب عليه عند محمد و به يفتى"۔

(در مختار: ۳/۲۵)

بلکہ علامہ شامی نے تو یہ لکھا ہے: "قد علمت بنص الحديث و الاثر و الروايات عن ائمتنا الثلثة واختيار المحققين من اهل الترجيح انه لا عبرة ببلوغ النداء ولا بالغلوة والاميال فلاعليك من مخالفة غيره وان صح"

(شامی: ۳/۲۶)

پس حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ جزیہ اختلاف سے نکلنے کے لیے ہے اس امر کے لیے نہیں کہ اگر کوئی دیہات سے قریبی شہر میں جمعہ نہ پڑھنے جائے تو آپ اس پر الزام قائم کریں۔ یونہی

حضرت مفتی اعظم کے عمل سے بھی الزام نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ ان کا تقویٰ تھا۔ کہ وہ بیس بائیس میل دور جا کر جمعہ پڑھتے تھے۔ ورنہ فتوی تو یہی ہے کہ اہل قریہ پر جمعہ فرض نہیں۔

البتہ وہ دیہات جہاں بعض روایات مذہب پر جمعہ ہوجاتا ہے۔ وہاں ظہر کی دوسری جماعت قائم کرنا ضرور خلاف شرع اور ممنوع ہے وہاں مسائل کی تصریحات کے موافق وہ خواص جو تصحیح نیت پر قادر ہوں چار رکعت احتیاطی پڑھ سکتے ہیں عوام کو اس پر بھی مطلع نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہ احتیاطی رکعتیں تنہا پڑھی جائیں گی۔ ان کی جماعت قائم نہیں کی جائے گی۔

یہاں تک سائل کے پانچ سوالوں کا جواب ہوگیا۔ چھٹا سوال بے مقصد معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا تعلق جس طرح ان لوگوں سے ہے جو دس دس بیس بیس سال تک نمبر ایک قسم کے دیہاتوں میں جمعہ پڑھتے رہے پھر ظہر کی جماعت بھی قائم کرلی اس طرح ان لوگوں سے بھی متعلق ہے جو ایسے دیہاتوں میں مسلسل جمعہ پڑھائے جارہے ہیں، کیونکہ ایسے دیہاتوں میں جمعہ قائم کرنے کو امام اہل سنت اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے بوجوہ گناہ بتایا ہے۔

ملاحظہ ہو: (فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۷۲۵)

ایسی جگہ جمعہ یا عیدین پڑھنا مذہب حنفی میں گناہ نہ ایک گناہ بلکہ چند گناہ۔

اولاً: جب نماز جمعہ اور عیدین وہاں صحیح نہیں تو یہ ایک غیر صحیح امر میں مشغولی ہوئی جو ناجائز ہے۔

ثانیاً: نہ صرف مشغولی بلکہ اس امر ناجائز کو بہ قصد و بہ نیت فرض وواجب پورا کیا یہ مفسدۂ عقیدہ ہے۔

ثالثاً: جب کہ واقع میں نماز جمعہ وعید نہ تھی تو ایک نماز نفل ہوئی کہ باجماعت واعلان وتداعی ادا کی گئی۔ یہ ناجائز ہوا۔

رابعاً: جمعہ میں ان سب پر جو ظہر نہ پڑھیں فرض وقت ہی رہے گا جو گناہ کبیرہ ہے۔ ملخصا تو جب دونوں فریق کیلیے حکم یکساں ہے تو صرف ان کے بارے میں سوال کا کیا مطلب جو ایک ظہر کی جماعت بھی قائم کرنے لگے ہیں۔

اگر یہ مطلب ہے کہ ان کے بارے میں یہ حکم معلوم کرکے اس کی اشاعت اور ان کی تحقیر کی جائے تو یہ ایک نہایت ذلیل مقصد ہے۔ اور حدیث شریف میں اس کو منافقت فرمایا گیا:

"ثلثة لا یستخف بحقهم الا منافق بین النفاق ذو العلم و ذو الشیبة فی الاسلام و امام مقسط" (بحوالہ فتاوی رضویہ ششم ص ۷۹)

اور اگر یہ مقصد ہے کہ اخلاص سے تنہائی میں انہیں شرعی حکم سے مطلع کر کے ان کی اصلاح کریں تو یہ بلاشبہ ایک مبارک مقصد ہے۔ مگر اس کے لیے سائل کو صرف ایک ہی فریق نہیں دونوں فریق کے پاس جانا ہوگا اور پہلے سروے کرنا ہوگا کہ یہ دیہات قسم اول میں ہے۔ یا قسم دوم میں۔ اگر قسم اول میں ہے تو اس کے ائمہ نے ظہر کی نماز بھی پڑھی ہے یا نہیں؟ اگر جمعہ کے ساتھ ظہر بھی پڑھتے رہے ہوں تب تو صرف گناہوں سے توبہ کی تلقین کریں۔ ظہر کی ادا چھوڑتے رہے ہوں تو ظہر کی قضا جماعت قائم کرنے والوں سے اس وقت تک ظہر کی قضا اور ارتکاب گناہ سے توبہ کی تلقین کریں اور ظہر کی جماعت نہ قائم کرنے والوں سے آج تک کی ظہر کی قضا اور توبہ دونوں کی تلقین کریں رہ گیا اس کا اعلان تو ہر چند کسی کی توبة السر بالسر والاعلان بالاعلان ہے، لیکن یہ بھی ایک اصول ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے اور یہاں اس قسم کے دیہاتوں میں اس اعلان سے کہ بھائیو اب تک میں نے جو جمعہ پڑھا سو گناہ کیا اس سے توبہ کرتا ہوں وہی نقصان ہے جس کی وجہ سے عام جمعہ پڑھنے والے دیہاتیوں کو منع کرنے سے روکا گیا اور قسم دوم کے دیہاتوں میں ظہر کی جماعت قائم کرنے والوں کو اس سے روکنا ہوگا۔

(۷) جمعہ کی تفصیل سے عید کا حکم بھی معلوم ہو گیا البتہ عید کی قضا نہیں۔

(۸) یہ سوال صرف قسم اول کے دیہاتوں کے بارے میں اٹھ سکتا ہے اس کی ایک نظیر فتاوی رضویہ میں ہے۔

امام باڑہ وقف نہیں ہو سکتا وہ جس نے بنایا اسی کی ملک ہے اور وہ نہ رہا تو اس کے وارثوں کی ملک ہے انہیں اختیار ہے تعزیہ داری البتہ ناجائز ہے ملخصاً۔ (فتاوی رضویہ ششم ص ۳۳۳ نیز ۴۱۶)

معلوم ہوا کہ گناہ کے کام کے لیے وقف کیا جائے تو وقف صحیح نہیں۔

(۹) اس سوال کا جواب متعلقہ علماء ہی دے سکتے ہیں۔

(۱۰) اور مقامات کے بارے میں مجھے ذاتی علم نہیں ہے یہاں مبارکپور میں مدتوں ایک آنریری مجسٹریٹ رہا ہے جو مقدمات فیصل کرتا رہا تو حاکم والی شرط بھی پائی گئی اور بقیہ علامات مصر میں کوئی شبہ ہی نہیں ویسے مصر کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ۔

"لا یسع اھلھا اکبر مساجدھا"

علماء نے اس قول پر فتویٰ بھی دیا ہے اور اعلیٰ حضرت نے خواص کے لیے ایسے ہی مقام پر چار رکعت احتیاطی کا حکم دیا ہے اور بقیہ لوگوں کے لیے ایک روایت پر صحت کافی بتایا ہے تو ایسی جگہ پر ایک روایت پر بھی جمعہ صحیح ہونے کی تصدیق اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فرماتے ہیں۔

(۱۱) اس کا جواب گزر چکا کہ یہ مفتی اعظم کا تقویٰ تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی دارالافتاء شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۲۲؍شوال ۱۴۰۸ھ

(۶۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

قصبہ بیل گھاٹ میں ایک مسجد تقریباً بیس (۲۰) سال سے ہے اور اس میں پنج وقتہ نماز ادا بھی ہوتی ہے مگر دوسری مسجد جو صدیوں پرانی ہے جس میں پنج وقتہ نماز کے ساتھ نماز جمعہ بھی ادا کی جاتی ہے اور اطراف وجوانب کے مسلم حضرات بھی آکر نماز جمعہ وغیرہ ادا کرتے ہیں درانحالیکہ جامع مسجد کے امام صاحب سنی صحیح العقیدہ اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان سے شرف بیعت بھی حاصل ہے، لیکن بغیر قاضی کے حکم کے مسجد اول بیس سال والی میں کچھ ذاتی معاملات کو لے کر علاوہ ازیں گروہ بندی اور مسلمانوں میں پھوٹ پیدا کر کے امام صاحب کی اقتدا کو چھوڑ کر تقریباً ایک ماہ سے نماز جمعہ مسجد اول میں ادا کرنے لگے ہیں جس کے سبب مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہو رہا ہے لہٰذا اس مسئلہ کی رو سے فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ بینوا وتوجروا

المستفتی: عطاء اللہ قادری ومصلیان جامع مسجد قصبہ بیل گھاٹ گورکھپور

الجواب

نماز جمعہ پنج گانہ نمازوں کی طرح نہیں کہ ہر شخص صالح امامت اس کی امامت کر سکتا ہے نماز جمعہ اور عید کے لیے یہ شرط ہے کہ امام خود سلطان اسلام ہو یا اس کا نائب یا ماذون ہو اور یہ نہ ہو تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے جمعہ اور عیدین کے لیے مقرر کیا ہو اور یہاں جب سنی صحیح العقیدہ عالم دین موجود ہے تو عوام کا اس کی اجازت کے بغیر کسی کو امام جمعہ مقرر کر کے علیحدہ جماعت قائم کرنا جائز نہیں۔

حدیقہ ندیہ میں ہے:

اذا خلی الزمان من السلطان فالعلماء و لاۃ الاحکام ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی دارالافتاء شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۷؍ذوقعدہ ۱۴۰۸ھ

(۶۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

کسی دیہاتی گاؤں میں زمانہ قدیم سے جمعہ کی نماز ہوتی رہی بعدہ گاؤں نذر دریا ہو کر دو کلومیٹر کے فاصلے پر گاؤں بسا ہے اور مسجد کا سامان منتقل کر کے بسے ہوئے گاؤں میں مسجد بنائی گئی ہے تقریباً بارہ تیرہ سال سے جمعہ کی نماز ہو رہی ہے ایسی صورت میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

نیز مسجد نمازیوں سے پر نہیں ہوتی ہے اس کے باوجود جمعہ کے لیے گاؤں کے کچھ لوگ اپنے گھر

ومرشد کے حکم پر دوسری بنا کے جمعہ پڑھتے ہیں اور گاؤں کی قدیم مسجد کا قدیم امام جو گاؤں کا بڑا عالم بھی ہے مسجد ثانی میں پڑھنے یا پڑھانے سے انکار کر دیا اور پہلی مسجد میں جمعہ پڑھاتے رہے اب انکا وصال ہو چکا ہے اس وقت دونوں مسجد میں جمعہ کی نماز ہو رہی ہے دریں صورت مسجد ثانی میں جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا

بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔ المستفتی: العبد الفقیر اقبال احمد، جامعہ عربیہ خیرآباد سلطان پور

الجواب

اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ دیہات میں حنفی مذہب پر نماز جمعہ نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں ہے: "لاجمعة ولاتشريق الا في مصر جامع"

جمعہ اور عید کی نماز شہر میں ہی ہو سکتی ہے۔

اگر کہیں کے عوام دیہات میں جمعہ پڑھنے لگیں تو نماز اگر چہ نہیں ہوتی مگر انہیں روکا نہ جائے۔ یہ حکم نہیں ہے کہ خود پڑھنے لگا جائے پس نئی مسجد ہو یا پرانی اگر وہ ایسے ہی دیہات میں ہو جہاں کے بالغ مسجد میں جمع ہو جائیں تب بھی وہ نہ بھرتی ہو تو وہاں جمعہ قطعا جائز نہیں چاہے گاؤں کے بڑے عالم پڑھائیں چاہے چھوٹے عالم پڑھائیں یا جاہل صاحبان از خود پڑھنے لگیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اہل سنت شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۱۷ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

(۶۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

يشترط لصحة الجمعة المصر وهو مالايسع اكبر مساجدها اهلها المكلفين بها وعليه الفتوى اكثر الفقهاء الحنفي۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص۵۳٦) یہ مفتی بہ ہے یا نہیں؟۔

المستفتی: محمد منظور الحسن فریدی مالی مدھول وایا بکساوان ضلع ویشالی بہار

الجواب

شہر کی یہ تعریف ظاہر الروایت اور اصل مذہب کے خلاف ہے۔ مگر متاخرین کی ایک جماعت نے اس پر بھی فتوی دیا ہے۔ تو جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے۔ اس روایت نوادر کی بنیاد پر اس میں جمعہ وعیدین ہو سکتے ہیں۔ (فتاوی رضویہ سوم ص۷۲۴)

اشرفیہ کے مفتی صاحبان بھی آج کل اسی پر فتوی دیتے ہیں۔ ہم کو اعلیٰ حضرت کی وہی بات پسند ہے کہ دیہات میں نیا جمعہ قائم نہ کیا جائے اور جہاں عوام پڑھتے ہوں انہیں روکا نہ جائے خود اصل مذہب

پر عمل کیا جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۳رشوال المکرم ۱۲ھ

(۶۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بہت عرصہ کی پرانی مسجد جو کچی دیوار کھپریل والی تھی دس سال تک ویران تھی اس مسجد کی زمین بھی ہموار ہوگئی تھی۔اس مسجد کی موجودگی میں ایک پکی مسجد تیار ہوئی جس کی دوری چالیس قدم ہے۔ دوسری پکی مسجد میں پانچوں وقت کی جماعت اور جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے پہلی مسجد کے کارکنان کے اندر ایمانی حرکت پیدا ہوئی۔اور پہلی مسجد کا ازسر نو بہت شاندار پکی عمارت بنائی گئی آج چار سال سے مسجد تیار ہے دونوں مسجدوں کے کارکنان الگ الگ ہیں۔پہلی مسجد کے کارکنوں نے بنا فتوی منگائے پھر سے پہلی روایت کے مطابق اس میں جمعہ قائم کردیا مسلمانوں کی تعداد بھی قلیل ہے دونوں مسجدوں میں جمعہ کے دن کافی جگہ خالی رہتی ہے اگر کسی ایک میں جمعہ ہو تو پھر بھی جگہ باقی رہ جائے گی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جمعہ کس میں قائم ہو اور کس کو ترک کیا جائے دونوں مسجدوں والے کارکنان اپنی اپنی ضد پر اڑے ہیں۔حضور سے اپیل ہے کہ پہلی فرصت میں جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ المستفتی: صغیر احمد، کھجوری ضلع بلیا

الجواب

آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے صرف چالیس قدم کی دوری پر دوسری مسجد بنواتے وقت نہ علماء سے رائے لینے کی ضرورت سمجھی نہ ویران مسجد کے کارکنوں سے مشورہ کیا۔اب جب اس کے کارکنان اپنی مرضی سے جمعہ قائم کررہے ہیں تو آپ کو فتوی کی ضرورت ہورہی ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ مفتی بہ مذہب میں دیہات میں جمعہ اور عید کی نماز قائم نہیں ہوسکتی۔حدیث شریف میں ہے:لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع۔جمعہ اور نماز عید تو شہر میں ہی ہوسکتی ہے۔

پس اگر آپ کا گاؤں کھجوری دیہات ہے تو شرعاً نہ آپ کی نماز جمعہ ہوتی ہے نہ ان لوگوں کی۔اور اگر تحصیل یا سب ڈویزن ہے۔اور دونوں جگہ وہاں کے سب سے بڑے عالم یا عالم نہ ہونے کی صورت میں صالح اور دین دار صاحب رائے مسلمانوں کی رائے سے جمعہ قائم ہو تو دونوں جماعتیں اور جمعہ کی نمازیں ہوجائیں گی اور جس نے ان دونوں شرطوں میں سے کسی ایک پر عمل نہ کیا ہو اس کی نماز نہ ہوگی۔ اور اگر اتحاد واتفاق قائم ہوجائے تو۔ع: سبحن اللہ کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۶رمحرم الحرام ۱۴۱۲ھ

(۷۰) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

ایک گاؤں میں کئی مسجدیں ہیں ان میں سے ایک مسجد ہے جس میں اس گاؤں کے اکثر لوگ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں اور اس مسجد کا امام زید ہے اور زید کے دروازہ پر انصاف کے لیے لوگوں نے انتخاب کیا تھا اور جب لوگ انصاف کے لیے جمع ہوئے تو زید نے ان لوگوں کو دھتکارتے ہوئے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ اور دوسری جگہ انصاف کرو، اسی سبب سے لوگ اس سے مخالف ہوکر مسجد ثانی کا قیام عمل میں لائے تو از روئے شرع نماز جمعہ کس مسجد میں ادا کی جائے مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالسلام رضوی، ساکن بالوگنج کٹیہار بہار

الجواب

قیام جمعہ کے لیے سب سے پہلی شرط اس جگہ کا شہر ہونا ہے جہاں جمعہ قائم ہو آج کل کی اصطلاح میں وہ جگہ سب ڈویزن یا تحصیل ہو اگر وہ جگہ ایسی نہیں ہے تو کوئی جمعہ قائم کرے قائم نہ ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جمعہ قائم کرنے والا بادشاہ اسلام ہو یا اس کا نائب ورنہ وہاں کا سب سے بڑا عالم اہل سنت، اور یہ بھی نہ ہو تو بدرجہ مجبوری اصحاب رائے عامۃ المسلمین، اگر ان دونوں شرطوں پر عمل ہوا تو جہاں اور جس مسجد میں جمعہ قائم ہو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم کرے، زید نے عام مسلمانوں کو اپنے دروازے سے دھتکار کر غلط کیا اس کو مسلمانوں سے معافی مانگنی چاہئے۔ اور لوگوں نے بھی اس بنیاد پر اس کے خلاف نعرۂ بغاوت بلند کر کے غلط کیا انہیں بھی اپنی اس حرکت سے باز آنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۸ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

(۷۱) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

ہم مسلمان موضع کٹائی چور تقریباً بارہ سال سے نماز جمعہ پڑھتے آرہے ہیں۔ کل آبادی قریب قریب چالیس گھر پر مشتمل ہے، نماز جمعہ باقاعدہ تین چار صف ہو جاتی ہے۔ کٹائی چور سے سلطان پور کی آبادی ایک کلومیٹر ہوگی، مگر کٹائی چور میں نماز جمعہ ختم کر دی جائے تو سلطان پور جا کر نماز ادا کرنے والے پانچ سے زیادہ نہ ہوں گے جب کہ خود کٹائی چور میں پڑوسی موضع کے کبرنادم نتافہ اور شور پار سے لوگ نماز جمعہ ادا کرنے آتے ہیں۔ ایک آدمی جو جماعت اسلامی کا رکن ہے پہلے کبھی کبھی امامت بھی کرتا تھا مگر اب امامت سے محروم کر دیا گیا، اب اس کا کہنا ہے کہ کٹائی چور میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے کیا ایسی صورت میں کٹائی چور میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے؟ نیز جو آدمی کہتا ہے کہ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے وہ جماعت اسلامی

کا آدمی ہے بارہ ربیع الاول شریف میں چندہ نہیں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر کوئی نیک کام ہوتا تو چندہ دیتے یا اگر اس کے علاوہ کوئی کام رہتا تو چندہ دیتے نیز وہ بیوی کو طلاق بھی دے دیا ہے اور خرچ بھی نہیں دیا ہے دوسری شادی کر لیا ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: عبدالکلام کٹائی چور

الجواب

جماعت اسلامی جو مودودی کی قائم کردہ ہے گمراہوں کا ایک فرقہ ہے، جو شخص اس جماعت اسلامی سے تعلق رکھتا ہو اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز منع ہے۔ حنفی مذہب میں اقامت جمعہ کے لیے شہر ضروری ہے دیہات میں جمعہ واجب نہیں ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے۔ شہر کی تعریف میں البتہ اختلاف ہے، کچھ علماء فرماتے ہیں کہ شہر سے مراد ایسی بستی ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں تحصیل کہا جاتا ہے اور کچھ علماء اس بستی کو شہر کہتے ہیں جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اگر وہاں کے تمام بالغ مسلمان جمع ہو جائیں تو مسجد میں سما نہ سکیں، اگر چہ صحیح پہلی ہی تعریف ہے مگر دوسری تعریف پر علماء نے فتوی دیا ہے اور آج کل بھی فتوی دیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہور کتاب فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۷۳۱ پر لکھتے ہیں: تحقیق یہی ہے کہ جمعہ کے لیے شہر شرط ہے، ہم اسی پر فتوی دیتے ہیں لیکن دیہات میں جمعہ پڑھنے سے عوام کو نہ منع کرتے ہیں نہ منع کرنا پسند کرتے ہیں۔ ایک روایت پر جمعہ صحیح ہو جاتا ہے عوام جس طرح بھی خدا و رسول کا نام لیں غنیمت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

(۷۲-۷۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) دیہاتوں میں جمعہ کی بابت حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی و مفتی محمد نظام الدین رضوی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ کا فتوی ہے کہ۔

شرط لصحة الجمعة المصر وهو مالايسع اكبر مساجدها اهلها المكلفين بها وعليه فتوى اكثرالفقهاء الحنفي۔ (الدر المختار)

(۲) مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ احکام شریعت جلد دوم ص ۲۸۶ پر جواب دیتے ہیں۔ دیہاتوں میں مذہب حنفی میں جمعہ جائز نہیں۔ مذہب شافعی میں تو ہو جائے گا۔

﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى - عَبْدًا إِذَا صَلَّى﴾ - [العلق: ۹، ۱۰]

سے فرق کرنا چاہیے تو جہاں دیہاتوں میں جمعہ رائج ہے وہاں اگر حنفی جمعہ پڑھے تو احناف فرض ظہر ساقط ہونے کا فتوی دیتے ہیں کہ نہیں؟۔

(۳) جن دیہاتوں میں جمعہ قول امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ والرضوان پر صحیح ہے۔ وہاں جمعہ پڑھنے کے بعد ظہر با جماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

(۴) حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین پھلواروی کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا موقف کیا ہے؟۔

(۵) دیہاتوں میں شہروں میں عام طور پر امام حضرات کا تلفظ درست نہیں۔ ان حضرات کی اقتداء میں نماز ہوگی یا نہیں۔ بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب

(۱) سوال میں مصر کی جو تعریف مرقوم ہے وہ قاضی ابو یوسف علیہ الرحمہ کی ایک نادر روایت پر ہے اور متاخرین علماء کی ایک جماعت نے اس پر فتوی دیا ہے۔ لیکن ہم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاوی رضویہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصر کی یہ تعریف نقل کی: انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ورساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم۔ اور اسی کو ظاہر الروایہ فرمایا (جلد سوم ص ۶۹۲) نہ ہم اس کے خلاف عمل کر سکتے ہیں نہ زنہار مذہب ائمہ چھوڑ کر دوسری بات پر فتوی دے سکتے۔

(۲) یہ حکم عوام کے لیے ہے۔ فتاوی جلد سوم ص ۷۶۴ پر فرماتے ہیں:

باجماع جملہ ائمہ حنفیہ اس میں جمعہ وعیدین باطل ہیں۔ اور جمعہ پڑھنا گناہ۔

تمام متون وشروح وفتاوی میں ہے: "شرط صحتها المصر"

ہم عوام کو ابتداء خود منع نہیں کریں گے اور نہ پڑھیں گے، حکم پوچھا جائے گا تو فتوی یہ دیں گے جہاں نہیں ہوتے ہیں قائم نہ کیے جائیں باایں ہمہ عوام پڑھتے ہوں تو منع نہ کریں گے۔

ص ۷۳۶ پر ہے: ایک روایت میں صحت ان کے لیے بس ہے۔ وہ جس طرح خدا و رسول کا نام لیں غنیمت ہے۔ اس عبارت سے پتہ چلا کہ سقوط فرض کا تو فتوی نہیں دیا جائے گا البتہ ان کے بارے میں چشم پوشی کی جائے گی۔

(۳) اذ ان المفتى به المنع لان الحكم بعدم الصحة المصر هو مالايسع اكبر مساجده اهله۔

قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول نہیں ہے۔

قول تو ان کا بھی یہی ہے جو امام صاحب کا ہے۔

یہ ایک روایت نادرہ ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ مضبوط اور صحیح روایت امام ابو یوسف قاضی علیہ الرحمہ سے بھی وہی ہے جو امام صاحب سے ہے وہ ظاہر روایت ہے۔

کسی نے امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ روایت کی کہ مصر کے بارے میں فرماتے ہیں۔ جو آپ نے سوال نمبر ا۔ میں نقل کیا لیکن یہ روایت خود قاضی صاحب علیہ الرحمہ کے مذہب کے ہم پلہ نہیں ہے مرجوح اور مرجوع ہے۔ (فتاویٰ سوم ص ۷۳۶ مطبوعہ پاکستان)

فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۳۶ پر ہے: جہاں جمعہ بحسب مذہب بلاشبہ باطل و ناجائز ہے جیسے وہ کوردہ جو کسی روایت مذہب پر مصر نہیں ہو سکتے وہاں ظہر آپ ہی عینا فرض ہے۔ اور جمعہ پڑھوانے اور چار رکعت احتیاطی بتانے کی اصلا گنجائش نہیں ان کا محل وہاں ہے کہ صحت جمعہ میں اشتباہ و تردد قوی ہو جیسے وہ مواضع جن کی مصریت میں شک ہے۔ یا باوصف اطمینان صحت کی جانب خلاف کچھ وقعت رکھتی ہو۔ صورت اولیٰ میں ان چار رکعت کا حکم ایجابا و تاکیدا ہوگا۔ اور ثانیہ میں استحبابا اور ترغیبا ہوگا۔

اس عبارت کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جو دیہات ایسے ہوں کہ مذکورہ بالا دونوں تعریفوں میں سے کوئی تعریف صادق نہ آتی ہو۔ وہاں تو جمعہ پڑھنا گناہ ہوگا اور ظہر پڑھنا ضروری وہاں یہ حکم ہوگا کہ جمعہ نہ پڑھیں اور ظہر باجماعت پڑھیں۔ عوام کو البتہ نہیں روکا جائے گا۔ کہ کہیں وہ یہ جو اللہ کا نام لیتے ہیں وہ بھی نہ چھوڑ دیں۔

اور ایسی آبادی جو روایت نادرہ پر تو شہر ہو جاتی ہے لیکن مذہب صحیح پر نہیں۔ وہاں خواص کو چار رکعت احتیاطی کا تاکیدی حکم ہوگا۔ مگر اس کو وہ باجماعت نہیں پڑھیں گے بلکہ تنہا تنہا۔ کہ عوام کو خبر نہ ہو۔

فتاویٰ سوم ص ۷۰۴ میں مراقی الفلاح کے حوالہ سے ہے: لایفتی بالاربع الا الخواص۔

خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

عوام جاہلوں کو ان کا حکم نہ دیا جائے گا۔ عوام کے لیے یہی کافی ہے کہ بعض روایت پر ان کی نماز ہو گئی اور اس صورت میں اس جگہ مصریت میں شبہ قوی ہے تو اس صورت میں ان چار رکعات کا حکم ایجابا ہوگا۔ اور ایک آبادی میں جو مفتی بہ روایت پر (ظاہر الروایہ) شہر ہے اگر چند جگہ جمعہ ہو تو وہاں خواص کو استحبابا چار رکعت کا حکم ہے۔ عوام کا وہی حال ہے جو روایت بالا میں ذکر ہوا۔ بلکہ اس صورت میں تو جمعہ کی صورت ہی راجح ہے۔ اور یہاں صحت جمعہ میں صرف شبہ ہے۔

(۴) ان کے بارے علمائے اہل سنت و جماعت کے موقف کا ہمیں علم نہیں۔

(۵) یوں کہ کسی ایک حرف قرآن کا بدل لینا بھی تحریف و کفر ہے جب کہ قصداً اس کا ارادہ ہو اور لفظاً اصل اور محرف میں امتیاز و تغایر ہو ورنہ نہیں۔

فتاوی رضویہ جلد سوم میں ہے۔

ض، د، ذ، ز، یہ سب حرف متباینہ متغایرہ ہیں۔ ان میں کسی کو کسی سے قصداً بدلنا اس کی جگہ اسے پڑھنا نماز ہو خواہ بیرون نماز حرام قطعی و گناہ عظیم افترا علی اللہ و تحریف کتاب کریم ہے۔

منح الروض میں ہے: کون تعمده کفرا لا کلام فیه۔

حاشیہ جلالین میں تفسیر کبیر کے حوالہ سے

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ [المائدة:٤٤] کی تفسیر میں نقل کیا۔

وقال عكرمة قوله ومن لم يحكم بما انزل الله تعالیٰ انما يتناول من انكر بقلبه وجحد بلسانه اما من عرف بقلبه كونه حكم الله واقر بلسانه كونه حكم الله الا انه اتی بما يضاده فهو حاكم بما انزل الله تعالیٰ۔ ولكنه تارك له فلايلزم دخوله تحت هذه الاية كذا فی الكبير۔(تفسير الجلالين:١٠١)

اس سے ثابت ہے کہ خطایا سہواور نسیان سے یہ حکم نہیں۔

اور اندازہ ایسا ہے کہ خود بکر بھی اس فرق پر مطلع تھا جبھی تو وہ زید کو یوں مخاطب کرتا ہے۔ آپ نے لوح جواب پر قرآن شریف کی آیت یقیناً ہوش و حواس کے ساتھ لکھی ہے جس میں حیّ کو حٰیّ جان بوجھ کر لکھا ہے۔

لیکن صرف اتنی بات سے کہ زید نے ہوش و حواس میں یہ آیت لکھی اس کے سہو و نسیان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور نسخہ کو الف لکھدینے کو عمداً تبدیل اور تحریف نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اعلیٰ حضرت کے ملفوظات مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جمع فرمائے، اس میں کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی کے بجائے ختم اللہ لکھدیا گیا۔ اور لگ بھگ چالیس سال تک ایسا ہی بار بار چھپتا رہا تو کیا اس کے شائع کرنے والے تمام لوگوں کو جس میں خود مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ بھی شامل ہیں قرآن کی تحریف کرنے والا اور کافر کہا جائے گا۔ حاشا حاشا یہ وہی سہو و نسیان ہے جس کا اعتراف زید کو ہے وہ بھی صرف تغیر اتنا ہوا کی غلطی سے حرکت کو حرف لکھدیا جس میں تغایر نہیں اور لغت عرب میں ایسا ہوتا ہے کہ فتحہ کو الف اشباع سے بدل دیتے ہیں۔ المختصر زید پر بکر صاحب کا یہ فتوی غلط ہے۔

اس طرح سے جواباً زید صاحب کا بکر پر احکام کفر جاری کرنا بھی درست نہیں۔

امام اہل سنت مولانا احمد رضا خانصاحب فرماتے ہیں:

انما یحل الا کفار باکفار المسلم اذا کان ذلك لاعن شبهة وتاویل والا فلا هذا هو التحقیق عند فقهاء الكرام ایضا یزعن بذلك من احاط بكلامهم واطلع علی مرامهم رحمة الله تعالی علیهم اجمعین الا تری ان الخوارج خزلهم الله تعالیٰ فقد كفروا امیرالمؤمنین ومولی المسلمین علیا رضی الله تعالیٰ عنه ثم هم عندنا لایكفرون كما نص علی فی الدر المختار۔

تو یہاں بھی بکر کی تکفیر جائز نہ ہوگی اور زید پر ان کا احکام کفر لگانا منع ہوگا کاش جو کام اب ہوا وہ کام طرفین نے پہلے ہی کرلیا ہوتا۔یعنی طرفین فتوی بازی سے پہلے استفتاء کرکے اپنے سے زیادہ جاننے والا جسے سمجھتے اس سے پوچھ لیے ہوتے۔

ارشاد الٰہی ہے:﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾[الأنبياء:۷]

فتاوی رضویہ حصہ ہفتم میں ہے: بے تحقیق مسئلہ کا جواب دینا حرام ہے۔

اس لیے دونوں صاحبان کو اپنے فتاوی سے رجوع کرنا چاہئے ۔اور دونوں صاحبان کو ایک دوسرے کی ایذا دہی کی معافی مانگنی چاہئے۔جس کو کچھ قرآن یاد اگرچہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو اس کی یعنی جس کو کوئی آیت یاد نہیں اقتداء نہیں کرسکتا۔

اور امی امی کے پیچھے پڑھ سکتا ہے۔جس کو کچھ آیتیں یاد ہیں مگر حروف صحیح نہیں ادا کرسکتا جس کی وجہ سے معنی فاسد ہو جاتے ہیں وہ بھی اسی کے مثل ہے۔(بہار شریعت حصہ سوم)

یعنی صحیح خواں کی امامت نہیں کرسکتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۶؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ

(۷۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دیہات میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ کی نماز نہیں ،لیکن جہاں مدتوں سے جمعہ ہوتا ہے تو کیا جمعہ کی نماز نہ پڑھی جائے۔اگر جمعہ کی نماز پڑھی جائے تو کیا بعد جمعہ ظہر بھی پڑھی جائے۔تو اگر بعد نماز جمعہ ظہر پڑھی جائے گی تو فردا فردا نماز ظہر پڑھی جائے گی یا جماعت سے پڑھی جائے گی۔

المستفتی مولوی علامہ ارشد شاہدی قادری

الجواب

شریعت کے نزدیک آبادی کی دو قسمیں ہیں ۔شہر اور دیہات شہر میں نماز جمعہ صحیح ہے۔اور

دیہات میں نہیں۔ حدیث شریف میں ہے:"لاجمعة و لاتشريقه الا فی مصر جامع "
اور شہر کی دو تعریفیں کی گئی ہیں۔ایک تو آجکل جو پرگنہ اور تحصیل کہلاتا ہے۔اسی کو صحیح الروایہ اور ظاہرالروایہ اور ائمہ احناف کا متفقہ مذہب بتایا گیا ہے۔یعنی یہی تعریف صحیح اور درست ہے۔
دوسری تعریف یہ ہے کہ جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے تمام بالغ اور مکلف سمانہ سکیں اس تعریف کو نادرالروایت اور مرجوح قرار دیا گیا ہے۔یعنی یہ تعریف صحیح نہیں مگر متاخرین کی ایک جماعت نے اس پر بھی فتوی دیا ہے۔
اس طرح اب آبادی کی تین قسمیں ہوگئیں۔وہ دیہات جس پر شہر کی مذکورہ بالا تعریفوں میں سے کوئی تعریف صادق نہ آئے۔اس کا حکم یہ ہے کہ یہاں جمعہ واجب ہی نہیں۔تو ایسی جگہ جمعہ پڑھنا گناہ ہے جمعہ نہ پڑھا جائے اور باجماعت نماز ظہر ادا کی جائے۔
ہاں اگر جاہل عوام جمعہ پڑھتے ہوں تو انہیں منع نہ کیا جائے۔وہ آبادی جس پر دوسری تعریف صادق آتی ہے۔لیکن چونکہ وہاں پر دوسری تعریف کے لحاظ سے وہ دیہات ہی ہے۔اس لیے فتوی تو یہی دیا جائے گا کہ جمعہ صحیح نہیں لیکن عوام اگر جمعہ پڑھتے ہوں تو روکا نہیں جائے گا۔ہاں اگر وہ خواص جو جمعہ کی جماعت میں شریک ہوئے ایسی صورت میں ان کو یہ حکم ہے کہ نماز جمعہ کے بعد جو سنت چار رکعت پڑھی جاتی ہے اس کے بعد فرض اس نیت سے پڑھیں جو آخری ظہر میرے ذمہ رہ گئی اس کو پڑھ رہا ہوں۔مگر عوام کو اس کا پتہ بھی نہ چلے۔اور جو جگہ یہی تعریف صحیح وراجح پر شہر ہے وہاں تو جمعہ واجب ہی ہے،وہاں پر جمعہ ادا کیا جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو،۳۰؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ

(۷۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ
جمعہ کے خطبہ میں عصا لینا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب؟اور نہ لینے والے پر شریعت کا کیا حکم صادر ہوگا؟قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔
المستفتی: محمد شمیم عالم وران مسجد تعلقہ پرانج ضلع سانبر کانٹا گجرات

الجواب

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب فتاویٰ رضویہ حصہ سوم باب الجمعہ میں فرماتے ہیں: خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینے کو بعض علماء نے سنت لکھا ہے اور بعض نے مکروہ اور ظاہر ہے کہ سنت بھی ہو تو سنت مؤکدہ نہیں تو بنظر اختلاف اس سے بچنا بہتر ہے مگر جب کہ کوئی عذر ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو،۲۱؍شوال المکرم ۱۴۱۹ھ

(۷۹۔۸۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل سے متعلق کہ

(۱) زید ایک ایسے دیہات میں نماز عید وجمعہ پڑھتا ہے جہاں عید ونماز جمعہ فرض نہیں، لیکن زید نماز جمعہ جب پڑھنے کے لیے جاتا ہے تو چودہ رکعت پڑھتا ہے اور اس طرح نیت کرتا ہے: اول چار رکعت میں سنت جمعہ کی نیت، اس کے بعد دو رکعت فرض میں جمعہ کی نیت، پھر اس کے بعد چار رکعتوں میں مذکورہ نیت کے ساتھ چار رکعت سب کے آخر میں فرض ظہر کی نیت سے ادا کرتا ہے۔ اس کے برخلاف بکر اس طرح چودہ رکعت ادا کرتا ہے۔ اول چار رکعت سنت مؤکدہ بہ نیت ظہر، اس کے بعد دو رکعت فرض بہ نیت جمعہ، پھر اس کے بعد چار رکعت فرض بہ نیت ظہر، پھر دو رکعت سنت مؤکدہ بہ نیت ظہر، اس کے بعد آخر میں دو رکعت نفل بہ نیت ظہر۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید وبکر میں سے کس کا خیال درست ہے؟۔ یا کچھ اور؟

(۲) عیدگاہ میں نماز جنازہ درست ہے یا نہیں؟ نیز عیدگاہ میں نماز پنجگانہ باجماعت درست ہے یا نہیں؟ نیز ایک عیدگاہ کا چندہ دوسری عیدگاہ کی تعمیر میں صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟۔

(۳) ایک جگہ کچی کوٹھری نما مسجد تھی کچھ دنوں کے بعد جب یکجا مسجد بنانے کا منصوبہ بنا تو کچی کوٹھری کو شہید کردیا گیا اور اس جگہ سے تھوڑا ہٹا کر دکھن طرف کی زمین پر نئی پکی مسجد تعمیر ہوئی اس نئی تعمیر میں پرانی مسجد کی دو تین ہاتھ جگہ داخل ہے باقی جگہ یوں ہی میدان ہے اس خالی جگہ پر جہاں پر پہلے کچی مسجد تھی وضو کرنا یا جوتے اتارنا یا اس جگہ اذان کہنے ومسجد کا سامان رکھنے کے لیے حجرہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ نیز بارش ہونے کی وجہ سے اگر اذان داخل مسجد کہی جائے تو درست ہے یا نہیں کیونکہ اگر باہر سے اذان کہی جائے گی تو مؤذن بارش کی وجہ سے بھیگ جائے گا لہذا حکم کیا ہے؟۔ فقط والسلام

المستفتی: نور محمد نوری سیتاپور

الجواب

(۱) ایسا دیہات جہاں نماز جمعہ فرض ہی نہ ہو وہاں جمعہ پڑھنا گناہ ہے صرف ظہر کی نماز پڑھنا چاہئے۔ درمختار میں ہے: "یکرہ تحریما لانه اشتغال بمالا یصح لان المصر شرط الصحة"

(در مختار: ۳/۴۲)

البتہ عوام پڑھیں تو ان کو روکنے اور الجھنے کی ضرورت نہیں۔ (فتاوی رضویہ ص۷۲۲تا۷۲۶)

اسی میں ہے: جہاں جمعہ بحسب مذہب بلاشبہ ناجائز وباطل ہے جیسے وہ کوردہ جو کبھی روایت مذہب پر مصر نہیں ہوسکتے وہاں ظہر آپ ہی عینا فرض ہے۔ جمعہ پڑھوانے اور چار رکعت احتیاطی بتانے کی

اصلا گنجائش نہیں تو اس صورت میں اس سوال کی گنجائش ہی نہیں کہ کس میں ظہر کی نیت کرے اور جمعہ کی نیت کب کرے۔چار رکعت احتیاطی کا حکم وہاں ہے جہاں جمعہ صحیح ہونے میں شبہ ہو۔

فتاوی رضویہ میں ہے:ایسی جگہ ہمارے علماء نے حکم دیا کہ بعد جمعہ چار رکعت فرض احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہ کیں۔یہ چاروں جمعہ کے بعد کی سنت کے بعد پڑھے۔پھر جمعہ کے بعد کی دوسنتیں،بہ نیت سنت وقت پر پڑھے۔فتاوی رضویہ ص ۱۰۷

اس سے معلوم ہوا کہ زیدوبکر دونوں کچھ نہ کچھ نیت میں گڑبڑی کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ احتیاطی ظہر کا حکم عام جاہلوں کو نہیں خواص کو ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے:"لایفتی بالاربع الاالخواص"

اور یہ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ جائیں۔

(۲)مصلی عیدگاہ میں جنازہ کی نماز جائز ہے۔

درمختار میں ہے:"اما المتخذة لصلوة الجنازة اوعيد فهو مسجد فى حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقابالناس لافى حق غير"(کتاب الصلاۃ:۲/۳۷۲)

اوراس میں پنجوقتہ نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے اس کا چندہ نہ کسی دوسری عیدگاہ میں لگ سکتا ہے اور نہ کسی اورکام میں۔

(۳)پرانی کوٹھری نما جگہ جو عرصہ تک مسجد رہی اور مسلمان اسے مسجد جان کر نماز پڑھتے رہے اب ہمیشہ کے لیے مسجد ہوگئی اس جگہ اذان کہنا یا سامان مسجد کے لیے حجرہ بنانا جائز نہیں،بہتر یہ ہے کہ جس طرح اسکی دوتین ہاتھ زمین مسجد میں شامل کی اس کو بھی مسجد ہی میں شامل کرلیں جس سے نمازیوں کے لیے بھی جگہ کشادہ ہوجائے گی اور مسجد بے حرمتی سے بھی محفوظ ہوجائے گی۔واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۹رشوال المکرم ۱۴۱۹ھ

(۸۲-۸۳)**مسئلہ**:کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱)زید سنی حنفی عالم دین ایک مدت سے اپنے گاؤں میں جمعہ کی فرض نماز پڑھانے کے فورا بعد اسی مصلے پر ظہر کی نماز فرض تکبیر جدید کے ساتھ پڑھاتا رہا۔اس کے بعد بکر سنی حنفی عالم نے اس مسجد کے مصلیوں کو اس طرح فعل سے منع کیا اور کہا کہ جماعت سے ظہر نہ پڑھکر الگ الگ احتیاطی ۴ رکعت ظہر فرض پڑھ لیں جس کے ثبوت میں بکر نے بہار شریعت کا حوالہ بھی پیش کیا پھر بھی زید ماننے کے لیے تیار نہیں ہے جس کی وجہ سے دیگر مصلیوں میں انتشار پیدا ہونے کا خطرہ ہے اب مسئول اینکہ مسئلہ مذکورہ میں

زید مخطی ہے یا بکر۔

(۲) زید ایک مدت سے اپنے گاؤں میں ایک دینی درسگاہ قائم کر کے علماء کو رکھکر بچوں کے درس وتدریس کا کام انجام دلاتا رہا، کچھ دن گذر جانے کے بعد ناجائز خرچ دکھا کر غبن رقم کا جرم کیا جس کی پاداش میں گاؤں کے دیگر حضرات نے اس کے قبضے سے لے کر خالد کو دے دیا کہ وہ جس کو چاہے کمیٹی میں رکھ کر مدرسہ بحسن وخوبی چلائے۔ بہرحال خالد نے اپنی نظامت میں اور لوگوں کو شامل کر کے کمیٹی رجسٹرڈ کرائی اور زید کا پرانہ رجسٹریشن برقرار تھا۔ اب زید اسی رجسٹریشن کے ذریعہ دینی درسگاہ کا حلیہ بدل کر جونیر ہائی اسکول کی مانیتا لے کر غیر مسلم ٹیچروں کا نام شامل کیا اب اس مسئلے کو لے کر جدید وقدیم کمیٹی میں اختلاف ہو گیا ہے جس کا نتیجہ مقدمہ تک پہونچ گیا ہے۔ اب زید مدرسے کا حوالہ دے کر زکوۃ وفطرہ کی رقم وصول کرتا ہے اور مقدمہ میں خرچ کرتا ہے جب کہ اس کا مدرسے میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ نیز دینے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری زکوۃ کا مصرف مقدمہ ہو رہا ہے۔ اور خالد بھی (جو کہ بروقت مدرسہ چلا رہا ہے) غیر مسلموں کے قبضہ سے بچانے کے لیے انہیں رقموں کو خرچ کر رہا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس اختلاف میں زید حق پر ہے یا خالد ان کا یہ رقم خرچ کرنا کہاں تک درست ہے، نیز جانتے ہوئے زید کی مدد کرنے والے کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟۔

المستفتی: احقر محمد لطیف امجدی ساکن بھنی پورہ چائیکلاں کبیر نگر، ۱۷ رذی القعدہ ۱۴۱۹ھ

الجواب

آبادیاں تین قسم کی ہیں۔

(الف) شہر۔ یہ ایسی آبادی ہے۔ جس میں متعدد کوچے۔ محلے، دائمی بازار ہوں اس سے متعلق دیہات گنے جاتے ہیں۔ عادۃ اس میں کوئی حاکم مقرر ہوتا ہے۔ کہ مقدمات کا فیصلہ کر کے مظلوم کا حق ظالم سے دلا سکے۔ (فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۷۲۲)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہی تعریف مروی ہے۔ یہی ظاہر الروایہ اور اصل مذہب ہے جمعہ وعیدین ایسی ہی آبادی میں مسلمانوں پر فرض وواجب ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: "لاجمعة ولاتشريق الا فى مصر جامع"

جمعہ وعید شہر میں واجب ہیں۔

ایسی جگہ معذوروں کو بھی جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا منع ہے۔

بحر الرائق میں ہے: "اداء الظهر جماعة مكروه يوم الجمعة فى المصر"

یہ تعریف ہندوستان کی سٹی، ڈسٹرک، پرگنہ، تحصیل پر صادق آتی ہے، اور ان جگہوں میں جمعہ کی نماز فرض ہے۔

(ب) ایسی آبادی جس میں اور باتیں تو پائی جاتی ہوں لیکن وہاں کوئی ایسا حکم نہ ہو۔ جو مقدمات فیصل کر سکے۔ جیسے بعض قصبات اور اس کے مشابہ آبادیاں، اصل مذہب حنفی میں یہ آبادیاں شہر نہیں۔ نہ یہاں کے باشندوں پر جمعہ فرض۔ یہاں کے باشندوں کے لیے یہی حکم ہے کہ ظہر کی نماز روزانہ کی طرح سے باجماعت پڑھیں۔ یہ ائمہ متقدمین کا مذہب ہے لیکن امام ثانی قاضی ابو یوسف صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک نادر روایت ہے کہ ایسی آبادی جس میں اتنے لوگ ہوں کہ تمام مکلف افراد و اہل اسلام جمع ہو جائیں تو گاؤں کی سب سے بڑی مسجد بھی تنگ ہو جائے تو یہ آبادی بھی شہر ہے۔ اور وہاں کے مسلمانوں پر جمعہ فرض ہے۔ یہ تعریف اگرچہ مرجوح اور غلط ہے۔ لیکن علمائے متاخرین کے ایک گروہ نے اس کے موافق بھی فتوئی دیا ہے۔

حضرت مولانا امام احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتوؤں میں مذکورہ بالا دونوں تعریفیں ذکر کی ہیں اور اول کو مضبوط دلائل سے ثابت کیا۔ اور اسی کو اصل مذہب اور ظاہر الروایہ قرار دیا۔ اور دوسری تعریف پر متعدد اعتراض وارد فرمائے اور فرمایا اس کے موافق فتوئی دینا صحیح نہیں۔

آپ کے الفاظ یہ ہیں:

نہ ہم اس کے خلاف عمل کر سکتے ہیں، نہ زنہار زنہار مذہب ائمہ چھوڑ کر دوسری بات پر فتوئی دے سکتے ہیں مگر دربارۂ عوام فقیر کا طریق عمل یہ ہے کہ ابتداء خود انہیں منع نہیں کرتا۔ انہیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند نہیں کرتا۔ جس طرح وہ اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے۔ ہاں جب سوال کیا جائے تو وہی کہا جائے گا جو اپنا مذہب ہے۔ (فتاوی رضویہ سوم)

باب جمعہ ص ۷۰۲ پر ہے: (احتیاطی) رکعتوں کا حکم نرے جاہلوں کو نہ دیا جائے گا۔ ان کے حق میں یہی بہت ہے کہ بعض روایات پر ان کی نماز (ٹھیک) ہو جائے انہیں ایسی احتیاط کی حاجت نہیں۔ ہاں خاص لوگ جو اس طرح نیت کر سکتے ہوں اور ان سے یہ اندیشے نہ ہوں یہ احتیاط بجالائیں۔ اس احتیاطی نماز کا حکم خواص کو دیا جائے گا۔ اور وہ اس کو گھر میں ادا کریں گے۔ ص ۷۰۹ پر فرماتے ہیں۔ یہ فرض احتیاطی بجماعت نہیں ہوں گے۔

(ج) وہ کوردہ بستی جو کسی تعریف پر شہر نہ ہو سکے وہاں جمعہ ادا کرنے اور احتیاطی ظہر پڑھنے سے آپ نے سختی سے منع فرمایا۔ ص ۷۰۴ پر ہے:

گاؤں میں جمعہ اصلا جائز نہیں۔ تو وہاں اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ کہ ایک ناجائز کام کریں۔

اور چار رکعت احتیاطی سے اس کی تلافی چاہیں۔ ص ۴۰۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

جہاں جمعہ بحیثیت مذہب بلاشبہ ناجائز اور باطل ہے۔ جیسے وہ کوردہ جو کسی روایت مذہب پر مصر نہیں ہو سکتے۔ وہاں ظہر ہی عینا فرض۔ اور جمعہ پڑھوانے اور چار رکعت احتیاطی بتانے کی گنجائش سے منع فرمایا۔ ص ۴۰۷ پر ہے:

ہاں وہ عالم کہلانے والے کہ مذہب امام، بلکہ مذہب جملہ ائمہ حنفیہ کو پس پشت ڈالتے، تصحیحات جماہیر ائمہ ترجیح وفتویٰ کو پیٹھ دیتے اور ایک روایت نادرہ مرجوحہ ومرجوعہ عنہا غیر صحیح کی بناء پر ان جہال کو کوردہ میں جمعہ قائم کرنے کا فتویٰ دیتے ہوں۔ یہ ضرور مخالفت مذہب کے مرتکب ہیں اور جہلاء کے گناہ کے ذمہ دار ہیں۔

ہاں اگر جاہل خود پڑھتے ہیں تو ان کو منع کرنے کی ضرورت نہیں۔

ص ۴۱۷ پر ہے: جمعہ وعیدین دیہات میں ناجائز اور انکا پڑھنا گناہ۔ مگر جاہل عوام اگر پڑھتے ہیں تو ان کو منع کرنے کی ضرورت نہیں کہ جاہل عوام جس طرح اللہ ورسول کا نام لیں غنیمت ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں زید وبکر دونوں ہی غلطی پر معلوم ہوتے ہیں کہ جس آبادی کا معاملہ ہے اگر وہ دوسری قسم کی آبادی ہے۔ اور جمعہ اگر زید نے قائم کیا تو اس کو راجح مذہب پر جمعہ قائم کرنا نہیں چاہئے تھا۔ اور اگر پہلے سے قائم تھا۔ تو زید کو اس میں شریک نہ ہونا چاہئے تھا۔ اور بعد میں جو چار رکعت احتیاطی بتایا تو اس کو خواص کو بتانا چاہئے تھا جو تصحیح نیت پر قادر ہوں۔ اور انہیں عام جماعت سے نہ پڑھنا چاہئے تھا۔ بکر کی کوتاہی یہ معلوم ہوتی ہے کہ مقتدی تو عام طور سے جاہل ہی ہوتے ہیں زید بھی جب ان کا ساتھ دے کر اسی زمرہ میں آگئے تو بکر صاحب کو روکنا نہیں چاہئے تھا۔

اعلیٰ حضرت نے عوام کو چھیڑنے سے منع کیا ہے۔

اور اگر وہ دیہات کوردہ تھا تو جمعہ پڑھنا اور پڑھانا قطعاً ممنوع وگناہ تھا جس کے ذمہ دار زید صاحب تھے لیکن بکر نے پھر وہی غلطی کی کہ عوام کو اس سلسلہ میں چھیڑ کر فتنہ وفساد کی صورت پیدا کی۔ جب کہ امام اہل سنت بار بار اس کی تاکید کرتے ہیں، اہل علم کو نہ تو عوام کی اس جہالت میں شریک ہونا چاہئے نہ ان کو روکنا چاہئے۔

(۲) زکوۃ کی رقم غریبوں مسکینوں وغیرہ سات قسم کے محتاجوں کا حق ہے۔ شریعت نے اس کے لیے پابندی لگائی کہ غریبوں کو اس کا مالک بنایا جائے۔ اگر مباح کر دیا جائے اور مسکین ہی اسے استعمال کریں تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

مثلا: زکاۃ کی رقم کا کھانا پکا کر مسکینوں اور محتاجوں کو بلا کر انہیں اجازت دی جائے کہ تم اس کو کھالو تو زکاۃ ادا نہ ہوئی انہیں دیدو وہ چاہیں کھائیں چاہے لیجا کر دوسرے کو کھلائیں، اسی لیے فقہ کی کتابوں میں تصریح ہے کہ زکوۃ کی رقم کسی دوسرے مصرف خیر میں بھی براہ راست خرچ نہیں ہوسکتی۔ ہاں مجبوری ہو تو زکوۃ کی رقم محتاجوں کو دے کر ان کو اس کا مالک بنادیا جائے اور وہ اپنی طرف سے متولی کو دے دیں کہ وہ انہیں مصارف خیر میں صرف کردیں۔

فتاویٰ رضویہ میں عالم گیری وغیرہ کتابوں کے حوالہ سے ہے:

"وفی جمیع ابواب الحیله ان یتصدق بمقدار زکوته علی فقیر ثم یأمره ان یتصرف الی هذه الوجوه یتادی"

دنیاوی تعلیم کار ثواب نہیں تو اس کے لیے زکوۃ کی رقم گھما پھرا کر خرچ کرنا بھی جائز نہیں۔

پس صورت مسئولہ میں سائل کے سچے ہونے کی صورت میں زید پر شرعا کئی فرد جرم عائد ہوتی ہیں۔

(۱) خیانت کسی کے مال میں ہو جرم وحرام ہے۔ نہ کہ دینی مدرسہ میں۔

درمختار میں ہے: "فینزع وجوبا ولو البانی فغیره اولی"(کتاب الوقف:٦/٤٠٢)

اولا خود بانی خیانت کرے تو اس کو بھی معزول کردینا چاہیے۔ دوسرے کو بدرجہ اولیٰ خیانت کے جرم میں نکال باہر کرنا واجب ہے۔

(۲) اور اب ناجائز قانونی چارہ جوئیوں سے اس پر قبضہ غاصبانہ کرنا دوسرا حرام ہوا۔

(۳) اس دینی مدرسہ کے نام پر زکوۃ کی رقم وصول کرنا دھوکہ۔ اور پھر ناجائز قبضہ غاصبانہ کرنا تیسرا حرام ہوا۔

(۴) اور اس رقم سے ناجائز مقدمہ لڑنا چوتھا حرام ہوا۔

جن لوگوں نے جان بوجھ کر زکوۃ کی رقم اس کام کے لیے دی ان کی زکوۃ ادا نہ ہوئی۔

خالد کے خلاف اس بیان سائل سے کوئی جرم نہیں بنتا، لیکن دنیا اب اتنی خودغرض ہوگئی ہے۔ کہ اس کی بھی سخت نگرانی کی ضرورت ہے۔ اس نے بھی کوئی بیجا خرچ کیا تو ناجائز اور حرام ہی ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

(۸۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مستقل امام صاحب اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے باہر چلے گئے اور نماز جمعہ پڑھانے کے لیے کسی سے نہیں کہا جب جمعہ کا وقت ہوگیا تو لوگ پریشان ہوئے۔ ایک مولانا صاحب ایک کمرے میں

بیٹھے تھے ان سے نماز پڑھانے کے لیے کہا گیا، اس پر انہوں نے کہا کہ ہم دیہات میں نماز جمعہ نہیں پڑھتے اور ہم کو اجازت بھی نہیں ملی ہے۔

مزید کہا کہ اس گاؤں میں دو مسجد ہے جو پہلی مسجد ہے وہی جامع مسجد مانی جائے گی اسی میں جمعہ کی نماز ہوگی دوسری مسجد میں جائز نہیں مولانا نے لوگوں کو کتاب میں مسئلہ بھی دکھایا لیکن ان لوگوں نے کہا کہ ہم کتاب وغیرہ نہیں مانتے جواب طلب امر یہ ہے کہ اس کا شرعی حکم کیا ہے۔

المستفتی عبدالستار ساکن دارائی ضلع مظفر پور بہار

الجواب

دوسرے مولانا صاحب نے امامت نہ کرنے کا جو یہ عذر بیان کیا کہ ہم دیہات میں جمعہ نہیں پڑھتے، یہ کافی تھا۔ اگر مستقل امام اجازت دیجاتے تب بھی تو آپ جمعہ کی امامت نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ آپ دیہات میں جمعہ نہیں پڑھتے تو پڑھائیں گے کیسے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک مسجد اور دو مسجد کی بات جو کہی وہ اور بھی بلا ضرورت اور غلط بھی۔

امام احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۰۹ مطبوعہ سنی دار الاشاعت لائل پور پاکستان میں فرماتے ہیں:

قصبہ وشہر جہاں جمعہ جائز ہے وہاں نماز جمعہ متعدد جگہ بھی ہونا جائز ہے۔ اگر چہ افضل ایک جگہ ہی ہونا ہے۔ اور اگلی مسجد جامع کے ترک کرنے کا اگر یہ معنی ہے کہ اس میں نماز ہی چھوڑ دی جائے۔ تو قطعا ناجائز کہ مسجد ویران کرنا ہے۔ اور اگر یہ مراد کہ نماز تو وہاں ہوا کرے گی مگر جمعہ وہاں کے بدلے اب اس مسجد میں ہو۔

اس میں اگر وہاں کے اہل اسلام کوئی مصلحت شرعیہ رکھتے ہیں جو قابل قبول ہو تو کیا مضائقہ۔ ورنہ جامع مسجد وہی جامع قدیم ہے۔ اس میں جمعہ کا ثواب زائد ہے۔

اس عبارت میں کہاں لکھا ہے کہ قدیم مسجد میں نماز جمعہ ہوگی۔ اور دوسری مسجد میں جائز نہیں ہوگی۔ اس میں تو یہ لکھا ہے کہ پہلی مسجد ویران کردی جائے کہ اس میں کوئی نماز نہ ہو یہ ناجائز ہے۔ اور دونوں میں جمعہ اور جماعت ہوا کریں یا پرانی مسجد میں پنجوقتہ نماز ہو اور نئی میں جمعہ کسی مصلحت سے ہو مثلا پہلی مسجد تنگ تھی یہ وسیع ہوگئی۔ تو نئی مسجد میں جمعہ قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور بے کسی مصلحت بھی صرف نئی میں جمعہ ہو اور پرانی میں پنجوقتہ یا دونوں میں تو پرانی میں ثواب زیادہ اگر ایسی کتاب کے نہ ماننے کی بات کسی نے کہی تو اس پر کیا الزام۔ بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ کسی سنی کتاب میں یہ نہیں ملے گا کہ دوسری

مسجد میں نماز نہ ہوگی۔

اعلیٰ حضرت تو فتاوی رضویہ میں بار بار تحریر کرتے ہیں کہ نماز کے لیے عمارت ضروری نہیں کھلی زمین پر بھی نماز ہوسکتی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو　۲۷؍جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ

(۸۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

دیہات میں جمعہ کے دن ہمارے یہاں کچھ مقامات پر جمعہ وظہر دونوں نمازیں باجماعت ادا کی جاتی ہیں ان دونوں میں کون سا طریقہ مطابق شرع ہے اور کون خلاف شرع، نیز دیہات میں جمعہ کی نیت کس طرح کی جائے؟ واضح رہے کہ ہمارے یہاں کافی دنوں سے جمعہ کے بعد ظہر باجماعت ادا کی جاتی تھی، مگر ابھی گذشتہ جمعہ کو ایک عالم صاحب نے بہت زور دے کر فرمایا کہ صرف جمعہ کی نماز ادا کی جائے۔

لہذا التماس ہے کہ جلد از جلد مدلل جواب دے کر کرم فرمائیں۔لوگ کافی تشویش میں ہیں۔

المستفتی: محمد اسحاق نوری　۲۳؍شعبان ۱۴۲۹ھ

الجواب

حدیث شریف میں ہے: "لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع"

جمعہ اور عید کی نماز شہر میں جائز ہے دیہات میں نہیں۔

امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(۱) شہر ومدینہ اسی آبادی کو کہتے ہیں جس میں متعدد کوچے ومحلے ہوں اور متعدد دائمی بازار ہوں، وہی پرگنہ ہوتا ہے اور اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہیں۔عادۃً اس میں کوئی حاکم ہوتا ہے کہ فیصلہ مقدمات کرے اپنی شوکت سے مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے اور جو ایسی نہیں وہ قریہ، ودیہہ، گاؤں، کہلاتی ہے۔شرعاً یہی معنی متعارف ومراد ومدار احکام جمعہ وغیرہ ہیں۔

(۲) اور یہ تعریف کہ جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے سکان اہل جمعہ نہ سمائیں اگر بطور تعریف مانی جائے تو صریح باطل ہے تو جمعہ جائز ہونے کے لیے اس جگہ کا پرگنہ ہونا لازم ہے۔بطور خلاصہ فرماتے ہیں نہ ہم اس کے خلاف عمل کرسکتے ہیں اور نہ زنہار مذہب ائمہ چھوڑ کر دوسری بات پر فتویٰ دے سکتے ہیں اور دربارۂ عوام فقیر کا طریقہ عمل یہ ہے کہ ابتداءً انہیں خود منع نہیں کرتا۔دوسری جگہ فرماتے ہیں دوسری تعریف کی طرف اشارہ کرکے کہ جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں روایت نوادر کی بنا پر جمعہ وعیدین ہوسکتے ہیں اگرچہ یہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعت متاخرین نے

اختیار فرمایا اور جہاں یہ بھی نہیں وہاں ہرگز ہرگز جمعہ خواہ عید مذہب حنفی میں جائز نہیں ہوسکتا بلکہ گناہ ہے۔

(۳) کوردہ جس پر نہ شہر کی پہلی تعریف صادق آئے نہ دوسری ایسی آبادی میں جمعہ ہوتا ہی نہیں روزانہ کی طرح ظہر کی نماز ہی فرض۔ ایسی جگہ جمعہ کی نماز پڑھنا گناہ ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں، البتہ وہ عالم کہلانے والے کہ مذہب امام بلکہ مذہب جملہ ائمہ حنفیہ کو پس پشت ڈالتے ہیں تصریحات جماہیر ائمہ ترجیح وفتویٰ کو چھوڑ دیتے ہیں اور ایک روایت نادرہ مرجوعہ عنہا وغیر صحیحہ کی بنا پر ان جہاں کو کوردہ میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دیتے ہیں یہ ضرور مخالفت مذہب کے مرتکب اور ان جہلاء کے گناہ کے ذمہ دار ہیں۔

اعلی حضرت کی ان تحریرات کی روشنی میں ہم یہی سمجھتے ہیں کہ پہلی قسم کی آبادی میں جمعہ واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ تیسرے قسم کی کوردہ آبادیوں میں ظہر فرض ہے جمعہ نہیں پڑھنا چاہئے اور دوسرے نمبر کی آبادی میں متاخرین نے جمعہ جائز ہونے کا فتوی دیا ہے مگر یہ خلاف مذہب ہے اس کا حکم یہ ہے کہ ہم سے اگر کوئی فتویٰ پوچھے تو ہم یہاں جمعہ کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیں گے۔ اور اپنی طرف سے پڑھنے والوں کو منع نہیں کریں گے۔ بالخصوص عوام کو وہ جس طرح خدا کا نام لیں بہتر ہے اگر کوئی مسلمان جو طبقہ خواص وعلماء میں سے ایسی جماعت کی شرکت میں مبتلا ہو جائے تو وہ بعد میں چار رکعت احتیاطی ظہر کے پڑھے مگر عوام کو اس پر مطلع نہ کیا جائے جو تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں۔

کوردہ آبادی میں نہ خود جمعہ پڑھائے نہ کسی کو پڑھنے کا فتوئی دیا جائے اور جو جاہل عوام پڑھتے ہیں ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۵؍شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

خطبہ کا بیان

(۱) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کیا جمعہ کا خطبہ اردو زبان میں دیا جاسکتا ہے؟ یا اس میں اردو نظم پڑھی جاسکتی ہے۔

سید شیخ اشرف مدرسہ فیض عام شری نگر پورنیہ

الجواب

خطبہ میں عربی زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان ملانا سنت متوارثہ کے خلاف ہے۔ ہدایہ میں ہے: "فان افتتح الصلوة بالفارسية يصير مسيئا مخالفة السنة المتوارثة كذا الخطبة

والتشهد " ملخصا (هداية:١/١٠١) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص مسجد کا امام ہے، اور وہ جمعہ کے دن ممبر پر کھڑے ہوکر خطبہ پڑھتے وقت ہاتھ میں عصا لیتا ہے جس پر ایک شخص کہتا ہے کہ عصا لینا مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی کیا حقیقت ہے۔ احادیث کے حوالے سے تفصیل کے ساتھ جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: العبدالحقیر شاہ محمد مشتاق احمد قادری چشتی نقشبندی اورنگ آباد

الجواب

فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۰۵ پر ہے:

خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا بعض علماء نے سنت لکھا ہے، بعض نے مکروہ اور ظاہر ہے کہ اگر سنت بھی ہو تو کوئی سنت مؤکدہ نہیں ہے، تو بنظر اختلاف اس سے بچنا ہی بہتر ہے مگر جب کوئی عذر ہو۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں دو قسم کی روایتیں ہیں نہ سنت مؤکدہ ہے نہ مکروہ تحریمی بلکہ عذر نہ ہونے کی صورت میں عصا ہاتھ میں لینا زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہے۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۴ محرم ۱۸ھ

عیدین کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عید کی نماز بارش کی وجہ سے مسجد میں چار مرتبہ میں ادا کی گئی اور حسب دستور امام بھی تبدیل ہونے لگے اس کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ نماز صحیح نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمانے کی زحمت گوارہ کریں، کرم ہوگا۔

فقط محمد شمشیر عالم

الجواب

عید اور جمعہ کی نماز عام نمازوں کی طرح نہیں کہ جو چاہے پڑھا دے، عید کی نماز وہ شخص پڑھائے گا جس کو بادشاہ اسلام، وہ نہ ہو تو اعلم علمائے بلد یا بذریعہ مجبوری عام اہل اسلام نے امام جمعہ یا عید بنایا ہو اگر یہ چاروں ایسے تھے کہ ان کو امامت کی اجازت تھی تو چاروں کی نماز ہوگئی اور اجازت نہ ہو تو جن کو

اجازت نہ تھی ان کی نماز نہ ہوئی۔ فتاوی رضویہ جلد سوئم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہمارے یہاں کپاسن میں دو جگہ عید کی نماز ہوتی ہے، ایک عیدگاہ میں اور دوسری قلندری مسجد میں، قلندری مسجد کے پیش امام کو لوگ گھر سے نعت شریف پڑھتے ہوئے مسجد لیجاتے ہیں اور دوسرے پیش امام کو لوگ ڈھول اور تاشے بجاتے ہوئے عیدگاہ لیجاتے ہیں، جب انھیں منع کیا جاتا ہے کہ اس طرح ڈھول اور تاشے کے ساتھ جانے سے نماز نہیں ہوتی تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح کرتے ہوئے آئے ہیں اور مزید کہتے ہیں کہ عیدگاہ کے علاوہ قصبہ میں اور جگہ عید کی نماز نہیں ہوتی۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ خلاصہ جواب عنایت فرمائیں اور جو فتویٰ کو نہ مانے اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

المستفتی، عبدالرحیم اشرفی کپاسن چتوڑ گڑھ راجستھان

الجواب

ڈھول تاشا آلات ملاہی میں ہے یونہی اس کا بجانا حرام ہے حدیث شریف میں ہے "کل لهو المسلم حرام" نہ کہ عیدگاہ میں امام کیساتھ نماز کے لیے جاتے ہوئے بجانا اور اس کو باپ دادا کی رسم کہہ کر اس پر اڑا رہنا جہالت اور مذموم ہے، ہم تو نعت شریف پڑھتے ہوئے جانے کے حق میں بھی نہیں بلکہ مستحب طریقے کے مطابق عید و بقرعید کے لیے جاتے وقت تکبیر تشریق پڑھانا اور پڑھنا چاہئے۔ عید میں آہستہ آہستہ اور بقرعید میں بلند آواز سے اس کے خلاف نہ کیا جائے البتہ اس سے نماز کی صحت پر اثر نہیں پڑتا، نماز صحیح ہوئی اور ڈھول بجانا ایک ممنوع فعل ہوگا جس کا گناہ بجانے والوں اور شریک ہونے والوں پر ہوگا۔

نماز عید بستی کے اندر بھی ہوسکتی ہے اور باہر بھی بستی کے باہر نماز عید پڑھنا افضل ہے، بڈھے اور کمزور لوگ بستی میں پڑھیں اور تندرست اور جوان بستی کے باہر۔ یہ کہنا کہ بستی کے اندر نماز عید نہیں ہوتی جہالت اور لاعلمی ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۶ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

(۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

نماز عیدین پڑھنے کے لیے مسجد کی جائے نماز کو عیدگاہ میں لے جاسکتے ہیں اس میں کوئی شریعت کی طرف سے پابندی تو نہیں؟ المستفتی، مولینا رضوی رام پور بلیا (یوپی)

الجواب

مسجد کا فرش عیدگاہ میں لیجانا ناجائز ہے، فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۸۲۸ میں ہے: عیدگاہ میں مسجد کا

مال لے جانا ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۷ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

(۴-۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) عید کی نماز ہم لوگ مسجد میں پڑھ نہیں سکے تنگی کی وجہ سے ہمارے امام اصاحب بولے کہ عید کی نماز ادا کہاں کی جائے گی محلہ والے بولے ایک بہت بڑا میدان ہے ہم لوگ وہیں پر نماز پڑھیں گے وہ زمین سرکاری ہے وہاں عید کی نماز جائز ہے یا نہیں۔

(۲) اگر مسلمان نے لائف انشورنس میں روپیہ رکھا یعنی پانچ ہزار کچھ دن کے بعد دس ہزار روپیہ ہوا وہ روپیہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) بکر نے سروس کیا اور ہر مہینہ میں تنخواہ پایا اور اس کے بعد سروس سے رٹائر ہو گیا اس کے بعد بھی پنشن پائی کچھ کم ملا وہ روپیہ کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۴) سنی امام صاحب کا وہابیوں کا نکاح پڑھانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۵) وہابیوں سے دوستی کرنا اور برادری کو کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) جامع مسجد سے نکل کر کچھ لوگ تھوڑی دوری میں ایک چھوٹا سا گھر بنائے وہیں پہ جمعہ کی نماز پڑھتے وہ سرکاری جگہ ہے خریدا نہیں ہے وہاں پہ نماز جائز ہے یا نہیں؟ مذکورہ بالا مسائل حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ المستفتی، شیخ عبدالجبار۔ ساکن سان ساہی پوسٹ تالا کوٹ۔ ضلع جاجپور

الجواب

(۱) نماز عید کے لیے بنی ہوئی عمارت ضروری نہیں وہ میدان میں بھی ہو سکتی ہے اور اس قسم کی سرکاری زمین پبلک کی ایسی ہی ضروریات کے لیے ہوتی ہیں تو مسئولہ میدان میں نماز عید جائز ہوگی۔

(۲) لائف انشورنس ایک قسم کا جوا ہے اور جوا حرام ہے مسلمانوں کو یہ معاملہ نہیں کرنا چاہئے البتہ اگر اس میں کسی وجہ سے مبتلا ہو جائے۔ تو زائد روپیہ اپنے صرف میں نہ لائے بلکہ کسی ضرورت مند محتاج مسلمان کو دے دے۔ اپنے عزیز واقرباء میں ایسے لوگ ہوں تو ان کو بھی دیا جا سکتا ہے مثلاً لڑکی جو سسرال میں رہتی ہے اور سسرال کے لوگ محتاج ہوں تو اس کو دیا جا سکتا ہے۔

(۳) پنشن کی رقم جائز ہے۔ یہ کمپنی کی طرف سے ایک قسم کی امداد ہے۔

(۴) وہابیوں کے ساتھ دوستی کرنا، ان سے کھانا پینا، ان سے تعلق رکھنا، ان کے یہاں شادی بیاہ کرنا، انکا نکاح پڑھانا، سب ناجائز وحرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے" ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم "ان کو اپنے سے دور

رکھو اور خود ان سے دور رہو وہ کہیں تجھ کو فتنہ میں نہ ڈال دیں کہیں گمراہ نہ کردیں۔

(۲) جمعہ کی نماز کے لیے مسجد شرعاً ضروری نہیں میدان میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے لیکن جمعہ کا معاملہ پانچوں وقت کی نماز کی طرح نہیں کہ وقتی طور پر کسی کو آگے بڑھا دیا اور اس نے امامت کردی، قیام جمعہ کے لیے بادشاہ اسلام کی طرف سے اجازت یا بادشاہ کے نائب اور قاضی کی اجازت اور وہ نہ ہو جیسا کہ اب ہندوستان میں ہے تو علاقہ کے سب سے بڑے عالم اہل سنت کی اجازت سے ضروری ہے، اس کے بغیر جمعہ صحیح نہ ہوگا سوال میں یہی صاف نہیں کہ جامع مسجد سے چند لوگوں کی علیحدگی کی بنیاد کیا ہے۔ اس میں جامع مسجد والوں کی کوتاہی ہے یا الگ ہونے والوں کی شرارت، الغرض مذکورہ بالا امور کی صحیح تفصیلات معلوم ہوں تو کوئی شرعی حکم دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۹ صفر المظفر ۱۳۹۵ھ

(۱۰-۱۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ایک ہی مسجد کے مصلے پر تین امام باری باری تین بار جماعت سے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائیں اور آخر میں تینوں جماعت کے بعد ایک مرتبہ خطبہ پڑھا گیا۔ اور اس دن سخت بارش ہو رہی تھی جس کی وجہ سے امام نے ایسا کیا ایسی صورت میں تینوں جماعت کے لوگوں کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

(۲) ہمارے یہاں رمضان المبارک کے مہینہ میں شبینہ ہوتا ہے جس میں دس حافظ یکے بعد دیگرے دو دو رکعت نفل نماز کی نیت سے تین، چار پارے پڑھ کر پوری رات میں قرآن پاک ختم کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ الگ خارج نماز بیٹھ کر سنتے ہیں: کیا ایسے طریقہ سے شبینہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ازروئے شرع کیا طریقہ ہے تحریر کریں۔

(۳) مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں اندرون مسجد اور بیرون مسجد چندہ جمع کیا۔ جس کی کچھ رقم خرچ کے بعد بچ رہی بچی ہوئی رقم کو تعمیر مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔ اور کبھی شب قدر کے اخراجات کے لیے خسارہ ہوتا ہے تعمیری کمیٹی مسجد کے فنڈ سے اسے پورا کرتی ہے۔ ایسا کرنا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ شرع میں اس کی صورت کیا ہے جو آیات قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل تحری کریں۔

والسلام المستفتی، سبحان اللہ گورکھپوری چار توڑی قبرستان احمد آباد گجرات

الجواب

(۱) نماز عید مثل نماز جمعہ ہے۔ نماز پنجگانہ کی طرح نہیں جن میں ہر شخص صالح امامت، امامت کرسکتا ہے، عیدین اور جمعہ کے لیے شرط ہے کہ امام خود سلطان اسلام ہو یا اس کا نائب یا ماذون۔ اور وہ نہ

ہوتو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے امامت جمعہ وعیدین کے لیے مقرر کیا ہو، ظاہر ہے کہ ایک مسجد میں ایک نماز کے لیے دو شخص امام مقرر نہیں ہوتے۔تو جوامام مقرر نہیں اس کے پیچھے والوں کی نماز نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۸۲۷) عیدین میں خطبہ سنت ہے فرض وشرط نہیں۔ تو اس کا ترک موجب ناجوازی نہ ہوگا۔(ایضاً صفحہ ۸۲۴)

(۲) شبینہ کہ ایک رات میں تراویح میں پورا قرآن پڑھا جاتا ہے جس طرح آج کل رواج ہے کہ کوئی بیٹھا باتیں کرتا ہے۔ کچھ لوگ چائے پینے میں مشغول ہیں۔ کچھ لوگ مسجد کے باہر حقہ نوشی کررہے ہیں۔اور جب جی میں آیا ایک آدھ رکعت میں شامل ہوگئے یہ ناجائز ہے۔ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ رمضان شریف میں اکسٹھ ختم کیا کرتے تھے۔ تیس دن میں اور تیس رات میں اور ایک تراویح میں۔

(بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر جماعت میں شریک ہونے والے اپنی طاقت بھر ساتھ دیں اور جنھیں اس کی قدرت نہ ہو وہ خاموشی سے ادب واحترام کے ساتھ بیٹھ کر سنیں۔ بات چیت چائے نوشی یا باہر آس پاس سگریٹ" وغیرہ شغل نہ ہو تو جائز ورنہ ناجائز۔اور افضل یہی ہے کہ ان آداب کے بعد بھی کم سے کم تین دن میں قرآن عظیم ختم کیا جائے۔

(۳) جو چندہ جس مقصد کے لیے جمع کیا جائے اسی میں خرچ کیا جائے اور جو بچ جائے اس کے لیے چندہ دینے والوں سے پوچھا جائے، وہ جس مقصد کے لیے اجازت دیں، اس میں خرچ کیا جائے، تعمیر مسجد میں خرچ کرنے کو کہیں اسی میں خرچ کیا کریں اور دوبارہ اجازت لینے کی کوئی سبیل نہ ہو تو وہ رقم محتاجوں میں تقسیم کردی جائے۔ تعمیر مسجد کی رقم اخراجات شب قدر میں خرچ کرنا جائز نہیں جس نے خرچ کیا وہ مسجد کو اس رقم کا تاوان ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۱۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عیدین کی نماز غیر مسلم کی زمین میں پڑھی جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو اس کی کیا صورت ہے کل کارخانے اکثر غیر مسلموں کے ہوتے ہیں اس میں مسلم ملازم غیر مسلم کی زمین پر نماز پڑھتا ہے اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔ المستفتی ،رضوان اللہ گرام مجنونہ پوسٹ دیڑوان ضلع گورکھ پور

الجواب

صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوجانے میں تو کوئی شبہ نہیں حدیث شریف میں ہے:" جعلت لی الارض مسجدا وطهورا " مگر مسلمان کی زمین ہوتے ہوئے حتی الامکان اس سے بچا جائیکہ یہ عبادت

پراستعانت ہےاورحدیث شریف میں ہے " انا لا نستعین بمشرك " ہم مشرک سے عبادت میں مدد نہیں لیتے۔واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

(۱۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

امام نے بقرعید کی نماز پڑھائی پہلی رکعت تو ٹھیک تھی مگر دوسری رکعت میں قرأت کی تکمیل کے بعد موصوف مکمل رکوع میں چلے گئے بغیر زائد تکبیر کہے ہوئے جب بکر نے لقمہ دیا تو رکوع سے سر اٹھا کر پھر سے تکبیریں کہیں اور رکوع کرنے کے بعد اپنی نماز پوری کی آیا یہ نماز قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا درجہ رکھتی ہے نماز ہوئی یا نہیں۔ المستفتی، محمد مزمل حسین کٹائی چور سلطان پور گھوسی مئو

الجواب

امام جب بھول کر دوسری رکعت میں تکبیر زوائد کہے بغیر رکوع میں چلا جائے تو اس کو لوٹنا نہیں چاہئے نہ حالت رکوع میں تکبیر کہنا چاہئے اگر تکبیر کہنے کے لئے کھڑا ہو گیا تو بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ نماز فاسد ہوگئی اور بعض میں لکھا ہے نماز فاسد نہیں ہوئی بہر تقدیر یہ اب سوال بلاضرورت ہے کہ فساد کی صورت میں نہ اب اس کا وقت ہے کہ اعادہ کرے نہ نماز عیدین کی قضاء ہے کہ اب قضا کرے۔واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۸ رصفر المظفر ۱۴۱۲ھ

(۱۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ

ہمارے گاؤں میں چار حافظ ہیں اور چاروں دیوبندی ہیں اور سب لوگ عید کی نماز عیدگاہ میں ان کے پیچھے پڑھتے ہیں اور دس پندرہ آدمی عید کی نماز الگ پڑھتے ہیں اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ گاؤں کے لوگوں کو متفق کرنا ہے تو ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ کر ان لوگوں کو متفق کیجئے تو کیا ایسی صورت میں ہم لوگ ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں تو اب ایسی صورت میں ہم لوگ کیا کریں قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کریں۔ المستفتی، محمد نعیم الدین غازیپوری مقام وپوسٹ گہمر غازی پور

الجواب

دیوبندیوں پر علماء حرمین شریفین کا کفر کا فتویٰ ہے ان کے پیچھے سنیوں کی نماز ہوتی ہی نہیں ہے۔عالمگیری اور شامی میں ہے " وما یکون کفرا اتفاقا بطل عمل النکاح "وان کان صاحب ھوی یکفر به صاحبهٔ یبطل الصلوة خلفه والا لا " ان سے اتفاق کے لیے اگر ان کو امام بنانا جائز ہو تو آج کہ ہندوؤں سے اتفاق اور ضروری ہے ان کو اپنی نماز وں کا امام کیوں نہ بنایا جائے صورت مسئولہ میں وہ لوگ جو عیدگاہ میں نماز پڑھتے ہیں اگر ان دیوبندی اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو ان کی نماز ہوتی

ہی نہیں انھیں دس پندرہ آدمیوں کی نماز ہوتی جو سنی صحیح العقیدہ امام کی اقتدا کرتے ہیں یہی مسئلہ شرعی حکم ہے جیسا کہ اوپر عالمگیری کی عبارت گذری۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۹ ربیع الاول شریف ۱۴۱۳ھ

(۱۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

جگہ کی تنگی کی بنا پر عیدگاہ جس میں پہلے سے نماز عیدین ہوتی چلی آرہی ہے اس کے علاوہ دوسری مسجد میں نماز عیدین درست ہوگی یا نہیں؟ المستفتی: ضمیرالدین مدھوبن اعظم گڑھ

الجواب

نماز عید کے لیے شہر سے باہر جانا سنت ہے۔

درمختار میں ہے: والخروج الیھا ای الجبانة لصلوة العید سنة ۔

اس لیے عیدگاہ بشرطیکہ آبادی سے باہر ہو وہاں جانا مسنون ہوا۔

رہ گئی نماز عید وہ تو آبادی ویرانے ہر جگہ صحیح ہوگی۔

جیسا کہ شامی میں ہے: ویستخلف غیرہٗ لیصلی فی المصر بالضعفاء بناء علی ان صلاة العیدین فی موضعین جائز بالاتفاق ۔

امام کسی کو اپنا نائب بنا کے جائے جو شہر میں کمزوروں کو نماز پڑھائے۔ نماز عید دونوں جگہ جائز ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۱۷۔۱۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) ہمارے یہاں کی عیدگاہ میں تقریبا آٹھ گاؤں کے لوگ نماز عیدین ادا کرتے ہیں۔ سال گذشتہ زید جو کہ امام مسجد اور عالم ہے ایک گاؤں کے کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر نماز عیدالاضحیٰ ایک کھیت میں پڑھایا، پھر اس سال کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر گاؤں کی مسجد میں ہی نماز عیدالفطر پڑھایا اور اس کے حمایتی کا یہ کہنا ہے کہ اب ہمیشہ نماز عیدین اس مسجد میں ہوگی جوار کے ایک عالم زید کو سمجھائے بھی کہ دیہات بستی کی مسجد میں نماز عیدین نہ پڑھیں، سابقہ عیدگاہ کی اجتماعیت کا لحاظ کرتے ہوئے نماز عیدین ادا کرے اور اگر الگ پڑھنا ہی ہے تو رائے سے الگ کہیں عیدگاہ قائم کرلیں مگر اس کے باوجود زید اور اس کے حمایتی نہیں نانے، زید اور اس کی حمایتی کا یہ عمل کیسا ہے اور ان لوگوں کے اوپر شرعی کیا حکم نافذ ہوگا؟ بینوا توجروا

(۲) نیز جو شخص بعد نماز فوراً دعا سے قبل یا نماز سے قبل مسجد میں اپنی پوری انگلیاں یا چند انگلیاں

چنچاتا ہواس کا یہ عمل کیسا ہے؟ اوراس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں، کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد منظور خان کیلاوا پوسٹ مصطفے آباد ضلع سیوان بہار

الجواب

(۱) نماز عیدین کا آبادی سے باہر میدان میں پڑھنا افضل اور مسنون و مستحب اور مندوب ہے۔ آبادی کے اندر سنت کے خلاف مگر ایسا نہیں کہ آبادی کے اندر پڑھنے والوں کے خلاف کوئی حکم لگے یہ حکم اس جگہ کا ہے جہاں نماز عید شرعا جائز ہوتی ہے اور اگر وہ جگہ ایسی کوردہ ہو کہ اس پر شہر کی کوئی تعریف صادق نہ آتی ہو وہاں نماز عید منع ہے، چاہے آبادی کے اندر چاہے باہر، حدیث شریف میں ہے:

لا جمعة و لا تشريق الا فی مصر جامع

مسئلہ کی پوری تفصیل فتاوی رضویہ جلد سوم باب الجمعۃ وباب العیدین میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) نماز میں یا نماز کے انتظار کی حالت میں انگلیاں چٹکانا مکروہ تحریمی ہے۔ (ابن ماجہ درمختار بحوالہ بہار شریعت) واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۹ رشوال ۱۷ھ

(۱۹۔۲۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ایک عیدگاہ ہے جس میں تقریباً بارہ سال سے عید کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے۔ مگر امسال عید الاضحیٰ کے موقع پر مفتی معشوق حسین صاحب نے بربنائے عداوت ودشمنی امام عیدگاہ پر غلط الزام لگا کر امام کے خلاف لوگوں کو ورغلادیا اور ایک کھلیان میں مع تیس چالیس آدمیوں کو لے کر نماز الگ ادا کی۔ علاوہ ازیں جملہ مسلمانان نے عیدگاہ ہذا میں نماز عید الاضحیٰ ادا کی یہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) لوگوں کے مابین افتراق وانشقاقات وخلفشار اور جدائی کرنے کے لیے شخص مذکور نے کچھ ہی فاصلہ پر عیدگاہ ہذا سے ایک دوسری عیدگاہ قائم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اور مسلمانوں سے چندہ وغیرہ بھی وصول کرنے کی سعی وکوشش کررہا ہے۔ تا کہ عیدگاہ کو تعمیر کرسکے اس عیدگاہ کے تعمیر کرنے کا مقصود حقیقی محض یہی ہے کہ لوگ باہم متحد نہ رہیں بلکہ پارٹی بندی ہوجائے۔ آیا اس نظریہ کے تحت عیدگاہ کا قیام عمل میں لانا درست ہے یا نہیں اور جو شخص ایسا کرے اس کے لیے شرع کا کیا حکم ہے؟

(۳) جو شخص امام پر غلط بہتان لگائے اور باہم متحد ومتفق شدہ لوگوں کو منتشر کرے آیا اس کے ساتھ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۴) ایسی عیدگاہ کی تعمیر میں چندہ وغیرہ دینا نیز کسی قسم کی استمداد کرنا کیسا ہے۔؟

الجواب

بر تقدیر صدق مستفتی اگر واقعتاً دوسری عیدگاہ سے افتراق بین المسلمین مقصود ہو تو مسلمان اس کی تعمیر میں چندہ نہ دیں کہ فتنہ وفساد بہت سخت تر ہے۔ قرآن عظیم میں ہے:﴿والفتنة اشد من القتل﴾ ویسے ایک بستی میں جس جگہ نماز ہو سکی اسے غلط تر بہتان تراشنے والا فاسق ہے اس کی امامت مکروہ ہے۔

شامی میں ہے:"ومشي في شرح العنية ان كراهة تقديمه كراهة تحريم" واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۲۳۔۳۰)**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) شرعی شہادت پر باقاعدہ اعلان ہونے کے بعد نماز عید ادا نہ کرنا اور دوسرے روز نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) بروقت نماز عیدگاہ میں موجود رہنا اور نماز عیدالاضحیٰ نہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) ایک سنی عالم حافظ کے لیے علمائے اہل سنت کے فتاوی کہ وہ سنی صحیح العقیدہ ہیں معلوم ہونے پر بھی ان کی اقتدا نہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۴) دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ عیدگاہ میں نماز کی نیت کی تھی ایسا شخص مسلمان رہا یا منافق ایسے شخص کے لیے شرعی کیا حکم ہے؟

(۵) جو شخص علمائے اہل سنت کی نظر میں مسلمان نہ ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوا اس کو مسجد، عیدگاہ کا متولی بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) جو اشخاص یہ علم رکھتے ہوئے کہ یہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور اس کو مسجد، عیدگاہ کا متولی منتخب کریں ایسے اشخاص کے لیے کیا حکم ہے؟

(۷) جو شخص علمائے کرام کے لیے نذرانہ طے کرتا ہو اور دکانات کی فروختگی میں دلالی کا کام کرتا ہو ایسے شخص کے لیے شرعی کیا حکم ہے؟

(۸) اس شہر میں چند معزز اشخاص نے ایک چاند کمیٹی کی تشکیل ہر فرقہ کے عقائد کے مولویوں کی ۱۹۵۰ء میں محض اس لیے کی کہ عیدین کے موقع پر اختلاف نہ ہو۔ غیر لوگوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیا جائے عید الاضحیٰ کے موقع پر دو اشخاص کانپور ۲۹ رذوالقعدہ کی رویت کی تصدیق کے لیے بھیجے گئے۔ جس میں ایک شخص سنیوں کی طرف سے اور ایک شخص دیوبندی عقائد کے مولویوں کی طرف سے تھا۔ یہ دونوں سنی صحیح العقیدہ مفتی اعظم کانپور حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب کی تحریر لے کے واپس آئے۔ شہادت ادا کی او

ر پنجشنبہ کو عید الاضحیٰ کی نماز کا اعلان کر دیا اس اعلان پر نماز عید الاضحیٰ پنجشنبہ کو ادا کی گئی آیا نماز درست ہوئی یا نہیں؟ المستفتی: محمد ریاض الدین اشرفی غفرلہ مقبول احمد چوکی شمشیری اٹاوہ یوپی

الجواب

(۱) اگر کوئی عذر شرعی نہ تھا تو دوسرے روز نماز نہ ہوگی۔"ثم العذر فی الفطر للجواز حتی لو اخروھا الی الغد من غیر عذر لا یجوز"۔

(۲) مسجد میں رہتے ہوئے بلا عذر شرعی جماعت میں شریک نہ ہونا گناہ ہے۔ بالخصوص عیدین میں کہ یہاں فوت صلاۃ کا بھی خطرہ ہے۔حدیث شریف میں ہے:"والذی نفسی بیدی لقد ھممت ان امر بحطب یحطب ثم امر بالصلوۃ فیؤذن لھا ثم امر رجلا فیوم الناس ثم اخالف الی رجال و فی روایۃ لایشھدون الصلاۃ فاحرق علیھم بیوتھم"۔

(۳) یہ فعل نفاق فی العمل تو ہوسکتا ہے۔لیکن اس کا نفاق فی العقیدہ سے تعلق نہیں۔ہاں اگر دوسرے فرقہ والے اپنی کسی کرتوت کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہوں اور یہ ان کے کفر پر مطلع ہوکر بھی انہیں مسلمان سمجھ کر ان کی اقتداء کرے تو یہ اور بات ہے ایسے
شخص کی تولیت منع اور اس کو متولی بنانا گناہ ہے۔ بالخصوص عبادت گاہ مسلمین اور مساجد میں کہ قرآن عظیم میں ہے: ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾[النساء:۱۴۱]

(۷) ان افعال میں شرعا کوئی قباحت نہیں اگر اس سلسلہ میں خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

(۸) اگر دونوں گواہ سنی صحیح العقیدہ اور شرائط شہادت پر پورے اترے ہوں اور احکام شرعیہ کی رعایت کے ساتھ گواہی تسلیم کی گئی تو بلا شبہ عید ہوگئی اور نماز درست ہوگئی۔اللہ ہم مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائے استفتاء اگر خیر خواہی اسلام، مسلمین اور اظہار کلمۂ حق کے لیے ہو تو باعث اجر و ثواب۔لیکن اگر کہیں آپ کا نفاق افترایا کسی کی تذلیل اور کسی سے انتقام مدنظر ہو تو یہی چیز نامحمود ہوجاتی ہے۔حدیث شریف میں ہے:"انما الاعمال بالنیات ولکل امریء ما نوی"۔ اللھم ارزقنا صالح الاعمال خالصا لوجھك الکریم"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۴ رصفر ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ

(۳۱۔۳۷)**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱)عیدالفطر کا میلہ جائز ہے یا ناجائز۔

(۲)عیدالفطر کا میلہ اگر جائز ہے تو میلے کی آراضی یا ٹاؤن ایریا کی ... ناتھا اور راستہ بھی رفاہ عام تھا اس کو اپنے مکان میں شامل کرلیا ہے اس آراضی کو کم دینا یا راستہ رفاہ عام تنگ کردینا کیسا ہے جس نے ایسا کیا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے تحریر فرمائیں۔

(۳)مسجد کو نئے طریقہ سے تعمیر کیا گیا اور اس میں لگ بھگ ایک کونہ جو کہ لگ بھگ ۸ گرہ یا ۱۱ گرہ شامل مسجد تھا بوقت تعمیر اس کونے کو راستہ رفاہ عام بتایا گیا اس میں برابر راستہ چل رہا ہے۔

جن حضرات نے ایسا کیا ہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے از روئے شرع شریف تحریر فرمائیں

(۴)قبرستان کو خریدنے والا کیسا ہے اور فروخت کرنے والا کیسا ہے۔قبرستان کو خرید کر پھر منافع لے کر فروخت کردینا اور اس میں دوکانیں تعمیر کرانا اس کا کرایہ اپنے مصارف میں لینا اور خرچ کرنا کیسا ہے جس نے ایسا کیا ان کے بارے میں کیا حکم ہے از روئے شرع۔

(۵)اب اس کو ایک آدمی کے نام محلّہ کے کچھ حضرات نے رشوت لے کر نام میں درج کرا کر قبضہ کرادیا ہے ایسی حالت میں رشوت لینے والوں کو اور آراضی قبضہ کرنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے از روئے شرع شریف تحریر فرمائیں۔

(۶)ایک شخص کو زمانہ چک بندی سے گورنمنٹ نے (۶) بیگہ چک ناپ کردیا جب کہ وہ کاغذ کے حساب سے اور اس کی پرانی آراضی کے حساب سے (۶) بیگہ کا مالک حقیقی تھا اب اس میں بعد کو ایک نمبر عیدگاہ کا لکھوا کر کاغذ میں اندراج کرا کے قرار دی گئی اب مالک آراضی کو معلوم ہوا کہ عیدگاہ ہے لہٰذا مذکورہ بالا شخص نے اس آراضی کو چھوڑ دیا اب اس کے پاس صرف (۵) بیگہ آراضی باقی رہ گئی وہ (۶) بیگہ کا مالک تھا۔ایسی حالت میں جو کہ درمیان میں (۱۸) سال تک حاصل کھایا گیا وہ کیسا ہے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے۔

(۷)قبرستان میں عام کسی کی قبر کے اوپر ایسا مکان بنوانا جو کہ عام مکان کی شکل میں ہو جگہ بھی گھر جانے سے قبرستان کی آراضی کم ہوتی ہو کیسا ہے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے۔

نوٹ:۔یہ مذکورہ بالا سوالات مسلمانان حضرات کے ہیں اور یہ سب حضرات مسلمان ہیں۔فقط والسلام

المستفتی: خادم عطاء الرحمٰن اشرفی محلّہ نوری مسجد شیش گڑھ بریلی

الجواب

(۱) اگر منہیات شرعیہ سے پاک ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ عید کے دن اظہار مسرت کے لیے شریعت نے اس قسم کے اجتماع کی اجازت دی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"عن عائشة ان ابابکر دخل علیها و عندها جاریتان ایام منٰی تدفان و تضربان والنبی ﷺ منعش بثوبه فانتهر هما ابوبکر فکشف النبی ﷺ عن وجهه فقال دعهما یاابابکر فانها ایام عید وقالت عائشة رأیت النبی ﷺ لیسترنی وانا انظر الی الحبشة وهم یلعبون فی المسجد فزجرهم عمر فقال رسول الله ﷺ دعهم آمنا بنی ارفد۔ (بخاری ج۱ص۱۳۵)

حضرت امام عینی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"یستبط منها التوسع علی العیال یحصل لهم بسط النفس واظهار لسرور فی الاعیاد" اور خطرہ ہو کہ لوگ ایسے اجتماع میں حدود شرع کا لحاظ نہ کریں گے تو ممنوع اور ناجائز ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۲) اوپر کے جواب سے ظاہر ہے کہ مسئلہ کا رفاہ عام میں شامل ہونا ضروری نہیں۔ پس اس مسئلہ کا اصل جواب یہ ہے کہ اس تعمیر سے اگر عوام کے حقوق میں دست اندازی ہو اور ضروریات کی تکمیل میں خلل ہو جیسے راستہ اتنا تنگ ہو گیا کہ آنے جانے والوں کو دشواری ہوتی ہے۔ تو ضرور یہ فعل ناجائز اور حرام ہوگا۔ اور اس پر قبضہ کرنے والا ظالم اور فاسق ہوگا اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

(۳) مسجد یا اس کے کسی حصہ کو راستہ میں شامل کر دینا حرام حرام حرام جن لوگوں نے ایسا کیا بے توبہ صادقہ مرے تو عذاب جہنم کے مستحق ہوں گے۔ ان پر لازم ہے کہ اس حصہ کو پھر اس طرح مسجد میں شامل کریں جیسا تھا۔ شامی میں ہے: "التتارخانیة عن فتاوی ابی اللیث وان اراد اهل المحلة ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقاً للمسلمین لایجوز لهم ذلك وانه صحیح"

(۴) وقفی قبرستان کا بیچنا خریدنا اس کو کرایہ پر دینا۔ اور اس میں مکان یا دوکان بنانا سب ناجائز و حرام ہے اور ایسا کرنے والا گنہگار اور مستحق تعذیر ہے۔

عالمگیری میں ہے: "وسئل هو ایضا عن المقبرة فی القریٰ اذا اندرست ولم یبق فیها اثرالمولیٰ لا العظهم ولاعبیره هل تجوز زرعها واسفله لها قال لاولها حکم المقبرة"

(۵) اس کا حکم نمبر۲ سے ظاہر ہے اور کھلیان کا تعلق تو بے شک رفاہ عام سے ہے اس پر قبضہ

کرنے والا اور مددگار اور راشی اور مرتشی سب گنہگار کہ حکم شرع میں ہے:

"الراشي والمرتشي كلاهما في النار"

(۶) اگر وہ ایسا دیہات ہے جہاں حنفی مذہب پر عید کی نماز واجب نہیں جب تو اس کا وقف ہی صحیح نہیں تھا۔ (فتاوی رضویہ)

اور وہ زمین اسی کی ہے جس کو گورنمنٹ نے دی اور اگر شہر ہے تو بے شک عیدگاہ پر اس کا قبضہ صحیح نہیں۔ اور گذشتہ سال میں جتنا غلہ حاصل کیا اس کا معاوضہ فقیروں کا ادا کرے۔

(۷) وقفی قبرستان میں مقبرہ بنانا بھی حرام ہے۔ چہ جائیکہ رہائشی مکان، مقابر مسلمین میں ناجائز تصرف کا حکم نمبر ۴ سے معلوم ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی ۲۳ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

(۳۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھاتے وقت پہلے ہی تین تکبیر پڑھنا بھول گئے ایک رکعت پوری کرنے کے بعد زید کو خیال آیا کہ میں نماز پڑھاتے وقت پہلے کی تین زائد تکبیریں بھول گیا ہوں اس کے بعد زید دوسری رکعت میں تین تکبیر پڑھے اور نماز ختم کردیا۔ تو پہلے کی تین تکبیر چھوٹ جانے پر اب نماز ہوئی کہ نہیں اور اس میں اکثر لوگوں نے یہ ہی کہا کہ نماز ہوگئی اس لیے حضور والا سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ کا جواب قرآن وحدیث کے ذریعہ معلوم کرائیں مہربانی ہوگی۔ المستفتی: حقیر مشتاق احمد

الجواب

صورت مسئولہ میں امام کے اوپر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے لیکن علماء عیدین اور جمعہ میں جب کہ جماعت بڑی ہوتی ہے اس لیے سجدہ سہو ادا کرنے سے روکتے ہیں پس صورت مسئولہ میں یہی کہا جائے گا کہ نماز ہوگئی۔ عالمگیری میں ہے: "اذا تركها او نقص منها اوازاد عليها اواتى به مافى غيرموضعها فانه يجب عليه سجدة السهو۔ والسهو فى الجمعه والعيدين والمكتوبة والتطوع واحد الا ان مشائخنا قالوا لايسجده السهو فى الجمعه والعيدين لعلا يقع الناس فى الفتنة"۔ عالم گیری اول ص ۱۳۸

امام نے تکبیرات زوائد کو بالکل چھوڑ دیا یا اس میں کچھ کمی کی یا اضافہ کردیا جس جگہ کہنا چاہیے تھا اس کے خلاف جگہ پر کہا ان سب صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہوا لیکن ہمارے مشائخ کا حکم یہ ہے کہ عیدین یا جمعہ میں جب بڑی جماعت ہو اس میں کوئی سہو واقع ہو تو سجدہ سہو نہ کیا جائے تا کہ عام مسلمان فتنہ میں نہ پڑیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۸ رذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عیدین کی تکبیرات زوائد کا بیان

(۳۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدین میں نو تکبیریں ہیں یا چھ تکبیریں؟ صحیح مسئلہ جو سنت ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں۔

ڈاکٹر اکرام الدین قصبہ کھیری ضلع علی گڑھ

(نوٹ) پچھلی عید الفطر پر ہمارے امام صاحب نے عید کی نماز کی نیت مع نو تکبیر کے بتائیں اور پڑھائیں، جب ہم نے ان سے تکبیروں کا مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے مجھے ترمذی شریف جلد اول ص ۱۰۳ اور بیہقی شریف ص ر ۲۹۱ دکھایا جو صحیح تھے۔ میں علمائے اہل سنت سے چھ تکبیروں کے بارے میں سنا اور پڑھا۔ لہذا آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ حل کر کے روانہ کریں۔ ڈاکٹر اکرام الدین

الجواب

غیر مقلد حضرات اسلام کے فروعی مسائل میں جھگڑا کھڑا کرتے رہتے ہیں اور سنت کے نام پر امت میں اختلاف کا بیج بوتے رہتے ہیں، حالانکہ ائمہ مجتہدین نے ان مسائل پر خوب خوب داد تحقیق دی ہے اور اپنی اپنی تحقیق کے موافق جو پہلو جس کے نزدیک صحیح یا اولی تھا متعین کر چکے ہیں۔ آج کل کے لوگوں کو طے کرنے کے لیے کچھ چھوڑا نہیں۔ آپ کے امام صاحب بھی کچھ غیر مقلد یا آزاد ٹائپ کے معلوم ہوتے ہیں، انہوں نے جو حدیثیں آپ کو دکھائیں وہ اصل میں اسی مسئلہ کی تائید میں ہیں جو آپ نے علمائے اہل سنت سے سنا تھا۔ انہوں نے نو کے لفظ سے آپ کو مغالطہ دیا۔

ذیل میں ہم تکبیرات عیدین کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں جس سے یہ غلط فہمی بھی ان شاء اللہ دور ہو جائے گی۔ نماز میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہوئے جو تکبیریں کہی جاتی ہیں ان کو تکبیر انتقالات اور تکبیر اصلی کہا جاتا ہے۔ نماز عید اور بقر عید میں ان کے علاوہ کچھ اور تکبیریں کہنی بھی مسنون ہیں۔ ان تکبیروں کو زوائد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہیں کے بارے میں ائمہ اعلام ومجتہدین کرام میں اختلاف ہے، کوئی کسی تعداد کو افضل بتاتا ہے اور کوئی کسی تعداد کو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں علمائے اسلام سے ۱۲ ر اقوال مروی ہیں۔ لیکن ہم مشہور ائمہ اربعہ کے اقوال بیان کرتے ہیں۔

اقوال ائمہ:

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۲ ر زائد تکبیروں کے قائل ہیں۔ ۷ ر پہلی رکعت میں اور پانچ

دوسری رکعت میں۔(شرح مسلم امام نووی جلداول ۲۹۰)

(۲)امام دارالہجرۃ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۱/زائد تکبیروں کے قائل ہیں۔پہلی رکعت میں چھ اور دوسری رکعت میں ۵/(بدایۃ المجتہد ۱۵۸)(منہاج العابدین جلداول ۳۰۵)

(۳)حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۲/زائد تکبیروں والی روایت بیان کر کے فرمایا أنـا أذهب اليـه میں اسی کی طرف گیا ہوں(مسند احمد بن حنبل جلد۲/ص۱۸۰)اور امام نووی نے گیارہ تکبیریں لکھی ہیں۔ (مسلم جلداول ص۲۹۰)

(۴)امام اعظم وہمام اقدم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دونوں رکعتوں میں کل زائد تکبیریں چھ ہیں۔ (ہدایہ اولین ص/۱۵۳)

تکبیر عیدین کے بارے میں مذاہب ائمہ کی یہی تفصیل عبدالرحمٰن جزیری کی (الفقہ علی مذاہب الاربعہ جلداول ص/۳۰۷/۳۰۸) میں بھی ہے۔

امام شافعی کا مذہب اور حدیث:

امام شافعی کا مذہب:بارہ تکبیروں کی تائید میں ام المؤمنین حضرت عائشہ،حضرت عبداللہ ابن عمر،حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مرفوع روایتیں ہیں،مگر سبھی ضعیف اور نا قابل استدلال۔صرف دو حدیثوں کے بارے میں کچھ بحثیں ہیں۔

الف:كثيـر بـن عبـدالله بـن عـمـرابـن عوف مزني عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كبرفي العيدين في الأولىٰ سبعاقبل القرأةوفي الأخرة خمسا قبل القرأة۔

(ترمذی اول ص/۱۱۹)

ب:عبـدالله بـن عبـدالـرحمن الطائفي يحدث عن عمروبن شعيب عن أبيه عن عبـدالله بـن عـمـرو بـن الـعـاص قـال :قـال الـنبي صلىٰ اللّٰه‌تعالىٰ عليه وسلم :التكبير في الفطرسبع في الأولىٰ وخمس في الأخرة والقرأة بعد كلتيهما۔(ابوداؤد اول ۱۷۹)

دونوں حدیثوں کا مضمون ایک ہی ہے۔کہ عیدین کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہی جائیں۔

پہلی حدیث پر کلام:پہلی حدیث کے راوی کثیر بن عبداللہ پر علمائے حدیث نے شدید جرحیں کی ہیں۔حافظ زیلعی فرماتے ہیں:ان كثيـر بـن عبـدالله عندهم متروك۔کثیر ابن عبداللہ محدثین کے نزدیک متروک ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ان کثیر بن عبداللہ لایساوی شیئا۔وضرب علی حدیثہ فی المسند ولم یحدث بہ۔ کثیر بن عبداللہ کسی لائق نہیں، آپ نے اپنی مسند میں کثیر بن عبد اللہ کی حدیثوں پر خط غلط کھینچ دیا اوراس کی کسی سے روایت نہیں کی۔

حضرت یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: لیس حدیثہ بشیء۔ ان کی حدیثیں کچھ نہیں ہیں۔

نسائی اوردارقطنی نے کہا: متروك الحدیث۔ کثیر بن عبداللہ متروک الحدیث ہیں۔

امام محدث ابوزرعہ فرماتے ہیں: واہ الحدیث۔ کثیر بن عبداللہ کی حدیثیں بیکار ہیں۔

امام شافعی کا فرمان ہے: ھورکن من ارکان الکذب۔ یہ جھوٹوں کا ایک رکن ہیں۔

حضرت ابن حبان فرماتے ہیں: روی عن ابیہ عن جدہ نسختہ موضوعۃ لایحل ذکرھا الاعلیٰ سبیل التعجب۔ یہ اپنے دادا پھر والد سے ایک جعلی کتاب روایت کرتے ہیں جس کا ذکر بطوراظہار تعجب کیا جاسکتا ہے۔ (نصب الرایہ جلد۲ص۲۱۷)

امام ترمذی کی تحسین اوراس پر تبصرہ:

البتہ امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین کی اوراپنی تائید میں اپنے استاذ امام بخاری علیہ الرحمہ کا قول نقل کیا جس کے راوی بھی خود امام ترمذی ہیں۔

لیس فی الباب أصح شیء منہ. اس موضوع پر اس سے زیادہ صحیح حدیث نہیں

(نصب الرایہ جلد۲ص۲۱۸)

لیکن امام ترمذی کی اس تحسین کی علما نے سخت تنقید کی ہے۔ چنانچہ امام زیلعی فرماتے ہیں:

قال ابن دحیۃ فی العلم المشھور کم حسن الترمذی فی کتابہ عن احادیث موضوعۃ اسناد واھیۃ ومنھا ھذا الحدیث (نصب الرایہ حوالہ مذکورہ بالا)

ابن دحیہ نے "العلم المشھور" میں فرمایا کہ امام ترمذی نے کتنی موضوع روایتوں اوربے بنیاد سندوں کی تحسین کی ہے، انہیں روایتوں میں یہ کثیر والی روایت بھی ہے۔

اورحافظ ابن حجر عسقلانی تلخیص الحبیر جلد۲ص۸۵ میں فرماتے ہیں:

وأنکر جماعۃ تحسینہ علی الترمذی. ائمہ کی ایک جماعت نے امام ترمذی کی اس تحسین کا انکار کیا ہے۔

قول امام بخاری کا مطلب:

اورابن (علی بن محمد الحمیری) قطان نے امام بخاری کی تصحیح کی تاویل کی۔ وہ فرماتے

ہیں: هذا ليس بصريح في التصحيح فقوله أصح شيء في هذا الباب أنه أشبه شيء في هذا الباب وأقل ضعفا۔ (نصب الرایہ جلد۲ص/۲۱۷)

ایسے ضعیف اورنا قابل اعتبار راوی کی امام بخاری تصحیح کیسے کرسکتے ہیں، اصح شيء في هذا البـــاب, کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس موضوع پر جتنی حدیثیں مروی ہیں،ضعیف تو سبھی ہیں یہ کچھ غنیمت ہے۔

علامہ ترکمانی فرماتے ہیں:

لايلزم من هذا الكلام صحة هذا الحديث بل المراد أنه أصح شيء في هذا الباب كثيرا ما يريدون بهذا الكلام هذا المعنى۔(جوهر النقي على البيهقي جلد ۳ ص۲۸٦)

امام بخاری کے اس کلام کا مطلب حدیث کثیر کی تصحیح نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس موضوع پر روایت کی جانے والی حدیثوں میں غنیمت ہے،اور ایسے کلام کا یہ مطلب بھی اکثر مراد ہوتا ہے۔المختصر امام ترمذی اور امام بخاری کی مذکورہ تصحیح وتحسین کے بعد بھی حقیقت یہی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔وكثيـــر ضعيف.اور کثیر ضعیف ہیں۔ (تلخيص الحبير جلد ۲ ص ۸۵)

وكثير بن عبد الله ضعفوه جدا بل أتهم بعضهم بالكذب والعجب من البغوى أنه ذكر حديث كثير بن عبد الله۔(مرعات المفاتیح جلد پنجم ص/۴۷)

کثیر بن عبداللہ کی لوگوں نے بڑی تضعیف کی ہے۔بعضوں نے تو انہیں جھوٹا بھی کہا ہے۔امام بغوی پر تعجب ہے کہ انہوں نے استدلال میں کثیر بن عبداللہ کی حدیث کیوں پیش کی۔

دوسری حدیث پر کلام:

دوسری حدیث میں عبد الله بن عبد الرحمان طائفي عن عمرو بن شعيب کا حال بھی کچھ اس سے مختلف نہیں ہے۔

ابوحاتم نے فرمایا:عبد الله ليس بالقوى لين الحديث .عبداللہ لین الحدیث ہیں قوی نہیں ہیں۔

امام نسائی فرماتے ہیں:ليس بقوى يكتب حديثه .عبداللہ قوی تو نہیں مگر ان کی حدیثیں لکھی جائیں۔

ابن ابی مریم نے ابن معین سے روایت کی:ليس به بأس قال البخاری فيه نظر۔

(تہذیب التہذیب جلد۵ص/۲٦۱)

عبداللہ سے روایت میں کوئی حرج نہیں، مگر امام بخاری کو اس سے اختلاف ہے۔

ابن عدی کہتے ہیں: اما سائر حديثه فعن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده فهو ممن يكتب حديثه، قلت ثم خلط من بعده فوهم۔ (میزان حاشیہ زیلعی جلد ۲ ص ۲۱۷)

عبداللہ بن عبدالرحمٰن کی بقیہ حدیثیں عمرو بن شعیب سے مروی ہیں جو قابل تحریر ہیں۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ ان حدیثوں کو بھی دوسروں کی روایتوں میں خلط ملط کر چکے ہیں اور انہیں وہم لاحق ہو گیا ہے۔

صاحب مرعاۃ نے بخاری کے حوالہ سے ان کو مقارب الحديث (لائق قبول) لکھا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ امام بخاری کو ان کے بارے میں ابن معین کے اس قول سے اتفاق نہیں "کہ ان میں کچھ حرج نہیں" تو وہ انہیں مقارب الحدیث کیسے کہیں گے۔

عمرو بن شعیب کی جرح و تعدیل:

اس روایت کے دوسرے راوی عمرو بن شعیب کی بھی جرح و تعدیل دونوں مروی ہے اور ہمارے نزدیک پلہ جرح کا ہی بھاری ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں:

عمر وبن شعيب عن جده ذلك أيضا عندهم ليس بسماع.

(طحاوی جلد دوم ص ر ۳۹۱)

عمروبن شعیب عن جدہ ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک ان کا باہم سماع صحیح نہیں۔

علامہ ابن قطان فرماتے ہیں: وحديث الطائفي أيضا صحيح يحتمل أن يكون من كلام الترمذى وقدعهد منه تصحيح حديث عمرو بن شعيب.

یہ مقولہ کہ طائفی کی حدیث بھی صحیح ہے ممکن ہے کہ ترمذی کا کلام ہو کیونکہ انہیں سے حدیث عمرو کی تصحیح مروی ہے۔ (نصب الرایہ جلد ۲ ص ر ۲۱۷)

علامہ ترکمانی کہتے ہیں:

قلت في حديث عمرو بن شعيب هذا بعد الاضطراب في متنه كما بينه البيهقي ان عبد الله الطائفي متكلم فيه. (بیہقی جلد ۳ ص ر ۲۸۵)

عمرو بن شعیب کے متن میں اضطراب ہے اور اس سند میں عبداللہ طائفی پر بھی علما کو کلام ہے۔

علی ابن المدینی یحییٰ ابن سعید قطان سے روایت کرتے ہیں:

حديثه واه۔ عمرو بن شعیب کی حدیث بے کار ہے۔

اور ابن عیینہ سے روایت کرتے ہیں:

حديثه عند الناس فيه شيء.. علمائے حدیث کے نزدیک ان کی حدیثوں میں عیب ہے۔

عمرو بن علاء کہتے ہیں:

كان يعاب على قتادة عمروبن شعيب أنهما كانا لا يسمعان شيئا الا حدثا به.

عمرو بن شعیب اور قتادہ میں یہ عیب ہے کہ رطب ویابس جو کچھ سنتے سب روایت کر دیتے۔

حضرت میمونی امام احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں:

له أشياء مناكير انما يكتب حديثه يعتبر به . أماان يكون حجة فلا.

یہ منکر حدیثیں بیان کرتے ہیں جو عبرت کے لائق تو ہیں، استدلال کے لائق نہیں۔

وہی امام احمد سے ہی روایت کرتے ہیں:

ربما يحتج بهما وربمايجيء في القلب منه شيء.. کبھی تو ان کی حدیث پر اعتبار ہوتا اور کبھی دل میں اس سے خلش پیدا ہوتی ہے۔

آجری کہتے ہیں:

قلت لأبي داؤد :عمرو بن شعيب عند كم حجة؟ قال :ولانصف حجة۔ میں نے ابوداؤد سے پوچھا عمرو بن شعیب آپ کے نزدیک حجۃ ہیں؟ فرمایا: نصف حجۃ بھی نہیں۔

اور متعدد علمائے حدیث نے عمرو بن شعیب کی تعدیل وتوثیق بھی کی ہے۔ اور اسحاق ابن منصور نے یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں ایک درمیانی راہ اختیار کرنے کی روایت کی ہے۔

اذا حدث عمر وبن شعيب عن ابيه عن جده فهو كتاب ومن ههنا جاء ضعفه واذا حدث عن سعيد بن مسيب أو سليمان بن يسار أو عروة فهو ثقة۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بیان کریں تو ضعیف ہیں اور سعید وسلیمان وعروہ سے بیان کریں تو ثقہ ہیں۔

یہی رائے علی بن المدینی کی بھی ہے۔ ابن عدی اور ابن حبان سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اور خود ابن حجر نے بھی نتیجہ کلام کے طور پر اسی کو برقرار رکھا ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں: قلت: عمروبن شعيب ضعفه ناس مطلقا ووثقه الجمهور وضعفه بعضهم .روايته عن ابيه عن جده حسب .ومن ضعفه مطلقا محمول على روايته عن ابيه فربمادلس مافي الصحيفة بلفظ عن. فاذا قال حدثني أبي فلا ريب في صحته

كما يقتضيه كلام ابى زرعة المتقدم.(تهذيب التهذيب ثامن ص٤٦-٤٧).

میں کہتا ہوں کہ عمرو بن شعیب کو کچھ لوگوں نے مطلقا ضعیف قرار دیا۔ مگر زیادہ تعداد ثقہ کہنے والوں کی ہے۔ اور کچھ لوگوں نے صرف اس روایت کو ضعیف کہا جو انہوں نے عن ابیہ عن جدہ سے روایت کی۔ اور مطلقا ضعیف قرار دینے والوں کا قول بھی اسی روایت پر محمول ہے۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کی روایت میں بسا اوقات تدلیس کرتے ہیں اور لفظ عن کے بعد صحیفہ کی روایت ملا دیتے ہیں۔ اور یہ جب حدثنی ابی کہیں تو اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں، جیسا کہ ابو زرعہ کا قول گذرا۔

ملا علی قاری کی رائے: وكذلك تصحيح البخاری لحديث عمروابن شعيب الذي ذكرناوابی داؤد مع أن الكلام فی هذالطريق مشهود له والحاصل أن الحديث ظاهره الضعف .ولا يصلح للاستدلال والله اعلم بحقيقة الحال (مرقات جلد ۶ ص ۲۵۴)

اسی طرح امام بخاری کا حدیث عمرو بن شعیب کو صحیح قرار دینا۔ جیسے ہم نے حضرت ابوداؤد کے حوالہ سے ذکر کیا حالانکہ اس روایت کی جرح مشہور ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث بظاہر ضعیف ہے اور اس سے استدلال صحیح نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ حدیث زیر بحث ایسی ہی ہے جس کو عمرو ابن شعیب نے عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے تو چاہیئے تو یہ تھا کہ حافظ ابن حجر تہذیب میں دیے ہوئے اپنے فیصلہ کے مطابق اس کو ضعیف ہی قرار دیتے۔ لیکن اپنے ہی فیصلہ کے برخلاف اپنی کتاب تلخیص الحبیر جلد ۲ ص ۸۵ میں اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے حدیث مذکور کے بارے میں فرماتے ہیں:

ورواه احمدوابوداؤد وابن ماجة،والدارقطنی فی حديث عمروبن شعيب عن ابيه عن جده۔وصححه احمد وعلی والبخاری فيماحكاه الترمذی۔

حدیث عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ کو امام احمد ابن حنبل، ابوداؤد، ابن ماجہ، اور دار قطنی نے روایت کیا۔ اور احمد و علی اور حسب روایت ترمذی امام بخاری نے صحیح کہا۔

انا منهم: امام ابن حجر کی اسی تحریر سے شہ پاکر مبارکپور کے ایک غیر مقلد عالم نے اپنی کتاب "مرعاۃ المفاتیح" جلد پنجم ص ۴۷ پر تحریر کیا:

وقد تكلم على هذا الحديث ابن قطان،والطحاوی،وعلامه تركمانی في جوهر النقی ولم يكن حاجة الی ذكر كلامهم ثم الرد عليهم بعد ما صححه أئمة هذا الشان الجهابذة النقاد احمد بن حنبل،علی بن المدينی،والبخاری واحتج به أئمه المجتهدون .

اس حدیث پر ابن قطان، امام طحاوی، اور جوہر النقی میں علامہ ترکمانی نے کلام کیا۔لیکن ان کا کلام ذکر کرکے اسے رد کرنے کی ضرورت نہ تھی، جب کہ امام احمد حنبل،علی اور بخاری جیسے ناقدین فن نے اس حدیث کی تصحیح کی اور ائمہ مجتہدین نے اس حدیث سے استدلال کیا۔

ہماری گزارش: یہ ہے کہ یہ بات خلاف واقع ہے کہ صرف مذکورہ بالا تین بزرگوں نے ہی اس حدیث پر کلام کیا ہے۔اوپر اس حدیث پر کلام کرنے والوں کی لمبی فہرست گذری۔خود امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث کے راوی عمرو بن شعیب پر جرح فرمائی اور مجموعی طور پر تکبیرات عیدین پر بھی رائے ظاہر کی۔راوی پر جرح اوپر مذکور ہوئی۔

حدیث پر کلام مندرجہ ذیل ہے:

قال احمد بن حنبل ليس في تكبيرات العيدين حديث صحيح وانما أخذ مالك بفعل ابى هريرة۔ (تخريج زيلعي جلد ٢/ ٢٠٥)

وانما آخذ فيه بفعل ابى هريرة (فتح القدير ج ٢/ ١٤)

حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا تکبیرات عیدین میں نبی کریم ﷺ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔اسی لیے امام مالک نے اس مسئلہ میں فعل ابو ہریرہ پر عمل کیا۔اور میں بھی حضرت ابو ہریرہ کے فعل پر عمل کرتا ہوں۔

ان صاف اور صریح بیانات کے بعد صرف اس وجہ سے کہ امام احمد نے اپنی مسند میں عمرو بن شعیب کی حدیث درج فرمائی اور کہا کہ وانا اذهب اليه میرا یہی مذہب ہے۔یہ سوچنا کہ جب امام نے اس حدیث کو اپنا مذہب بتایا۔تو لامحالہ اس حدیث کو صحیح مانا اور اسی پر مستقر رہے،تو تصحیح حدیث ان کا آخری قول ہوا۔اور اسی سوچ کو دلیل بنا کر کہنا کہ اس حدیث کی تصحیح امام کا آخری قول ہے۔خواب وخیال سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

عمل مجتہد اور تصحیح حدیث:

کیونکہ کسی ایک امام یا چند مجتہدوں کا کسی حدیث کو اپنا معمول بنا لینا۔اس بات کی ہرگز سند نہیں کہ اصول جرح وتعدیل پر بھی یہ حدیث صحیح ہے۔امام ترمذی نے اپنی سنن میں کتنی ہی حدیثیں لکھ کر تبصرہ کیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔مگر فلاں فلاں امام کا اس پر عمل ہے۔ہم نمونۂ صرف تین مقامات سے ان کے اقوال نقل کرتے ہیں:(۱) هذا الحديث ليس إسناده بذلك القائم والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم۔ (ترمذی جلد اول ص/ ٦)

اس حدیث کی سند درست نہیں ہے لیکن اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔

(۲)هـذا الحديث معلول لم يسنده عن ثور بن يزيد غير الوليد. هذا قول غير واحد من أصحاب النبي ﷺ والتابعين۔وبه يقول مالك و الشافعي وإسحق۔

(ترمذی اول ص/۲۸)

یہ حدیث معلول ہے، ولید کے علاوہ ثور ابن یزید سے اس کو کوئی مسند روایت نہیں کرتا مگر متعدد صحابہ وتابعین اور مالک وشافعی واسحاق کا عمل اسی کے موافق ہے۔

(۳)امام ترمذی نے حدیث "من جمع بين الصلاتين من غير عذر الخ" نقل کرتے ہوئے فرمایا:

خنش هذا ابو علی الرجي وهو خنش بن قيس وهو ضعيف عند أهل الحديث ضعفه احمد وغيره۔والعمل علی هذا عند أهل العلم.

اس حدیث کے راوی خنش ابن قیس رجی ہیں جو اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں، امام احمد وغیرہ نے ان کی تضعیف کی ہے مگر اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔

تو امام احمد یا امام مالک کا یہ کہنا کہ میرا عمل در آمد اس پر ہے۔ان کی طرف سے حدیث کی تصحیح کیسے قرار دی جاسکتی ہے۔نہ علمائے حدیث نے عام طور سے اس کو امام احمد کی طرف سے حدیث عمرو بن شعیب کی تصحیح سمجھا۔ابن قطان کا قول اوپر مذکور ہوا۔مغربی عالم قاضی ابن رشد فرماتے ہیں:

ابن رشد کا بیان:

انما صار الجميع إلى الأخذ بأقاويل الصحابة في هذا المسئلة لأنه لم يثبت عن النبی عليه السلام فيها شیء.(بداية المجتهد ص/۱۵۸)

مسئلہ تکبیرات عیدین میں تمام ائمہ نے صحابہ کرام کے اقوال کو ہی سند بنایا، کیونکہ اس باب میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات پایہ ثبوت کو نہیں پہونچی۔پس حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول "انا أذهب إليه" کا مطلب ان کے اس قول کے خلاف نہیں ہے کہ "اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث نہیں اس لیے عمل قول ابی ہریرہ پر ہے" اور چونکہ حدیث عمرو ابن شعیب اور قول ابو ہریرہ یکساں ہی ہیں اس لیے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ حدیث عمرو بن شعیب پر عمل ہے۔

المختصر اولاً یہی تسلیم نہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تکبیرات عیدین کے بارے میں ایک بار کسی صحیح حدیث کے نہ ہونے کا قول کیا اور ایک بار عمرو بن شعیب کی حدیث کی تصحیح کی اور بالفرض ان کے

اقوال متعارض ہوں تو تقدیم وتاخیر کا فیصلہ قیاس اور اندازے سے نہ ہوگا۔ تقدیم وتاخیر کے ثبوت کے لیے الگ سے روایت ہونا ضروری ہے۔ کہ یہ ایک عام اصول ہے: النسخ لا یثبت بالقیاس۔

علی بن المدینی کی تصحیح:

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصحیح کا حال گذرا۔ علی بن المدینی کی تصحیح کا حال بھی یہی ہے۔ عبداللہ بن عبدالرحمان طائفی کے بارے میں ان سے ضرور یہ روایت ہے کہ وہ ثقہ ہیں، لیکن عمرو بن شعیب کے بارے میں ان سے متضاد روایتیں ہیں۔ وہ یحییٰ ابن سعید اور ابن عتیبہ کے حوالہ سے ان کو واھی الحدیث اور فی حدیثہ شی فرماتے ہیں۔ کبھی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ اور کبھی صرف عن ابیہ عن جدہ کو قابل ترک قرار دیتے ہیں۔ ان متضاد روایتوں کی موجوگی میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے تصحیح کی۔

امام بخاری کی تصحیح: اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصحیح کا حال اور ردی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ ۱۲ر تکبیروں والی سب روایتیں ایسی ہی ہیں جو قابل استدلال نہیں۔ ان میں یہ دو روایتیں جن کی بحث اس وقت چل رہی ہے ان کو بھی نہ تو امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج فرمایا نہ امام بخاری نے، بلکہ امام بخاری نے تو کثیر بن عبداللہ اور عمرو بن شعیب کسی کو اپنی صحیح کے روایوں میں شمار ہی نہیں کیا۔ امام مسلم نے البتہ عمرو بن شعیب کی روایت سے ایک دوسری حدیث اپنی صحیح میں درج کی۔

ہاں دوسرے درجہ کے ائمہ حدیث جیسے امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے جن کا معیار صحت اتنا عالی نہیں ہے اپنی جامعات میں ان حدیثوں کی روایت کی۔ میں ان موخر الذکر محدثین کی بھی کوئی تنقیص نہیں کرتا۔ یہ حضرات نہایت دین دار صالح اور اپنے مذاہب میں نہایت پر جوش اور مخلص تھے۔ لیکن دوسرے علماء وائمہ مذاہب کے اخلاص ودین داری میں بھی تو کوئی کمی نہ تھی۔ اس لیے کسی حدیث کی صحت وسقم کا فیصلہ کسی محدث کے اخلاص کی بنیاد پر کرنا درست نہیں۔

کہنا یہ ہے کہ امام ترمذی نے اپنے تمام تر تقدس اور علم کے باوجود کثیر ابن عبداللہ جیسے ضعیف راوی کی حدیث اپنی سنن میں درج فرمائی۔ اور اپنی دوسری کتاب ''العلل'' میں ان الفاظ میں اس حدیث کی تحسین کی:

سألت محمدا یعنی البخاری عن ھذاالحدیث فقال لیس فی ھذاالباب شیء أصح من ھذا وبه اقول: وحدیث عبداللہ بن عبدالرحمن الطائفی أیضاصحیح۔ والطائفی مقارب الحدیث۔ (نصب الرایه جلد۲/۲۱۷)

امام بخاری محمد بن اسماعیل سے میں نے حدیث کثیر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ

(۱) یہ حدیث اس موضوع کی حدیثوں میں سب سے صحیح ہے۔

(۲) اور اسی حدیث پر میرا عمل ہے۔

(۳) اور عبداللہ طائفی کی حدیث بھی صحیح ہے۔

(۴) اور عبداللہ مذکور مقارب الحدیث ہیں۔

اس عبارت میں امام ترمذی نے ۴ جملے تحریر کیے، پہلا جملہ تو بلا شبہ امام بخاری کا ہے، یہ عبارت کے سیاق سے ظاہر ہے۔ بقیہ تین جملوں میں اختلاف ہے کہ یہ امام بخاری کے جملے ہیں بھی یا نہیں؟ بلکہ یہ جملے امام ترمذی نے اپنی طرف سے کہے۔ چنانچہ

ابن قطان کا تبصرہ: ہے کہ امام بخاری کا مذکورہ بالا جملہ "لیس فی الباب اصح شیء من ھذا" حدیث کثیر بن عبداللہ کی تصحیح نہیں بلکہ صرف یہ بتانا ہے، کہ اس موضوع پر حدیثیں جیسی بھی ہوں یہ حدیث ان میں غنیمت ہے۔ اور یہ جملہ کہ "حدیث طائفی بھی صحیح ہے" امام بخاری کا کلام ہی نہیں۔ امام ترمذی کا قول ہے۔ (کیونکہ ان کی عادت معلوم ہے کہ وہ ضعیف اور ساقط الاعتبار سندوں کی تحسین کرتے رہتے ہیں) طائفی کی حدیث کی تعریف امام ترمذی سے ہی معروف ہے۔

ابن قطان کے ابتدائی تبصرہ سے کسی کو اختلاف معلوم نہیں ہوتا۔ واقعۃً حدیث کثیر بن عبداللہ ایسی ہی ہے کہ وہ کسی تصحیح کے لائق نہیں۔

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ بہ آب کوثر و زمزم سپید نتواں کرد

تبصرہ کے دوسرے جز سے اختلاف:

لیکن دوسرے حصہ کلام سے کچھ لوگوں کو اختلاف ہے۔ صاحب مرعاۃ کا کہنا ہے کہ یہ کلام بھی بخاری کا ہی ہے اور انہوں نے حدیث طائفی کی تصحیح کی ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

بل الظاهر المتعين مافهمه الحافظ ابن حجر أن قوله به اقول من كلام البخارى والمعنى بهذا الحديث أقول: و إليه أذهب، والدليل عليه أن الترمذى ينقل من شيخه البخارى مثل هذا الكلام في الجرح والتعديل وبيان علل الحديث ولا يقول بعد قوله وبه أقول. (مرعاة جلد ۵ ص ۴۷)

ظاہر اور متعین وہی ہے جو ابن حجر نے سمجھا کہ بہٖ اقول امام بخاری کا کلام ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ اسی حدیث کے موافق میرا قول ہے اور میں اسی طرف گیا ہوں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ امام ترمذی اپنے

استاذ امام بخاری سے احادیث کی جرح اور تعدیل اور علتوں کے بیان میں ایسا نقل کرتے رہتے ہیں اور اپنی رائے بہ اقول کہہ کر ظاہر نہیں کرتے۔

اختلاف کا تجزیہ:

ہماری گزارش ہے کہ:

اولا: ابن قطان "مذکورہ بالا عبارت کے تیسرے جملہ جس میں حدیث طائفی کی تصحیح ہے" اس کے قول بخاری ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اور صاحب مرعاۃ کا زور بیان اس بات کو ظاہر کررہا ہے کہ اس عبارت کا دوسرا جملہ بھی امام بخاری کا ہے۔ تو بالفرض صاحب مرعاۃ کا دعوی ثابت بھی ہو جائے تو اس سے ابن قطان کے اس تبصرہ پر کیا اثر پڑے گا۔ کہ حدیث طائفی کی تصحیح بخاری کا نہیں امام ترمذی کا قول ہے۔

ثانیا: امام ترمذی نے اپنے اس اصول کی تصریح اپنی کسی تحریر میں کی ہے کہ میں امام بخاری کی رائے کے ساتھ اپنی رائے ذکر نہ کروں گا؟ یا یہ صرف آپ کا قیاس ہے؟ اور بر تقدیر قیاس اس پر استدلال کی بنیاد رکھنا کہاں تک درست ہے؟

ابن قطان کے مؤید قرائن:

ثالثا: مندرجہ ذیل قرائن اس بات کے شاہد ہیں کہ تیسرے اور چوتھے دونوں ہی جملے امام بخاری کے نہیں اور انہوں نے تو نہ حدیث طائفی کی تصحیح کی نہ ہی خود ان کی تعدیل فرمائی۔

(الف) دوسری حدیث پر کلام کے عنوان سے ہم ذکر کر آئے ہیں کہ یحیی ابن معین نے عبداللہ طائفی کی تعدیل کی، تو امام بخاری نے اختلاف کیا کہ یہ تعدیل قابل اعتراض ہے، اگر بقول ترمذی یہ مان لیا جائے کہ امام بخاری نے انہیں عبداللہ طائفی کی حدیث کی تصحیح کی، تو لازم آئے گا کہ انہوں نے اپنے گزشتہ کلام کی خود ہی تکذیب کی، تو ایسے متعارض اقوال کے قائل کا کیا اعتبار ہوگا۔

(ب) یہ معلوم ہو چکا کہ اسی عبارت کی ابتدا میں امام بخاری نے کثیر بن عبداللہ کی حدیث کو اس موضوع کی تمام حدیثوں سے صحیح بتایا، جس کا مطلب یہی ہوا کہ کثیر بن عبداللہ کی حدیث بقیہ حدیثوں سے افضل ہے۔ اور بقیہ حدیثوں میں حدیث طائفی بھی ہے، اب اگر حدیث طائفی کی تصحیح والا جملہ بھی امام بخاری کا ہی مان لیا جائے تو ان کے کلام میں یہ دوسرا تعارض ہوگا کہ ایک ہی عبارت میں وہ کثیر بن عبداللہ کی حدیث کو بقیہ تمام حدیثوں سے افضل بتاتے اور اسی میں طائفی کی حدیث کو صحیح یعنی حدیث کثیر سے بھی افضل بتاتے ہیں۔

اس لیے ہماری گذارش یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کانٹوں میں الجھانے سے بہتر یہی

ہے کہ ابن قطان کی یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ حدیث طائفی کی تصحیح والا جملہ امام بخاری کا نہیں بلکہ امام ترمذی کا ہے۔ اور یہ بھی مان لیا جائے کہ ۱۲ تکبیروں والی سبھی حدیثیں ضعیف ہی ہیں۔

جرح وتعدیل کا اصول:

اور بالفرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی حدیث کی تصحیح یا کسی راوی کی تعدیل کر ہی دی ہو تو ان کی یہ بات نا قابل تردید نہیں۔ جیسا کہ صاحب مرعاۃ نے لکھا کہ امام بخاری وغیرہ کی تصحیح کے بعد دوسروں کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ امام ابن حجر اپنی گراں قدر تصنیف مقدمہ فتح الباری ص ۳۸۱ میں فرماتے ہیں:

لكل منصف أن يعلم أن تخريج صاحب الصحيح لأي راو كان يقتضي بعدالته عنده. وحينئذ إذا وجدنا لغيره في أحد منهم طعنا بذلك الطعن مقابل لتعديل هذا الامام فلا يقبل إلا مبين السبب مفسر بقادح يقدح في عدالته وضبطه.

ہر منصف کو یہ جاننا چاہئے کہ صاحب صحیح کا کسی راوی کی حدیث کو اپنی صحیح میں درج کرنا اس راوی کی عدالت کو مقتضی ہے۔ تو اگر کوئی دوسرا آدمی اس راوی پر طعن کرتا ہے تو یہ طعن اس امام کی تعدیل کے مقابلہ میں ہے، تو جب تک وہ جرح مبین اور مفسر نہ ہو مقبول نہ ہوگی۔

عمرو بن شعیب پر جرح درست ہے:

ہم دیکھتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کے بارے میں امام طحاوی، محدث ابوزرعہ، ابن قطان، اور ابن حجر مختلف الفاظ میں وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی سماع ثابت نہیں۔ اپنے باپ کی روایت میں بے سنی حدیثیں صحیفہ سے ملا دیتے ہیں، اس لیے ان کے ابیہ عن جدہ کا بھروسہ نہیں۔ اور جب یہ ابیہ عن جدہ روایت کریں تو یہیں سے ضعف پیدا ہوتا ہے۔ پھر حافظ ابن حجر کے متذکرہ اصول کے ماتحت کیوں نہ ان مفسر جرحوں کو قبول کیا جائے اور ان کی ایسی روایتوں کو جس میں ابیہ عن جدہ ہو اس کو ضعیف کہا جائے اگرچہ امام بخاری نے ہی اس کی تصحیح کی ہو۔

کمزور باتیں:

حدیث عمرو بن شعیب کی تائید میں صاحب مرعاۃ نے کچھ اور باتیں بھی کہی ہیں جو طفل تسلی کا حکم رکھتی ہیں۔ مثلا اس حدیث پر ائمہ مجتہدین نے عمل کیا ہے اور عمل مجتہد سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ چھ زائد تکبیروں والی روایت پر بھی تو بہت سے صحابہ کرام، تابعین عظام و مجتہدین فخام نے عمل کیا تو آخر وہ روایت ان سب کے عمل سے تقویت پا کر کیوں قوی نہ ہوگی۔

وہ فرماتے ہیں: امام ابوداؤد نے عمرو بن شعیب کی حدیث کو بلا تبصرہ نقل کیا ہے اور ان کا کسی حدیث کو بلا تبصرہ اپنی صحیح میں داخل فرمانا ان کی طرف سے اس حدیث کی تحسین ہے۔ اس لیے یہ حدیث حسن ہوئی اور اس پر عمل اولیٰ ہوا۔ ہم کہتے ہیں: ٹھیک اسی طرح عمرو بن شعیب کی حدیث کے پہلو میں ہی امام ابوداؤد نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بلا تبصرہ تخریج فرمائی تو آپ کے ہی الفاظ میں یہ حدیث بھی حسن ہوئی اور اس پر عمل بھی اولیٰ ہوا۔

الغرض بات کو جتنا کھنگالا جائے گا بے بنیاد دعوں کی قلعی کھلتی جائے گی اور حقیقت واضح ہوتی جائے گی۔

امام مالک وامام احمد کا مذہب

مالک واحمد رحمہما اللہ کا مذہب اوپر بیان ہوا کہ دونوں بزرگوں کے مذہب میں عیدین کی پہلی رکعت میں چھ زائد تکبیریں اور دوسری رکعت مین ۵ زائد تکبیریں کل گیارہ تکبیریں ہوئیں۔ ان کے مذہب پر ابن رشد اندلسی کا تبصرہ حسب ذیل ہے:

فـذهـب مالك رحمه الله تعالىٰ إلى ما رواه لبن عمر أنه شهد الأضحى والفطر مع ابـى هـريـرة فكبر في الأولى سبع تكبيرات قبل القرأة وفي الأخرى خمسا قبل القرأة ولأن الـعـمـل عنده بالمدينة كان على هذا وبهذا الأثر بعينه أخذ الشافعي إلا أنه تأول في السبع أنـه لـيـس فيهـا تـكبيرة الإحرام كما ليس في الخمس تكبيرة القيام ويشبهه أن يكون مالكا إنما أصاره أن يعد تكبيرة الإحرام في السبع ويعد تكبيرة القيام زائدة على الخمس المروية أن العمل ألقاه على ذلك فكان عنده وجه الجمع بين الأثرو العمل. (البـــدايـــــه أول ص/۱۵۸)

حضرت امام مالک کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر کا اثر ہے۔ کہ میں حضرت ابوہریرہ کے ساتھ عید وبقرہ عید میں شریک ہوا تو ابوہریرہ نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں قبل قرأت اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قبل قرأت پڑھیں اور اس وقت اہل مدینہ کا عمل بھی اسی کے موافق تھا۔ (امام مالک عمل اہل مدینہ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسی اثر پر عمل کیا لیکن پہلی رکعت کی ساتوں تکبیروں کو زوائد قرار دیا۔ وہ فرماتے ہیں: جس طرح دوسری رکعت میں سجدہ سے اٹھتے ہوئے کہی جانے والی تکبیر ۵ زائد تکبیروں میں شمار نہ ہوئی اسی طرح پہلی رکعت کی سات تکبیروں میں تحریمہ شامل نہ ہوگی (اس لیے دونوں رکعتوں میں زائد تکبیریں بارہ ہوئیں)

امام مالک نے اہل مدینہ کا یہ عمل دیکھا کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ سمیت سات تکبیریں کہتے ہیں۔اور دوسری رکعت میں قیام بعد سجدہ کی تکبیر کے علاوہ ۵ تکبیریں کہتے ہیں۔اس لیے یہی غنیمت جانا کہ میرے اس طرز عمل سے اہل مدینہ کی موافقت ہوتی ہی ہے۔فی الجملہ حدیث میں آئے ہوئے عدد کی بھی مطابقت ہو جاتی ہے۔گو دونوں رکعتوں میں فرق کرنا پڑتا ہے۔

اور اسی حقیقت کا بیان حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس بیان میں ہے جس کو ہم نے تخریج زیلعی،اور فتح القدیر،اور تلخیص الحبیر کے حوالہ سے نقل کیا۔کہ میرا اور امام مالک کا عمل کسی حدیث صحیح مرفوع پر نہیں،ہم نے تو حضرت ابو ہریرہ اور ان کے ساتھ نماز پڑھنے والے اہل مدینہ کے عمل کو اپنا معمول بنایا۔اس لیے ہمارے یہاں تکبیرات زوائد کی تعداد گیارہ ہی ہے۔

مگر صاحب مرعات نے صرف اس سہارے پر کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث طائفی کو اپنی مسند میں ذکر کر کے فرمایا کہ''اسی کے موافق میرا عمل ہے''یہ عمارت تیار کر دی: کہ امام احمد نے اس حدیث کی تصحیح کر دی اور امام احمد کے عمل نے اس حدیث کو تقویت پہونچائی اور ان کی تصحیح و تقویت کے بعد امام طحاوی اور ابن قطان جیسے لوگوں کی تنقید کی کوئی اہمیت نہیں۔اگر کسی نے یہ کہا کہ امام احمد اس حدیث کی کیسے تصحیح کر سکتے ہیں وہ تو صاف کہہ چکے ہیں کہ اس موضوع پر کوئی صحیح و مرفوع حدیث ہی نہیں تو یہ جواب دیا کہ یہ پہلے کی بات ہے اور تصحیح حدیث بعد کی۔یعنی بہت دنوں تک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ پتہ ہی نہیں رہا کہ اس موضوع پر ذخیرہ احادیث میں ایک صحیح حدیث بھی ہے اور اخیر میں انہیں حدیث طائفی مل گئی تو اسی کو اپنا مذہب بنا لیا اور پہلے قول کہ''اس موضوع پر کوئی صحیح و مرفوع حدیث ہی نہیں''سے رجوع فرما لیا۔حالانکہ سوال تو یہی ہے کہ حدیث طائفی پر امام احمد کا عمل حقیقۃً کہاں ہوا،حدیث میں تو پہلی رکعت میں سات تکبیروں کا ذکر ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چھ کے قائل ہیں،تو عدد کے چھ اور سات دونوں مراتب ایک کیسے ہو گئے؟اور پھر امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اسی حدیث پر عامل کیسے ہوئے جب کہ وہ رکعت اولی میں آٹھ تکبیریں کہتے ہیں۔

اسی لیے صحیح پوچھئے تو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل اہل مدینہ کے عمل کے موافق ہے اور کسی حدیث کے مطابق ہونے کی ممکنہ تاویل وہی ہے جو ہم نے ابن رشد کے حوالے سے بیان کی۔

الحاصل یہاں تک کی بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جن حدیثوں کو ائمہ ثلثہ کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے اولاً: سبھی ضعیف اور ناقابل عمل ہیں۔ثانیا: حدیث طائفی کے متن میں اضطراب ہے کہ دوسری رکعت میں کچھ راوی پانچ تکبیریں بتاتے ہیں کچھ چار۔ثالثاً: حدیث کی صحت و سقم سے قطع نظر یہی طے نہیں کہ ائمہ

کے عمل کی بنیاد حدیث پر ہے۔ رابعا: بہر تقدیر اس کے مفہوم و مدلول میں اختلاف ہے کہ زائد تکبیریں چھ ہیں یا سات۔

اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اسی پر مالک، اوزاعی، شافعی، احمد واسحاق کا عمل ہے اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے کہ یہ حدیث مرفوع صحیح یا حسن ہے (مرعات جلد پنجم ص/۴۶۔۵۳)

امام اعظم کا مذہب

آپ کے مذہب کا بیان اوپر گذر چکا کہ آپ چھ زائد تکبیروں کے قائل ہیں۔ آپ کی مؤید مندرجہ ذیل مرفوع حدیثیں ہیں:

(الف)عن عبد الرحمٰن بن ثوبان عن ابيه عن مكحول قال أخبرني ابو عائش جليس ابى هريره أن سعيد بن العاص سأل ابا موسى الأشعرى وحذيفة بن اليمان كيف كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكبر في الأضحى والفطر؟فقال ابو موسى: كان يكبر أربعاء تكبيرة على الجنائز فقال حذيفة صدق. فقال ابوموسى : كذلك كنت اكبر في البصرة حيث كنت عليهم.(ابوداؤد جلد اول ص ١٧٠)سكت عنه ابوداؤد ثم المنذرى في مختصره. زواه احمد في مسنده واستدل ابن الجوزى في التحقيق لا صحابنا۔ (نصب الرايه جلد اول ص٢١٤،٢١٥)

عبدالرحمٰن بن ثوبان نے اپنے باپ انہوں نے مکحول سے روایت کی انہوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ کے ہم مجلس ابو عائش نے مجھ سے بیان کیا کہ کوفہ کے گورنر سعید بن العاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حذیفہ بن الیمان سے پوچھا حضور ﷺ عید و بقرعید میں کیسے تکبیر فرماتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ چار تکبیریں جیسے جنازہ پر ایک ساتھ چار تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ حضرت حذیفہ نے ابوموسیٰ اشعری کی تصدیق کی۔ تو ابوموسیٰ بولے کہ جب میں بصرہ میں امیر تھا تو وہاں میں ایسے ہی پڑھایا کرتا تھا۔

ابوداؤد نے اپنی مسند اور مندری نے اپنی مختصر میں یہ حدیث بلا تبصرہ روایت کی۔ امام احمد نے اپنی مسند میں یہ حدیث درج فرمائی اور ابن جوزی نے اپنی کتاب تحقیق میں یہ حدیث حنفیوں کی طرف سے سند میں پیش کی۔

(ب)حدثنا على بن عبد الرحمٰن ويحيى بن عثمان قالا: حدثنا عبد الله بن يوسف عن يحيى بن حمزة قال حدثنى الوضين بن عطاء أن القاسم أبا عبد الرحمٰن حدثه قال حدثنى بعض أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى بنا رسول الله

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم عید فکبر أربعا أربعا. ثم أقبل علینا بوجھہ حین انصرف فقال: لا تنسوا کتکبیر الجنازۃ وأشار باصبعہ وقبض ابھامہ. وھذا حدیث حسن الإسناد وعبد اللہ بن یوسف ویحیی بن حمزۃ والوضین والقاسم کلھم أھل روایۃ معروفون بصحۃ الروایۃ لیس کما روینا الآثار الأول (طحاوی جلد ۲ باب الزیادات)

علی بن عبدالرحمٰن اور یحیی بن عثمان عبداللہ بن یوسف سے روایت کرتے ہیں اور یحیی بن حمزہ سے کہ وضین بن عطاء نے قاسم کے حوالہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے ایک صحابی نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو عید کے دن چار چار تکبیروں سے نماز پڑھائی، سلام پھیرا تو ہماری طرف رخ کر کے فرمایا: یاد رکھنا جنازہ کی طرح چار تکبیریں (ایک ساتھ) ہیں اور انگوٹھا دبا کر چار انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی مشہور و معروف اور اصحاب روایت ہیں، پہلے روایت کی گئی حدیثوں کے راویوں کی طرح نہیں۔

ان حدیثوں سے چھ تکبیروں پر استدلال اس طرح ہے کہ پہلی اور دوسری روایت میں دونوں رکعتوں میں جتنی تکبیریں ایک ساتھ کہی جاتی تھیں اصلی ہوں کہ زائد انہیں کا ذکر کیا اور بقیہ کو چھوڑ دیا۔

چنانچہ حنفی عالم ملا علی قاری مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقات میں فرماتے ہیں:

وکان یکبر في کل رکعۃ أربعا متوالیا والمعنی مع تکبیر الإحرام في الأولی ومع تکبیر الرکوع في الثانیہ تکبیرہ أي مثل تکبیرہ علی الجنائز.

ہر رکعت میں چار تکبیریں مسلسل کہی جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیر احرام بھی چار میں شامل ہے اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع کے ساتھ۔

قال ابن حجر یوخذ منھا أن الأربعۃ منھا تکبیرۃ الإحرام والزوائد ھی ثلاثۃ في کل رکعۃ.

ابن حجر فرماتے ہیں کہ چار تکبیروں میں تکبیر تحریمہ شامل ہے۔ ورنہ زوائد تو ہر رکعت میں تین تکبیریں ہی ہیں۔

ابن حجر ایک جلیل القدر شافعی عالم ہیں، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو فریقین کے نزدیک اربعا مثل الجنازۃ کا مطلب یہی ہے کہ زائد تکبیریں تین ہی ہیں اور یہی بات ابن جوزی کے اس طرز عمل سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث حنفیہ کے استدلال میں پیش کی۔

ہمارا مقصد چھ زائد تکبیروں کی موید تمام حدیثوں کو جمع کرنا نہیں ہے، لیکن یہاں ایک موقوف

حدیث کا ذکر ضروری ہے جس کا حوالہ دے کر سائل کے امام صاحب نے انہیں مغالطہ دیا۔

حدثنا هيثم انا مجالد عن الشعبي عن مسروق قال كان عبد الله بن مسعود يعلم التكبير في عيدين تسع تكبيرات خمس في الأولى وأربع في الآخرة يوالى بين القرأتين في الأولى تكبيرة الإفتتاح والتكبيرات الزوائد وتكبيرة الركوع والأربع في الركعة الأخيرة، التكبيرات الثلث الزوائد وتكبيرة الركوع.(بنايه عيني جلد ٢ ص٨٦٤)مصنف ابن شيبه مجملا ومفصلا جلد٢ ص١٧٢)مصنف عبد الرزاق جلد٣ص٢٩٤)

ہشیم نے مجالد سے انہوں نے امام شعبی سے وہ مسروق سے حضرت ابن مسعود کا قول روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود ہمیں تعلیم دیتے تھے کہ عیدین میں کل نو تکبیریں ہیں۔ پانچ پہلی رکعت میں اور چار آخری رکعت میں، دونوں رکعتوں کی قرأت میں تکبیر زوائد کا فصل نہ ہوگا۔

پہلی میں تکبیر افتتاح تین تکبیر زوائد اور تکبیر رکوع اور دوسری رکعت کہ چار میں تین زوائد اور تکبیر رکوع۔

امام ترمذی نے اپنی سنن میں اسی روایت پر حسب ذیل تبصرہ فرمایا:

وقد روى عن غير واحد من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نحو هذا.وهو قول أهل الكوفة.وبه يقول سفيان الثوري.(ترمذی جلد اول ص ١٢٠)

ایسا ہی رسول اللہ ﷺ کے متعدد صحابہ سے مروی ہے، یہی اہل کوفہ کا مذہب ہے اور اسی کے سفیان ثوری قائل ہیں۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے اپنی سنن جلد۳ ص۲۹۱ میں ذکر کیا۔ یہیں سے آپ کے امام صاحب کی مغالطہ دہی ثابت ہوتی ہے کہ جس حدیث کو علمائے اسلام بالاتفاق چھ زائد تکبیروں کا ثبوت قرار دیں انہوں نے اسی کو نو زائد تکبیروں پر ڈھالا۔ شاید ایسے ہی لوگوں کے لیے اقبال نے کہا ہے:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اب ہم پھر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تائید کرنے والی حدیثوں کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ پہلی حدیث پر امام زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ذکر ہو چکا۔ امام ابوداؤد و منذری نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی تخریج کی اور اس پر سکوت کیا۔ یہ ان دونوں اصحاب الحدیث کی طرف سے اس حدیث مرفوع ہونے کی تحسین ہے۔ دوسری حدیث کے بارے میں امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن الاسناد ہے، اس کے تمام راوی اہل روایت اور معروف بہ صحت ہیں، پہلے

آثار کے راویوں کی طرح ان راویوں میں ضعف نہیں ہے۔ یہ امام طحاوی کی طرف سے دوسری حدیث کی تحسین ہے۔

لیکن شوافع اور ان کے ہم نواؤں نے ان حدیثوں کے راویوں پر جرح بھی نقل کی ہے۔ پہلی روایت کے دو راویوں عبدالرحمٰن بن ثوبان اور ابو عائش پر۔ اور دوسری روایت کے بھی دو راویوں وضین ابن عطاء اور قاسم ابن عبدالرحمٰن پر۔ اور اب ہم بالترتیب ہر ایک راوی پر کی گئی جرح اور تعدیل نقل کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ثوبان:

ابن معین نے فرمایا: عبد الرحمٰن بن ثوبان ضعیف۔ عبدالرحمٰن بن ثوبان ضعیف ہیں۔
(بیہقی سوم ص ۲۹۰)

ابوزرعہ نے فرمایا: عبد الرحمٰن بن ثوبان لین۔ عبدالرحمٰن نرم ہیں۔ (بیہقی سوم ص ۲۹۰)

امام احمد نے فرمایا: احادیثه منکر۔ ان کی حدیثیں منکر ہیں۔ (بیہقی سوم ص ۲۹۰)

بعد کے لوگوں مثلاً نسائی، صالح ابن محمد، ابن خراش وغیرہ نے مذکورہ بالا آراء کو دہرایا ہے۔ لیکن انہیں حضرات اور دیگر ائمہ سے ان کی تعدیل مروی ہے۔ مثلاً

عن ابن معین أنه صالح۔ ابن معین ہی فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن صالح ہیں۔
(تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۳۷)

ما ذکره ابن معین الا بخیر وفي رواية لا باس به. صاحب کمال نے عباس سے روایت کی کہ ابن معین نے ابن ثوبان کا ذکر جب بھی کیا بھلائی کے ساتھ ذکر کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں۔ (ترکمانی جلد ۳ ص ۲۹۰)

اس طرح ابوزرعہ سے بھی ابن ثوبان کی تعدیل مروی ہے۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

قال ابو زرعة ليس به باس.

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر جرح فرمائی کہ ان کی "حدیثیں منکر ہیں" تو علی ابن المدینی ان کی تعدیل کرتے ہیں۔

أما علی فکان حسن الرائ فيه قال ابن ثوبان رجل صدوق لا بأس به وقد حمل عنه الناس۔ (تهذيب التهذيب جلد ٦ ص/ ١٣٧ ترکمانی جلد سوم ص/ ٩٠)

علی بن المدینی کی رائے ان کے بارے میں اچھی تھی۔ فرماتے ہیں کہ ابن ثوبان سچے آدمی

تھے اور لوگوں نے ان سے روایت کی ہے۔ اور ان میں کوئی حرج نہیں۔

حافظ زیلعی فرماتے ہیں:

عبد الرحمٰن ابن ثوبان وثقه غير واحد. (زیلعی جلد اول ص ۲۱۵)

عبد الرحمٰن ابن ثوبان کو بہت سے علما نے ثقہ بتایا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

قال عثمان الدارمی عن دحیم ثقة یرمی بالقدر وقال ابو حاتم ثقة یشوبه شیء من القدر تغیر عقله آخر حیاته وهو مستقیم الحدیث.

وقال ابوداؤد وكان فيه سلامة ليس به بأس وكان مجاب الدعوة. وذكره ابن حبان في الثقات۔ (تهذيب التهذيب ششم ص ۱۳۷)

عثمان دارمی دحیم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ لوگ ان پر قدر کا الزام رکھتے تھے۔ یہی ابو حاتم کا کہنا ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آخری زندگی میں ان کی عقل میں تبدیلی آگئی تھی اور ان کی حدیثیں درست ہیں۔

ابوداؤد نے فرمایا کہ ان میں سلامتی تھی، ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں وہ مستجاب الدعواۃ تھے، ابن حبان انہیں ثقات میں شمار کرتے تھے۔

مذکورہ بالا تفاصیل کی روشنی ہر ذی علم فیصلہ کرسکتا ہے۔ کہ جرح کے مقابلہ میں تعدیل کے الفاظ کس کثرت اور وسعت کے ساتھ وارد ہوئے ہیں۔ اور یوں بھی جرح کے مقابلہ میں تعدیل کا وزن زیادہ ہوتا ہے۔

ابو عائش:

ان کے بارے میں صرف ابن حزم اور یحییٰ ابن سعید قطان کا یہ قول مروی ہے کہ مجھول لا أعرف یہ مجہول الحال ہیں مجھے ان کا حال معلوم نہیں۔ لیکن حافظ ابن حجر تقریب التہذیب ص۴۰۳ میں فرماتے ہیں:

ابو عائشه ـ الاموی مولا هم جليس ابی هريرة مقبول من الثانية۔

ابو عائشہ اموی بنو امیہ کے غلام تھے۔ حضرت ابو ہریرہ کے ہم نشین ہیں مقبول ہیں طبقہ ثانیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس طرح ابو عائش کی جہالت کا قصہ بھی پاک ہوا اور مقبول بھی ہوئے۔ اور راویوں کے طبقہ ثانیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اب ہم دوسری حدیث کے راویوں کا حال بیان کرتے ہیں۔

وضین: دوسری حدیث کے راوی وضین ابن عطا کو ترکمانی صاحب جوہر النقی نے "واہ" کہا

(مرعات جلد ۵؍۴۷)

ابن قانع اور ابن معید نے کہا: ضعیف في الحدیث: وضین حدیث میں کمزور ہیں

(حوالہ مذکورہ بالا)

حافظ ابن حجر نے "صدوق" کہا لیکن حافظہ کمزور بتایا۔

لیکن حافظ نے ہی مخرج جلد اول ۱۰۱ میں فرمایا کہ امام احمد بن حنبل نے ان کی توثیق کی ہے۔

ابن معین فرماتے ہیں:

فلا باس به وثقه غير واحد. ان میں کوئی حرج نہیں متعدد علما نے انہیں ثقہ کہا ہے۔

تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں:

احمد بن حنبل، ابن معین اور دحیم انکو ثقہ بتاتے ہیں۔ ابوداؤد نے انہیں صالح الحدیث کہا۔ اور ابن عدی نے کہا ان کی حدیث میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

اور ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔ لیکن سننے کی بات یہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں وضین کی روایت سے ایک حدیث اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں نقل کی۔

عن الوضين بن العطاء قال اخبرني سالم بن عبد الله عن ابن عمر أنه كان يفصل بين شفعته ووتره بتسليمة. (جلد اول ص ۱۶۴)

وضین نے سالم انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا کہ آپ وتر کی دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان سلام سے فصل کیا کرتے تھے۔

یہ اثر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق ہے۔ تو امام ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب فتح الباری جلد ۲ ص ۳۸۶ میں امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مروی اسی حدیث کو قوی بتاتے ہیں۔ الفاظ ان کے یہ ہیں:

وروى الطحاوي من طريق سالم بن عبدالله ابن عمر عن ابيه أنه كان يفعل بين شفعه ووتره بتسليمة وإسناده قوي.

امام طحاوی نے سالم بن عبد اللہ کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل روایت کیا کہ وہ وتر میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پڑھتے پھر ایک رکعت علیحدہ پڑھتے، اس حدیث کی سند قوی ہے۔

سبحان اللہ وہی وضین ابن عطاء جب مذہب شافعیہ کے موافق کوئی روایت کریں تو ثقہ ہیں اور

ان کی روایت قوی ہے۔اور جب احناف کے موافق کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو ان کا حافظہ کمزور ہوجاتا ہے اوران پر قدر کا الزام عائد ہوتا ہے اور وہ حدیث قابل استدلال نہیں رہتی۔

انصاف کا یہ دوہرا معیار علمائے شوافع اور ان سے پٹے ہوئے علمائے اہل حدیث کے یہاں اکثر نظر آتا ہے۔صاحب مرعاۃ نے تکبیر عیدین میں وضین کی روایت کا حوالہ دے کر بڑے جھٹکے سے فرمایا تھا کہ امام طحاوی نے اس حدیث کی تحسین کی تو اس سے دھوکہ میں نہ پڑا جائے۔

فإنه ليست عادته نقد الحديث كنقد أهل العلم ولم يكن له معرفة بالإسناد كمعرفة أهل العلم۔ (مرعاة جلد ۵ ص/۴۷)

حدیث پرکھنے کی امام طحاوی کو ایسی عادت نہیں جیسی اہل علم کو ہے اور انہیں اہل علم کی طرح سند کی معرفت بھی نہیں۔

پس کیا خیال ہے حضرت حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کے بارے میں، کیا یہ بھی فتح الباری میں اہل علم کی طرح سند پرکھنے میں علم سے بے خبر ہوگئے تھے؟

قاسم ابو عبدالرحمٰن:

ابن حبان کے حوالہ سے ان کو معضلات کا راوی بتایا گیا ہے۔لیکن حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے تہذیب ص/۲۰۷ میں ان کے حال میں تحریر فرمایا:

قاسم بن عبدالرحمٰن الدمشقي ابوعبدالرحمن صاحب ابی امامه صدوق يرسل كثيراً من الثالثه مات سنة اثنى عشر (ص ۲۰۷)

قاسم بن عبدالرحمٰن دمشقی ابو عبدالرحمٰن حضرت ابو امامہ کے ساتھی بہت سچے ہیں۔البتہ مرسل حدیثیں زیادہ روایت کرتے ہیں۔طبقہ ثالثہ سے تعلق رکھتے ہیں۔۱۲ھ میں انتقال ہوا۔

اور یہاں مجوزہ حدیث تو مرفوع ہے کہ صحابی کے بیان کرنے کی روایت میں تصریح ہے۔نام کی تنصیص اس لیے ضروری نہیں کہ سارے صحابہ بحکم حدیث عادل ہیں۔تو ان میں جس سے بھی روایت ہو قابل قبول ہی ہے۔

احناف کی حدیثیں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کی مؤید حدیثوں کے بیان میں امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مرفوع حدیث ہم نقل کرآئے ہیں۔کہ حاکم کوفہ سعید بن العاص نے ان دونوں بزرگ صحابہ سے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے نماز عید کا طریقہ دریافت کیا۔تو ان دونوں بزرگوں نے اطلاع دی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چار تکبیریں ادا فرماتے تھے۔

تقریبا اس مضمون کی ایک دوسری حدیث حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفا مروی ہے۔کہ حضرت ابن مسعود کی محفل میں حضرت ابوموسی اور حضرت حذیفہ حاضر تھے کہ سعید ابن العاص نے ان حضرات صحابہ سے نماز عید کا طریقہ پوچھا۔موخر الذکر دونوں بزرگوں نے حضرت ابن مسعود پر ٹالا تو انہوں نے نماز عید کا طریقہ بتایا کہ پہلی رکعت میں چار تکبیر کہہ کر قرأت شروع کرو پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع میں جاؤ۔دوسری رکعت میں پہلے قرأت کرو پھر چار تکبیر کہہ کر رکوع میں جاؤ۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں کچھ باتیں مشترک ہیں اور کچھ کم وزائد۔مثلا پہلی روایت مرفوع ہے اور دوسری موقوف۔پہلی روایت میں ابوموسی اشعری اور حضرت حذیفہ کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود بھی موجود تھے۔اسی طرح پہلی روایت میں دونوں رکعتوں میں چار،چار تکبیروں کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں پہلی رکعت میں پہلے چار پھر رکوع کے لیے کل پانچ اور دوسری رکعت میں رکوع سمیت چار تکبیریں۔

ان دونوں حدیثوں کی جو دیکھے گا یہی فیصلہ کرے گا کہ یا تو یہ دو الگ الگ واقعات سے متعلق دو حدیثیں ہیں۔یا ایسا ہوا کہ سعید بن العاص نے ان تینوں حضرات کو اسی ضرورت کے لیے بلایا۔پہلے ابو موسی وحذیفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پہونچے ان کے سامنے مسئلہ آیا تو حضرت ابوموسی نے اس کے جواب میں وہ مرفوع حدیث سنادی۔بعد میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہونچے تو سعید نے پھر وہی سوال درمیان میں رکھا۔تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری نماز عید کا طریقہ زائد تکبیروں کے ساتھ بیان کردیا۔محدثین کرام عام طور سے ایسی حدیثوں کے سلسلہ میں جہاں اس قسم کا اختلاف ہو،ایسی ہی توجیہ کرتے ہیں کہ یہ حدیثیں متعدد واقعات سے متعلق ہیں۔چنانچہ علامہ ترکمانی اپنی تصنیف "جوہر النقی علی البیہقی جلد تین ص۲۸۹/۲۹۰ میں فرماتے ہیں:

مذهب التحقيق أن الحكم للرافع لأنه زاد۔ اما جواب أبي موسى فيحمل أنه تأدب مع ابن مسعود مرة،وكان عنده حديث عن النبي صلى الله عليه وسلم فذكره مرة اخرى۔

اہل تحقیق کا مذہب یہی ہے کہ جب کوئی حدیث موقوف مروی ہو،اور کوئی اس کو مرفوع روایت کرے تو مرفوع روایت کرنے والے کی بات تسلیم کی جاتی ہے۔اس لیے کہ اس نے ایک زائد بات بتائی

رہ گیا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مختلف طرزعمل تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں انہوں نے ان کے ساتھ ادب ملحوظ رکھا اور خود جواب نہ دیا۔ اور دوسرے موقع پر جب وہ موجود نہ تھے انھوں نے حدیث مرفوع خود ہی بیان فرمادی۔

الغرض یہ دونوں ہی باتیں درست ہیں۔ کہ اس باب میں حدیث مرفوع بھی ہے اور حضرت ابن مسعود کا فتویٰ بھی ہے۔ پھر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فتویٰ بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہی ہے۔ کہ یہ اصول سب کے نزدیک مسلم ہے کہ صحابی کا ایسا قول جو امور قیاسیہ سے تعلق نہ رکھتا ہو حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

نورالانوار میں ہے: وقول الصحابی فیمایعقل ملحق بالقیاس وفیما لایعقل ملحق بالسنۃ۔ (نورالانوار ص۹)

صحابی کا وہ قول جو عقل وقیاس سے تعلق رکھتا ہو قیاس کے حکم میں ہے اور جو غیر قیاسی ہو وہ سنت کے ساتھ ملحق ہے۔

اور مسئلہ تکبیر عیدین میں بھی متعدد ائمہ حدیث کا یہی کہنا ہے کہ یہ مسئلہ قیاس سے تعلق نہیں رکھتا۔

قلت ھذالایثبت بالرائی قال ابو عمر فی التمھید مثل ھذالایکون رایا۔ولایکون الاتوقیفا لانہ لافرق بین سبع واقل واکثر من جھۃالرائی والقیاس. وقال ابن رشدفی القواعدمعلوم أن فعل الصحابۃ فی ذلک توقیف اذلا یدخل القیاس فی ذلک۔

(جوھر النقی علی البیھقی جلد ۳ ص ۲۹۱)

میں کہتا ہوں کہ تکبیر عیدین کا مسئلہ رائے سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ ابوعمر نے تمہید میں فرمایا: ایسی بات قیاس سے نہیں ہوسکتی بلکہ حضور سے سن کر ہی کہی جاسکتی ہے۔ کیونکہ رے یا کم اور زیادہ میں از روئے روئے قیاس کوئی فرق نہیں۔ ابن رشد نے کہا ایسے مسئلہ میں فعل صحابہ بھی تعلیم رسول کے ہی حکم میں ہے کہ اس میں قیاس کو دخل نہیں۔

امام ابن ہمام فرماتے ہیں:

ومثل ھذایحمل علی الرفع لأنہ مثل عدد الرکعات۔

(فتح القدیر جلد ۲ ص ٤٤)

تکبیر میں اثر ابن مسعود رفع کے حکم میں ہے۔ کہ یہ نماز کی رکعتوں کے مثل ہے (کوئی شخص عصر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت میں کیا عقلی فرق بتا سکتا ہے)

مگر امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کو شوافع کا بیرسٹر کہا جاتا ہے، ان سارے اصول وضوابط سے قطع نظر فرما کر پہلے تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع نہیں۔ یہ تو دراصل ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

خولف فی رویتہ فی موضعین فی رفعہ وفی جواب ابی موسیٰ .والمشہور انہم اسندوہ الی ابن مسعود فافتاہم بذلک ولم ینسبہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(بیہقی جلد ۳ ص ۲۹۰)

اس حدیث کی روایت میں دو جگہ مشہور کے خلاف بیان کیا گیا۔ حدیث کو موقوف کے بجائے مرفوع بیان کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ حضرت ابو موسیٰ نے سعید کا جواب دیا حالانکہ مشہور یہ ہے کہ ابو موسیٰ اور حذیفہ نے جواب کو ابن مسعود پر ٹالا اور انھوں نے اپنی طرف سے فتویٰ دیا، اس بات کو حضور کی طرف منسوب نہیں کیا۔

دوسرا مقدمہ یہ ظاہر فرمایا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکبیر عیدین کا مسئلہ بتاتے ہوئے حدیث رسول کی ترجمانی نہیں کی بلکہ اپنی رائے ظاہر فرمائی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ضعیف حدیث بھی ہو تو دوسرے کے قیاسی فتویٰ سے افضل ہے۔

ھذا رأی من جھۃ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والحدیث المسند مع ماعلیہ عمل المسلمین اولیٰ أن یتبع۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

حالانکہ ادنی تامل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کہ سعید کے سوال کے جواب میں ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حدیث رسول بیان کی۔ اور ایک بار ابن مسعود پر ٹالا اور انھوں نے نماز عید کا پورا طریقہ بتادیا۔

اسی طرح جب واقعہ یہ ہے کہ تکبیرات عیدین کا مسئلہ قیاسی نہیں۔ جیسا کہ ابو عمر، ابن رشد۔ اور ابن ہمام کی عبارتوں سے ظاہر ہوا۔ تو یہ کہنا کہ ابن مسعود نے یہ فتویٰ اپنی رائے سے دیا تحکم بھی ہے اور بڑی زیادتی بھی۔

خلاصہ کلام:

اس طویل علمی وفنی بحث پر غائرانہ نگاہ ڈالی جائے، تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

(۱) عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد کے مسئلہ میں ابن رشد نے اجمالا، اور امام عینی نے تفصیلا بارہ مذاہب کا ذکر کیا۔ جس میں نو زائد تکبیر کا کوئی مذہب ہی نہیں۔ اس لیے آپ کے امام صاحب کی یہ

جدت پسندی بہرحال مستحسن نہیں۔اوراس کے ثبوت میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معھود اثر ترمذی یا بیہقی کے حوالہ سے پیش کرنا ان کی مغالطہ اندازی ہے۔

(۲)ائمہ اربعہ میں امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما دونوں رکعتوں میں مجموعی طور پر گیارہ زائد تکبیروں کے قائل ہیں۔اورامام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارہ زائد تکبیروں کے۔اورامام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چھ زائد تکبیروں کا قول کیا۔

(۳)اول الذکر دونوں اماموں کے مذہب کی بنیاد کسی مرفوع حدیث پر نہیں،انھوں نے اپنے مذہب کی بنیاد قول وفعل صحابہ پر رکھی ہے۔جب کہ موخرالذکر دونوں اماموں کے مذہب کی تائید میں علیحدہ علیحدہ مرفوع وموقوف حدیثیں بھی ہیں اور صحابہ وتابعین کے افعال واقوال بھی۔

(۴) بعض لوگوں کا دعوی ہے کہ اول الذکر اماموں کے مذہب کی بنیاد بھی اسی حدیث پر ہے جس پر امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کی بنیاد ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث میں مذکورہ بارہ کی بارہ تکبیروں کو زائد ہی قرار دیا۔اور امام مالک اور امام احمد نے ان میں سے ایک کو تکبیر تحریمہ گردانا۔اس لیے ان کے یہاں صرف گیارہ تکبیریں زائد ہوئیں۔

(۵) متعدد علما کا کہنا ہے۔کہ تکبیرات عیدین کی تعداد کے سلسلہ میں کوئی صحیح اور مرفوع حدیث ہے ہی نہیں۔تمام ائمہ نے صحابہ کے ہی اقوال وافعال کو اپنا معمول بنایا۔چنانچہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جناب عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کی ،امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قول ابن عباس کی۔اور بقیہ دونوں اماموں نے فعل ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی۔

(۶) بارہ تکبیروں کی تائید میں متعدد مرفوع اور موقوف حدیثیں اقوال واعمال صحابہ وتابعین ہیں۔اسی طرح چھ تکبیروں کی تائید میں بھی مرفوع اور موقوف حدیثیں،اقوال واعمال صحابہ وتابعین ہیں۔اور واقعہ یہ ہے کہ طرفین کی حدیثوں پر جرح وتعدیل کی گئی ہیں۔بارہ تکبیروں کی روایتیں تعدد وتکثر کے باوجود ضعیف اور نا قابل استدلال ہیں۔صرف ایک حدیث کے لیے موئدین کا اصرار ہے کہ صحیح یا حسن ہے۔چھ تکبیروں والی ۲/مرفوع حدیثیں بھی متعدد علمائے حدیث کے نزدیک صحیح ہیں۔

(۷)اس سلسلہ میں طرفین کی پوری بحثیں ملاحظہ کرنے کے بعد جنبہ داری کا احساس ہوتا ہے۔جیسے راوی حدیث عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں حضرت ابن حجر علیہ الرحمہ کا ایک اصول طے کرنا۔اوراس کے خلاف ان کی روایت کی تائید وتوثیق کرنا۔یا حضرت وضین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر ضعف حافظہ کی جرح کرکے انہیں کی اس روایت کی توثیق اور تائید وتقویت کرنا جو مذہب شوافع کے

موافق ہے۔یا امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یک طرفہ یہ حکم لگانا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے چھ زائد تکبیروں کا مسئلہ اپنی رائے سے بتایا۔

حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ امام بخاری و مسلم کے اصول صحت پر پوری اترنے والی طرفین میں سے کسی کی حدیث نہیں۔اور اس معیار سے اتر کر راویان حدیث کا باہمی مقابلہ کیا جائے تو حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ رائے مبنی پر انصاف ہے کہ بارہ تکبیر کے راویوں کی حالت زیادہ سقیم ہے۔اور ان کی بہ نسبت چھ تکبیر کے راویوں کی حالت اچھی ہے۔


(۸) رہ گئیں اس قسم کی تقویتیں کہ فلاں محدث نے اس روایت پر سکوت کیا۔یا فلاں مجتہد نے اس حدیث پر عمل کیا۔یا ضعیف روایتیں ایک دوسرے کی تقویت پاکر درجہ حسن تک پہونچ جاتی ہیں۔یا اس پر عام مسلمانوں کا عمل درآمد ہے تو ایسی ترجیحات دونوں طرف ہیں۔

(۹) غالبا اسی لیے کسی امام مجتہد نے اپنی پسند کی صحت پر اصرار اور دوسرے طریقہ کا مطلقا انکار نہیں کیا۔بلکہ ہر امام نے اپنے طریقہ کو صرف افضل بتایا۔اور دوسرے طریقہ پر عمل کی بھی بعض صورتوں میں گنجائش رکھی۔

پس صورت مسئولہ میں اگر کسی نے نو زائد تکبیروں کی ساتھ نماز پڑھادی تو نماز تو ہوگئی۔مگر امام صاحب کو ایسا چاہئے نہیں تھا۔جب عام مسلمان چھ زائد تکبیروں کے ساتھ ہی نماز عید ادا کرتے ہیں تو اس کے خلاف ایک نیا طریقہ نکال کر مسلمانوں میں فتنہ وفساد کی بنیاد نہ ڈالنی چاہئے۔

بلکہ عام طور سے موجودہ عہد کے لیے ہماری رائے تو یہ ہے کہ اس قسم کے اختلافی مسائل میں ہر امام کے مقلد اپنے اپنے امام کے مذہب کے موافق عمل درآمد کریں اور کسی فرقہ کے لوگ دوسرے فرقہ کے لوگوں کو اپنے مذہب کے موافق عمل کرنے پر مجبور نہ کریں اور عوام کو بھی چاہئے کہ کسی کو امام رکھتے وقت خوب ٹھونک بجالیا کریں تاکہ بعد میں فساد نہ پیدا ہو۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم۔گھوسی ضلع مئو ۷ر رمضان ۱۴۱۴ھ


لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006